مولانا رحیم بخش دہلوی

حیاتِ ولی

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ طیبہ۔ بلال گنج۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ ولی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور انکے آباؤ اجداد اور اولاد و اساتذہ حرمین کا مبسوط تذکرہ!

مصنفہ

مولانا حافظ محمد رحیم بخش مرحوم دہلوی

ناشر

مکتبہ طیبہ بلال گنج لاہور

طابع ———————— احمد نفقیؔ

ناشر ———————— مکتبہ طیبہ لاہور

مطبع ———————— دین محمدی پریس لاہور

بار ———————— سوم

تاریخ طباعت ———————— ستمبر ۱۹۷۲ء

قیمت ———————— 60/.. روپے

فہرست مضامین

پہلا حصّہ

دوسرا حصہ

تیسرا حصہ

چوتھا حصہ

فہرست مضامین نوٹ جو کتاب کے ضروری مقامات پر لکھے گئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی

حضرت مولینا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت ہستی اگرچہ اب ایسی غیر معروف نہیں رہی لیکن آپ کے تفصیلی حالات سے عموماً وہ واقفیت نہیں جس کی ضرورت ہے۔ آج سے قریباً نصف صدی قبل اس کی اہمیت کو محسوس کر کے مولانا حافظ محمد رحیم بخش دہلوی مرحوم نے نہ صرف حضرت شاہ صاحب کے بلکہ آپ کے آباؤ اجداد، اساتذہ حرمین و اولاد امجاد تک کے مفصل تذکرے "حیات ولی" کے نام سے لکھے تھے۔ جہاں تک اندازہ ہے، حضرت شاہ صاحبؒ پر یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک مبسوط کتاب ہے اور استناد میں بھی اس کا اچھا خاصہ مرتبہ ہے۔ کیونکہ مصنّف کی بعض ایسے ماخذوں پر نظر ہے جن کا اس وقت حاصل ہونا مشکل ہے۔

شاہ صاحب کے آباؤ اجداد اور اساتذہ حرمین کے جو حالات اس کتاب میں ہیں، ان کا ماخذ زیادہ تر شاہ صاحب کی تصنیف مجموعہ انفاس العارفین ہے۔ جس سے فارسی میں ہونے کی وجہ سے اردو دان طبقہ مستفید نہیں ہو سکتا تھا۔ مصنّفؒ نے ان کو اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اساتذہ حرمین کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب پر ان کا کتنا اثر ہے۔ کتاب کے حواشی میں مصنّفؒ نے بعض بہت ہی قیمتی معلومات مہیا کی ہیں۔

طویل عرصے سے یہ کتاب نایاب تھی ۱۳۷۴ھ میں اس کو دوسرا ایڈیشن مکتبہ سلفیہ لاہور نے شائع کیا تھا۔ مگر آج کل پھر یہ کتاب بالکل ختم ہو چکی تھی۔ اصحاب ذوق و تحقیق کے پاس خاطر کے لیے ادارہ ترجمان السنّہ اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کر رہا ہے وباللہ التوفیق۔

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیفات کے سلسلے میں مصنّف مرحوم کی ترتیب زیر نظر اشاعت میں بدل دی گئی ہے۔ مصنّفؒ نے تالیفات کو فن وار مرتب نہیں کیا تھا، اب سہولت کے لیے فن وار مرتّب کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مصنّفؒ نے بعض تصانیف کے نام غلط تحریر فرمائے تھے (مثلاً فوز الکبیر شرح فتح الکبیر ص ۲۹۸ طبع سابق) ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ امید ہے اس جزوی ترمیم کو اصحاب نظر پسند فرمائیں گے۔

مولانا حافظ محمد رحیم بخش مرحوم بڑے صاحب علم بزرگ تھے۔ ان کی تصنیف اعظم التفاسیر سے

(جس کے بعض حصص ہماری نظر سے گذرے ہیں) ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولانا رح کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی مشہور کتاب الحقوق و الفرائض کے طبع اوّل کے دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم بھی اس کتاب کی تصنیف میں ڈپٹی صاحب رح کے شریک کار تھے۔ آپ کی ایک تحریر وہ اردو ترجمہ بھی ہے جو شاہ ولی اللہ رح ہی کے رسالہ تحفۃ الموحدین کا آپ نے کیا ہے۔ "حیات ولی" کے علاوہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات پر "حیات عزیزیہ" بھی آپ نے تحریر فرمائے تھے۔ وہ کتاب بھی ہماری نظر سے نہیں گذری، اندازہ ہے کہ بڑی جامع تصنیف ہوگی۔

اس قسم کی کتابیں پیش کرنے کے بارے میں مکتبہ طیّبہ لاہور کے بڑے بلند ارادے ہیں۔ اللہ تعالٰی کی توفیق اور قارئین کرام کا تعاون شامل حال رہا ہے تو جلد ہی ادارہ عمدہ اور ٹھوس چیزیں پیش کر سکے گا۔

دُعا ہے، حق تعالٰی اس کتاب کو ہم سب کے لیے عقبیٰ و دنیا میں مفید بنائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز وصلّی اللہ علیٰ سیّدنا محمّد وسلم۔

شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ　　　　احمد نقی

منیجر

مکتبہ طیّبہ بلال گنج۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

یہ امر عموماً تسلیم ہے کہ مشرقی تعلیم کا سیلان سوانحات قدیمہ کی اشاعت میں جنہیں علوم کی جان اور فنون کی روح کہنا کسی طرح نازیبا نہ ہوگا۔ اور روز بروز حیرت ناک ترقی کر رہا ہے اور واقعات گذشتہ کو تاریخی جامہ پہنانے میں ہر وقت اور ہر آن سرگرم ہے بزرگان دین اور ائمہ مذہب کے واقعی حالات جو ایک عرصہ سے فسانوں کے تیرہ و تاریک بھول بھلیوں میں کرم شب تاب، یا چراغ سحری کی طرح ٹمٹماتے نظر آرہے تھے اور مصلحان قوم کے سچے واقعات مذہبی افسانوں کے دھندلے غبار میں صبح کے جھلملاتے ستاروں کی صورت میں عنقریب بے نور ہونے والے تھے ان پر تاریخی روشنی میں چمکانے میں انتہا سے زیادہ جدوجہد کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ عالم کی مختلف شاخوں میں دنیائے اسلام جس قدر بلحاظ اپنی ذاتی خوبیوں کے معزز و ممتاز ہے اسی قدر تواریخی حصہ میں اس کا سرمایہ بہت کچھ جمع ہوگیا ہے اور روز بروز ہوتا جاتا ہے لیکن اگر اسے غلط خیالی پر محمول نہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ دنیائے اسلام میں جس قدر تاریخی حصہ کے روشن اور چمکیلا کرنے میں نہایت مستعدی اور گرمی کے ساتھ کوشش کی جارہی ہے اسی قدر مبالغہ آمیزی اور مدحیہ الفاظ سے اسے دھندلا اور مکدر کیا جارہا ہے۔ اب زمانہ کی کتاب کا وہ ورق بالکل الٹ دیا گیا ہے کہ اکابر دین اور معززین مذہب کی عزت و وقعت صرف تعریفی الفاظ اور مدحیہ جملوں میں منحصر سمجھی جائے بلکہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ ان کے اصلی اور واقعی حالات زندگی سے کمال تحقیق کے ساتھ بحث کی جائے اور نہایت آزادی کے ساتھ ہر پہلو کو میزان تواریخ میں وزن کرکے دودھ اور پانی کے اجزا کو کیمیائی قوت سے الگ الگ کرکے دکھا دیا جائے۔

دنیائے اسلام میں باوجودیکہ تاریخی سرمایہ بہت کچھ جمع ہے۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ اسے عمل میں لانے والے بہت کم لوگ ہیں۔ اکثر طبیعتیں تحصیل علوم سے بالکل ہٹ گئی ہیں۔ اور روز بروز ہٹتی چلی جاتی ہیں۔ ان میں اس قدر بھی لیاقت و استعداد نہیں دیکھی جاتی کہ ایک نہایت سہل اور معمولی تاریخ کا مطالعہ کرکے مقتدایان قوم اور مذہبی پیشواؤں کی سیرت و خصلت معلوم کرسکیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ملک میں ایسی طبیعتیں بکثرت موجود ہیں جو اپنے معمولی مذاق

اور عام دلچسپی کے مطابق بھی اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات سے واقف نہیں اور نہ واقف ہونا چاہتی ہیں۔

ایسی بے توجہی اور عام برخاستگی طبع پر کبھی اس طرف خیال ہی نہیں دوڑ سکتا کہ موجودہ زمانہ کے لوگ مقتدایان مذہب اور اکابر سلف کے واقعات کو سرسری اور اجمالی نظر سے دیکھیں یا ان کے حالات سے محدود واقفیت حاصل کریں۔ میرا سلسلۂ خیالات جہاں تک میری مدد کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر بزرگانِ اسلام کے پاک ناموں کی شہرت، اور ان کے مذہبی تقدس کا آج عام چرچا پھیلا ہوا ہے وہ گذشتہ زمانہ کے لحاظ سے ہے ورنہ ہماری قوم کے ان جوانوں کو جن پر جدید علوم اور نئی تحقیقات کی روشنی پڑ چکی ہے ان مقدس اور برگزیدہ ناموروں کے تاریخی حالات زندگی تو الگ رہے ان کے ناموں سے بھی پورے طور پر واقفیت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بجز اس کے اور کوئی تدبیر بن ہی نہیں آتی کہ مصلحان قوم کے تاریخی واقعات اور مذہبی پیشواؤں کے کارنامے اُردو کی عام اور سلیس زبان کے سانچہ میں ڈھال کر ملک وقوم میں شائع کئے جائیں، تاکہ موجودہ زمانہ کے وہ لوگ جو اکابر دین کے واقعات پڑھنے کی دل میں خواہش رکھتے ہیں ان کے معاشرتی اور تمدنی حالات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔

ان اعجوبہ روزگار نئی روشنی کے دلدادوں اور جدید تحقیقات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والوں پر نہ صرف تعجب بلکہ تعجب کے ساتھ حیرت ہوتی ہے جو تاریخی فن کو نہایت حقارت اور بے وقعتی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور دنیا کے نامور اور مشہور ائمہ مذہب کے نصائح آمیز حالات اور تعجب انگیز واقعات کو ملک وقوم کے مختلف مذاقوں کا بازیگاہ یا زورِ قلم کے عام شہسواروں کا جولانگاہ سمجھتے ہیں، اور نہ صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ انہیں بے کاروں کا مشغلہ اور ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوؤں کی دل لگی کا سامان بتاتے ہیں۔ حالانکہ جن لوگوں کے دماغ صحیح، خیالات روشن، نظر تیز، بلند، تجربے وسیع، عقل مشاہدے سلیم ہیں انہیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہے کہ فن تاریخ ہی ایک ایسا عجیب و غریب فن اور معلومات کا ذریعہ ہے جس پر آدمی غور کرنے سے ابدی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جوزی مصنف کامل التواریخ جس کی ہم عصری پر ابن خلکان جیسے مورخ کو بہت بڑا فخر تھا اپنی تاریخ کے دیباچہ میں تاریخ و سیر کے فوائد بیان کرتے ہوئے یوں ریمارک کرتا ہے کہ جو لوگ علم و فضل کے دعویدار ہیں اور جنہیں اپنے تبحر اور عقل پر بڑا فخر اور فخر کے ساتھ دعویٰ

ہے وہ بایں خیال علم تاریخ کی طرف ملتفت نہیں ہوتے کہ اس سے کوئی مفید اور اطمینان بخش نتیجہ حاصل نہیں ہوتا نمایۃ مافی الباب یہ ہے کہ کچھ قصص وحکایات معلوم ہو جائیں کچھ عجیب وغریب اور دلچسپ باتیں سننے میں آجائیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور معتدبہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب یہ ہے تو اس علم کی تحصیل میں کوشش کرنا سرتاسر تضیع اوقات ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ضعیف اور کمزور خیال ان ہی لوگوں کا ہے جن کے دماغ سُست اور آئینہ عقل نہایت مکدر اور دھندلا ہو رہا ہے۔ کیونکہ جو لوگ عقل سلیم اور طبع مستقیم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ تاریخی فوائد نہ صرف دنیاوی معاملات ہی میں فائدہ بخش ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ اخروی فوائد بھی اس میں بہت کچھ نظر آتے ہیں بشرطیکہ عمیق اور غور میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھے جائیں سب سے مفید اور نتیجہ خیز بات ہے کہ ایک مورخ کی عمر کا دائرہ ایسا وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے کہ اہل دنیا میں سے کسی کی اس قدر طولانی زندگی کا ہونا محال اور سخت محال ہے اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ اس کی حقیقی زندگی اس درجہ طول طویل ہو جاتی ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایک بہت بڑی عمر والے آدمی کی طولانی زندگی کا بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ چند واقعات اس کی یادگار ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے زمانہ میں پاتا اور ان سے تجربہ حاصل کرتا ہے۔ وہ گذشتہ ایام کے ان واقعات سے جو اس کے زمانہ زندگی میں گذر رہے ہیں۔ زیرکی اور دانائی پیدا کرتا ہے اسی کو نتیجہ حیات اور حاصل زندگی کہتے ہیں، جو ایک مؤرخ کو تھوڑی سی زندگی میں حاصل ہوتی ہے۔

بایں لحاظ حقیقت میں ایک تجربہ کار مورخ کو وہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جسے ازلی حیات سے تعبیر کر سکتے ہیں وہ شخص جس نے گذشتہ واقعات کو کانوں سے سنا اور جس کی زندگی میں ان واقعات کا سماں آنکھوں کے نیچے پھر گیا۔ دونوں بالکل ایک ہی شخص کے حکم میں ہیں بلکہ ایک مورخ کو جس وضاحت اور بسط وشرح کے ساتھ وہ حالات معلوم ہوں گے۔ اس قدر شرح وبسط کے ساتھ اسے معلوم نہیں ہو سکتے جو اس وقت موجود ہوگا۔

یہ محض ناممکن ہے کہ ایک زمانے میں موجود ہونے والا شخص تمام جزئی واقعات کا عالم ہو جائے زیادہ سے زیادہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات اور عظیم الشان حالات اس کی آنکھوں کے سامنے گذر جائیں اور انہیں کے ساتھ اس کی واقفیت محدود

ہو، بخلاف اس شخص کے جو تاریخی صفحات کی ورق گردانی کرتا اور ہر واقعہ کو غور سے دیکھتا چلا جاتا ہے جب ایک مورخ کسی زمانے کی تاریخ یا اکابردین میں سے کسی بزرگ کی لائف پر نظر ڈالتا ہے تو گویا اس کے تمام کلی وجزئی واقعات کا مجموعہ اس کی نظروں تلے پھر جاتا ہے، اور اس جلسہ میں نہ صرف شریک ہی ہوتا ہے بلکہ ان کی سوسائٹی کا ایک معزز و ممتاز ممبر قرار پاتا ہے اور اسی لحاظ سے ہم کہتے ہیں کہ مورخ کی زندگی ایک ازلی زندگی ہے۔

تاریخ کا دوسرا فائدہ جو پہلے سے زیادہ نتیجہ بخش اور مفید ہے یہ ہے کہ وہ مقتدر سلطنتوں اور باختیار و ذی وجاہت حکومتوں کے لیے ایک نہایت دانشمند مشیر ہے، وارثان تاج وتخت اور ارباب مملکت شاہان سلف کے جور اور ظالمانہ برتاؤ پر مطلع ہوتے اور ان کے ناجائز اور قبیح افعال سے آگاہ ہو کر اپنی خرابی و بدنامی سے حذر کرتے ہیں اور ان کے ناشائستہ افعال سے متنفر ہو کر اپنی رعیت و سلطنت سے خرابیوں اور بدنامیوں کے دور کرنے میں ان تھک کوششیں کرتے ہیں ان کی دور اندیش و عاقبت بین تاریخ نہ صرف شاہان سلف کے ناجائز کارروائیوں پر اطلاع دیتی ہے بلکہ ان بڑے بڑے ہنگاموں اور مصیبت کے لشکر ٹوٹ پڑنے اور قیامت نما حوادثات کے پیش آنے کے وقتوں میں انہیں بڑا جری، بڑا صابر، بڑا مدبر بنا دیتی ہے۔ جن اصولوں کو ان شاہان اولوالعزم نے نہایت نازک اور خطرناک موقعوں میں جاری کیا تھا۔ تاریخ ہی ایک ایسی عقلمند دوست ہے جو جانگزا حوادثات اور جگر خراش مصائب کے وقت اس صبر واستقلال کا سبق دیتی ہے جس کی وجہ سے شاہان سلف نے اپنی کامیابی کے عالی شان جھنڈے ہر چہار طرف گاڑ دیئے اور علم فتح کے پھریرے مشرق سے مغرب تک اڑا دیئے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو کشور کشائی کی پیچیدہ اور تنگ و تاریک راہیں فن تاریخ ہی سے طے ہو سکتی ہیں اور گذشتہ فرمانروائیوں کی دانشمندیوں اور تجربہ کاریوں کے نمونے تاریخ ہی کے صفحات میں نہایت روشن اور جلی صورت میں نظر آتے ہیں۔ تاریخ ہی ایک ایسی شفیق و مہربان استاد ہے جو انجام بینی اور دور اندیشی کا عمدہ فن تعلیم کرتی ہے کس لیے کہ بہت سے ناعاقبت اندیش اور انجام بینی پر نظر نہ رکھنے والوں کے نہایت خطرناک واقعات اس نے اپنے صفحات پر دکھلائے ہیں۔

تاریخ میں سب سے زیادہ جو نشاط انگیز اور دلچسپ صفت ہے، وہ یہ ہے کہ ایک

مورخ جب کسی علمی مجلس میں شریک ہو جاتا ہے تو اہل جلسہ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اس کی بے نظیر داستانوں اور حیرت انگیز حکائتوں کو رغبت کے کانوں سے سنتے ہیں اور سن کر حد سے زیادہ مسرور ہوتے ہیں اس پر وقعت و محبت کی نگاہیں ہر طرف سے پڑنے لگتی ہیں، اور وہ اپنے ہمعصروں میں امتیاز یہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے جس طرف نکل جاتا ہے لوگ بڑے جوش مسرت سے اس کا استقبال کرتے اور اپنے جلسوں کی ایک بہت بڑی دل چسپی کا سامان اسے قرار دیتے ہیں۔

دنیاوی فوائد کے علاوہ تاریخ میں دینی فائدے بھی بہت کچھ ہیں، جن کی مثالیں شرعیات میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ میں ان مثالوں کو لکھ کر اپنے عنوان کو طول دینا نہیں چاہتا۔ شائقین تاریخ خود ابن اثیر کی تمہید کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ علم تاریخ ایسا نجیب و شریف اور نتیجہ بخش علم ہے جس سے انسان کو دینی و دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں کافی مدد ملتی ہے۔

بزرگانِ اسلام اور ائمہ دین کے تعجب خیز کارناموں کے بیان کرنے سے ایک بے لوث، غیر متعصب مورخ کا صرف اتنا ہی مقصود ہوتا ہے کہ ابنائے جنس اور ہمعصر لوگوں کو ان کے واقعی اور نہایت سچے واقعات، تمدنی و ملکی حالات، علمی، عملی ترقیوں پر عام طور سے واقفیت اور تعارف پیدا ہو جائے اور اس آسانی و سہولت سے عبور ہو جائے جس میں انہیں کوئی دقت، اور مشکل اٹھانی نہ پڑے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ شان تاریخ کیا ہے۔ واقعہ کسی زمانے کا کیوں نہ ہو صداقت و سچائی کے رتبہ سے نہ گرے قائل کا اصلی منشا ہرگز نہ بدلے ایسے تکلفات اور مبالغہ آمیز الفاظ کی بھرتی نہ کی جائے جو اصلی مطلب کو متغیر نہ کر دیں جو بات ہو اپنی حد پر ہو، جو کلام ہو اپنے موقع پر ہو، وہ تاریخیں جو وزنی اور مشین الفاظ سے رنگین کی جاتی ہیں اکثر معتبر نہیں سمجھی جاتیں۔

اس بات کے ماننے میں ہمیں ذرا بھی تردد اور پس و پیش نہیں ہے کہ جو معزز و مقتدر حضرات قرون سابقہ میں ہو گذرے ہیں ان کے تاریخی حالات اور کتابی واقعات دنیائے اسلام نہایت وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ موجودہ زمانے میں جس قدر ان اولو العزم اور عظیم الشان حضرات کے تذکرے لوگوں کے نزدیک باوقعت اور مسرت بخش ہیں جو اس زمانہ سے زیادہ متصل اور قریب ہیں اس قدر رقیق کے

تذکرے زیادہ دل چسپی کے ساتھ نہیں دیکھے جاتے گو وہ فی حد ذاتہ اپنے ساتھ دلچسپی کے بہت کچھ سامان کیوں نہ لیے ہوئے ہوں۔

اس بنا پر ہمیں ضرور ہے کہ گذشتہ ناموروں میں سے صرف انہیں حضرات کے تمدنی و معاشرتی احوال اور علمی و عملی برکتوں کی دل گیر اور خوشنما تصویر ملک و قوم کے سامنے کھینچیں، جو ہمارے زمانہ سے زیادہ متصل اور قریب ہیں اور جن کی مفید اور نہایت کارآمد تصانیف کی حیرت ناک شہرت اور عام چرچا موجودہ زمانہ میں گھر گھر پھیلا ہوا ہے۔

جنوری ۱۸۹۹ء میں جب میں نے حیات عزیزی لکھنی شروع کی تو دفعتہً اس سے میری طبیعت اچاٹ ہو گئی اور میں نے کتاب کو غیر مکمل اور ناتمام چھوڑ کر قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔ کیونکہ اس کتاب میں جن واقعات کا میں فوٹو لینا چاہتا تھا وہ بالکل ناقص اور نامکمل فوٹو تھا۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے تاریخی واقعات اور آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق میری واقفیت بالکل سرسری اور اجمالی تھی اور معلومہ واقعات کے علاوہ مزید حالات لکھنے کے لیے جس تاریخی سرمایہ اور معلومات کی ضرورت تھی اتفاق سے میں اس پر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس بنا پر میں نے جن واقعات کو قلمبند کیا تھا وہ میرے نزدیک محض معمولی واقعات تھے ان میں نہ تو کوئی غیر معمولی بات تھی نہ تاریخی حالات میں چنداں ندرت و جدت ہی تھی اس لیے حیات عزیزی کے لکھنے کا میرا بالکل ارادہ نہ تھا۔

لیکن جب میرے بعض دوستوں اور بزرگوں کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے اس کے پورا کرنے پر مجبور کیا اور سچ تو یہ ہے کہ خود مجھے بھی اپنی محنت و جانکاہی اور کوشش کے رائیگاں جانے کا بہت بڑا افسوس تھا یہ سبب تھا جس نے مجھے ان پریشان اوراق اور نامکمل و غیر مربوط حالات کے ترتیب دینے پر آمادہ کیا ورنہ ایسے معمولی اور نامرتب واقعات کو قلم بند کرنا اور انہیں سوانحعمری کا لقب دینا مجھے کسی طرح زیبا نہ تھا ایک مشہور اور نامی شخص کے تاریخی واقعات میں جس قسم کی اطلاعیں اور یادداشتیں ضروری و لازمی ہوتی ہیں ان میں سے حیات عزیزی میں ایک چیز بھی نہیں ہے البتہ شاہ عبدالعزیزؒ کی طرز معاشرت تمدنی حالت علمی برکت عملی فیاضی کے متعلق چند ایسے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں جن سے ناظرین بہت کچھ دلچسپی لے سکتے ہیں۔ پس جو شخص اس کتاب کو بلحاظ تاریخ دیکھنا چاہتا ہے وہ جیسا کہ چاہیے اس سے پورا لطف اٹھا نہیں سکتا اور یہ تمام دقتیں اور مشکلیں مجھے اس وجہ سے اٹھانی پڑیں کہ اس کتاب کے لکھتے وقت

میرے پاس جو تاریخی سرمایہ بالکل موجود نہ تھا جس کا مجھے سخت افسوس ہے۔

ہر چند کہ میری عام واقفیت کے ذرائع اور معلومات کے وسائل اس قدر محدود اور تنگ تھے تاہم جو باتیں میں نے اس میں درج کی ہیں ان میں سب کی نسبت نہیں تو اکثر کی نسبت مجھے یقین ہے کہ ان کے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعاً صحیح اور یقینی ہے اور اس میں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں۔

غرضیکہ حیات عزیزی کی تکمیل کے بعد میرا خیال ہوا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے معزز اور شریف خاندان کے چند اولوالعزم اور ممتاز حضرات کا ایک تذکرہ کسی قدر شرح وبسط کے ساتھ لکھوں اور اسی کے ضمن میں حیات عزیزی کے افسردہ قالب میں ایک تازہ روح پھونکوں، ہنوز میں انہیں خیالات میں مستغرق تھا کہ میرے ان معزز کرم فرماؤں اور بزرگوں نے جنہوں نے حیات عزیزی کو نہایت وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھا میرے خیال کی بدل تائید کی۔

میں اپنے ان عنایت فرماؤں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری اس ناچیز تحریر کو قدر کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا گو یہ کتاب اپنے اصلی مضامین اور ان ممتاز و اولوالعزم بزرگواروں کی شان اور بزرگ داشت اور وقعت کے لحاظ سے کتنی ہی قابل قدر و منزلت کیوں نہ ہو لیکن جس قلم اور دماغ سے وہ مضامین نکلے ہیں وہ ہرگز قابلِ قدر نہیں ہو سکتے تاہم لائق بزرگواروں اور قدرشناسوں نے مجھ ناچیز کی تالیف کی حد سے زیادہ قدردانی کی اور سینکڑوں جلدیں دست بدست خرید لیں۔

یہ سب کچھ تھا لیکن میری طبیعت کو کسی طرح سکون و اطمینان نہ تھا اور وہی سابق کی دقتیں اور مصیبتیں ہر وقت اپنا بھیانک اور خوفناک چہرہ دکھا دکھا کر مجھے ہمیشہ دہلاتی اور سخت پریشان کرتی تھیں کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرے پاس جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اس اہم اور عظیم الشان کام کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا یہی ایک خیال تھا کہ جس نے اول اول مجھے اس ارادہ سے باز رکھا لیکن اس پر بھی میری طبیعت کی خلش اور کرید برابر چلی جاتی تھی بلکہ میرا عزم مستقل ہو چکا تھا کہ جس طرح بن پڑے گا اور جب موقع ہاتھ آئے گا اپنے ارادے کی ضرور تکمیل کروں گا۔ مگر چند در چند اسباب سے دیر ہوتی گئی حتیٰ کہ گذشتہ دنوں میں مجھے بالکل مایوسی سی پیدا ہو گئی اور میرا وہ مستقل عزم اب ایک نہایت ہی کمزور و ضعیف سا خیال رہ گیا۔

لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرنے پر نہ پایا تھا کہ پھر ایک عجیب اتفاقی طور پر میرے اس ارادے کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی قدرتاً چند ایسے اسباب جمع ہو گئے جن کی وجہ سے مجھے بلا تامل قلم اٹھانا پڑا۔ مرزا عبدالغفار بیگ صاحب مالک افضل الاخبار و پروپرائٹر افضل المطابع دہلی جو میرے قدیم مہربان اور عنایت فرما دوست ہیں اس جلیل القدر تذکرہ کی تالیف کے محرک و باعث ہوئے۔

مرزا صاحب موصوف نہ صرف میرے قدیم دوست ہیں بلکہ سچ پوچھیے تو پرانے محسن اور انتہا درجہ کے خیر خواہ ہیں ان کے احسانات کا میری گردن پر ایسا گراں بار بوجھ ہے جس سے میں کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ناچیز تالیفات کا سلسلہ ان کے نام کر کے ان احسانات کا شکریہ ادا کروں جو مجھ پر وقتاً فوقتاً ان کی طرف سے ظہور میں آئے ہیں۔ مگر افسوس اور سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں اور میری تالیفات ہر گز اس قابل نہیں کہ ان کے احسانات کی تلافی کر سکیں۔

مرزا صاحب قطع نظر اس کے کہ علم دوست اور قدر دان اہل علم اور عام اخلاق کی مجسم تصویر ہیں بزرگان دین سے قدرتاً بالکل ایسی ہی محبت و عقیدت رکھتے ہیں جیسے ایک صالح اور سعادتمند اور قابل شخص کو سزاوار ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی فیاضانہ ہمت اور اولوالعزمی سے اکابر سلف سے محبت تازہ رکھنے اور اپنے عقیدت مندانہ خیالات ظاہر کرنے کی غرض سے ان کی سوانحعمریاں اور تاریخی حالات زندگی مختلف زبانوں کے قالب میں ڈھال ڈھال کر ملک و قوم کے سامنے پیش کیں اور لوگوں کو عام طور پر فائدہ پہنچایا آپ کو بزرگان قوم کے حالات اور ان کے عبرت انگیز کارنامے شائع کرنے کا دلی شوق ہے اور اسی وجہ سے کمترین کو یہ موقع ملا کہ اپنے قدیمی ضعیف اور مردہ خیال میں ایک تازہ روح پھونکے اور دلی ارادے کو پبلک کے سامنے مرزا صاحب کے وسیلہ سے ظاہر کرے۔

اسلامی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں نے جس قدر گذشتہ ناموروں خاص کر ائمہ اربعہ اور محدثین کے مبارک ناموں سے واقفیت اور تعارف پیدا کر لیا ہے اس سے زیادہ تر موجودہ زمانہ کے لوگ جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے شریف خاندان کو جانتے ہیں اور ان کی شان اور بزرگداشت اور عزت و وقعت ہمارے دلوں میں اس درجہ ہے جس کی وجہ سے ہماری طبیعتیں ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ ان کے حالات اور

واقعات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب اور آپ کے خاندان کے عظیم الشان ممبروں کے تذکرہ کی نسبت ہماری کیا رائے ہو سکتی ہے جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان بزرگواروں کے پاک اور مقدس نام تمام ہندوستان بالخصوص دہلی کے بچہ بچہ کی زبان پر نہایت وقعت و نیک نامی کے ساتھ جاری ہو رہے ہیں بے شک ایسے دنیا کے مشہور و معروف محدث اور اس کے بزرگ خاندان کا تذکرہ ضرور دلچسپ و ندرت انگیز ہوگا۔

ہر چند کہ یہ کام میری لیاقت اور قابلیت سے کہیں زیادہ تھا اور مجھے اپنی بے استعدادی اور کم فہمی سے ہرگز امید نہ تھی کہ میں اس پر کامیاب ہو سکوں گا۔ لیکن خدا پر بھروسہ کر کے میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا اور جہاں تک میرے امکان میں تھا بہت تحقیق کے ساتھ واقعات کو لکھا ہر واقعہ میں تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنی بے انتہا عنایت سے مجھے میرے مقصد پر کامیاب کیا۔ کیا عجب ہے کہ میرے بھائی مسلمان میری اس ناچیز تالیف سے نفع حاصل کریں۔

خداوندا تو میری اس حقیر و ناچیز تالیف کو قبول فرما اور اس کی مقبولیت عام لوگوں میں پھیلا آمین ثم آمین!

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ۵

خاکسار خادم الفقراء

ابو محمد رحیم بخش مؤلف اعظم التفاسیر و حیات عزیزی وغیرہ

پہلا حصّہ

جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد عظام کے سلسلہ کا تفصیلی ذکر

شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد کا ذکر

قبل اس کے کہ میں جناب فخر المحدثین امام المفسرین عارف باللہ حضرت مولینا شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد عظام اور اس محترم و جلیل القدر خاندان کے ممتاز و اولوالعزم حضرات کے تفصیلی واقعات جدا جدا عنوانوں اور علیحدہ علیحدہ سرخیوں کے ساتھ بیان کروں۔ زیادہ بہتر و مناسب ہوگا کہ ناظرین تذکرہ کو یہ بات بتا دوں کہ شاہ صاحب کے معزز و واجب الاحترام اجداد میں سب سے پیشتر کس شیر اسلام نے ہندوستان میں قدم رکھا اور ہندوستان کے کس حصہ میں بساست اختیار کی۔

قدیم تذکروں میں نہایت استناد و وثوق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد عظام میں سب سے اول جس شخص نے ہندوستان کے ایک مشہور و معروف شہر رہتک نام میں توطن اختیار کیا۔ شیخ شمس الدین مفتی ہیں۔ جن کی محتاط زندگی اور انتہا سے زیادہ اتقاد پرہیزگاری نے ان کی شہرت دور دور پھیلا دی تھی۔ اور جن پر ہمیشہ تاریخی روشنی بڑی تابانی کے ساتھ چمکے گی۔

رؤسائے عرب کی رہتک میں اقامت

یہ بات نہ صرف تعجب خیز بلکہ سخت افسوسناک ہے کہ ہندی مؤرخوں کی بے توجّہی اور لاپرواہی سے مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ شمس الدین مفتی کس زمانہ میں رہتک تشریف لائے اور کون سے سنہ میں یہاں اقامت اختیار کی۔ نہ قدیم تذکروں میں اس بات کا کہیں پتہ چلتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کس تاجدار کے زیر حکومت تھا۔ البتہ مختلف تحقیقات سے صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ جب فاتحانِ اسلام کی خونریز تلواریں ایشیائی دنیا میں چمکیں اور ان کے پیل پیکر گھوڑوں کے سموں نے قریبًا تمام مشرقی حصّوں کو روند ڈالا اور ہندوستان کے

طبقات میں اسلام کے شاندار جھنڈے ہوا میں لہریں لینے لگ گئے تو بہت سے شرفاء قریش اور رؤساۓ عرب نے رہتک شہر میں توطن اختیار کیا جن میں ایک شیخ شمس الدین مفتی بھی تھے۔ خود جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے جلیل القدر اور نجیب و شریف خاندان کے تذکرہ میں ایک نہایت مختصر ولاجواب کتاب لکھی ہے۔ جس میں شیخ شمس الدین مفتی کا ہندوستان میں آنا اور رہتک میں اقامت اختیار کرنا اور ان کی علمی برکت اور فیاضانہ ہمت سے مقدس و پاک اسلام کے واجب الامتثال شعائر کا برقی قوت کا جامہ پہن کر اس سرے سے لے کر اس سرے تک دوڑ جانا وغیرہ وغیرہ سرسری طور پر لکھا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی لاجواب اور بے مثل کتاب ہے اور اس خاندانی تذکرہ کی بابت جو واقعات و حالات اس میں لکھے ہیں کسی اور کتاب میں نہیں دیکھے گئے ہیں۔ اس میں شاہ صاحب نے اپنی پیدائش اور بچپنے کی مختصر کیفیت بڑی خوبی سے لکھی ہے اور اپنے عظیم الشان خاندان کا تذکرہ کسی قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ ایک نئے پیراۓ اور انوکھی طرز میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ آپ اس واقعہ کو اپنے پرزور قلم سے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ یقینی بات ہے کہ ہمارے اجداد عظام میں سب سے پیشتر حضرت شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان تشریف لائے اور قصبۂ رہتک میں سکونت اختیار کی" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخ شمس الدین مفتی کا ہندوستان میں آنا کفر و شرک کی ابتدائی شکست اور اشاعت اسلام کا پہلا موقع تھا۔ آپ کی دلی عقیدت مندی اور مالی امداد سے اسلام کی غریبانہ حالت کو بہت کچھ عروج اور فارغ البالی حاصل ہوئی۔ حقیقت میں شیخ کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام میں نہایت اعلیٰ و ارفع درجہ کا ہے جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ اپنی چمک دکھاۓ گا۔

شہر رہتک کی تاریخ

رہتک، ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک قدیم شہر ہے جو دہلی سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر قبلہ کی جانب واقع ہے جب اسلامی فتوحات نے معراج ترقی پر قدم رکھا اور فاتحان اسلام کفار کے ممالک کو زیروزبر کرتے ہوۓ ہندوستان کی طرف بڑھے اور مشرقی سلطنتوں کا جلتا ہوا چراغ اسلام کی تیز فوجی ہوا سے گل ہو گیا تو بہت سے اشراف عرب اور سادات قریش اس شہر میں آ بسے۔

شہر رہتک کی وسعت اور اس کا عروج

شہر رہتک اسلامی فتوحات نیز قدامت و تاریخی واقعات کے لحاظ سے ایک

یادگار مقام ہے ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　　آثار پدید است صنادید عجم را

جو عروج اور ترقی اس زمانہ میں اسے حاصل تھی۔ ہندوستان کے کسی اور شہر کو بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ اس صوبہ میں کوئی شہر و قصبہ ایسا نہ تھا جو وسعت و آبادی اور سرسبزی و شادابی میں اس کی برابری کر سکتا۔ اس کے میدان نہایت وسیع اور خوش منظر و پر فضا تھے۔ اور اس کی چاروں طرف نہایت زرخیز مقامات واقع تھے۔ یہاں کے باشندے بڑے باوقار اور ممتاز تھے۔ ہر قسم کے باکمال اور اہل ہنر کا وجود پایا جاتا تھا۔ جس قدر باشندے تھے سب خوش حال و دولت مند تھے۔ دکاندار اور پیشہ والے حتیٰ کہ قلی اور مزدور بھی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل تھی۔ اور خود شہر تجارت و صنعت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اعتدال آب و ہوا کے لحاظ نیز اسلامی پولٹیکل مصلحتوں کے اعتبار سے بھی یہ جگہ نہایت موزوں تھی۔ بت پرستوں کے قدیم معابد اور بت خانے توڑ کر نہایت پر رفعت اور شاندار مسجدیں بنائی گئی تھیں۔ جن سے ناقوس و شنکھ کی بے معنی اور بیہودہ صدا کی جگہ دن رات میں پانچ دفعہ اللہ اکبر کی دلچسپ و ہدایت افزا آواز کانوں میں گونجتی تھی۔ اور سرپرستانِ اسلام کے دلوں میں رہ رہ کر ایک بے اختیارانہ جوش اور خوش آیندہ شوق پیدا کرتی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں یہ شہر اس معراج کمال پر پہنچ گیا تھا کہ اس صوبہ کا کوئی مقام و موضع اس کے برابر خوش منظر اور دلفریب نہ تھا۔ جا بجا نہایت خوشنما اور شاندار عمارت کا سلسلہ تھا۔ اور دور دور تک برابر چلا گیا تھا۔ اس کی وسعت اور تمدن کا اندازہ کافی اور معتدبہ تھا۔ ہر پیشہ و صنعت کی دکانیں مختلف نمونوں کی موجود تھیں۔ عام صفائی اور زیب و زینت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت لطیف اور خوشگوار تھی۔ نہروں کی روانی اور باغوں کی فضا قابلِ تعریف تھی۔ جاڑوں کے موسم میں معمولی سردی پڑتی تھی لیکن گرمیوں کا موسم اس قدر راحت انگیز اور جاں بخش ہوتا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

شہر رہتک کا تنزل

لیکن شہر رہتک کی یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایت ہے۔ میں نے کسی تاریخ سے اس کی تصدیق و توثیق نہیں کی نہ کسی تذکرہ میں مجھے اس کا پتہ لگا۔ البتہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی قابل قدر تالیف میں اس پر ایک نہایت دلچسپ و مختصر ریمارک کیا ہے جسے ہم اس مقام پر نقل کر کے رہتک سے رخصت ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب

فرماتے ہیں کہ "جب ہندوستان کے بلند مقامات پر اسلامیوں کی خون آشام تلواروں کی چمک پڑی اور بت پرستوں کے شوالوں کی اونچی اونچی چوٹیوں کی جگہ اسلام کے عالیشان اور شاندار جھنڈے بڑی خوفناکی کے ساتھ علم ہوئے تو اس زمانہ میں یہ شہر اس صوبے میں نہایت خوش منظر اور معمور تھا۔ مگر جس شہر کی خوبصورتی کی تمام دنیا میں دھوم دھام تھی۔ افسوس ہے کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ روز بروز اس کے عروج و ترقی تنزل و پستی سے بدلتے گئے۔ یعنی ان کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، دن بدن اس کی آبادی و رونق گھٹتی گئی اور اس کی خوبصورتی اور خوشنمائی کو اس کی چہل پہل اور عروج کا زمانہ اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اب بجز ایک معمولی قصبہ اور قلیل سی آبادی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔" اس کی موجودہ ویران حالت دیکھ کر ان اصلی انجنیئروں کے امیرانہ شوق پر بہت افسوس ہوتا ہے جنہوں نے اس کا نقشہ بنایا، پھر باغات و چشموں سے سجایا تھا۔

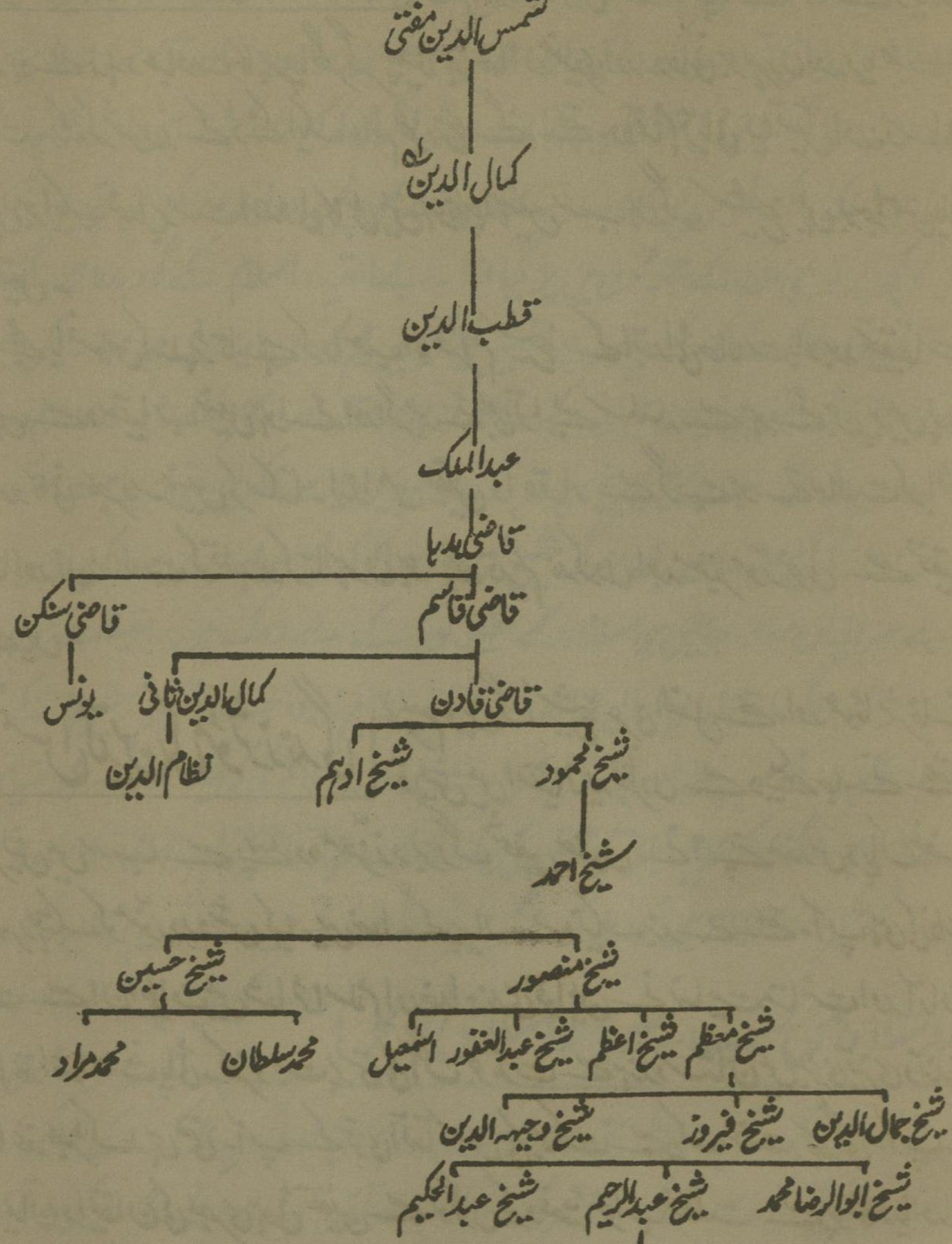
الغرض جس پاک اور برتر نفس کی بدولت شہر رہتک کی قسمت میں روز اول سے مشہور و معروف ہونا لکھا تھا۔ وہ دنیا کے نامور شیر ملک کے بیٹے اور محمد عطا ملک کے پوتے تھے جن کا نام نامی شمس الدین مفتی تھا۔ اور جن کے سلسلہ میں اخیر عہد میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب جیسے فخر خاندان و قوم اور نہایت معزز و ممتاز فاضل پیدا ہوئے۔ چونکہ محمد عطا ملک[۱] اور شیر ملک کے حالاتِ زندگی تاریکی میں ہیں۔ اس لیے ہمارا تذکرہ بھی جناب شمس الدین مفتی بن شیر ملک سے شروع ہوتا ہے میں اس مقام پر ناظرین کی آسانی کے لیے اس خاندان کے ان معزز حضرات کا شجرۂ نسب لکھنا مناسب سمجھتا ہوں جن کے حالاتِ زندگی سے اس حصہ میں بحث کی جائے گی۔

شجرۂ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

---

[۱] ملک کا لفظ ایک تعظیمی لقب اور وزنی خطاب ہے جو اس عہد میں ایک معزز اور فخرِ خاندان و قوم کو گورنمنٹ اسلام کی طرف سے حاصل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں خان بہادر وغیرہ الفاظ معزز عہدہ داروں اور ممتاز لوگوں کے تعظیمی محل میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

جناب شیخ شمس الدین مفتی کی اولاد امجاد کا شجرۂ نسب یہ ہے



؂ شمس الدین مفتی کے اگرچہ چند نامور فرزند اور بھی ہیں لیکن کمال الدین مفتی کو سب پر ایک قسم کا تفوق ہے باقی فرزندوں کے نام باوجود تحقیقات کے اب تک معلوم نہیں ہوئے
۱۲ منہ مؤلف

شیخ شمس الدین کا طرزِ معاشرت

شیخ شمس الدین مفتی ایک نہایت ہی بزرگ اور فقیر طبیعت عالم اور عابد شخص تھے۔ آپ کے انتہا سے زیادہ بڑھے ہوئے زہد و عبادت کا چرچا گھر گھر پھیلا ہوا تھا اور ضمیری اور روحانی جوہروں اور ریاضت و مجاہدات کے کرشموں کے ڈنکے ایک عالم میں بج گئے تھے۔ وہ تمام ربّانی لیاقتیں اور روحانی قابلیتیں جو ایک خدا پرست اور ولی کامل میں ہونا چاہئیں سب بزرگ شیخ میں بوجہ احسن پائی جاتی تھیں۔

مجھے بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ واجب الاحترام شیخ کے ابتدائی حالات باوجود تحقیقات کے کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے اور اگر ہوئے بھی تو ایسے سلسلہ سے ہوئے جن پر میں پورا یقین اور کافی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں یقین و اعتبار سے گرے ہوئے حالات کو بالکل چھوڑتا اور ان حالات کو قلمبند کرتا ہوں جو مجھے قدیم تذکروں اور معتبر مؤرخوں سے تحقیق ہوئے ہیں۔

شیخ شمس الدین کی مؤثر زندگی

محترم و بزرگ شیخ عربی النسل تھے۔ اور عموماً شرفائے قریش میں امتیاز ید نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

نژاد قریش میں سب سے پہلے وہ معزز و بزرگ شخص جنہوں نے اپنے مقدس و پاک نفس سے شہر رہتک کو منوّر و روشن کیا۔ یہی خدا کے پیارے و نیک بندے تھے۔ آپ ہی کی ذات بابرکات سے ان اطراف میں شعائر اسلام اور خداوندی قوانین نے نہایت متانت اور آزادی کے ساتھ اشاعت پائی۔ کفر و بت پرستی کی آگ جو مدّت سے ہندوستان میں بڑی تیزی و تندی کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔ آپ کے قوی انفاس کی برکت سے یک لخت بجھ گئی۔ آپ نے اپنے ایمان و ایقان کی بھری ہوئی تلقین سے لوگوں کو دفعتہً خواب غفلت سے چونکا دیا اور ان کے مردہ دلوں میں ایک نئی اور تازہ روح پھونک دی۔ آپ کی پر ہدایت اور سچّی تلقین نے تمام ہندوستان کی کایا پلٹ دی اور آپ کی روحانی برکتوں اور باطنی فیض نے دلوں کو نورِ معرفت سے پر اور لبریز کر دیا۔ مٹی، پتّھر اور لکڑی کی تراشی ہوئی اور ان گھڑت مورتوں کی پرستش کرنے والے موحد و خدا پرست ہو گئے اور خدا کی راہ سے بھولے بھٹکے ہوئے حقیقت و معرفت کے دقائق و نکات بیان کرنے لگے۔ وحشی مہذّب بن گئے۔ جہالت کی تاریکی دور ہوئی، اور اس کی جگہ علوم و فنون نے ترقی پائی۔ ناجائز قتل۔ زنا۔ چوری۔ شراب خوری۔ قمار بازی کے بدلے

جن کا اثر عام طور پر ان بلاد میں چھایا ہوا تھا۔ خلق۔ مروّت۔ عصمت، امانت و دیانت۔ اتقاء پرہیزگاری کا جلوہ نظر آنے لگا۔ غرضیکہ یہ آپ ہی کا معجز نما فیض تھا جو بہت تھوڑے سے عرصہ میں اس صوبہ کی تمام اطراف میں برقی قوت بن کر دوڑ گیا۔ اور مقدّس اسلام کا پر شوکت و شان ڈنکا نہایت دہشتناکی سے سب طرف بج گیا۔ اس کی مقناطیسی جذبات نے لوگوں کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اور جن کے پاک نفوس میں کلام ربّانی سے کسی قدر بھی دلچسپی ودیعت رکھی گئی تھی اور تجلیّاتِ ربّانی کا کچھ پرتو بھی ان کے حجلۂ دل میں پڑ گیا تھا۔ بے اختیار اسلام کے گرویدہ ہو گئے اور اس کے قوانین واحکام کے آگے بےچون چرا تسلیم کی گردنیں خم کر دیں۔ یہ سب کچھ تھا۔ لیکن ابھی تک سچّے اسلام کا نور حقیقی اپنی پوری تابانی کے ساتھ نہ چمکا تھا۔ اور ارکانِ اسلام نے دھوم دھام سے اشاعت نہ پائی تھی۔ بت پرستی کی بیخ وبنیاد پورے طور پر جڑ سے اکھڑی تھی نہ بدعت سنّت سے الگ اور ممتاز کی گئی تھی۔ اس لیے بزرگ شیخ کو ضرور ہوا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کریں جس سے وہ تمام بے عنوانیاں مٹ جائیں جو اسلام کے حقیقی نور کے لیے روک ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک نہایت برتر و بزرگ اور الہامی خیال تھا جو بجلی کی طرح محترم اور واجب التعظیم شیخ کے دماغ میں کوندا۔ آپ نے سوچتے سوچتے آخر اس بات پر رائے قائم کی کہ ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جائے جس میں لوگوں کو کلامِ ربّانی کی تلقین کی جائے کہ وہ ربّانی اسرار اور الہامی نکات جو قرآن و حدیث کے معجز نما الفاظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں پر ظاہر کیے جائیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلا اسلامی کالج

مدرسہ کی بنیاد پڑنی تھی کہ مسلمان جوق در جوق آپ سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ گویا اسی تاریخ سے مذہب بت پرستی اور اُصولِ شرک کے ساکن دریا میں ایک عجیب اتفاقی طور سے تحریک اور تحریک کے ساتھ تموّج پیدا ہونے لگا۔ لیکن یہ تموّج ایک ایسا خفیف وضعیف تموّج تھا جو اس عمیق اور عظیم الشان سمندر میں ذرا بھی محسوس نہ ہوا۔ چونکہ شیخ صاحب قوانین فطرت کی باریکیوں کو خوب سمجھتے ہوئے تھے اور آپ کے ضمیری وروحانی جوہر اپنے سکون ووقار کی گہری تہ رکھتے تھے۔ اس لیے آپ جانتے تھے کہ صدیوں کی خرابی جو لوگوں کے دلوں میں جم جاتی ہے اس کا دفعۃً قلع قمع کرنا مشکل اور بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ اب نہیں تو کسی آئندہ زمانہ میں اس کا ضرور اثر پڑے گا۔ پس مجھے اس وقت کی ناکامی سے کبھی برداشتہ اور شکستہ نہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ گو شیخ صاحب نے اپنی کوششوں کو بظاہر ناکامی

کی پوشاک پہنتے ہوئے دیکھا لیکن دل میں ذرا بھی خوف و ہراس نہیں کیا۔ بلکہ اپنے دل کو اطمینان دلایا کہ گو مجھے بظاہر متواتر ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر حقیقت میں بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ یہ تمام ناکامیاں نہایت مبارک اور خوش آیندہ ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ ہر طرح کی بیماری و تکلیف ہمیشہ طبیعت پر شاق و ناگوار گذرا کرتی ہے اور آدمی گو کیسا ہی صاحب تحمّل و وقار کیوں نہ ہو آخر کار اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے۔ لیکن واقعی بات یہ ہے کہ جس مرض کا انجام صحت ہو گو ابتدا میں مہلک اور موذی ہی کیوں نہ ہو عقلاء ہمیشہ سے ایسے مرض کو مبارک اور خوش آیندہ کہتے چلے آئے ہیں۔

الغرض بزرگ شیخ کو اگرچہ اپنے اس ارادہ میں بظاہر ناکامی ہوئی لیکن بڑی خوشی سے کہا جاتا ہے کہ گو آپ کی کوشش مذہب بت پرستی و شرک کے سمندر کی خونی موجوں اور خوفناک لہروں سے مقابلہ نہ کر سکی۔ مگر پھر بھی باپ نے ایک ایسا بیج بو دیا جو آپ کی آیندہ نسلوں کی کوشش سے پھلا پھولا۔ اور نہایت سرسبزی و شادابی کے ساتھ لہلہا اُٹھا۔

شیخ شمس الدین کے ظاہری و باطنی علوم

جناب شیخ شمس الدین مفتی کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابلِ نوٹ ہے وہ یہ ہے کہ آپ جیسے تفسیر و حدیث اور فقہ کے علوم میں اجتہاد کا درجہ رکھتے اور ماہرینِ فن کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ ویسے ہی علم ادب اور انشاپردازی میں ضرب المثل تھے۔ علاوہ ازیں آپ کا برتر و پاک نفس روزِ ازل سے باطنی علوم کا بھی حصہ رکھتا تھا اور ربّانی جلال پورے طور پر آپ کے حجلۂ دل پر اپنی تابانی اور درخشانی ڈال چکا تھا۔ غرضیکہ دینی و دنیاوی اعزاز و اقتدار کے لیے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فیاضِ ازل نے آپ سے دریغ رکھی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد کی تمام اسلامی مجلسوں میں آپ کی عزّت و توقیر ہوتی تھی اور مذہبی تقدّس اور دینی اقتدار کی وجہ سے آپ کے سامنے سلاطینِ وقت کی گردنیں جھکتی تھیں۔ قطع نظر اس کے آپ کی محتاط زندگی اور اتقاء و پرہیزگاری اور عام اخلاق کی شہرت کا جادو رہتک کے تمام باشندوں پر اپنا پورا اثر ڈال چکا تھا۔ اس وجہ سے ہر گلی کوچہ میں آپ کی معاشرتی زندگی کی تہ دل سے داد دی جاتی اور بچہ بچہ کی زبان پر آپ کا نام بڑی وقعت سے لیا جاتا تھا۔

آپ سے بہت سے وہ عجیب و غریب واقعات اور حیرت انگیز حالات صادر ہوئے

ہیں۔ جن سے تاریخی کتابوں کے صفحات اب تک روشن و منوّر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ مجھے اور واقعات لکھ کر اپنے بیان کو طول منظور نہیں ہے اس لیے صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیخ شمس الدّین کا ایک حیرت انگیز واقعہ

جناب شیخ شمس الدین مفتی کی حیات مستعار کا وسیع پیمانہ جب لبریز ہو کر چھلکنے کے قریب ہوا تو آپ نے اپنی اولاد و احفاد کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میری روح اس عنصری جسد سے مفارقت کر کے عالم بالا میں پرواز کر جائے تو میری نعش کی تجہیز و تکفین بالکل اسی طریقے اور طرز پر ہونا چاہیئے جو سنّت سے ثابت ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ کی نماز نہایت خشوع اور متواضعانہ ہیئت سے ادا کی جائے اس کے بعد میرا جنازہ مسجد میں جو میری خاص عبادت گاہ اور مقام اعتکاف ہے رکھا جائے۔ حاضرین کو چاہیئے کہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے ہٹ جائیں اور مسجد کو بالکل خالی کر دیں۔ بعدازاں میری نعش پائی جائے تو دفن کریں۔ ورنہ اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں اور کسی طرح کا تذبذب و تردّد نہ کریں۔

چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کی وصیت کی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ تعمیل کی گئی۔ مسجد کے ایک مختصر گوشہ میں جنازہ رکھا گیا اور تھوڑی دیر کے لیے ساری مسجد خالی کر دی گئی۔ پھر جو دیکھا تو جنازے کا نام و نشان تک نہ پایا۔ حاضرین اس ندرت انگیز واقعہ سے سخت متعجب ہوئے۔ اور تعجّب و حیرت کو ساتھ لیے ہوئے واپس آئے۔

اگرچہ یہ حکایت بھی لوگوں کی زبانی روایت ہے۔ میں نے کسی قدیم و جدید مستند تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں کی۔ لیکن مختلف تحقیقات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب و حیرت کی جگہ نہیں ہے۔ میں نے خاص حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رح کے واقعات میں لکھا دیکھا ہے کہ جب آپ کی یہ حکایت سنتے تو نہایت وثوق کے ساتھ اس کی تصدیق و تائید فرماتے۔ چنانچہ فاضل اجل جناب شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی ایک قیمتی تصنیف میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے محترم و بزرگوار والد صاحب جب یہ حکایت سنتے تو بلا تردّد اس کی توثیق کرتے اور فرماتے۔ مجھے اپنے حافظہ پر بھروسہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی یاد میں کبھی غلطی نہ کروں گا۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قدیم زمانہ کے سلسلہ چشتیہ

کے مشائخ کے حالات و واقعات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور جن میں واقعات کے لحاظ سے نہایت موشگافی اور چھان بین کی گئی ہے۔ ان میں میں نے یہ واقعہ اپنی آنکھ سے لکھا دیکھا ہے گو میں کافی یقین کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ واقعہ خاص ان کے ہی بزرگ مفتی صاحب کا ہے جو تقدس اور شریفانہ اخلاق کے مجسم تصویر تھے یا کسی اور بزرگ سے علاقہ رکھتا ہے کیونکہ جہاں یہ واقعہ لکھا گیا ہے اس مقام پر اس اولوالعزم اور بزرگ کے نام نامی کی صراحت نہیں کی گئی۔

شیخ کمال الدین مفتی

غرضکہ جب واجب الاحترام فخر ہندوستان شیخ اس دار ناپائیدار سے عالم بقا میں انتقال کر گئے تو آپ کے بزرگ اور عظیم ترین اولاد جناب شیخ کمال الدین مفتی آپ کے جانشین قرار دیئے گئے۔ گو شیخ شمس الدین مفتی کی اور بھی اولاد تھی اور سب کی سب نہایت قابل اور مذہبی تقدس و علم و فضل کی چلتی جاگتی تصویریں تھیں۔ مگر چونکہ شیخ کمال الدین مفتی اپنے والد بزرگوار کی تاریخی زندگی کا پورا حصہ اپنے میں رکھتے تھے۔ اور الولد سر لابیہ کے پورے فوٹو تھے اس لیے اس معزز اور جلیل القدر خلافت کے واسطے آپ ہی منتخب کئے گئے۔

قدیم تذکروں اور کہنہ تاریخوں کے صفحات پر عمیق اور غور بین نظر ڈالنے سے اس بات کا بخوبی ثبوت مل سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر یہ قاعدہ استعمال میں لایا جاتا تھا کہ مسلمانوں میں سے جو محترم و محتشم نیک طینت پاک نفس شخص ان جیسے بلاد و صوبہ جات میں توطن اختیار کرتا اور وہاں کے باشندے عموماً اس کے لاثانی زہد و اتقا اور بے مثل تہذیب و شائستگی کو تسلیم کرتے۔ ملکی سیاست کے متعلق جس قدر اہم امور ہوتے مثلاً قضا۔ احتساب افتاد وغیرہ کے تمام معزز مناصب اور ممتاز عہدوں کے لیے وہی شخص انتخاب کیا جاتا اور یہ قابل عہدے اسی تقدس مآب کے تفویض کئے جاتے۔

لیکن ان محترم و معزز عہدوں کو کسی شخص یا خاندان کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں کیا جاتا تھا۔ اور کچھ یہی ضرور نہ تھا کہ جو شخص ان جلیل القدر مناصب کے لیے ایک دفعہ منتخب کر لیا گیا تو اب یہ عہدے نسلاً بعد نسل اس کے خاندان میں موروثی قرار دے دیئے جائیں۔ خواہ قابل ہوں یا ناقابل۔ نہیں بلکہ سب سے پہلے یہ بات دیکھی جاتی تھی کہ کیا یہ شخص ان امور کے سمجھنے اور ان واقعات کی تہ میں بیٹھ جانے کی قابلیت رکھتا ہے جو ان مناصب سے تعلق رکھتے ہیں۔

یا نہیں۔ گویا اس منتخب ممبر کے لیے بھی ایک دن اور ایک وقت اس کی عملی قابلیت اور ذہانت و حافظہ کے امتحان کا ہوتا تھا۔

اسی طرح ان ممتاز عہدوں اور جلیل القدر منصبوں کے لیے یہ بھی ضرور نہ تھا کہ جو محترم و محتشم شخص ان کے لیے انتخاب کیا جاتا اسی قاضی اور مفتی اور محتسب کے معزز القاب سے پکارا جاتا۔ بلکہ بغیر ان القاب کی شہرت کے اور بغیر کسی قسم کی ظاہری تخصیص کے اس کی گورنمنٹ خلائق کا مرجع و مرکز سمجھی جاتی۔

شیخ کمال الدین کی تاریخی زندگی

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب شیخ کمال الدین مفتی بحکم الولد سر لابیہ تقدس اور تمام شریفانہ عادات، مہذبانہ اخلاق علم و فضل میں اپنے واجب الاعتصام والد کے بالکل قدم بقدم تھے۔ حوصلہ مندی بلند خیالی۔ روشن خیالی، دقیق النظری میں جواب نہ رکھتے تھے۔ آپ کے مراقبات و مکاشفات اور خداداد تقدس کی ان اطراف میں بہت بڑی شہرت تھی۔ آپ کا اکثر وقت یا تو کتب بینی میں صرف ہوا کرتا تھا۔ یا ریاضت و مجاہدات میں۔ شیخ کمال الدین مفتی گو اکہرے بدن کے دُبلے پتلے اور نحیف آدمی تھے۔ لیکن آپ کی متین و وسیع پیشانی اس عظیم الشان نصیبے کی شہادت دیتی تھی جو آپ کو آیندہ حاصل ہونے والا تھا۔ یہ بات نہ صرف تعجب ناک بلکہ حیرت انگیز ہے کہ شیخ کمال الدین مفتی کو بہت تھوڑے عرصہ میں وہ مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ جسے ربانی مقبولیت سے تعبیر کر سکتے ہیں، کہ ان اطراف کے باشندوں کا بچہ بچہ آپ کا نام نہایت مقدس اور پاک الفاظ کے ساتھ زبان پر لاتا تھا۔

شیخ قطب الدین

جب جناب شیخ کمال الدین مفتی کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوا، اور لبریز ہو کر چھلک گیا یعنی آپ کی مقدس روح جہانِ فانی سے عالم باقی میں انتقال کر گئی تو آپ کے بعد آپ کے نہایت لائق اور ہونہار فرزند جناب قطب الدین اس معزز عہدے سے ممتاز کئے گئے۔ افسوس کہ اس مقدس شخص کے تفصیلی حالات باوجود تحقیق کے ہمیں کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے بلکہ جہاں تک تحقیق ہوا ہے صرف اس قدر پتا ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے عبدالملک جانشین ہوئے اور یہ عظیم الشان منصب ان کی تفویض کیا گیا۔

شیخ عبدالملک کی روحانی طاقتیں

جناب عبدالملک بڑے تیز ہوش اور ذہین وطباع شخص تھے۔ فطرت نے اوّل ہی روز سے آپ کے ضمیر کو ربّانی قابلیتوں اور روحانی جوہروں سے آراستہ کر دیا تھا۔ اسی لیے روز بروز اور ساعت بساعت روحانی لیاقتیں اور الہامی غوامض آپ کے پاک اور مقدس نفس سے اپنی اصلی تابانی ودرخشانی دکھاتے تھے۔ ان جیسے بزرگواروں کی وجہ سے اب یہ نجیب وشریف خاندان کچھ حد سے زیادہ مقبول انام ہو گیا تھا۔ اور اس معزز خاندان کے ہر ممبر کی معاشرت اور تمدنی حالت ایک نرالی اور انوکھی طرز کی ہو گئی تھی۔

شیخ عبدالملک کی تعلیم اور علم حدیث کی تحصیل

گو آپ نے علوم کی تعلیم روحانی ذریعہ سے حاصل کی تھی اور ربّانی جلال کا پورا اثر آپ کے دل میں چمک چکا تھا۔ مگر پھر بھی تمام وہ معمولی کتابیں جو اس وقت درس میں شامل تھیں۔ اپنے ہی خاندان کے ایک فاضل اجل اور علامہ سے بہت جلد نکال لیں۔ چونکہ فطرت نے پہلے ہی سے آپ کا دماغ کامل عقل سے آراستہ کر دیا تھا۔ اس لیے آپ کو ان معمولی کتابوں کا بہت جلد پڑھ لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ جب آپ معمولی ورسمی علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو علم حدیث پڑھنا شروع کیا۔ بے شک علم حدیث ایک بڑا سخت اور دشوار گذار علم ہے اس کی اہمیت اور معنی آفرینی کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اس فن میں لگاؤ اور مس حاصل ہے۔ لیکن بڑی خوشی سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ بزرگ عبدالملک کے سامنے یہ مشکل اور دقت آفرین علم بھی پانی تھا کیونکہ آپ کا دل اور دماغ روزِ اوّل ہی سے ان فطرتی جوہروں کی تابانی سے چمک چکا تھا۔ جنہیں ربانی بخشش اور فیضِ خداوندی سمجھنا چاہیئے۔

کلام اللہ سے دلچسپی اور خوش الحانی

آپ کو کلام الٰہی سے بڑی دلچسپی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر اوقات اس کی تلاوت میں مشغول رہتے اور حاضرین کو اس کے اسرار ونکات کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ گویا یہ آپ کا وعظ تھا جس سے ہر وقت مجلس گرم رہتی تھی۔ آپ کی مقدس زبان سے جو جملہ اور فقرہ نکلتا تھا وہ ایسا دانشمندانہ اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ جس سے فطرت اللہ کا اصلی منشاء اور کلام ربانی کا ذاتی مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کی خوش لہجگی میں وہ مقناطیسی اثر تھا کہ سننے والوں کی طبیعتیں ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ آپ کی طرف مائل ومتوجہ ہوتی تھیں۔ آپ کے لفظ لفظ سے سامعین کے

دلوں پر ایک چوٹ سی لگتی تھی اور ان کے جسم کانپ اُٹھتے تھے۔ ان پر ایک محویت اور بے اختیاری کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور اس حالتِ بے خودی میں اس شدّت سے رقّت ہوتی تھی کہ پرنم آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہاتے تھے۔

شیخ عبدالملک کا وعظ و تلقین اور اس کا اثر

جن باتوں کا تذکرہ خصوصیّت کے ساتھ آپ کے وعظ میں ہوا کرتا تھا وہ وحدت پرستی اور اسلام کے ضروری ارکان تھے۔ گویا آپ کو اس عمارت کا نقش و نگار سے آراستہ و پیراستہ کرنا منظور تھا۔ جس کی بنیاد آپ کے مقدّس اور اولوالعزم جدّ امجد حضرت شیخ شمس الدین قدس سرہٗ نے اول روز ڈالی تھی۔ آپ کا سب سے بڑا اور اہم خیال یہی تھا کہ جس طرح سے بن پڑے بت پرستی کی بیخ کنی ہو جائے اور آسمانی شریعت میں جو نفرت انگیز اور بے ہودہ رسمیں رواج پکڑ گئی ہیں دنیا سے مٹا دی جائیں۔ مسلمانوں کو ان ناپاک آلائشوں اور نفرت ناک بے ہودگیوں سے پاک صاف کر دیا جائے۔ جن میں وہ صدہا سال سے گرفتار ہیں۔ وہ غلیظ و قابلِ نفرت عادتیں جو ان کے خمیر میں صدیوں کی خرابی سے پڑ گئی تھیں اور جن منغّص بیہودگیوں میں وہ ایک دراز عرصہ سے مبتلا تھے۔ ان سے انہیں اس طرح پاک و صاف کر دیا جائے کہ گویا ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔

حقیقت میں یہ کام ایک بڑا ہی برتر اور اہم کام تھا جس کی تجدید آپ نے کی۔ اگرچہ ویسی کامیابی جو درحقیقت اس میں ہونی چاہیئے تھی آپ کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی آپ کی تعلیم و تلقین نے اپنا قیمتی اثر مسلمانوں پر ڈالا اور ان کے اخلاقی خیالات ایسے نِتھر گئے جن پر آج اسلامی دنیا اگر کسی طرح کا فخر کرے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن یہ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ شیخ عبدالملک عمرِ طبعی کے زمانہ تک پہنچنے سے پیشتر ہی عین اس وقت جب کہ آپ کا عروجِ کمال شہابِ ثاقب کی طرح چمک رہا تھا۔ اس جہان سے تشریف لے گئے یعنی فلکِ کج رفتار نے قبل اس کے کہ آپ خوش مراد کی گل چینی سے بہرہ ور ہو کر اپنی دلی آرزوؤں اور پرشوق تمنّاؤں پر کامیاب ہوں عین عالمِ شباب میں لقمۂ اجل بنا ڈالا۔ حیف صد حیف اے دُنیائے دوں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ شہر رہتک اور اس کے اطراف و جوانب میں دستور نہ تھا۔ کہ

ملکی سیاست کے اولوالعزم عہدے کسی خاص شخص یا کسی خاص خاندان کے علاوہ کوئی اور شخص افضا اور احتساب و افتا کے مناصب کے لیے انتخاب کی لیاقت نہ رکھتا ہو بلکہ جو محترم و محتشم مسلمان اس صوبہ میں توطن اختیار کرتا اور اسے فطرت سے ربانی قابلیتوں اور روحانی وضمیری جوہروں کا حصہ ملتا وہ ان جلیل القدر اور عظیم الشان عہدوں سے ممتاز کیا جاتا۔ لیکن اب اس قدر زمانہ گذر جانے اور اس واجب الاعتصام خاندان میں ایسے متعدد اور محتاط حضرات کے ظہور کرنے سے کلیتہً یہ قانون نافذ ہو گیا کہ قضاء و افتا کے معزز عہدے اسی شریف و بزرگ خاندان کے ساتھ مخصوص و محدود ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کو یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو گئی تھی کہ فطرت نے جو عزت و شرف اس نجیب خاندان کو دیا ہے دوسرے کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس معزز خاندان کے حضرات کے ضمیری و روحانی جوہر اپنے میں گہری ممتازیت کی تہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے پاک نفوس میں ربانی جلال کا پورا پرتو پڑ چکا ہے۔ اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس جلیل الشان خاندان میں آیندہ جس قدر لوگ پیدا ہوں گے۔ سب کے سب نہ صرف فخر خاندان بلکہ فخر روزگار ہوں گے۔

حقیقت میں اس زمانہ کے لوگوں کا یہ تفرس و قیاس بالکل صحیح اور نہایت قدر و منزلت کے قابل تھا۔ اخیر عہد میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی اور پوتے شاہ اسمٰعیل صاحب ایسے مقدس و نامور اور مشہور عالم ہوئے جن کی محتاط زندگی اور اتقاء پرہیزگاری اور علمی برکتوں نے ان کی شہرت نہ صرف ہندوستان میں محدود رکھی۔ بلکہ ان کے تقدس و پاکی کی ناموری نے دور دوران کے خاندان کی شرافت و بزرگی میں اور بھی جان ڈال دی اور جن کی بدولت ہندوستان جہاں تک اس بات پر فخر کرے بجا ہے کہ اس نے اپنی نازبھری گودی میں ایک دراز عرصہ تک ایسے ممتاز و معزز بچوں کو پالا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی اور ایشیائی ملک کو یہ بات بہت کم نصیب ہوتی ہے۔

ایک فاضل کے خیال کا اظہار

مجھے اس مقام پر اپنے ایک معزز ہمعصر کا خیال ظاہر کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے میرے بیان کی پوری تائید ہو سکتی ہے۔ وہ معزز ہمعصر اپنی ایک قیمتی تصنیف میں اس خاندان کے علم و فضل کی شہرت کے متعلق یوں ریمارک کرتا ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان

کے علم وفضل کی آوازیں ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر مسلمانوں کے ممالکِ روم وشام وغیرہ میں پہنچتی تھیں اور جس مسئلہ میں مکّہ مدینہ کے علماء میں جھگڑا ہوتا تھا۔ وہ ثالث بالخیر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز کو بناتے تھے۔ ملا رشید مدنی اور شاہ عبدالعزیز سے جو خط وکتابت ہوئی ہے اس سے ہم اپنے دعویٰ کی سند دے سکتے ہیں۔ ایک خط میں ملا رشیدی نے یہ لکھا ہے "شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہوا ہے کہ کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتوے میں آپ کی مہر کا متلاشی رہتا ہے اور وہ فتوے جب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا اگر آپ یہاں تشریف لے آویں تو ہم لوگوں کے لیے بڑے افتخار کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بہت بڑی عزّت کرتا ہے۔"

اس کے بعد معزز ہمعصر لکھتا ہے اس خط سے اس مقبولیّت کی پوری پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی بلادِ اسلامیہ میں تھی۔ اس کو ربانی مقبولیّت کہتے ہیں اور یہ اصلی علم وفضل ہے۔

قاضی بدھا الغرض شیخ عبدالملک کے مبارک عہد میں قضا واحتساب اور افتاء کے معزز عہدے اس خاندان کے لیے موروثی حقوق قرار دے دیئے گئے اس لیے آپ کے انتقال کے بعد آپ کے لائق اور عزیز الوجود فرزند جناب قاضی بدھا نے اپنی موروثی ریاست اور خاندانی حقوق وتعلق کو محفوظ کی غرض سے منصبِ قضا اختیار کیا اور مدّت العمر تک مخلوقِ خدا کے امور کے متکفّل اور نگران رہے۔

قاضی بدھا کی عام خوش اخلاقی کچھ شبہ نہیں کہ اس محترم خاندان میں جس قدر مقدس اور پاک نفس حضرات گذرے ہیں سب کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تھے۔ غرور ونخوت۔ ترفع اور کم بینی ان میں نام تک کو نہ تھی۔ یوں تو اس واجب الاحترام خاندان کا ہر ایک ممبر نہایت فیاض اور خوش اخلاق تھا۔ لیکن جو خوش اخلاقی اور فیّاض طبعی جناب قاضی بدھا میں پائی جاتی تھی۔ اس کا ڈھنگ سب سے نرالا اور جدا تھا۔ اگرچہ آپ ایک ایسے اولوالعزم اور اعلیٰ درجہ کے عہدہ سے ممتاز تھے جس کے آگے زبردست سے زبردست سلطنت کو بھی بجز گردن تسلیم خم کرنے کے اور کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتا تھا اور اس کے حقیقی آپ کی مخالفت ایک زہریلا اور نہایت بد اثر نتیجہ پیدا کرنے والی تھی۔ لیکن

یہ بات نہایت خوشی سے کہی جاتی ہے کہ ہر شخص خواہ وہ کسی رتبہ کا آدمی ہوتا بغیر کسی ذریعہ تعارف کے ہر وقت آپ سے مل سکتا اور آپ جس تواضع اور خوش اخلاقی سے اس کے ساتھ پیش آتے۔ ملنے والا بہت عرصہ تک اس کا اثر اپنے دل میں محسوس پاتا۔ اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اخلاق نہایت وسیع اور عام تھے اور اس کے لیے وسیلۂ تعارف عزت و جاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

قاضی بدھا کی تعلیم

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ابتدا میں قاضی بدھا صاحب نے ظاہری علوم و فنون اور دینی کتب کے مطالعہ کرنے میں زیادہ محنت نہیں کی۔ لیکن جو لوگ قلبی فراز و نشیب اور ضمیری قابلیتوں سے کسی قدر بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ جن پاک نفوس کو فطرت کی باطنی قوتوں میں درک و مہارت اور اس کے پوشیدہ یا ان دیکھے جوہروں کا کسی درجہ علم ہوتا ہے۔ انہیں علمی ترقی میں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کتب بینی میں زیادہ وقت صرف کرنے کی حاجت۔ جو طبیعتیں کہ فطری جوہروں کے نور سے روشن اور چمکدار ہو جاتی ہیں اور ان پر ربّانی تجلّیات کا عکس پڑ جاتا ہے تو وہ بغیر کسی محنت و جانکاہی کے حقائق ربّانی کے سمجھنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس بعض وہ طباع جن میں مطالب الہامی اور مقاصد ربّانی اخذ کرنے اور ان سے متاثر ہونے کا کافی مادہ پیدا ہو جاتا ہے کتب بینی اور سبق خوانی کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتیں۔

بیشک یہ بات تسلیم کئے جانے کے قابل ہے کہ جو لوگ کتابی تعلیم حاصل نہیں کرتے ان میں اگرچہ مقاصد فہمی کی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ ایسے قابل نہیں ہوتے جیسے کتابی تعلیم حاصل کرنے والے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ماننا پڑے گا کہ محنت ایک ایسی چیز ہے جس سے غبی انسان بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا ہی لیتا ہے۔ لیکن یہ بات قابل نوٹ ہے کہ لیاقت و قابلیت کتب بینی اور ضابطہ تعلیم حاصل کرنے میں ہرگز منحصر نہیں ہے بلکہ ایک ایسا شخص جس نے معمولی تعلیم سے اپنی ذات یا قوم کو فائدہ پہنچایا۔ وہ اس تعلیم یافتہ سے زیادہ وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہے جس نے علم میں بہت بڑا تبحّر اور ملکہ حاصل کرنے کے بعد اس سے اپنی ذات یا ملک و قوم کی بہبودی نہیں چاہی۔ اسی طرح جن مقدّس انفاس لوگوں کے دل و دماغ ابتدا ہی سے ان جوہروں سے آراستہ و مجلّا ہو جاتے ہیں جنہیں فطرت کی خاص بخششیں سمجھنا چاہیئے تو انہیں خود بخود وہ ربّانی لیاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو

نہ کسی سنگین محنت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ نہ جانکاہی و جگر خراشی سے نصیب ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ گو جناب قاضی بدھا صاحب زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن آپ کی فراخ و خوبصورت پیشانی کی تابانی انسانی نظروں کو اس بات کا صاف پتہ دیتی تھی کہ اس معزز شخص کی دماغی قوتوں اور قلبی جوہروں کو فطرت کی طرف سے وہ حصہ ملا ہے جو ایک زبردست متبحر عالم جامع فنون کو بہت کم نصیب ہوا ہے۔

قاضی قاسم، شیخ منکن اور شیخ یونس

بزرگ قاضی بدھا صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دو فرزند باقی رہے جو تقدس وریا کی اور شریفانہ عادات کے مجسم تصویر اور آپ کی عظیم الشان یادگار تھے۔ ایک قاضی قاسم جو اپنے واجب الاحترام والد کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور خلیفہ مقرر کیے گئے دوسرے شیخ منکن جو انتہا سے زیادہ علمی لیاقت اور باطنی قابلیت رکھتے تھے اور جو نسبتاً باطنی علم کا زیادہ حصہ قدرتی طور پر رکھتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد صرف ایک فرزند یونس نام باقی رہے جو بڑے ہو کر نہایت قابل اور فخر خاندان شخص قرار دیے گئے۔ واجب الاحترام اور معزز یونس سیرت میں، صورت میں، اخلاق و عادات میں بالکل اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم تھے۔ ان کی طرز معاشرت اور تمدنی حالت بالکل ایسی ہی تھی، جیسی جناب قاضی بدھا صاحب کی۔ اس زمانہ کے لوگ صرف اس لحاظ سے ان کی اور بھی وقعت و قدر کرتے تھے کہ یہ قاضی صاحب کی شکل و شباہت سے زیادہ ملتے جلتے تھے۔

قاضی قادن اور شیخ کمال الدین

قاضی بدھا صاحب کے فرزند رشید جناب قاضی قاسم صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دو عزیز الوجود اور گرامی قدر صاحبزادے باقی رہے۔ ایک قاضی قادن۔ دوسرے شیخ کمال الدین۔ قاضی قادن اور شیخ کمال الدین دونوں محترم بزرگ حضرات اگرچہ علم و فضل، عقل و تمیز، ذہانت و طباعی وغیرہ میں مساوی درجہ رکھتے تھے۔ گو بعض بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے کسی قدر ممتاز اور مستثنیٰ تھے۔ لیکن چونکہ جناب قاضی قادن صاحب شیخ کمال الدین سے عمر میں کسی قدر بڑے تھے۔ اس لیے آپ ہی اپنے والد بزرگوار کے

انتقال کے بعد ان کے قائم مقام اور جانشین قرار پائے اور شہر کی ریاست اور سیاست آپ ہی کے تفویض میں کی گئی۔

قاضی قادن صاحب ہر چند کہ تمام تذکروں اور تاریخی صفحوں میں اسی نام نامی سے یاد کئے گئے ہیں لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ کا اسم گرامی عبدالقادر یا قوام الدین ہو گا جو ایک زمانہ تک متعصّب ہندوؤں کی ناآشنا اور جاہل زبان پر جاری ہوتے اور تحریف و تصحیف قبول کرتے کرتے عبدالقادر سے صرف قادن رہ گیا۔

شیخ نظام الدّین

قاضی قاسم کے دوسرے صاحبزادے شیخ کمال الدین جو قاضی قادن کے چھوٹے بھائی تھے اور جوان اطراف میں علم و فضل کی بہت بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں صرف ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام نامی نظام الدین رکھا گیا۔ اور جو بڑے ہو کر علمی فیاضیوں اور فطری قابلیتوں کے سرچشمہ ہوئے ان ہی سے شیخ کمال الدین کے انتقال کے بعد ان کی نسل قائم ہوئی اور آئندہ زمانہ میں اس نسل کے سلسلہ میں بڑے بڑے عالی وقار اور حوصلہ مند دقیق النّظر حضرات پیدا ہوئے۔

شیخ محمود، شیخ آدم

محترم قاضی قادن کے انتقال کے بعد دو فرزند آپ کی یادگار میں باقی رہے۔ ایک شیخ محمود، دوسرے شیخ آدم جو بھائی خان کے ساتھ کمال شہرت رکھتے تھے۔ شیخ محمود اپنے معزز اور واجب الاحترام قبائل میں بڑے نجیب و شریف اور ممتاز شخص گنے جاتے تھے اور نہ صرف اس جلیل القدر خاندان کے شرفاء آپ کی عظمت و جبروت، شان و شوکت کو تسلیم کرتے تھے۔ بلکہ شہر رہتک اور اس کی اطراف و جوانب کے تمام اولوالعزم اور محترم باشندے پرلے درجہ کی تعظیم و توقیر سے پیش آتے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں بہت سے خارجی اسباب اور اس بزرگ خاندان کی طبیعت کے مخالف چند ایسے ہی سامان جمع ہو گئے تھے۔ لہذا شیخ محمود کو جو اس وقت تمام بقیۂ خاندان میں امتیازیہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ منصب قضا سے کنارہ کش ہو کر اعمالِ سلطانیہ میں مشغول ہونا پڑا۔

شیخ محمود کا منصب قضا کو چھوڑ کر اعمالِ سلطانیہ میں مشغول ہونا

چونکہ فطرت نے پہلے ہی سے

جناب شیخ محمود کے لیے تجویز کر رکھا تھا کہ آپ زمانہ کے سرد و گرم نرمی و سختی دونوں قسم کی کیفیتوں سے دلچسپی حاصل کریں گے۔ نیز بہت سے پیچیدہ اور اہم معاملات کی گلجھٹیوں کو سلجھانا اور نئے نئے الجھیڑوں میں سے موشگافیاں کرنا آپ کی قسمت میں لکھا جا چکا تھا اس لیے ضرور تھا کہ آپ منصب قضا کو خدا حافظ کہہ کر ایک ایسا سلسلہ اختیار کریں جس سے مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ یہ ایک ارادہ تھا جو بزرگ شیخ محمود کے دماغ میں بجلی کی طرح ساعت بساعت اور "آنا فانا" کوند رہا تھا اور جس میں ایک عجیب اتفاقی طور پر تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی۔ اس مضمر جوہر نے جو ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت میں خمیر کر دیا گیا تھا دفعتہ زور کیا۔ یک بیک آپ کا دل برداشتہ ہوا، اور وہ ضعیف سا خیال و تحریک جو بجھی ہوئی چنگاری کی طرح آپ کے باطن میں کبھی کبھی اپنی تابانی دکھا جاتی تھی۔ اب ایک نہایت مضبوط اور مستحکم قصد ہو گیا۔ آپ نے ہر بات کے چڑھاؤ اتار اور مخالف و موافق پہلوؤں پر عمیق نظر دوڑا کر اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا کہ موجودہ حالت میں زندگی بسر کرنے سے سپاہیانہ زندگی اچھی اور انسب و اولیٰ ہے۔ اس میلان طبع میں بھی بڑے بڑے ربانی اسرار اور فطرتی راز مخفی تھے۔ جس کی خبر ہنوز آپ کو بھی نہ تھی۔ اس امر کے تسلیم کرنے سے کسی متنفس کو ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالےٰ کو اپنے جس بندہ سے اس کی زندگی کے آیندہ حصّہ میں جیسا کام لینا ہوتا ہے اس کے لیے اسباب وساماں بھی ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ آپ مسلمانوں کی بہبودی اور ترقی و عروج کے لیے پیش خیمہ قرار دیئے گئے تھے اس لیے آپ کا فرض منصبی تھا کہ اپنے میلان طبع کی متابعت کریں یعنی کوئی ایسی صورت پیدا کریں جس سے مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کو ملک و سلطنت کی طرف سے کافی فائدہ پہنچے۔

ہمیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جب شیخ محمود قضا کا عہدہ چھوڑ کر اعمال سلطانیہ میں مشغول ہوئے ہیں تو انہیں بہت سے ایسے جانگزا مصائب اور جگر خراش تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے جن کا تحمل کسی بڑے حوصلہ مند سے بھی متصور نہیں ہو سکتا۔ لیکن بڑی خوشی کا مقام ہے کہ آپ نے تمام مصائب و تکالیف کا بڑی خوشی اور استقلال کے ساتھ استقبال کیا اور زندگی کی ناگوار زحمتیں اُٹھاتے بھی کبھی آپ کی طبیعت اچاٹ نہیں ہوئی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پرشوق نظریں ہمیشہ اس طرف پڑ رہی

تھیں کہ چاہے مجھے جس قدر تکلیف پہنچے لیکن مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کے لیے کوئی ایسا سلسلہ قائم ضرور ہو جائے جس سے انہیں سلطنتِ وقت کی طرف سے پورا فایدہ پہنچ سکے اور ان کی ترقی و عروج اوجِ کمال پر پہنچ جائے الحمد للہ کہ آپ کی محنت نے اچھا ثمرہ پیدا کیا اور آپ اپنی آرزوؤں میں کامیاب ہوئے۔

ساتھ ہی ان تمام کامیابیوں کے جو شیخ صاحب کو حاصل ہوئیں نہایت تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ اس ترقی پر بھی اپنے منصبی فرائض بڑی جرأت و دلیری سے ادا کرتے اور ہمیشہ ان ہی باتوں کو استعمال میں لاتے رہے جو آپ کے شریف خاندان کے ساتھ خصوصیت رکھتی تھیں۔ باوجودیکہ آپ سلطنت کی طرف سے ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے اور اس کی انجام دہی کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ اسی لیے قدیمی تذکروں میں آپ کی بابت لکھا گیا ہے کہ اگر شیخ محمود کے ظاہری احوال پر سرسری اور اجمالی نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر خاص شہر رہتک اور اس کے اضلاع میں صدیق گذرے ہیں سب میں آپ ہی کا نمبر اوّل تھا۔

جناب شیخ محمود جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو آپ نے تحفّظ نسل کے لیے ایک نہایت ہی عفت مآب اور شریف خاتون سے نکاح کیا جس کا نام آفریدہ تھا اور جو سونی پت کے سادات و اشراف میں سے ایک بڑے نجیب و شریف خاندان کی عورت تھی۔ اس عورت کے بطن سے آپ کے ہاں ایک سعادت مند اور خوش قسمت لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیخ احمد رکھا گیا۔ اور جو بڑا ہو کر نہایت تیز ہوش اور بیدار مغز صاحب طریقت ہوا۔

شیخ احمد نے بچپنے ہی میں اپنے وطن مالوف کو خدا حافظ کہا تھا اور رہتک سے نکل کر حضرت شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم کے ساتھ نشو و نما پایا تھا۔ بچپن کا زمانہ طے کر کے جب آپ نے عالم شباب میں قدم رکھا اور سنّ بلوغ کو پہنچے تو آپ کی سنجیدہ اور متین پیشانی میں رشد و ہدایت کے آثار نہایت درخشانی و تابانی کے ساتھ نمایاں ہوئے جو قیافہ شناس نظروں کے لیے ایک عظیم الشان واقعہ کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ اور جنہیں دیکھنے والے فوراً تاڑ جاتے تھے۔ کہ عنقریب ایک وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں دنیاوی جاہ و جلال اور حشمت و شوکت اس ہونہار نوجوان کے قدموں کو بوسہ

دیں گے اور اس اقبال مند کا پر شوکت ستارہ شہاب ثاقب کی طرح اوج کمال پر چمکے گا۔ خدائی فوج کا جمگٹا اس کی رکاب میں ہوگا۔ اور رب الافواج کا ہاتھ ہمیشہ اس کے سر پر رہے گا۔

شیخ احمد صاحب کا عقد

شیخ عبدالغنی صاحب نے جن کی تربیت و تعلیم میں شیخ احمد اپنی قیمتی زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنی خداداد تفرس اور باطنی صفائی سے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ یہ لڑکا ہونہار اور انتہا سے زیادہ باوقعت ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دے کر ایک دراز عرصہ تک ان کی تربیت و تعلیم میں حد سے زیادہ مصروف رہے اور کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی ان کی جدائی اختیار نہیں کی لیکن جب شیخ احمد جوان ہوئے تو دفعتہً ان کی طبیعت یہاں سے اچاٹ ہو گئی اور یہی ان حاسگی طبع انجام کاران کے رہتک میں دوبارہ آنے کی باعث ہوئی۔

جب آپ رہتک میں جلوہ آرا ہوئے تو قلعہ کے باہر ایک نہایت عالیشان اور شاندار عمارت تیار کرائی اور اپنے خاندان کے تمام قبائل کو یہاں جگہ دی۔

کچھ شک نہیں کہ جناب شیخ احمد صاحب کے دو دلچسپ واقعات جوان کی تاریخی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں نہایت عجیب وغریب واقعات ہوں گے۔ اور اپنے ساتھ ندرت مآب حالات کا ایک بے مثل انبار رکھتے ہوں گے۔ لیکن مجھے بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ شیخ احمد کے اس کے بعد حیرت انگیز واقعات کسی تذکرہ اور تاریخ میں میری نظر سے نہیں گذرے۔ نہ کسی ایسے معتبر ذریعہ سے بہم پہنچ سکے جنہیں میں اس مقام پر لکھ کر ناظرین تذکرہ کو محظوظ کرتا۔

شیخ منصور

القصہ شیخ احمد کے انتقال کے بعد ان کے دو فرزند باقی رہے۔ ایک شیخ منصور۔ دوسرے شیخ حسین۔ شیخ احمد کی آیندہ نسلوں کا سلسلہ ان ہی دونوں حضرات کی اولاد میں منحصر و محدود ہے۔ شیخ منصور نہایت متواضع اور خلیق تھے آپ کے اخلاق ایسے عام اور وسیع تھے جنہوں نے مخالفوں کے دلوں میں بھی آپ کی کافی جگہ کر دی تھی۔ شجاعت و بہادری میں لاجواب اور تحمل و وقار میں بے مثل تھے۔ آپ نے اولاً اپنے حقیقی ماموں شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی کی صاحبزادی سے نکاح کیا جو نہایت ذی شعور اور صاحب فہم خاتون تھیں۔

شیخ معظم، شیخ اعظم اس عفیفہ اور عصمت مآب خاتون کے بطن سے باجاہ و جلال دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شیخ معظم دوسرے شیخ اعظم لیکن جب اس خدا شناس اور رحم دل بی بی کا انتقال ہو گیا تو پھر آپ نے ایک اور شریف خاندان کی عورت سے نکاح کیا۔ جس کے بطن سے شیخ عبدالغفور اور شیخ اسمٰعیل پیدا ہوئے۔

شیخ عبدالغنی شیخ احمد صاحب کے سلسلۂ بیان میں جناب شیخ عبدالغنی صاحب کا ذکر بھی آگیا ہے جو شیخ احمد صاحب کے خُسر تھے۔ جیسا کہ میں اوپر تفصیل کے ساتھ لکھ آیا ہوں۔ اس مقام پر مجھے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ اس معزز خاندان کے اولوالعزم ممبروں کا تذکرہ ختم کروں۔ شیخ عبدالغنی صاحب کے سوانح عمری کا سرسری اور اجمالی خاکہ کھینچوں۔ اگرچہ مجھے شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے علاوہ دیگر خاندان کے حضرات کے واقعات و حالات سے بحث کرنی نہیں چاہیئے اور نہ اس قسم کی بحث میرے منصب ولحاظ کے مناسب ہے لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ایسے نادرۂ روزگار کے حالات ظاہر کرنے سے پہلو تہی کروں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان سے نہ سہی لیکن ان کے خاندان سے خاص قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ مجھے معزز ناظرین سے امید ہے کہ وہ خارج البحث کے الزام دینے سے معذور رکھیں گے۔

شیخ عبدالغنی صاحب ایک بڑے زبردست علّامہ اور فاضل اجل تھے۔ آپ کی محتاط زندگی تبحر علمی، زہد و پرہیز گاری۔ متواضعانہ اخلاق۔ شائستہ و زیبا عادات کی شہرت ایک عالم میں پھیل گئی تھی۔ اور ہندوستان کا ہر ایک شخص آپ کو ولی کامل سمجھتا تھا جلال الدین اکبر جیسا پُر شوکت اور قہار بادشاہ آپ کی عظمت و جبروت اور جاہ و جلال کو تسلیم کرتا اور برسرِ دربار نہایت عقیدت مندی اور پاک اعتقادی کے ساتھ تعظیم دیتا تھا۔

ملکی شوکت اور علمی برکت کا مقابلہ اگرچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت ترقی کنان اوجِ کمال پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کی ملکی ترقی اور شوکت و جبروت کی برقی روشنی کے آگے مذہبی بہبودی اور

اسلامی علوم برابر مٹتے جاتے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہندوستان میں جلال الدین اکبر کی حکومت ایک پُر شوکت اور نہایت امن کی حکومت تسلیم کی جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس حکومت میں بھی مذہبی علوم کے مردہ قالب میں جان نہیں ڈالی گئی اور اسے یوں ہی ادھ موا چھوڑ کر دنیاوی جاہ و جلال اور شوکت و عظمت حاصل کرنے کی طرف توجہ مائل کی گئی۔

تعجّب اور تعجّب کے ساتھ حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ مقدس و پاک اسلام جو فاتحانِ ہندوستان اس سرزمین میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ ملکی فتوحات اور اسلامی تاجداروں کی ترقیوں کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا اور بغداد و اندلس کی طرح ہندوستان میں اپنی حیرت ناک ترقی کا جلوہ دکھاتا۔ الٹا کچھ ایسا بے فروغ ہوگیا۔ کہ بس اب بجز نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ مذہبی علوم کے آثار دن بدن مٹتے جاتے اور لوگوں کو ان کی طرف توجہ بہت کم ہوتی جاتی تھی۔ گو اس وقت بہت سے حامیانِ دین اور فدائیانِ اسلام علماء موجود تھے۔ جیسے کہ شیخ عبدالغنی صاحب اور ان کے خاندان کے چند اور حضرات لیکن جب حاکم وقت ہی کی حالت درست نہ ہو اور خود اسے ہی اسلامی علوم سے دلچسپی نہ ہو تو بے چارے علماء کی طوطی کی آواز نقّار خانہ میں کب سنی جا سکتی تھی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی قسمت میں روزِ ازل ہی سے لکھ دیا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں کے دینی علوم اور مذہبی فنون سے بے نصیب رہے۔ اور اس کے باشندے یہاں کی تعیش خیز آب و ہوا سے کچھ ایسے سرخوش اور از خود رفتہ ہو جائیں کہ اپنی آئندہ نسلوں کی کامیابی و بہبودی کا خیال ان کے دلوں سے بالکل نکل جائے اور وہ بھول کر بھی کبھی اس راہ میں قدم نہ ڈالیں۔

شیخ عبدالغنی صاحب کی اکبری دربار میں عزّت

غرضکہ جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی تمام خوش اخلاقی۔ طرزِ معاشرت تقویٰ و پرہیزگاری، عبادت، مروّت، صداقت، شیریں زبانی ایسی تھی جس نے نہ صرف اکبر بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا بلکہ اس کے تمام رؤسا و ارکانِ سلطنت کی طبیعتیں بے ساختہ اپنی طرف مائل کر لی تھیں۔ اکبر نے آپ کے اتّقاد زہد اور باطنی قوتوں کے پُرجوش ولولوں کی کیفیت سن کر

اپنا مشیر مقرر کر لیا تھا اور کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے کبھی نہ کرتا تھا۔

شیخ عبدالغنی کی اکبر سے رنجش

یہ بالکل صحیح ہے کہ واعظ کا زبانی وعظ و نصیحت سامعین کے دلوں پر اپنا اثر ضرور ڈالتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ واعظ و ناصح کی عملی زندگی اس کی زبانی پند و نصیحت سے بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے۔ شیخ عبدالغنی صاحب کی مبارک زندگی ایسی پراثر تھی اور اس میں وہ جوہر مضمر و پوشیدہ تھے کہ حکومت کے اکثر ارکان اور فوج کے بکثرت آدمی آپ کے معتقد ہو گئے تھے۔ آپ اپنے متواضعانہ اخلاق اور منکسر المزاجی کی وجہ سے اکثر اوقات بادشاہ کی مجلس شوریٰ میں شریک ہوتے اور بعض اہم معاملات میں اسے نیک مشورہ دیتے۔ لیکن چند روز میں اکبر عیش پسندی میں اس درجہ مستغرق ہو کر دین و دنیا سے گیا گذرا ہو گیا۔ اور اس کی متنفّص بیہودگیوں اور نفرت انگیز کارروائیوں کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ الحاد و زندقہ میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ جب اکبر کی یہ زبون حالت اس درجہ تک پہنچی تو شیخ عبدالغنی صاحب نے یک لخت ترکِ ملاقات کر دی اور محبّت و الفت کے رشتہ کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ جانبین سے ایک قسم کی قابل تنفر کشش پیدا ہوئی اور شیخ عبدالغنی نے اب سے اکبری دربار کو خدا حافظ کہا۔

چتوڑ کی مہم

اسی اثنا میں بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی اور اکبری جھنڈے اس طرف اُٹھ کھڑے ہوئے خاص اکبر آباد سے جو ان دنوں ہندوستان کا دارالخلافہ اور پایۂ تخت تھا۔ نہایت خونخوار اور خونریز لشکر متواتر اور پے در پے بھیجے جا رہے تھے اور فوجوں کا تانتا بندھ رہا تھا۔ اکبری فوج نے وہاں پہنچ کر کچھ روز قیام کیا اور پھر کئی جانب سے چتوڑ پر حملہ کیا۔ ہر چند کہ یہ جرّار و بہادر فوج ایک عرصہ تک برابر حملے کرتی رہی اور نہایت سفّاکی اور بے جگری سے مقابلہ میں آمادہ رہی مگر پھر کچھ فتح کے آثار نمایاں نہیں ہوئے۔

ایک عجیب واقعہ

اسی اثنا میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ امام ناصرالدین شہید ابن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مقدّس و متبرک مزار پر ایک پاک طینت نیکدل شخص معتکف تھا۔ رات کے وقت خواب کی حالت ہی نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں دیکھتا کیا ہے کہ ایک شخص روشن اور دھوئیں دھار مشعل ہاتھ میں لیے آگے بڑھ رہا ہے۔ جس کی روشنی میں ایک مختصر سی جماعت قدم اُٹھائے چلی آ رہی ہے اور عجب شان و شوکت سے

آرہی ہے۔ فوجی لباس سارے جسم کو چھپائے ہوئے ہے۔ کمروں سے تلواریں بندھی ہوئی ہیں۔ ایک ہاتھ میں آہنی چمکدار نیزہ اور دوسرے میں لمبا برچھا ہے۔ یہ جماعت تعداد میں نہایت مختصر تھی جس کے افراد سہولت و آسانی کے ساتھ انگلیوں پر شمار کر لیے جا سکتے تھے۔ ان کے حلقہ میں ایک نوجوان شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ جو قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ان کا سردار ہے۔ جس انداز سے وہ شخص گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے چہرہ سے جس جرأت و شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آ سکتا۔

امام ناصر الدین شہید کے مزار کے معتکف کا بیان ہے کہ میں نے یہ عجیب ماجرا دیکھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کہ کہیں میں خواب میں تو نہیں ہوں۔ معلوم ہوا کہ بیداری کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ الغرض تھوڑی دیر میں مشعل اور مشعل کے ساتھ یہ لوگ مزار کے قریب آ پہنچے۔ دفعتہً مشعل مزار کے قبے میں داخل ہوئی اور ساتھ ہی یہ مسلّح فوج کا دستہ بھی اندر گھسا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ لوگ مسافر ہیں اور زیارت کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ جب یہ لوگ زیارت سے فارغ ہو کر واپس آئیں گے تو میں ان کی بود و باش کی کیفیت دریافت کروں گا۔ اور معزز نوجوان کو نہایت نیازمندی اور عاجزی کے ساتھ آداب بجالاؤں گا۔ لیکن میں کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس وقت میری بے خودی اور از خود رفتگی کا یہ عالم تھا کہ ٹکٹکی باندھے کھڑا تھا۔ اور ایک بے اختیاری کی حالت کے ساتھ ان کی ثنا و صفت بیان کر رہا تھا۔

میں اسی حالت میں محو تھا کہ دفعتہً ایک اور واقعہ نے جو مذکورہ بالا واقعہ سے بھی زیادہ تعجّب ناک ہے مجھے چونکا دیا۔ یعنی مجھے اس بارہ میں بہت تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ رئیس جسے فوجی سپاہیوں کا جُھرمٹ حلقہ کئے ہوئے تھا گھوڑے سے اتر کر قبر میں داخل ہوا۔ اور اس کے قبر میں اُترتے ہی فوجی سپاہیوں کا ایک ایک شخص قبر میں گھُسنے لگا۔ میں نے اپنے گئے ہوئے حواس بجا کر کے نہایت جرأت کے ساتھ ایک شخص کا دامن پکڑ لیا اور بے انتہا لجاجت ظاہر کر کے عرض کیا کہ میں آپ سے صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سردار کون ہے اور اس کے ساتھ جو یہ سپاہی ہیں کیسے ہیں۔ بولا سردار جناب امام ناصر الدین شہید ہیں اور جنہیں تو فوجی سپاہی سمجھ رہا ہے۔ شہیدوں کی جماعت ہے میں نے پوچھا۔ اچھا یہ لوگ کہاں گئے تھے۔ جواب دیا ہم چتوڑ کو سر کرنے کی غرض سے

وہاں گئے تھے۔ چنانچہ آج قلعہ چتوڑ فلاں ساعت میں فلاں برج کی طرف سے فتح ہوا، اور پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں پر اکبری پھریرے ہوا میں فراٹے بھرنے لگے۔ یہ حضرات کامیاب اور فتحمند ہو کر وہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔

محترم شہید کے مزار کا معتکف کہتا ہے کہ میں اس حیرت انگیز واقعہ سے نہایت متاثر ہوا اور جیسا دیکھا تھا بجنسہٖ جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی خدمت سراپا برکت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ شیخ صاحب نے اس واقعہ پر مطلع ہو کر جلال الدین اکبر کو فتح چتوڑ اور تسخیر قلعہ کی مبارک باد دی اور صورت واقعہ بے کم و کاست بیان کر دی۔ چند ہی روز گذرے تھے کہ چتوڑ کی فتح اسی اسلوب و طریقہ پر بادشاہ کی خدمت میں معروض ہوئی۔ جیسا کہ جناب شیخ عبدالغنی صاحب نے بیان کیا تھا۔ اس پر اکبر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اپنی فیاضانہ ہمّت سے بارہ دیہہ مشہور گاؤں جناب امام ناصرالدین شہید کے مزار کی نذر کر دیئے اور شیخ عبدالغنی صاحب کے نام ایک شاہی فرمان جاری ہوا کہ ان قصبات کی سالانہ آمدنی آپ کی تفویض میں ہمیشہ رہے گی آپ کو اس بات کا کلی مجاز و اختیار ہوگا کہ اس رقم کو جس طرح چاہیں اور جس موقع پر مناسب سمجھیں خرچ کریں گویا اس کے سپید و سیاہ کرنے کا ہر طرح آپ کو اختیار ہے۔

اس واقعہ کے ذکر کرنے سے میری صرف اتنی ہی غرض ہے کہ ناظرین کو شیخ عبدالغنی صاحب کی خداداد قابلیّت اور غیر معمولی لیاقت معلوم ہو جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اکبری دربار میں آپ کی کیسی کچھ عزّت کی جاتی تھی۔ اس مقام پر میں آپ کا ایک اور واقعہ لکھتا ہوں جس میں آپ کی عجیب و غریب بزرگی اور بے انتہا جلال نظر آتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مقدس ذات میں عملی زندگی اور روحانی حیات کی کس قدر پرزور قوّتیں ودیعت کی گئی تھیں اور فطرت کے کتنے اسرار آپ میں مضمر و مخفی تھے۔

ایک اور عبرت انگیز واقعہ

خواجہ محمد ہاشم کشمی شیخ مجدّد یعنی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی قدس سرّہٗ سے ناقل ہے کہ شیخ مجدّد فرماتے ہیں۔ ہمارے والد بزرگوار ایک مدّت تک جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی ملاقات کے جویاں رہے جو شہر سونی پت کے ایک بڑے کامل درویش اور مشہور و معروف بزرگ تھے۔ ہمارے والد بزرگوار آپ سے نیاز حاصل اور خدمت میں حاضر ہونے کا اس لحاظ سے اور بھی بیتابانہ

شوق تھا کہ انہیں کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ شیخ عبدالغنی صاحب اپنے بزرگ و محترم پیر کا ایک خاص راز مضمر رکھتے ہیں۔ یہ سن کر انہیں کمال اضطراب ہوا اور اسی اضطراب کے دفعیہ کے لیے شیخ عبدالغنی صاحب کی ملاقات کے از حد مشتاق تھے وہ قیمتی اور وزنی راز جس نے ہمارے والد ماجد کو اس درجہ بے چین کر رکھا تھا کہ رات کی نیند اور دن کا آرام آپ کو ناگوار بلکہ حرام ہو گیا تھا یہ تھا۔

شیخ عبدالغنی فرماتے ہیں جب میرے خداشناس اور ریفارمر پیر کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے اور ایک شوریدہ کار درویش کو اپنے پاس بلایا تاکہ انفاذِ نسبت کی آخری رسم جو اس خاندان کا عام قاعدہ ہے ادا کریں اور جو کچھ اس فقیر پر توجہ مبذول کرنی تھی اور باطنی فیض عطا کرنا تھا کر دیں۔ جب میں اپنے رہبر کامل اور مرشد اکمل کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے معاملہ حقیقت کا ایک نہایت عمیق و غمیض بھید زبان مبارک پر جاری فرمایا جس کے سنتے ہی درویش تو فوراً جان بحق تسلیم ہو گیا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ اپنی جگہ برقرار رہا۔

پس میرے والد بزرگوار کو اس راز کی اطلاع نے شیخ عبدالغنی صاحب کی ملاقات کا حد سے زیادہ مشتاق بنا رکھا تھا۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ جس طرح بن پڑے خود جناب شیخ عبدالغنی صاحب سے مل کر ان کی زبان سے یہ راز حل کریں۔ یہ ایک عجیب اتفاق کی بات ہے کہ شیخ عبدالغنی صاحب کو دفعتہً ایک ایسی ضروری اور اہم مہم پیش آئی۔ جس کے سر کرنے کی غرض سے آپ کو خاص ہمارے قصبہ سرہند سے عبور کرنا پڑا اور آپ عین اس وقت جب کہ کسی کو خیال و وہم بھی نہ تھا اچانک سرہند میں جلوہ آرا ہوئے۔ شیخ عبدالغنی صاحب نے سرہند میں پہنچ کر سرا میں قیام کیا اور ہمارے والد صاحب کو آپ سے نیاز حاصل کرنے کا یہ بہت اچھا موقع مل گیا۔ والد بزرگوار سرا میں تشریف لے گئے اور شیخ صاحب سے مل کر نہایت محظوظ ہوئے۔ معانقہ و مجالست اور معمولی مزاج پرسی کے بعد خلوت کی درخواست کی اور اس راز سربستہ کے اظہار کرنے کی التماس کی۔ چونکہ شیخ صاحب نہایت رحمدل، خوش اخلاق مروّت پسند تھے۔ آپ نے بلا دریغ سارا راز کھول دیا۔ اور مافوق العادت تسلّی و تشفی کر کے والد صاحب کو رخصت کیا۔ جب میرے والد شیخ صاحب کی پر لطف اور نشاط انگیز صحبت سے جدا ہو کر باہر تشریف لائے تو شیخ

جمیل الدین صاحب نے جو اپنے زمانہ کے فاضل اجل اور مشہور صاحبِ دل تھے اور جو ہمارے والد بزرگوار کے تمام خلفاء میں ایک بڑے قابل لائق خلیفہ تھے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ صاحب سے اس راز کا استفسار کیا؟ فرمایا۔ ہاں! عرض کیا۔ وہ راز تھا کیا؟ جواب دیا وہی معمولی اور قدیم مسئلہ تھا جو ہمارے اور ہمارے خاندان کے عقائد کی روح ہے یعنی یہ تمام کائنات اور اس کا ذرّہ ذرّہ جو وقتاً فوقتاً انسانی نظروں میں سماتا ہے۔ واحدِ حقیقی ہے[1] جو کثرت کے عنوان میں نمودار ہوتا ہے چونکہ وہ شوریدہ کار درویش جو شیخ عبد الغنی صاحب کی معیّت میں تھا بالکل سادہ لوح اور باطن کی پرزور قوّتوں سے کورا تھا۔ جوں ہی یہ وزنی راز اس کے کان میں پڑا اس کی پست حوصلگی اور تنگ خیالی اس عظیم الشان راز کا تحمل نہ کر سکی اور روح عنصری قالب سے پرواز کر گئی۔ لیکن جب کہ شیخ عبد الغنی صاحب کے ضمیری جوہر اور فطری قابلیتیں بچپن ہی سے نہایت چمکدار اور تاباں تھیں اور وہ پہلے ہی سے اس خانہ برانداز راز سے کمال شناسائی اور عام واقفیت رکھتے تھے۔ اس بھید کو سن کر اپنی جگہ برقرار رہے اور کسی طرح کے تذبذب و تردّد نے ان میں مداخلت نہیں کی۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخ عبد الغنی صاحب کی مبارک طبیعت پر ان ربّانی اسرار اور قوانین خداوندی کے نقوش اپنے پورے ضبط اور زور کے ساتھ منقّش ہو چکے تھے جو باطنی قوّتوں کی جان و روح ہیں۔ خدا کی بخششوں اور عنایتوں کی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے بندوں کو طرح طرح کے علوم و فنون اور قسم قسم کے ہنروں سے سرفراز کرتا ہے۔ کسی کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے اور کسی کو کسی بخشش سے سربلند کرتا ہے۔ اس میں کسی کو دم مارنے اور سر اٹھانے کی گنجائش نہیں اور کسی کا اتنا زہرہ نہیں جو اس کی حکمت بالغہ پر انگلی اٹھانے کا خیال کرے اور سرسری اور اجمالی طور پر بھی کسی قسم کا وہم و گمان طبیعت میں پیدا کرے۔

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اپنے سلسلۂ بیان سے بہت دور جا پڑا اور اس مضمون پر جسے میں شیخ عبد الغنی صاحب کے واقعات و حالات سے اوّل اور زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھتا بہت دیر میں پہنچا۔ ورنہ ذاتی شوق اور منصبی فرض کے لحاظ سے یہی مضمون تھا

---

[1] یہ نظریہ از روئے کتاب و سنت محل نظر ہے۔ ناشر

جیسے میں اپنے سلسلہ بیان میں پہلے لکھتا۔

شیخ حسین صاحب

میں سابق میں لکھ آیا ہوں کہ شیخ احمد صاحب کے دو فرزند تھے ایک شیخ منصور۔ دوسرے شیخ حسین۔ شیخ حسین صاحب جمعیت اور منبسط الحال تھے اور اپنی باطنی فیاضیوں اور ضمیری برکتوں کی وجہ سے اس اطراف میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ بزرگ شیخ حسین کا جوہر کن کن آسمانی عنصروں سے ترکیب دیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ کی تاریخی زندگی پر ایک سرسری اور اجمالی نظر ڈالی جاتی ہے تو یقین کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نہایت بھولے اور محتاط زندگی رکھنے والے مسلمانوں کے خیر اندیش اور مقدس و شریفانہ اخلاق کی مجسّم تصویر تھے۔ فطرۃ اللہ کا اصلی مفہوم اور کلام ربانی کا اصلی منشاء جیسا آپ سمجھتے تھے دوسرے کو بہت کم نصیب تھا۔

محمد سلطان، شیخ محمد مراد

شیخ حسین کے انتقال کے بعد آپ کے دو فرزند باقی رہے۔ محمد سلطان اور محمد مراد۔ محمد سلطان کے حالات مجھے کہیں سے دستیاب نہیں ہوئے۔ ہاں شیخ محمد مراد کی نسبت جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے محمد مراد کو خود دیکھا ہے اور ان کی خداداد قوّت و شوکت اور فطری جوانمردی کے بہت سے عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے ہیں۔

چنانچہ آپ ان کا ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد مراد کو اپنی آنکھ سے دیکھا کہ اسی سال کی عمر میں جو قویٰ کے انحطاط اور جسمانی قوّتوں کے گھٹنے کا زمانہ ہے اشرفی کو انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے بل کر دوہرا کر دیتے تھے۔

شیخ محمد مراد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کو بچپن کی حالت میں دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ میں جب اس لڑکے کو دیکھتا ہوں تو میرے دل و جگر پر ویسا ہی رُعب اور ہیبت چھا جاتی ہے جیسے اس کے دادا شیخ معظم کے دیکھنے سے چھا جاتی تھی مجھے اگر اپنے خیال میں غلطی کا احتمال نہ ہو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ بچّہ کسی زمانہ میں بڑا صاحب ثروت اور اقبال مند ہوگا۔ اس کے رعب و ہیبت کا بھالا مخالفوں کی جان و جگر میں گڑ جائے گا۔ اور کسی وقت میں یہ ایک ایسی اعجاز نما ترقی حاصل کرے گا جسے دیکھ کر ایک عالم عش عش کرنے لگے گا۔

شیخ عبدالغفور و شیخ اسمٰعیل

شیخ منصور جو جناب شیخ حسین کے بڑے بھائی تھے اور جن کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ میں پہلے کر آیا ہوں، ان کے چار صاحبزادے تھے۔ شیخ معظم اور شیخ اعظم۔ یہ دونوں صاحبزادے شیخ منصور کی پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جو شیخ عبداللہ کی صاحبزادی اور جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی پوتی ہوتی تھیں۔ شیخ عبدالغفور اور شیخ اسمٰعیل یہ دونوں فرزند رشید دوسری بی بی صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

چونکہ ہمارے تذکرہ کو جناب شیخ معظم کے دلچسپ اور نشاط انگیز واقعات سے زیادہ تعلق ہے۔ اس لیے ہم یہاں صرف انہیں کے حالات سے بحث کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ شیخ معظم کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف ہے اور جس کی مثال ایشیائی دنیا میں بمشکل مل سکتی ہے یہ ہے کہ آپ شجاعت و بہادری میں عدیم المثال اور لاجواب تھے۔ چنانچہ آپ کے شجاعانہ واقعات اور بہادرانہ حالات سے تاریخی کتابوں کے صفحات اب تک روشن و منوّر ہیں۔

یہ منظر بہت ہی تعجب ناک اور سخت حیرت خیز ہوگا جب کہ ہم اس بات کا اظہار کریں گے کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے ملکی و مذہبی ضعف نے مسلمانوں کی جماعتوں میں سپاہیانہ فنون کو بھی ضعیف کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے اولوالعزمانہ ارادے اور بہادرانہ جوش ان کی اسلامی کمزوری کے ساتھ ساتھ خیرباد ہو گئے۔ اور اب ان میں یا تو بیہودہ عیش پسندی کا مادہ زور پکڑ گیا ہے یا سستی و کاہلی نے دلوں کو پژمردہ بنا رکھا ہے۔ اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی سپاہیانہ فنون جو اس زمانہ میں زیادہ حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ مخصوص خیال کیے جاتے ہیں جو کمینے اور نیچ قوم کہلائے جاتے ہیں۔ سابق کے مسلمانوں کے قیمتی زیور اور اسلامی اشاعت کے زبردست اسباب و ذرائع تھے۔

دنیا کے تمام مروّجہ مذاہب پر مقدس اسلام کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اس نے جسمانی قوّت کے ساتھ ساتھ روحانی قوّت کے بڑھانے کی بھی تعلیم دی ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ روحانی قوت کی مضبوطی و پائیداری اور اس کا ابھار واستحکام جسمانی قوّت کے باقی رہنے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کی جسمانی قوّت مضمحل اور ناپائیدار ہے تو اس کی روحانی قوّت میں وہ ابھار و

استحکام نہ ہوگا جو جسمانی قوت والے کو نصیب ہے اور چونکہ فطرۃ اللہ کے اصلی منشاء کے مطابق دین کے ساتھ دنیا کا پاس ولحاظ رکھنا بھی مناسب ہے اس لیے سپاہیانہ فنون کا حاصل کرنا جو حقیقت میں مسلمانوں کے لیے نہایت قیمتی زیور اور جسمانی قوت کے محرک ہولد ہیں اسلامی ترقی کے نہایت ہی مؤثر اور کامیاب کرنے والے بواعث ہیں۔

شیخ معظم کی شجاعانہ زندگی

جب شیخ معظم معمولاً علمی تحصیل سے فارغ ہوئے تو آپ کی طبیعت ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ سپاہیانہ فنون کی تحصیل اور تحصیل کے ساتھ تکمیل کی طرف دوڑی۔ گو آپ کی طرزِ معاشرت بالکل درویشانہ اور عالمانہ تھی۔ لیکن آپ کی پر شوق اور تیز نظریں اس لاجواب اور عدیم المثال شجاعت کی طرف بڑی فتنابی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں جو زمانہ سابق میں اسلام اور بانیانِ اسلام کے حق میں فطرت کی عین بخششیں سمجھی گئی تھیں اور جس کی وجہ سے اہل اسلام ہمیشہ نیک نامی اور ناموری کے ساتھ مشہور ہوتے چلے آئے ہیں۔

شیخ معظم کے والد بزرگوار شیخ منصور بھی بہت بڑے شجاع اور دلیر تھے اور آپ میں شجاعت کی روح اور جرأت و اولوالعزمی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ لیکن جو بے خوف دلیری اور بے دھڑک جرأت شیخ معظم کو اس صغر سنی میں حاصل تھی کہ ابھی آپ آٹھ نو برس کے بچے تھے وہ بیشک قابلِ تعریف اور لائق عزت تھی۔ آپ نے بچپن ہی میں تمام وہ سپاہیانہ فنون جو اس وقت تمام مشرقی حصوں میں رائج تھے، تدریجاً حاصل کر لیے تھے اس خاندان کے تمام حضرات شیخ معظم کی یہ کیفیت دیکھ کر تعجب کرتے اور کہتے تھے کہ ہمارے خاندان کا یہ بچہ سپاہیانہ روح کا پیدا ہوا ہے۔ یہ ایک عام فقرہ تھا جو کثرت سے ان لوگوں کی زبان پر جاری تھا۔ جو قیافہ شناس نظریں اور تجربہ کار نگاہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ اس ہونہار بچے کا زور قضا مضمر کیا گیا ہے۔ اور اسی کے پر قوت بازوؤں سے آئندہ نہایت صعب اور دشوار گذار راہیں طے ہونے والی ہیں۔ اور ایسے نظر باز کہاں تھے جو آپ کی ان حرکتوں کو تاڑ جاتے کہ یہی وہ مبارک بچہ ہے۔ جس سے طفلانہ حالت میں شجاعت و بہادری کے ایسے جوہر ظاہر ہوں گے۔ جو ہمیشہ کے لیے یادگار ثابت ہوں گے۔ اور جن پر تاریخی روشنی دوامًا نہایت تابانی کے ساتھ چمکے گی۔

میں اس مقام پر شیخ معظم کے معرکۂ جنگ میں شریک ہونے کا ایک وہ واقعہ جس سے آپ کی بے دھڑک شجاعت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے لکھنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو آپ کے ضمیری جوہروں اور دلیری و جرأت کے نمونوں کے جانچنے پڑتال نے کا پورا پورا موقع ملے چونکہ یہ واقعہ نہایت دلچسپ اور نشاط انگیز ہے اس لیے امید کی جاتی ہے کہ ناظرین اسے زیادہ دلچسپی اور شوق کے ساتھ دیکھیں گے۔

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ معظم کے والد بزرگوار شیخ منصور صاحب کو ایک دفعہ ایک راجہ کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق پڑا جس میں شیخ معظم صاحب نے لڑائی کا زیادہ حصّہ لیا اور اپنی بے محابا جرأتیں اور عدیم النظیر شجاعتیں چمکا کر دکھائیں۔ جب دونوں خونخوار لشکر صف آراء ہوئے اور متصل دو تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا۔ تو شیخ منصور صاحب نے اپنی فوج کے دو حصّے کئے۔ ایک حصّہ کی کمان تو آپ نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ایک حصّہ شیخ معظم کی سرکردگی میں دیا۔ اولوالعزم جوشیلا نوجوان شیخ شمشیر علم کئے ہوئے اس دلیر اور بے جگر لشکر کی سرکردگی میں پر شوق قدم اٹھائے آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی پرقہر نظریں مخالف کے لشکر پر برابر اٹھ رہی تھیں۔

اس وقت شیخ معظم کی عمر بارہ برس کی تھی۔ باوجود اس صغر سنی کے آپ نے اس معرکہ میں جو شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے ہیں اور جس دلیری اور قابل توصیف بے جگری سے اپنی فوج کو لڑایا ہے نہ صرف لائق تعریف بلکہ مافوق العادت بات ہے۔ غرضکہ شیخ معظم نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اسے آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جوں ہی اس فوج نے قدم اُٹھائے مخالف کے لشکر نے ایک نہایت ہی عاجلانہ حرکت کی اور دونوں لشکر کلّہ بہ کلّہ جنگ کے لیے مستعد ہو گئے۔ نیزوں اور تلواروں کی چمک نے سارے میدان کو درخشاں بنا دیا۔ اور لوگوں کی آنکھوں میں چکا چوند اور خیرگی پیدا کر دی۔ پھر جو جنگ کا گھمسان ہوا ہے تو خدا کی پناہ۔ کفّار کے لشکر کی گردنیں مجاہدوں کی خونخوار تلواروں سے کھیرے ککڑی کی طرح برابر کٹ رہی تھیں اور نیزوں کی کھچا کھچ کی آوازوں اور تیروں کی جگر خراش صداؤں کے علاوہ اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ متصل چار گھنٹے اس قسم کی سینہ بسینہ لڑائی رہی۔ اب نہ ترکشوں میں تیر باقی رہے تھے نہ رانوں کے نیچے گھوڑے تھے۔ کسی کو اپنے گھوڑے کی خبر نہ تھی۔ نہ یہ معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔ انجام یہ ہوا کہ

صنادید کفر کو میدان معرکہ چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور یہ میدان بہادر شیخ معظم کے ہاتھ رہا۔ چونکہ صنادید کفر کے قدم اکھڑ گئے تھے اور ان کے سنگین مورچوں پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لیے راجہ نے اس دن جنگ کی موقوفی کا اعلان دیا گو شیر دل شیخ معظم اور ان کے لشکر پر کسی قسم کی تکان اور ضعف غالب نہ آیا تھا۔ لیکن پھر بھی آپ کو اپنی حالت میں بہت کچھ درستی کرنی تھی۔ لہذا آپ نے بھی موقوفیٔ جنگ کا اعلان منظور کر لیا۔ اسی اثناء میں شیخ معظم سے کہا گیا کہ آپ کے والد بزرگوار نے شہادت کا چھلکتا ہوا ساغر منہ سے لگا لیا اور اس ناپائیدار دنیا سے عالم جاودانی میں تشریف لے گئے۔ ان کی ہمراہی میں جس قدر حبشی بہادر تھے سب جنگ سے پہلو تہی کر کے اور شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیخ معظم اس وحشت ناک خبر کے سنتے ہی سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگے۔ ابراہیمی غیرت و حمیت کا مصفّا خون بے اختیار جوش میں آیا اور فاروقی غیظ و غضب کا جوش خون کی طرح رگوں میں دوڑ گیا۔ آپ نے اپنی بے دھڑک شجاعت اور بے خوف دلیری سے اسی وقت لشکر کفار پر بڑی خوفناکی کے ساتھ ایسا زبردست اور بے باکانہ حملہ کیا جسے صنادید کفّار کی مجموعی طاقت بھی نہ روک سکی۔ ہزاروں کافر قتل ہوئے اور صدہا زخمی و گھائل تڑپتے رہے۔

شیخ کا مصمم ارادہ ہو چکا تھا کہ جب تک کفّار کے تاجدار کی گردن اپنے ہاتھ سے نہ اڑا دوں گا۔ اور اس کی ناپاک اور نجس نعش کو اپنے پیل پیکر گھوڑے کے سموں سے نہ روند ڈالوں گا۔ نیز لشکرِ کفّار کی بیخ کنی پورے طور پر نہ کر لوں۔ تلوار کو میان نہ کروں گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص آپ کے سامنے آیا تو قتل کر دیا گیا یا زخموں سے چور چور ہو کر ادھ موا اور بے کار ہو گیا۔ اگرچہ صنادیدِ کفر نے آپ کے اس بے باکانہ و شجاعانہ حملے کے روکنے میں بڑی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کی اور جاں نثاری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر یہ ممکن نہ تھا کہ بپھرے ہوئے شیر کے سامنے سے اس کا شکار علیحدہ کر کے گھاس پھوس کی کمزور ٹٹی سے روک دیا جائے۔ شیخ معظم اپنے اسی استقلال اور جوش کے ساتھ آگے قدم بڑھائے چلے جاتے تھے اور آپ کی قہر آلود اور غضب ناک نظریں راجہ کی صورت پر بڑی بے تابی اور غصّہ کے ساتھ بلند ہو رہی تھیں۔ غرضیکہ آپ کفار کو برابر قتل کرتے اور اپنے لشکر کو آگے بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ راجہ کے ہاتھی کے قریب پہنچ گیا۔ شیخ معظم کی یہ بے دھڑک جرأت اور بے باکانہ جسارت دیکھ کر راجہ کا وزیر اعظم

جو شجاعت و بہادری میں بے نظیر شہرت رکھتا تھا اور جس کی سفاکی و بے باکی کے ڈنکے ایک عالم میں بج گئے تھے۔ آپ کے مقابلہ کو بڑھا اور بڑی پھرتی سے شیخ معظم پر سر اور سینہ توڑ نیزہ کا وار کیا۔ آپ نے اس کے اس بزدلانہ وار کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور جھٹ پینترا بدل کر اور نیزہ کی زد سے بچ کر زہر کا بجھا ہوا ایک نیزہ اس کے سینہ پر مارا۔ نیزہ کا زخم ایسا کاری تھا کہ وزیر السلطنت جان بر نہ ہو سکا اور فوراً گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ اس کی ناپاک نعش پیل پیکر گھوڑوں کے سموں سے پاش پاش کر دی گئی اور سر جسم سے جدا کر کے ایک بڑے لمبے برچھے میں آویزاں کیا گیا۔

وزیر السلطنت کے یوں قتل کئے جانے کے بعد چاروں طرف سے فوج سمٹ سمٹا کر ایک جگہ جمع ہوئی اور کثیر التعداد سوار خون آشام تلواریں علم کئے ہوئے اور نیزے جھکائے ہوئے آفت ناگہاں کی طرح شیخ معظم پر پل پڑے۔ یہ دیکھ کر آپ بھی مستعد ہو گئے اور اس جگہ اپنی پوری قوت کا زور دے دیا۔ راجہ ایک بلند اور اونچی سطح پر کھڑا ہوا جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جونہی اس نے دیکھا کہ ایک نوعمر لڑکے کا بے شمار فوج محاصرہ کئے ہوئے چاروں طرف سے حملہ آور ہے تو اس نے ایک نہایت خوفناک آواز میں للکارا۔ اور دھمکی کے لہجہ میں کہا۔ خبردار اس بہادر اور اولوالعزم نوجوان کو آنچ نہ آئے۔ جو شخص اس کم عمری کے شجاعت و جواں مردی کے ایسے حیرت ناک جوہر دکھائے۔ درحقیقت وہ بہت عزت و وقعت اور تاج بخشی کے لائق ہے۔ گو اس نوعمر لڑکے نے میری فوج کو انتہا سے زیادہ صدمہ و نقصان پہنچایا ہے۔ اور میری حکومت کا ایک قوی اور مضبوط بازو اس کے آب دار نیزہ سے خون میں نہایا ہے۔ لیکن اس کی دلفریب صورت اور فراخ حوصلگی و اولوالعزمی اس کی جان بخشی کی سفارش کر رہے ہیں۔

شیخ معظم کی شجاعانہ کوششوں کے نتائج

یہ کہہ کر خود راجہ ہاتھی سے اترا، اور دوڑ کر شیخ معظم کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ اول نہایت نرم اور خوش کن لفظوں میں آپ کی دلجوئی کی۔ بعد ازاں کمال لجاجت سے عرض کیا۔ صاحبزادے آخر اس قدر غیظ و غضب کا سبب کیا ہے؟ آپ نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے لہجہ میں جواب دیا مجھے خبر پہنچی ہے کہ میرے والد بزرگوار اس معرکہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اب ان کے بعد مجھے اپنی زندگی اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں نے عزم بالجزم

کرلیا ہے کہ جب تک جان میں جان باقی ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں یہاں سے منہ موڑ جاؤں یا جنگ نہ ہونے پر صلح کرلوں۔ بلکہ یا تو خود شہید ہو کر والد ماجد کی خدمت میں جا حاضر ہوں یا اس تمام لشکر اور خود وارث تاج و تخت کے سر کو خاک و خون میں غلطاں دیکھوں۔ گو میں ایک کم سن لڑکا ہوں۔ لیکن اپنے ارادے میں پورا اور عزم کا پکّا ہوں۔

اگرچہ شیخ معظم کی یہ بے باکانہ اور درشت تقریر سن کر راجہ کسی قدر آشفتہ خاطر اور برہم ہوا۔ لیکن وہ اپنی آشفتگی کے آثار اور برہمی کے جذبات فوراً پی گیا اور آپ کی اس دلیری و بے باکی پر عش عش کرنے لگا۔ بیشک شیخ معظم کی یہ تقریر نہایت سخت اور درشت تھی۔ بالخصوص ایک قاہر تاجدار کے سامنے اسی نسبت۔ مگر اس نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ اسے بہادر نوجوان جس شخص نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ آپ کے والد بزرگوار میرے لشکر کے ہاتھوں سے شہید ہوئے ہیں۔ وہ محض کذاب اور جھوٹا ہے۔ اس نے آپ کو دھوکے میں ڈال دیا اور ایک مخلوقِ خدا کے خون سے مفت زمین کو رنگین کیا۔ آپ کے والد زندہ ہیں (اور ایک طرف اشارہ کر کے) دیکھئے اس مقام پر ان کے ہلالی جھنڈے ہوا میں فرّاٹے بھر رہے ہیں۔

شیخ معظم نے ایک بڑے بے تابانہ شوق اور بے اختیارانہ جوش کے ساتھ اس طرف قدم اٹھائے اور نہایت شان و شوکت اور عزت و وقار کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو کر اپنے والد بزرگوار کے جھنڈے کے نیچے پہنچ گئے۔ عقب سے راجہ نے ایک عریضہ جناب شیخ منصور کی خدمت میں بایں مضمون روانہ کیا کہ ہم نے اس بہادر اور شجاع لڑکے کی وجہ سے صلح کی۔ آپ جس بات کی ہم سے درخواست کریں گے فوراً عمل میں لائی جائے گی اور جو شرائط نامہ آپ مرتب کریں گے۔ میں اسے بدل منظور کروں گا۔

شیخ منصور صاحب نے اپنی طرف سے چند شرطیں لکھ کر بھیج دیں اور قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ اگر یہ شرطیں منظور ہوں تو میں صلح کے لیے آمادہ ہو سکتا ہوں ورنہ مجھے منظور نہیں۔ صلح نامہ کی شرطیں گو راجہ کے حق میں نہایت سخت اور ناگوار تھیں۔ مگر وہ بلحاظ پولٹیکل معاملات کے دب گئے۔ اور صلح کو جنگ سے غنیمت جانا۔ نیز اس کے دل پر شیخ معظم کا اس قدر رعب بیٹھ گیا تھا کہ مجبوراً اسے ان تمام شرطوں کو منظور کرتے ہی

بن آیا۔

شیخ معظم کی شجاعت کا ایک اور واقعہ

علی ہذا القیاس جناب شیخ عبدالرحیم صاحب آپ کا ایک اور اسی قسم کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ صفت شجاعت میں کہاں تک قابل اور لائق ہیں۔

شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے ایک عمر رسیدہ دہقان سے۔ جو موضع فشکوہ پور یعنے شیخ معظم صاحب کے پرگنہ خاص میں رہتا تھا سُنا ہے کہ اس موضع کے گرد و پیش تین سرکش ڈاکو رہتے تھے جن کی سفاکی و بے رحمی ان اضلاع میں بڑی شہرت رکھتی تھی۔ اور جن کے مظالم اور جفا شعاریوں سے وہاں کے باشندے چیخ اٹھے تھے۔ ان غریبوں میں اس قدر قوّت نہ تھی کہ بے رحموں سے اپنا انتقام لیتے۔ لیکن ہر وقت آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دعا کیا کرتے اور چاہتے تھے کہ کوئی منتقم اٹھ کھڑا ہو اور ہم اس کی مدد میں اپنی جانیں تک قربان کر ڈالیں۔ یہ ظالم اور ستمگار ڈاکو اس قصبہ میں آتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا سب لوٹ کھسوٹ کر چمپت ہو جاتے۔ عوام بے چارے تو کس شمار میں تھے جو دلیر اور جوانمرد کہلائے جاتے تھے۔ ان کے دلوں پر بھی ڈاکوؤں کا رعب و ہیبت اس خوفناکی سے چھایا ہوا تھا کہ جس قدر چاہتے ظلم بپا کرتے۔ لیکن ان کے کانوں پر کبھی جُوں تک نہیں رینگتی تھی۔

ان باتوں کو ایک عرصہ گذر گیا اور یہاں کے سب لوگ بالکل بے سکت اور تباہ و برباد ہو گئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جفاکیش اپنی عادت کے مطابق گاؤں میں آئے اور لوگوں کے بہت سے مواشی لوٹ کھسوٹ کر لے گئے۔ اتفاق سے اس موقعہ پر شیخ معظم صاحب بھی اپنے اس پرگنہ خاص میں موجود تھے۔ گاؤں والوں نے اس قیامت نما حادثہ کی اطلاع آپ کو اس وقت دی جب کہ آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان بچھ چکا تھا۔ اور کھانا دسترخوان پر چُن دیا گیا تھا۔ آپ نے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اس اثناء میں آپ سے کوئی عاجلانہ اور شتاب زدگی ظہور میں نہیں آئی۔ بلکہ آپ اتنی ہی دیر میں کھانے سے فارغ ہوئے جتنے عرصہ میں معمولاً فارغ ہوا کرتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئے کلی کی اور ایک تنکا لے کر دانت کریدنے لگے۔ ازاں بعد خادم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میرے ہتھیار لاؤ اور گھوڑا حاضر کرو۔ خادم نے آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل کی۔ آپ اُٹھے اور نہایت سہولت و آسانی کے ساتھ جسم کو ہتھیاروں سے آراستہ کیا۔

مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور ڈاکوؤں کا پتہ نشان دریافت کر کے اس طرف تنہا روانہ ہو گئے۔

اگرچہ دہقانوں کی ایک مختصر سی جماعت ہتھیار باندھ کر آپ کی پار کابی میں حاضر رہنے کے لیے مستعد ہوئی۔ لیکن آپ نے سب کو منع کر دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ نہ چلو۔ کیونکہ میں ڈاکوؤں کے سروں پر بہت جلد پہنچوں گا۔ تم میرے گھوڑے کے ساتھ دوڑ نہ سکو گے چنانچہ اور سب لوگ تو گاؤں میں واپس چلے آئے لیکن صرف ایک شخص آپ کے ساتھ رہ گیا۔ آپ ڈاکوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں انہوں نے اپنا مسکن اور پناہ دامن کی جگہ بنا رکھی تھی۔ جب شیخ معظم ان مقامات میں پہنچے ہیں تو جفاکار ڈاکو اپنے منازل میں داخل ہو چکے تھے۔ اور یہ موقع شیخ معظم کے لیے نہایت ہی خطرناک تھا۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس شیر دل شجاع کی طبیعت میں کسی طرح کا خوف وہراس دخیل نہیں ہوا۔ آپ نے میدان میں کھڑے ہو کر چند ایسے غیرت انگیز کلمات ان کی نسبت استعمال کئے جن کا ان سے تحمّل نہ ہو سکا۔ مجبوراً میدان میں آنا پڑا اور مسلح ہو کر آ جا پڑا۔ شیخ معظم برابر سر اور سینہ توڑ تیروں کا مینہ برساتے ہوئے آگے بڑھے جاتے تھے۔ تیر ایسے کاری لگتے تھے کہ ایک ایک تیر میں دو دو بدقسمت ڈاکو بے جان ہوتے تھے۔ ہنوز دو تین ہی تیر اس میدانِ جنگ کے شہسوار کی پرزور چٹکی سے نکلے ہوں گے کہ نڈر اور بے باک ڈاکوؤں کے دلوں پر ایک رعب عظیم غالب ہو گیا۔ جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ ان حرماں نصیب جگر سوختوں نے اپنی اس ذلیل و شرمناک زندگی سے مایوس ہو کر امن کی درخواست کی اور جان بخشی کے ملتمس ہوئے اور نہایت نیاز مندی کے ساتھ عاجزانہ لہجہ میں عرض کیا کہ خدا کے لیے آپ ہمیں امن دیجئے۔ ہم اپنے ان ناشائستہ و قبیح افعال سے توبہ کرتے اور آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے سروں پر معافی کا تاج رکھیں اور ہماری ان بے جا اور ناجائز تقصیروں سے درگذر فرمائیں۔

شیخ معظم نے ڈاکوؤں کی اس بزدلی اور نامردی کو نہایت نفرت کی نظروں سے دیکھا اور سخت حقارت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ تمہاری توبہ یہی ہے کہ ہتھیار زمین پر ڈال دو۔ اور ہر ایک اپنے ہاتھ سے ایک دوسرے کی مشکیں کس دے۔ تمہارے پاس جس قدر ہتھیار۔ گھوڑے، سواریاں موجود ہوں حاضر کرو اور میرے ساتھ موضع شکوہ پور میں لے

چلو۔ ڈاکوؤں نے ایسا ہی کیا اور ایک کثیر التعداد جماعت کے رُوبرُو حلف اٹھایا کہ آئندہ ہم اس بستی کے کبھی بدخواہ ثابت نہ ہوں گے اور شیخ کے ارشاد اور آپ کی صوابدید سے سرِمو تجاوز نہ کریں گے۔ ان واقعات کے علاوہ تذکرہ میں ان واقعات کا ثبوت ملتا ہے جو شیخ معظم کی شجاعت و دلیری کو بڑی دھوم دھام سے ثابت کر رہے ہیں لیکن چونکہ میں ناظرین کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ اس لیے ان ہی دو مختصر واقعات پر اکتفاء کرتا ہوں۔

شیخ معظم کا عقد اور سیّد نور الجبّار

غرضکہ شیخ معظم صاحب نے جن پر ہمیشہ تاریخی روشنی بڑی تابانی کے ساتھ چمکے گی۔ سیّد عبدالجبّار صاحب سون پتی کی عصمت مآب اور پاکدامن دختر سے نکاح کیا۔ سیّد نور الجبّار ایک فقیر طبیعت بزرگ تھے جن کی محتاط زندگی اور زہد و اتقاد نے ان کی شہرت کو نہ صرف سون پت کی چار دیواری یا حدود میں بند رکھا تھا بلکہ دور دراز ملکوں میں آپ کے تقدّس اور پاکی کی ناموری نے آپ کے خاندان سادات کی نجابت و شرافت میں ایک تازہ رُوح پھونک دی تھی۔ سون پت کے تمام باشندے آپ کی فضیلت و بزرگی۔ عالی نسبی و ایمانداری اور عملی برکتوں کی انتہا سے زیادہ قدر کرتے اور آپ کی معمولی اور ادنیٰ باتوں کو بھی عزّت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

واجب الاحترام سیّد قطع نظر اپنی ذاتی بزرگی کے آبائی فضیلت بھی بہت کچھ رکھتے تھے۔ آپ کا شریف و نجیب خاندان علم و فضل کے لحاظ سے سون پت اور اس کے اضلاع میں بے مثیل اور لاثانی گذرا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس خاندان کا ہر ایک شخص آسمانِ علم کا نہایت درخشاں اور تابناک آفتاب تھا تو شاید چنداں نازیبا نہ ہوگا۔ اور جب ذرا عمیق و غمیص نظروں سے دیکھا جاتا ہے تو بزرگ سیّد کے اولوالعزم اور جلیل القدر خاندان کے علاوہ ایسا خاندان دنیا میں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ جس کے ہاں چند پُشت سے علمی فیاضیوں کی ایک کیفیت رہی ہو۔

شیخ جمال الدین و شیخ فیروز و شیخ وجیہ الدین

خلاصہ یہ کہ سیّد نور الجبّار اپنی خاص نوعیّت اور ذاتی و عرضی صفات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ نیز فطری لیاقتوں اور روحانی برکتوں میں بے نظیر اور عدیم المثال

خیال کئے جاتے تھے۔ سید نور الجبار کی عفت مآب پاکدامن لڑکی کے بطن سے شیخ معظم کے ہاں تین فرزند پیدا ہوئے۔ شیخ جمال الدین۔ شیخ فیروز اور شیخ وجیہ الدین، جناب شیخ وجیہ الدین جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے جدّ امجد ہوتے ہیں۔ چونکہ میرے تذکرہ کے اس حصّہ کو آپ کے حالات سے زیادہ تعلّق ہے۔ لہٰذا آپ کے واقعات کو خصوصیت کے ساتھ جدا عنوان سے کسی قدر تفصیل سے لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیخ وجیہ الدین صاحب کے دلچسپ واقعات

شیخ وجیہ الدین شہید غوّاص بحرِ معانی۔ شہسوارِ میدانِ علوم ظاہری و باطنی جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے والد بزرگوار جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے جدّ امجد ہیں جو اپنی ذاتی لیاقت اور روحانی قابلیت میں یدِ طولےٰ رکھتے اور تقدس و پاکی کی ناموری میں پوری شہرت رکھتے تھے۔

شیخ وجیہ الدین کے ابتدائی حالات اور علمی ترقی

شیخ وجیہ الدین شہید کے وہ واقعات و حالات جو آپ کے زمانہ طفولیت اور بچپن سے تعلّق رکھتے ہیں مورّخین ہند نے ان کے بیان کرنے میں زیادہ توجّہ نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ میں ان کی لائف کا پورا خاکہ نہیں کھینچ سکتا۔ لیکن تاہم مختلف روایات سے جو مختصر حالات معلوم ہوئے ہیں اور جن کا متعدد تذکروں سے کچھ کچھ پتہ چلتا ہے وہ قلم بند کئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں ناظرین تذکرہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے آپ کے بچپن کے حالات ایسے سلسلہ سے نہیں پہنچے جنہیں میں بے کم و کاست یقین کے ساتھ بیان کر سکتا۔ البتہ جو کچھ مجھے آپ کے مختلف واقعات سے تحقیق ہوا ہے اسے درج کرتا ہوں۔ اس مقام پر صرف انہیں روایات کو لیا گیا ہے جو محققین کے نزدیک پختگی کو پہنچ گئی ہیں اور خوش اعتقاد راویوں کی ان روایات کو جو فسانہائے شبینہ کے قصّوں سے زیادہ وقعت و منزلت نہیں رکھتیں بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ کے ابتدائی حالات کی نسبت مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہُوا کہ جب آپ چار سال کے ہوئے تو آپ کے واجب الاحترام والد شیخ معظم نے آپ کو مکتب میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بٹھایا۔ لیکن یہ تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ اس ہونہار اور طبّاع بچّے نے بہت جلد قرآن شریف پڑھ لیا۔

طوطے کی طرح صرف الفاظ منہ سے نکال لینے ہی نہیں سیکھے بلکہ کلام ربّانی کا اصلی منشا اور فطرۃ اللہ کا ذاتی مفہوم اور اس کے معانی و مطالب کے نقوش بھی دل پر جما لئے۔ گو اس معصومیّت کے عہد میں کلام ربّانی کے نکات اور الہامی غوامض و دقائق کو پورے طور پر سمجھنا بہت مشکل تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مذہبی اُصول جو اس میں واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں یا ادنیٰ تامّل سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔ آپ کو بخوبی محفوظ اور راز بر ہو گئے تھے۔ جو حقیقت میں ایک گونہ آپ کے خرقِ عادت میں داخل تھے۔

طرزِ معاشرت

آپ کا ابتدائی زمانہ معمولی بچّوں کی طرح بے نتیجہ نہ تھا بلکہ تحمّل بُردباری۔ مسکینی کم گوئی۔ دہشت آمیز تفکر یہ تمام باتیں جو بچّوں میں معمولات بہت کم دیکھی جاتی ہیں۔ آپ میں بوجہ احسن موجود تھیں، جن سے قیافہ شناس نظریں فوراً یہ نتیجہ نکال سکتی تھیں کہ یہ بچہ کسی زمانہ میں بڑا صاحب وجاہت اور مقتدر ہوگا۔ طرفہ یہ کہ جوں جوں آپ عمر میں ترقی کرتے جاتے تھے۔ مزاج میں انکسار۔ تواضع، خلق مروّت پیدا ہوتی جاتی تھی۔

یہ سخت تعجّب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ابھی آپ کی عمر بارہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی تھی کہ معمولی درسی کتابوں سے جو عام درسگاہوں میں اس زمانہ میں داخل تھیں، فارغ ہو گئے تھے۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں دینیات کی ضروری اور مختصر کتابوں کا مطالعہ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ اور بھی تعجب کی بات ہے کہ اسی اثنا میں آپ کو علم باطنی بھی حاصل ہو گیا تھا اور ریاضت و مجاہدت میں وہ مشق و کمال پیدا کر لیا تھا جس سے آپ کی روحانی قوّتیں اور فطری و ضمیری جوہر خوب اُبھر اُبھر کر چمکنے لگے تھے اور آپ سے ایسی ایسی حیرت افزا کرامتیں صادر ہونے لگ گئی تھیں جن سے دیکھنے والوں کا روز بروز استعجاب بڑھتا جاتا تھا۔

عادات و خصائل اور فیّاضی

باوجودیکہ یہ تمام فضائل و محاسن جو ایک گونہ خرقِ عادات میں خیال کئے جاتے اور فطرت کی خاص بخششیں سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی مقدّس ذات میں بوجہ اکمل پائے جاتے تھے لیکن بڑی خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کی طبیعت میں سادگی اور انکسار نہایت درجہ کا تھا۔ آپ بڑے بڑے مجامع میں معمولی آدمیوں کی طرح نہایت سادگی کے ساتھ آمد و رفت کرتے تھے۔ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ شفقت کرنے اور ان کے ساتھ رحیمانہ برتاؤ کرنے میں شہرۂ آفاق تھے۔ خویش و اقارب کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک۔ غربا و مساکین کی امداد۔ فیاضانہ مہمان نوازی

عام و خاص میں اس درجہ مشہور ہو گئی تھی کہ آپ کا دولت خانہ غربا اور مساکین کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ آپ کے قومی احسانات و تفضلات کا ہر شخص معترف تھا اور آپ کی سخاوت و فیامنی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ غرضیکہ وہ تمام باتیں جو ایک مقدس و بزرگ شخص میں پائی جانی لازمی اور ضروری ہیں وہ سب اس فخر خاندان و قوم میں موجود تھیں۔

اب میں شیخ وجیہ الدین شہید کے غیر مرتب اور نامکمل ابتدائی حالات چھوڑ کر (کیونکہ باوجود تحقیقات کے مجھے اور حالات دستیاب نہیں ہوئے) آپ کی آخری زندگی کے زمانہ میں آتا ہوں۔ لیکن قبل اس کے کہ آپ کی انتہائی زندگی کے حالات لکھے جائیں تسلسل کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ درمیانی زمانہ کے کچھ واقعات مختصراً بیان کروں۔

زمانہ شباب

جناب شیخ صاحب کا زمانۂ شباب ابتدائی زمانہ سے زیادہ نتیجہ خیز اور مؤثر تھا۔ سکوت خیز چہرے پر حیرت افزا شباب کے آثار اور اس کے ساتھ اتقا و پرہیز گاری کی سرخی پورے طور پر اپنی تابانی دکھا رہی تھی۔ اس زمانہ میں اگرچہ آپ کی زندگی بالکل پرائیویٹ تھی۔ لیکن متانت انگیز چہرے پر جس مدبری اور شجاعت و بہادری کے آثار پائے جاتے تھے۔ اسے کچھ وہی نظریں خوب تاڑتی تھیں جو فطرتاً خدائے ذوالجلال کے بے زوال نور سے جلا پا چکی تھیں۔ گو صورت پر مسکینی، حلیمی، سنجیدگی غیر معمولی سکوت و خاموشی برستی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ان مختلف رنگوں کے دوش بدوش بے دھڑک شجاعت، نڈر جرأت، بے باکی و بے خوفی صاف طور سے ہویدا تھی۔

احتیاط و تورّع

باوجود اس خداداد حسن اور زورِ شباب کے وہ قابل تنفر اور غیر خوش آیندہ جوشوں کے ابھار اور نامبارک ولولے جو اکثر نوجوانوں کی طبیعتوں میں گدگداتے ہیں۔ آپ کی طبیعت میں کبھی نہیں اٹھے۔ آپ کی سموئی ہوئی مذہبی پابندی بلکہ خدا کے خوف اور اس کی شرم نے ان تمام بے نتیجہ ولولوں کو اندر ہی اندر ایسا نیست و نابود اور ملیا میٹ کر ڈالا تھا کہ تمام عمر انہیں اُبھرنا نصیب نہیں ہوا۔ رفتارِ زمانہ کے موافق اور ترقی عمر کے ساتھ ساتھ آپ کے تمام کمالات عروج پکڑتے گئے اور اس وقت جب کہ آپ کی روزافزوں جسمانی قوّت نے معراج ترقی کے آخری ڈنڈے پر قدم رکھا۔ باطنی کمالات اور روحانی قوتیں اوجِ کمال پر پہنچ گئی تھیں۔ آپ کی محتاط زندگی اور تورّع و پرہیز گاری کی روایتیں بہت مشہور ہیں۔ جن میں سے دو ایک مختصراً یہاں لکھی جاتی ہیں تاکہ ناظرین آپ کا خاص طور پر

اندازہ کر سکیں۔

ایک یہ کہ مولینا شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میرے واجب الاحترام والد نہایت محتاط اور متورّع آدمی تھے۔ چونکہ آپ کا قالب بالکل سپاہیانہ تھا اور آپ فطرۃً چاق و چُست تھے اس لیے شمشیر زنی کرنے اور اپنی بے خوف شجاعت کے جوہر ظاہر کرنے کا آپ کو زیادہ شوق تھا۔ جسے سپاہیانہ قالب کی سچی رُوح کہہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ابتدائی زمانہ سے سلطنتِ مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور اپنے کارِ نمایاں کے صلہ میں کوئی بڑا اور معزّز فوجی عہدہ رکھتے تھے۔ جب اسلامی فوجیں مخالفانِ اسلام کی بیخ کنی اور ان کی نخوت و غرور کی گردنیں توڑنے کے لیے کسی طرف بڑھتیں تو آپ بڑے جوشِ مسرت کے ساتھ ان میں شریک ہوتے۔ اور منکرانِ اسلام کو بتا دیتے کہ ابھی تک فاروقی مصفا خون کا جوش کم نہیں ہوا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپ کا تورّع اور احتیاط انتہا سے زیادہ قابل تعریف اور لائقِ تقلید تھا۔ جب لشکر کے گھوڑے بے چارے غریب کسانوں کی کھیتیاں روندتے اور پامال کرتے ہوئے بے محابا چلے جاتے تو آپ کمال احتیاط کی وجہ سے لشکر سے الگ ہو جاتے اور اپنے گھوڑے کی باگ کھیتیوں سے اور طرف موڑ لیتے۔ اگرچہ بعض وقت اس کی وجہ سے آپ کو سخت مشکل پیش آتی اور متعارف راستہ کو چھوڑ کر مسطح اور ہموار زمین سے علیحدہ ہو کر اونچے نیچے اور غیر مسطح قطعات اور پیچیدہ راہوں کی صعب اور دشوار گزار گھاٹیاں بڑی دقت سے طے کرنی پڑتیں۔

واقعہ دُوسرے یہ کہ آپ کسی معرکۂ جنگ میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کی اونٹنی جس پر کھانے پینے کا اسباب اور اوڑھنے بچھونے کا ساز و سامان لدا ہوا تھا گم ہو گئی اور عجیب اتفاق یہ تھا کہ جس رسالہ کی کمان آپ کے ہاتھ میں تھی وہ بھی ان سامان سے خالی تھا۔ ادھر کڑا کے کا جاڑا پڑنے لگا تھا۔ برف باری شروع ہو گئی تھی۔ خنک ہوا کے پانی میں بھیگے ہوئے جھونکے بڑی تیزی و تندی کے ساتھ چل رہے تھے۔ غرضکہ اس وقت ان لوگوں کی حالت نہایت نازک اور افسوسناک تھی۔

اگرچہ شیخ صاحب کی عملی زندگی ان لوگوں پر زیادہ اثر ڈال چکی تھی۔ جو آپ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے اور فوج کے کثیر التعداد لوگ آپ کے فیض و برکت سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ مگر اس وقت فاقہ کی زبردست بے قراری کے سامنے اس کا اثر زیادہ دیر تک نہ

رہ سکا۔ انہوں نے تنگ ہو کر قرب و جوار کی مواشی جبراً پکڑ لیں اور ذبح کر کے تناول کیں۔ لیکن شیخ صاحب احتیاط و تورّع کے اس قدر پابند تھے کہ تین روز کے تابڑ توڑ فاقوں کی سخت بے قراری کا تحمّل کیا اور غصب شدہ چیزوں میں سے کوئی چیز تناول کرنی آپ کی محتاط اور اتقا پسند طبیعت نے گوارا نہیں کی۔

جب فاقہ کشی کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بدن میں تا ہم ہلک کو قوّت باقی نہیں رہی تو رزّاق حقیقی کی فیاضی و رزّاقیت نے ایک نہایت عجیب و غریب شگوفہ کھلایا۔ اور خدائے ذوالجلال کی کارسازی ایک انوکھی صورت اور نرالی طرز پر نمایاں ہوئی۔ یعنی آپ ایک عجیب اتفاقی طور پر چابک کی باریک نوک سے زمین کُرید رہے تھے۔ جیسا کہ متفکّر اور محو تامل شخص سے اکثر اوقات ظہور میں آیا کرتا ہے۔ دفعتہً کچے چنوں کی ایک پوٹلی آپ کے قوّت کے موافق زمین سے پیدا ہوئی۔ چونکہ وہ آپ کے لیے شرعاً جائز و حلال تھے لہذا آپ نے انہیں دُھو دُھلا کر صاف ستھرا کیا اور ابال کر تناول فرمایا۔

نرمی و نصفت پسندی

اسی طرح غریبوں بیکسوں کے حال پر شفقت کرنے اور خدام و ملازمین کے ساتھ نہایت نرمی اور تلطّف سے پیش آنے اور ہر بات میں انصاف پسندی مدّ نظر رکھنے کی بہت سی روایتیں مشہور و معروف ہیں جناب فاضل اجل شیخ عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ مجھے خود یاد ہے میرے والد علیہ الرحمۃ خدّام و ملازمین حتیٰ کہ گھسیاروں تک سے جس رحیمانہ برتاؤ اور نرمی و انصاف سے پیش آتے تھے اس کی مثال کہیں نہیں پائی جاتی تھی بالخصوص اس زمانہ کے متقیوں اور خدا شناسوں میں بہت کم دیکھی جاتی تھی۔

یہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ شیخ وجیہ الدین صاحب کی طبیعت کو فطری طور پر فنونِ سپہ گری سے زیادہ تعلق تھا اور آپ کا قالب بالکل سپاہیانہ اور شجاعانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ سلطنتِ مغلیہ کی افواج میں بھرتی ہو گئے تھے لیکن اس امر میں ہماری واقفیت بالکل محدود ہے اور کسی مستند شہادت کے رو سے یہ کہہ دینا بہت مشکل ہے کہ آپ شاہانِ مغلیہ میں سے کس تاجدار کے عہد حکومت میں فوج میں بھرتی ہوئے اور کس زمانہ میں فوجی سلسلہ اختیار کیا۔ اگرچہ یہ مضمون اس قابل تھا کہ اسے مفصّل لکھا جاتا مگر افسوس کہ مورخین کی بے پروائی سے مجمل رہا جاتا ہے۔ ہاں شیخ کے مختلف حالات پڑھنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس وقت سلاطین تیموریہ کا دسواں تاجدار ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ جیساکہ ذیل کے چند واقعات سے عنقریب ثابت ہوگا۔

آپ کے جنگی معاملات و واقعات صاف اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ابتدا میں جب آپ نے فوجی ملازمت اختیار کی ہے تو شاہ جہان بادشاہ اس وقت سلطنت پر حکمران تھا۔ اور جب عالمگیر کا دور دورہ ہوا تو اس وقت آپ ایک فوجی عہدہ پر ممتاز تھے۔ بہرحال آپ کی بے مثل شجاعت اور عدیم المثال بہادری کی حکایتیں اس درجہ مشہور ہوگئی ہیں کہ جہاں آپ کی دینی خدمات اور علمی فیاضیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں آپ کی شجاعت و بہادری کا بھی ضرور ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر ہم آپ کی شجاعت کے وہ مختصر واقعات جو ہمیں مختلف تحقیقات سے ثابت ہوئے ہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں اور حقیقت میں جناب شیخ صاحب کی تاریخی زندگی کے ابتدائی حالات میں ان واقعات سے زیادہ مہتم بالشان اور دلچسپ اور کوئی واقعہ بھی نہیں ہے۔ ان واقعات کے ذکر کرنے سے ہمیں ناظرین کو یہ بھی دکھانا منظور ہے کہ وہ معلوم کرلیں کہ آپ اس وصف کے کہاں تک اور کس درجہ تک قابل تھے اور اس غرض منصبی کو کس قابلیت سے ادا کرتے تھے۔

دہاموَنی کا سفر

شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں ہنوز میں چار سالہ تھا کہ میرے پدر بزرگوار جناب شیخ وجیہ الدین صاحب سید حسین کی ہمراہی میں جو اپنے زمانہ کا ایک بڑا شجاع و دلیر تھا اور جس کی بے خوف بہادری کی شہرت اس زمانہ میں ہرطرف پھیلی ہوئی تھی۔ قصبہ دہاموَنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اتفاق وقت سے اس سفر میں میں بھی آپ کے ہمرکاب تھا۔ اس وقت قصبہ دہاموَنی میں جو مالوہ کے دائرہ میں داخل تھا بہت بڑے فساد کی آگ مشتعل ہوئی جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آگئے۔ اس فتنہ کا بانی دہاموَنی کا راجہ تھا۔ جو شجاعت و جوانمردی میں مشہور اور استقلال و جراءت میں معروف تھا۔ اصل میں یہ راجہ شاہجہان بادشاہ کا باجگزار تھا۔ لیکن انجام کار اُس نے اس باجگذاری کی ذلیل حالت میں (اور سچ پوچھیئے تو عزّت اور وقر کی حالت میں) رہنا پسند نہیں کیا اور اپنی فطری شرارت سے بغاوت کے جھنڈے بلند کیئے۔ شاہجہان کو اس کی شرارتوں کی

متواتر خبریں روزمرہ پہنچ رہی تھیں اور سفیر مالوہ کی روزانہ ڈاک سے معلوم ہوتا تھا کہ صوبہ دھاموتی نے ایک عام شورش پھیلا رکھی ہے۔ شاہجہان کی نظریں تمام اراکین دولت اور امرائے سلطنت پر دوڑیں۔ لیکن اُسے اس وقت بجز اس کے اور کچھ بن نہ آیا کہ صوبہ دھاموتی کی تمردی و سرکشی اور بغاوت کی بھڑکتی ہوئی آگ دبانے کے لیے سید حسین کو ایک عظیم الشان فوج کی سرکردگی میں اس طرف روانہ کیا جس میں میرے والد بزرگوار بھی شریک تھے۔

شکست ابتداء میں اگرچہ دونوں لشکروں میں ایک عظیم الشان خونخوار جنگ ہوئی لیکن پھر اس لڑائی کا خاتمہ بظاہر صلح پر ہوگیا۔ راجہ نے بدستور سابق جزیہ دینے کا وعدہ کیا اور سید حسین کی مجلس میں حاضر ہوکر معذرت کرنے کو منظور کر لیا۔ صلح کے دوسرے دن تنہا مجلس میں حاضر ہوا۔ چونکہ اسلحہ جنگ سے آراستہ تھا۔ اس لیے دربانوں نے دروازہ پر ٹوکا اور ہتھیاروں کے ڈال دینے کا حکم کیا۔ لیکن مغرور راجہ اس پر راضی نہیں ہوا اور جب قیل وقال حد سے تجاوز کر گئی تو نخوت پرست راجہ نے مغرورانہ الفاظ میں سید حسین سے کہلا بھیجا کہ جب تم سپاہیانہ قالب رکھتے ہو اور اس کے علاوہ کثیر التعداد فوج بھی تمہارے پاس موجود ہے تو بڑی شرم کی بات ہے کہ ایک تنہا شخص جو تمہارے مقابلہ میں مچھر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ہتھیاروں کے ساتھ مجلس میں نہیں آنے دیتے۔ سید حسین سے اس کی یہ مغرورانہ تقریر سن کر بجز اس کے اور کچھ نہ ہو سکا کہ دربانوں کو حکم دے دیا کہ اس کے ہتھیاروں سے تعرض نہ کیا جائے اور ہتھیاروں سمیت مجلس میں لایا جائے۔ معزز سید کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور راجہ ہتھیار لگائے بڑی شان و شوکت سے داخل مجلس ہوا۔

شیخ وجیہ الدین صاحب کہتے ہیں کہ جس آن بان سے راجہ حاضر مجلس ہوا ہے اس کا اثر اب تک میرے ذہن میں باقی ہے۔ منہ میں پان چباتا جاتا تھا۔ اور بڑے ناز و انداز سے نخوت کے نشہ کی لن ترانیوں میں آہستہ آہستہ نازاں و فرحاں قدم اُٹھاتا تھا۔ اس کے چہرہ کی بشاشت سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی شادی کی مجلس میں جاتا ہے۔ حالانکہ موت کے منہ میں جاتا تھا۔ الغرض میرے والد نے اس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ضرور کوئی فتنہ برپا کرے گا۔ یہ کہتے ہی آپ نے شتابانہ لہجہ میں ایک خدمتگار کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اس بچے کو کسی اونچے مقام پر کھڑا کر دے مبادا جھپٹ میں اگر کسی قسم کا صدمہ پہنچے۔ اہل مجلس کے لیے شیخ کا یہ فرمان ایک معمہ تھا جس کا حل کرنا بہت مشکل تھا۔

ہر چند کہ اہلِ دربار نے اس پہیلی کو بوجھنا چاہا۔ لیکن درباری رعب و جلال سے اس وقت کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس طلسم کی پردہ کشائی کرے۔

دہا موتی کا راجہ جب دربار کے اس مقام پر پہنچا جہاں سے درباری رعب ہر شخص پر بڑے جاہ و جلال کے ساتھ پڑتا تھا اور شاہی آداب کی پابندی حاضرین دربار کو طوعاً و کرہاً ادا کرنا ضروری ہوتی تھی۔ تو وہاں سے بڑی دلیری اور گستاخی کے ساتھ آگے بڑھا اور محلِ سلام سے تجاوز کر گیا۔ دربان نے روکا اور خوفزدہ لہجہ میں کہا کہ شاہانہ سلام کی رسمیں یہیں سے ادا کر اور آگے قدم نہ ڈال۔ لیکن اس نے دربان کی اس گفتگو پر کچھ التفات نہ کیا اور جواب دیا کہ میں جناب سید صاحب کے قدم مبارک کو بوسہ دینا چاہتا ہوں تاکہ میرے دامن سے جرائم و تقاصیر کی وہ آلودگیاں دُھل جائیں جو مجھے ایسے مقدس شخص کی گستاخی کی وجہ سے نصیب ہوئیں۔

سید حسین کے ارشاد کے بموجب راجہ کی اس بے ادبی پر بھی اغماض کیا گیا۔ لیکن اب وہ جوں جوں قریب ہوتا جاتا تھا اس کے تیور بدلتے جاتے تھے۔ اور چہرے کی بشاشت کی جگہ غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ سید حسین کی نشست گاہ تک پہنچتے پہنچتے اس نے بڑی غضبناکی کے ساتھ تلوار پر ہاتھ ڈالا اور پوری قوت سے وار کیا۔ خوش قسمتی سے سید حسین پہلے ہی سے ہوشیار تھا تلوار کے علم ہوتے ہی اس نے ایک عاجلانہ حرکت کی۔ اور فوراً ایک طرف ہو کر تلوار کی زد سے بچ گیا۔ تلوار سر جھکائے ہوئے جب زمین پر پہنچی تو راجہ نے سید حسین کے سر کی جگہ تکیہ کو دو پارہ پایا۔

دربار میں خونریزی

جھلا کر دوبارہ تلوار اٹھائی اور سید حسین پر وار کرنے ہی کو تھا۔ کہ میرے والد بزرگوار بسرعت تمام اُس غدار کے سر پر جا پہنچے۔ اور خنجر کی ایک ہی ضرب میں ملعون کا کام تمام کر ڈالا۔ سید حسین نے اس خوفناک منظر میں جب اس متمرد کی ناپاک نعش بے حس و حرکت دیکھی تو ایک بے ساختہ جوش کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ والد بزرگوار کی بے دھڑک شجاعت کی بے حد تعریف کی اور بڑی تپاک سے معانقہ کیا۔

مالوہ کے ایک اور صوبہ پر فوج کشی

جب سید حسین اس مہم سے فارغ ہوا تو اب اس نے اپنی عنانِ توجہ ملک مالوہ کے ایک اور صوبہ کی طرف پھیری۔ تاریخی حیثیت سے اگرچہ اس بات کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے کہ اس صوبہ کا کیا نام تھا۔ جس کی طرف دہا موتی کی فتح کے بعد سید حسین نے رُخ کیا۔ لیکن

واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صوبہ دہاموتی کے اطراف میں یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا کیونکہ سید حسین کی جو تاریخ دہاموتی سے کوچ کرنے کی ہے وہی تاریخ اس صوبہ میں داخل ہونے کی دریافت ہوتی ہے۔ الغرض جب سید حسین کا جرار لشکر ملک مالوہ کے صوبہ میں پہنچا تو وہاں کا حکمران مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ دونوں لشکر باقاعدہ صف آرا ہوئے اور فوجی دریا بڑے زور شور سے لہریں لینے لگا۔ دونوں لشکر اس انتظار میں صورت تصویر بنے کھڑے تھے۔

میدان جنگ

کہ کب حکم ہو اور ہم اپنی جگہ سے جنبش کریں۔ دفعتۂ مخالف کی فوج میں سے ایک شخص صفیں چیرتا ہوا باہر آیا۔ اور عجب شان و شوکت سے آیا۔ ایک پیل پیکر گھوڑے پر سوار تھا زرہ بکتر سے تمام جسم چھپا ہوا تھا۔ کمر میں دونوں طرف تلواریں لٹک رہی تھیں۔ دائیں ہاتھ میں چمکدار نیزہ اور بائیں میں لمبا برچھا تھا۔ چہرہ سے شجاعت و بہادری کے آثار نمایاں تھے۔ قیافہ شناس نظریں فوراً تاڑ گئیں کہ یہی اس صوبہ کا حکمران معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ انہیں بہت تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا کہ وہ دونوں لشکروں کے بیچ میں آکھڑا ہوا اور بآواز بلند بولا کہ اس صوبہ کا حکمران میں ہی ہوں اور یہ لوہے میں ڈوبا ہوا وفادار لشکر مجھ پر جان چھڑکنے کے لیے مستعد کھڑا ہے۔ لیکن میں تابہ امکان خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔

سید حسین اور راجہ کا مبارزہ

اور اسی لیے اپنی قسمت کے آخری فیصلہ کے واسطے تنہا میدان میں کھڑا نظر آتا ہوں۔ اس صورت میں تم لوگ سمجھ گئے ہو گے کہ میں کس ارادے سے یہاں آیا ہوں اور میری حالت تمہیں صاف بتا رہی ہو گی کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

اگر تم لوگ مجھے قتل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو لیکن شجاعت کا یہ مقتضا نہیں ہے کہ چند آدمی مل کر تنہا شخص کو قتل کر ڈالیں۔ شجاعت کی شرط یہ ہے کہ سید حسین تنہا معرکہ میں آکر مجھ سے مقابلہ کرے اور پھر تلوار جس کے حق میں جو فیصلہ دے دے وہ اس پر بدل راضی ہو جائے۔ اس صورت میں لشکر کی خونریزی نہ ہو گی اور ہزارہا جانیں خونی دریا میں غرق ہونے سے بچ جائیں گی۔ رئیس کفار کی اس غیرت انگیز تقریر سے سید حسین کی ہاشمی رگ حرکت میں آگئی۔ اور ابراہیمی مصطفیٰ خون فوارے کی طرح جوش مارنے لگا۔ فوراً بدن پہ ہتھیار لگائے۔ اور

گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے اُٹھا۔ دونوں طرف سے نیزوں کے تابڑ توڑ وار ہونے لگے اور اس میں جب کسی کو کامیابی نہ ہوئی تو دونوں نے تلواروں پر ہاتھ ڈالا۔ سید حسین کے حریف نے کچھ ایسی چابکدستی کی کہ یکبارگی تلوار کی چمک بجلی کی طرح کوندی۔ اور چشم زدن سے پہلے سید حسین کے سر پر پہنچی۔ سید حسین نے اگرچہ بڑے استقلال و تحمل سے تلوار کو سپر پر لیا۔ لیکن پھر بھی تلوار ایسی کاری لگی تھی کہ سپر کو کاٹتی ہوئی دستہ تک پہنچ گئی۔ اور دوسرے دستہ میں جا اٹکی حریف نے جب تلوار کو نہایت سختی اور زور سے کھینچا تو سید حسین اس جھٹکے سے گھوڑے کی کمر سے نیچے جا رہا حریف یہ موقع غنیمت پاکر گھوڑے سے کود پڑا اور سید حسین کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر نکال کر سید کے بھونکنا ہی چاہتا تھا کہ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب جھٹ اس کے سر پر جا پہنچے اور تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کی زندگی کی رسی کو کاٹ ڈالا۔

سید حسین اور جناب شیخ صاحب اپنے لشکر میں واپس آ گئے اور جان نثار فوج نے وفادارانہ جوش کے ساتھ نعرۂ فتح بلند کیا۔ حکمران صوبہ کے یوں دفعتۂ مارے جانے اور سید حسین کی اس نمایاں فتح حاصل کرنے نے حریف کے تمام لشکر میں زلزلہ ڈال دیا۔ اور ہر طرف ایک تہلکہ سا پڑ گیا۔ جب جانبین کے فوجی سمندروں کی طوفان خیز موجوں میں سکون پیدا ہوا تو مخالف کے لشکر میں سے ایک اور سوار میدان کی طرف بڑھا۔ جو اول سوار سے پوری مشابہت رکھتا تھا۔

ایک اور قتل اس نے بھی سوار اول کے مطابق باآواز بلند کہا کہ میں مقتول کا برادر حقیقی ہوں اور تنہا اس لیے تمہارے سامنے کھڑا ہوں کہ تم میں سے جس کا جی چاہے مجھے قتل کر ڈالے۔ لیکن میں اپنی قسمت کا فیصلہ اس شخص کے ہاتھ میں دینے سے خوش ہوں جو میرے بھائی کا قاتل ہے۔ اس کی اس تقریر کے سلسلہ کا ابھی خاتمہ نہ ہوا تھا کہ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب اپنے مبارز کی طرف پرشوق نظریں اٹھائے ہوئے آگے بڑھے اور چند مختلف اور متواتر ضربوں کے بعد اس لعین کا کام تمام کر ڈالا۔

شیخ صاحب کی یہ جرأت اور بے جگری دیکھ کر تمام لشکر کفار پر ایک سکوت خیز سناٹا چھا گیا۔ اور آپ کی عظمت اور جلال دیکھ کر ہر شخص محو حیرت ہو گیا۔

اظہارِ جرأت

تھوڑی دیر تک کسی شخص کو لشکر سے نکلنے کی جرأت نہ پڑی۔ لیکن انجام کار ایک تیسرا سوار جو اول کے دونوں سواروں سے زیادہ تنومند اور جسیم تھا اور جس کی شجاعانہ کوششوں کی دھاک اس زمانہ کے تمام فوجی افسروں پر نہایت دہشت ناکی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا باہر نکلا اور پہلے سواروں کے مطابق اپنا مبارز طلب کیا۔ شیخ صاحب نے گھوڑے کو ایڑ دی اور مقابل ہوتے ہی لگا تار وار کرنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ ان دونوں مبارزوں میں زیادہ عرصہ تک حریفانہ کوششیں استعمال میں لائی گئیں۔ لیکن ہنوز کوئی کسی پر غالب نہ آیا بلکہ ہر شخص ایک دوسرے کو سینہ بسینہ اور کلہ بلہ جواب دیتا رہا۔ انجام کار رئیس کفار نے شیخ صاحب کی دونوں کلائیاں پکڑ کر چاہا کہ زمین پر گرا دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ شیخ صاحب نے حتی الامکان مدافعت ومزاحمت کی اور ساتھ ہی یہ فکر ہوئی کہ کسی حیلہ سے اس سے نجات حاصل کرنا چاہیئے۔ حقیقت میں شیخ صاحب کے لیے یہ ایک مشکل اور نہایت سخت و خطرناک موقع تھا۔ آخر کار اپنے مقصد پر کامیاب ہونے کے لیے شیخ صاحب نے یہ تدبیر نکالی کہ آپ نے بطریق خداع فرمایا۔ خبردار اس بہادر سورما کو پس پشت سے قتل نہ کر شیخ کے یہ پُر اثر الفاظ کان میں پڑتے ہی اس نے پشت کی جانب منہ پھیرا اور اس طرف منہ پھیرتے ہی اس کے قوی بازوؤں میں ضعف سا پیدا ہو گیا۔ بازوؤں کا ڈھیلا پڑنا تھا کہ شیخ صاحب نے اپنی پوری قوت کے ساتھ ایک ایسا جھٹکا دیا کہ ہاتھ چھوٹ گئے۔ رئیس کفار نے پھر جو اس طرف رُخ کیا تو شیخ کا زہر میں بُجھا ہوا خنجر پشت میں اترا ہوا پایا۔

ایک اور قتل

اس کے مارے جانے سے لشکر کفار میں ایک اور بھی کھلبلی مچ گئی اور اب سب نے ہتھیلی پر جان رکھ کر یکبارگی جنبش کی۔ سر اور سینہ توڑ تیروں کے مینہ برسانے اور آتش فشاں آلات سے درگذر کرنے کے بعد سینہ بسینہ جنگ ہونے لگی۔ اور دوپہر تک ایسی زبردست خونریزی ہوئی کہ طرفین کے لشکروں کو مزہ آگیا۔ سید حسین نے جس قدر مذہبی لڑائیاں راجپوتوں سے لڑیں۔ اگرچہ تقریباً سب میں شیخ وجیہ الدین نے ان سے زیادہ حصّہ لیا۔ لیکن اس لڑائی کا خاتمہ اور توڑ گویا آپ ہی کے ہاتھ پر ہوا۔

اور یہ فتح مالوہ کے تمام اضلاع واطراف آپ ہی کی وجہ سے فتح ہوئے۔ غرضکہ اس

انفطامی جنگ پر طرفین کی آنکھیں لگ رہی تھیں اور اس موقع کو دونوں لشکروں نے اپنی فتح و شکست کا مدار علیہ سمجھ لیا تھا۔

عظیم الشان جنگ

سید حسین کا لشکر معرکہ جنگ میں جس بے جگری اور بے دھڑک دلیری سے لڑ رہا تھا اور اپنی بے محابا جرأتوں اور بے نظیر شجاعتوں کے جوہر دکھا رہا تھا اگرچہ وہ نہایت پر فخر اور قابل قدر تھے۔ لیکن جس خوبصورتی اور بہادری سے راجپوت ان کے متواتر اور لگاتار حملوں کو روک رہے تھے۔ اور دوش بدوش جواب دے رہے تھے ایک انصاف پسند مؤرخ کے نزدیک عزو وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سید حسین کے لشکر کی بے خوف جرأت اور نڈر دلیری وہ نتیجہ پیدا نہ کر سکی جو اس موقع پر ظاہر ہونا چاہیئے۔

فیاض ازل نے روز ازل ہی سے اس عظیم الشان معرکہ کی فتح جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کے نام زد کر دی تھی اور پہلے ہی سے آپ کی قسمت میں اسلامی فتوحات کا ایک بڑا حصہ لکھا گیا تھا۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ دوسرا شخص اس جلیل القدر تمغہ ازلی کو حاصل کر لیتا۔ پہلے دن کی لڑائی میں شیخ صاحب کے چند زخم ایسے کاری آئے تھے۔ جنہوں نے آپ کو سخت ضعیف اور نڈھال کر دیا تھا اور اس وجہ سے آپ اس سخت اور گھمسان کی لڑائی اور عظیم الشان خونریزی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ دو روز تک برابر کشت و خون ہوتا رہا اور میدان جنگ خونی سمندر ہو کر عجیب خونخواری سے لہریں لیتا رہا۔

گو سید حسین کو شیخ صاحب سے پہلے ہی کمال عقیدت تھی۔ لیکن اب ان حیرت انگیز واقعات اور شجاعانہ کوششوں کے آپ سے ظہور میں آنے کے بعد اس کے اعتقاد میں اور بھی پختگی اور تعجب انگیز ترقی ہوتی گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس کے روزانہ اوقات جنگی معاملات میں صرف ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی جنگ کے انتظام سے جو وقت دم لینے کو ملتا تھا وہ شیخ کی خدمت اور آپ کی تیمارداری میں صرف ہوتا تھا۔ خدا خدا کر کے تین دن کے بعد آپ کو کچھ افاقہ ہوا۔ اور بدن کے زخم بھی کچھ کچھ بھر آئے۔ آپ نے اسی حال میں فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ اور موجودہ معاملات جنگ کے فراز و نشیب اور اتار چڑھاؤ پر سرسری نظر ڈال کر سید حسین کو مشورہ دیا کہ ہماری فوج کی تعداد اگرچہ حریف کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ لیکن پھر بھی دھاوے کے قابل ہے۔ سب کو درست کر کے

ایک بارگی حملہ کر دینا چاہیئے فتح ہمارے ساتھ ہے خدا نے چاہا تو پہلے ہی حملہ میں غنیم کی فوج پسپا ہو جائے گی۔ سید نے آپ کی اس دل سوزی اور حکمت آمیز تقریر کی بہت تعریف کی اور آپ کے مشورہ کے مطابق حملہ کر دیا۔ میدان میں تلواریں چمکنے لگیں اور آتش فشاں آلات کے دھوئیں سے سارا جنگل تیرہ و تاریک ہو گیا۔ شیخ وجیہ الدین کی حسن تدبیر اور زور بازو نے اول ہی حملہ میں صوبہ دہاموتی کی فوجی طاقت کو نہایت کمزور کر دیا۔ اور چند فوجی افسروں کے قتل کے ساتھ دہاموتی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب اسلامیوں کے واسطے میدان صاف ہو گیا اور وہ بڑی جسارت کے ساتھ باغی فوج کا تعاقب کرتے ہوئے شہر میں گھس گئے۔ راجپوت شکست کھا کر بھاگے۔ اور فتح مندی کا عظیم الشان جھنڈا شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ رہا۔

عام شکست

خاص شہر میں تھوڑی دیر تک ایک عام خونریزی رہی اور اس کے بعد لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اکثر ہلاک ہوئے۔ اور بقیۃ السیف گرفتار کر لیے گئے۔ میدان سید حسین کے ہاتھ رہا۔ اور بے شمار غنیمتیں لوٹ میں آئیں۔

شیخ وجیہ الدین کے فضل و کمال روشن دماغی صائب رائے۔ تدبیر و شجاعت شوکت و ہیبت کی جہاں تک سچی تعریف متینؔ اور وزنی الفاظ میں کی جائے بہت کم ہے۔ کیونکہ اس معزز و مشہور خاندان میں ایسے لوگ بہت کم گذرے ہیں۔ جن میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہوں جو تنہا آپ میں دیکھے جاتے تھے یہی اوصاف تھے جنہوں نے سید حسین جیسے امیر کبیر اور شجاع شخص کو شیخ صاحب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور آپ کا اعزاز پورے طور پر اس کے دل میں قائم کر دیا تھا۔ بلکہ آگے چل کر خود تاج و تخت کے وارث شہنشاہ عالمگیر کے دل میں آپ کی عظمت و وقار کے نقوش کندہ کر دیئے تھے۔

عظمت و وقار

سید حسین جیسے دانشمند اور عقل کے پتلے کو چونکہ آپ کی ذہانت خداداد قابلیت تجربہ پر کافی اعتماد ہو گیا تھا۔ اس لیے اب سے کوئی ملکی و جنگی معاملہ ایسا نہیں ہوا جس میں آپ کے نتیجہ خیز مشورے کے مطابق عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ ہر معاملہ میں آپ کو اپنا ہمراز بناتا اور جو کچھ آپ مشورہ دیتے

اُسی کے مطابق عمل میں لاتا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ تمام امراء کو اپنے قابل اور ممتاز کارکنوں سے ایک خاص قسم کا ارتباط اور اتحاد ہوتا ہے۔ لیکن سید حسین اور شیخ صاحب کا دلی تعلق خاص کر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ ان میں بالکل ویسے ہی باہمی تعلقات پائے جاتے تھے جیسے فطرتاً بھائی بھائی میں پائے جاتے ہیں۔

اتحاد و محبت

قریباً تمام معاشرتی امور اور تمدنی احوال میں سید کا تعلق شیخ صاحب سے بالکل برادرانہ اور عزیزانہ تعلق تھا اور سب سے زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ ان دونوں کے باہمی تعلقات نمائشی اور بناوٹی نہ تھے۔ بلکہ عملی طور پر ان کا ظہور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اثر یہاں تک پہنچا کہ جو شخص محترم اور واجب التعظیم شیخ کی مخالفت کرتا تھا جرگ سید کو اس سے ذاتی اختلاف ہوتا تھا۔

قصہ مختصر جب فتح مند لشکر نے بہزار کامیابی اپنے قیام گاہ کی طرف مراجعت کی۔ تو شیر دل سید نے اس فتح کی خوشی میں ایک شاہانہ جلسہ کیا اور کمال حوصلہ مندی اور عالی ہمتی سے لشکریوں کی گودیاں مال وزر سے بھر دیں۔ چند روز تک لشکر کا اس مقام پر قیام رہا۔ اور نہایت فارغ البالی سے عیش وکامرانی میں مصروف رہا۔

عجیب واقعہ

اسی اثناء میں ایک نہایت عجیب اور حیرتناک واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ اس فتح کے تین دن بعد ایک مسن اور ضعیف عورت شیخ صاحب کو دریافت کرتی اور تلاش کرتی ہوئی آپ کے خیمہ میں آئی اور ٹوٹی ہوئی آواز میں گویا ہوئی کہ برخوردار من! میں ان تینوں شخصوں کی والدہ ہوں جن کے سر تیری تیغ بے دریغ سے قلم کئے گئے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ دنیا بھر میں کوئی شخص میرے فرزندوں سے زیادہ شجاع اور قوی تر نہ ہوگا۔ لیکن حقیقت میں مجھے دھوکہ ہوا۔ جو آج نہ صرف میری نظروں میں بلکہ ہزارہا انسانوں کی نگاہوں میں طشت از بام ہو گیا۔ تجھ پر خدا کی رحمت ہو اور آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا تجھے نظر بد کے زہریلے اثر سے ہمیشہ بچائے رکھے۔ بے شک تو ان سب سے قوت وشجاعت میں بہتر و برتر ثابت ہوا۔ میں نمائشی اور بناوٹی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر ان کی جگہ تجھے اپنا فرزند خیال کرتی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ تو مجھے اپنی ماں کے قائم مقام تصوّر کر۔ اور میری کلبۂ احزان اور تاریک گھر کو اپنے نور قدوم سے منور کر کے چند روز

اطمینان اور آسائش کے ساتھ جلوہ آرا ہوتا، کریں تجھے سیر ہو کر دیکھوں اور تیرے جاہ و جلال سے بھرے ہوئے چہرہ سے میری آنکھوں کو خنکی اور دل کو تسلی و اطمینان نصیب ہو۔

دلسوزی و مہربانی چونکہ بڑھیا کی تقریر دلسوزی اور شفقت و مہربانی سے بھری ہوئی تھی اس لیے محترم شیخ پر اس کا بہت بڑا اثر پڑا۔ خادم سے فرمایا کہ گھوڑا کس۔ اور آپ فوجی لباس سے آراستہ ہو کر بڑھیا کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ عزیز و اقارب کی ایک جماعت نے جن میں آپ کے بھائی بند بھی تھے۔ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا اور عرض کیا تعجب کی بات ہے کہ آپ جیسا تیز ہوش اور عقلمند ایک ایسی حرکت پر پیش قدمی کرے جس کا نتیجہ نہایت ضرر رساں اور مضرت دہ ہو ایک عورت ذات کی چند نمائشی باتوں اور بناوٹی لفظوں پر جن کی بنا صرف دھوکے اور مکر پر ہو بھروسہ کے قابل سمجھنا بے شک بعید از قیاس اور دور از عقل ہے۔ بالخصوص وہ عورت جن کے تین اولوالعزم اور بہادر فرزند آپ کی تیغ بے دریغ سے قتل کئے گئے ہوں۔ آپ کا وہاں جانا اور اس عورت کا مہمان ہونا ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے میں بہت کوشش کی۔ لیکن آپ نے ان کی تقریر کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا۔ اور ان کا منع کرنا کسی گنتی میں نہ لائے۔

جب مانعین کی اس جماعت نے دیکھا کہ آنے والی بڑھیا کی شیریں کلامی اور پراثر الفاظ کا جادو واجب الاحترام شیخ پر اپنا پورا اثر ڈال چکا ہے۔ اور ہماری تمام کوششوں پر ناکامی کا پانی پھیر دیا گیا ہے تو آندھی مینہ کی طرح جھپٹے ہوئے۔ سید حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بڑھیا کی التماس اور اس کے قبول کرنے میں شیخ کی مستعدی بیان کی۔ بزرگ سید اس وحشتناک خبر سے سخت متذبذب ہوئے اور ایک عاجلانہ حرکت کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچ کر گہری گہری قسمیں دلائیں اور بڑھیا کی التماس قبول کرنے سے باز رکھا۔

اس وقت آپ سے بجز اس کے اور کچھ نہ ہو سکا کہ بڑھیا کو بلا کر نہایت تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ مادرِ من! یہ لوگ مجھے تیرے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بالفعل تیری اس التماس کے قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن تجھے

مطمئن رہنا چاہیئے کہ میں چند روز کے بعد تیری بستی میں ضرور آؤں گا اور تیرے حسبِ منشا کچھ عرصہ تک وہاں رہوں گا۔

وعدہ

میں تجھ سے مضبوط وعدہ کرتا ہوں اور تو یقینی طور پر سمجھ لے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک عہد شکنی۔ بد عہدی ایک ایسا سنگین جرم اور سخت گناہ ہے جو معافی کی قابلیت نہیں رکھتا۔

چند روز کے بعد جب کہ تمام لوگوں کے دلوں سے یہ واقعہ نسیاً منسیا ہو گیا تو شیخ وجیہ الدین صاحب اپنے متعلقین کو غافل پاکر سوار ہوئے۔ اور اس بڑھیا کے مکان پر تشریف لے گئے۔

ایفائے وعدہ

بڑھیا درحقیقت ویسی ہی محبت و تعظیم اور اخلاص و دلسوزی سے پیش آئی جیسے حقیقی اور سگی ماں اپنے قابل اور فخر خاندان فرزند سے پیش آتی ہے۔ سب سے اول بڑے جوش مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔ پھر نہایت عظمت و وقار کے ساتھ ایک قیمتی فرش پر بیٹھایا۔ بڑھیا کی اس وقت کی بشاشت اور خوشی کا کوئی کافی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا بار بار یہی چاہتی تھی کہ شیخ پر قربان ہو جائے۔ اور اپنی جان اس کے قدموں میں نثار کر دے۔ کچھ دیر تک اسی قسم کی صحبت رہی۔ ازاں بعد بڑھیا نے اپنے معزز مہمان کی کھانے کی تواضع کی اور امیرانہ طرز پر دعوت کا سامان مہیا کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد محترم شیخ اور بڑھیا کے مابین ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور دیر تک راز و نیاز کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ الغرض تین روز اسی طرح گذرے چوتھے روز شیخ صاحب اس سے اجازت حاصل کر کے اپنے لشکر میں واپس چلے آئے۔

شیخ عبدالرحیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں بارہا اس بڑھیا کے مکان میں گیا ہوں جب کبھی میں ادھر جا نکلتا تو وہ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آتی اور میری تسلی و دلجوئی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی۔ میں اسے دادی کہا کرتا تھا۔ اور وہ اس سے بہت خوش ہوا کرتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ میں نے بچپن میں اپنی دادی کو نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھے معلوم نہ تھا کہ اس بڑھیا کے علاوہ میری کوئی اور دادی ہے۔

واقعات مذکورہ بالا سے جو دلچسپی کے بہت سے سامان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ معزز شیخ کے شجاعانہ کارناموں اور بہادرانہ نام آوریوں کے ثبوت کے علاوہ آپ کی

وہ خاص خاص خوبیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں جو نہایت وقعت و قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل ہیں اور نہایت مفید اور نتیجہ بخش اثر رکھتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ شیخ صاحب جیسے صادق القول اور محتاط تھے ویسے ہی بات کے پکے اور عہد کے پورے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی سے آپ نے کچھ وعدہ کیا ہو اور پھر اسے پورا نہ کیا ہو۔

تذکروں میں جس قدر حالات جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کی بے دھڑک شجاعت اور نڈر جرأت کے لکھے گئے ہیں ان میں سے بعض واقعات ہم نقل کر چکے ہیں جن سے کافی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ واجب الاحترام شیخ میں فی ذاتہ کس قدر شجاعت و جرأت کا مادہ تھا۔ لیکن اب ہم ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے پر شوکت زمانہ میں آتے ہیں۔ اور شیخ صاحب کے چند وہ واقعات مختصراً ذکر کرتے ہیں جن پر عالمگیری تذکروں کے ساتھ ساتھ تاریخی چمک اب تک برابر پڑ رہی ہے۔

جب ہندوستان کے اقبال کا ستارہ آسمانی سطح کے مشرقی افق میں شہاب ثاقب ہو کر چمکا تو عالمگیر جیسا پر رُعب۔ سنجیدہ۔ اولو العزم۔ عاقل۔ مدبر۔ بادشاہ تخت حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ عالمگیر جیسا پابند مذہب اور علم دوست تھا۔ ویسا ہی شجاعت و بہادری پر جان دیتا تھا اس کے پر شوکت دربار میں جس حیثیت سے علماء فضلاء کی تکریم و تعظیم کی جاتی تھی۔ اسی لحاظ سے شجاع اور بہادروں کا اعزاز کیا جاتا تھا۔ غرضکہ دونوں فریق اس عہد حکومت میں امتیازی نظروں سے دیکھے جاتے تھے چونکہ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کی تاریخی زندگی میں یہ بات نہایت ہی عجیب و غریب تھی کہ آپ تیغ و قلم دونوں کے مالک تھے۔ (ایک ہاتھ میں تلوار کا قبضہ تھا اور دوسرے میں قلم کا نیزہ۔ جس طرح آپ کی تیغ دودم کی جیتی جاگتی یادگاریں اس وقت تک زمین پر قائم و دائم ہیں اُسی طرح آپ کے قلمی فتوحات کے دفتر ہمیشہ ہماری پیش نظر ہیں) اس لیے عالمگیری دربار میں آپ کا دنیاوی اعزاز اور مذہبی تقدس نہایت ہی وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

عالمگیر کی تخت نشینی شاہ شجاع کا خروج

۱۰۶۸ھ میں محمد اورنگ زیب عالمگیر تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا اور اوائل ۱۰۶۹ھ میں اس کے برادر شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف خروج کیا۔ عالمگیر ایک عظیم الشان اور جرار فوج ساتھ لے کر شاہ شجاع کی تنبیہ کے لیے روانہ ہوا اور عالمگیری شاندار جھنڈے ایشیائی دنیا

کے مشرقی حصوں کی طرف فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ موضع کیجوہ میں دونوں خونخوار اور عظیم الشان لشکروں کا اندھا دھند مقابلہ اور مقابلہ کے بعد سخت خونریزی واقع ہوئی۔ اس جنگ میں جناب شیخ وجیہ الدین صاحب بھی شریک کر لیے گئے تھے اور عین معرکہ میں داد شجاعت دیتے تھے۔

اس معرکہ آرائی میں شیخ صاحب نے بھی لڑائی کا بہت بڑا حصہ لیا۔ فوج کا ایک مختصر مگر خونخوار دستہ بہادر اور دل چلے شیخ کے زیر کمان بڑے بڑے جوش کے ساتھ آگے بڑھا جاتا تھا اور تیروں کا برابر مینہ برسا رہا تھا۔

میدانِ جنگ

ایک موقع پر پہنچ کر شیخ صاحب نے اپنے گھوڑے کی باگ ڈور روک لی اور ساتھ ہی آپ کی وفادار اور جان نثار فوج بھی رُک گئی۔ آپ نے چند منٹ تک غور کیا کہ مجھے کس پہلو پر حملہ آور ہونا زیادہ مفید پڑے گا۔ فوراً آپ کی سمجھ میں ایک رُخ آگیا۔ اور اسی طرف گھوڑے کی باگ اٹھا دی۔ حریف کے لشکر نے اپنی توپوں کے رُخ ادھر کر دیئے۔ اور ایک دم گولوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ لیکن خدا کی شان ان کا فی صدی ایک گولا بھی نشان پر نہ لگ سکا۔ چنانچہ اب دونوں لشکروں نے توپوں کے فیر سے درگذر کر کے تلواروں کے قبضے پکڑ لیے اور سینہ بسینہ جنگ شروع ہوگئی۔ کچھ دیر تک اندھا دھند مقابلہ رہا۔ سخت خونریزی کے بعد حریف کا لشکر نہایت بدحالی اور سراسیمگی سے پیچھے ہٹا۔ شیخ صاحب نے بڑی بے جگری اور بہادری سے یہ مورچہ فتح کیا اور یہاں کا ضروری انتظام کر کے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ حریف پر دوبارہ حملہ آور ہوئے۔

لشکر کی ہزیمت

مخالف فوج نے شیخ کے اس زبردست اور خونخوار حملے کو بڑے زور سے روکا اور دو گھنٹے یا اس سے کچھ کم و بیش انھوں نے بڑی خونخواری سے جنگ کی۔ لیکن بعد ازاں یک بیک ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ مورچہ بھی شیخ کے قبضہ میں نہایت آسانی کے ساتھ آگیا۔ شاہ شجاع کے تمام لشکر میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اور شیخ صاحب کے متواتر حملوں اور تابڑ توڑ حملوں نے انہیں بالکل بزدل بنا دیا۔ چنانچہ جب ان پر حد سے زیادہ خوف طاری ہوا تو سراسیمہ ہو کر بھاگنا شروع کیا۔

شاہ شجاع اگرچہ فنون جنگ سے خوب واقف تھا اور بے نظیر شجاعت و بہادری میں غیر معمولی قابلیت رکھتا تھا۔ لیکن عالمگیر کے مقابلہ میں اپنا ضعف بخوبی سمجھتا تھا۔ گو اس کا لشکر تعداد میں کم نہ تھا۔ لیکن شائستگی اور خونخواری میں عالمگیر کے لشکر کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی خونخوار اور شائستہ فوج سے میدان لینا مشکل اور سخت مشکل ہے۔ قواعد دان فوج کی کمی افسروں کی بے اعتباری۔ عام لشکر کی طبع برخاستگی اور سب سے بڑھ کر سامان حرب کی طرف سے ناکافی اطمینان۔ یہ تمام باتیں اس قسم کی تھیں جو ہر وقت شاہ شجاع کو متوحش اور بزدل بنا رہی تھی۔

شاہ شجاع نے جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر پہلے ہی سے نتیجہ نکال لیا تھا۔ کہ اس موقع پر کامیابی کی امید کرنا سراسر فضول ہے۔ اس لیے اس نے میدانِ جنگ کو چھوڑ کر آخری تدبیر یہ سوچی کہ چند مست ہاتھی عالمگیر کے لشکر کی طرف چھوڑ دیے جائیں اور ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کی ایک کافی تعداد روانہ کی جائے۔

مست ہاتھیوں کا حملہ

جب مست ہاتھی مخالف کی فوج پر حملہ کر کے متفرق و پریشان کر دیں، تو زرہ پوشوں کا لشکر آفت ناگہانی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے اور عام قتل کر کے دشمن کو پسپا کر دے۔

دوسرے دن جب کہ طرفین کے لشکر صف آرا ہوئے اور عالمگیر کے فوجی افسروں نے اپنے اپنے دستوں کا باقاعدہ پرا جمایا تو شاہ شجاع کے لشکر کی طرف سے دو تین کوہ پیکر مست ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ نکلے اور ان کے عقب میں کثیر التعداد فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ خونی ہاتھیوں نے چاروں طرف بے محابا حملے کرنے شروع کر دیئے اور زرہ پوش جماعت بڑی دہشت ناکی کے ساتھ توپ کی باڑیں مارنے لگی۔ جب یہ صورت ظہور میں آئی۔ تو عالمگیر کے لشکر میں ایک ہلچل سی پڑ گئی۔ بڑے بڑے بہادروں کے پیر اکھڑ گئے۔ اور ہر شخص ایک سمت بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا۔ عالمگیر کے ہاتھی کے گرد بجز ان خاص خاص وفاداروں اور جان نثاروں کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔ جو خطرناک اور سخت نازک موقع پر اس کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے اور جنھوں نے اس کی ترقی و بہبودی میں ہمیشہ جانیں لڑا دی تھیں۔

شیخ وجیہ الدین صاحب اپنے مورچہ پر بے خوف و ہراس کھڑے ہوئے اسی

خونی منظر اور قیامت نما حادثہ کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فوج کی پریشانی اور بزدلی دیکھ کر آپ کی رگِ غیرت حرکت میں آئی اور بہادرانہ جوش تمام رگوں میں خون کی طرح دوڑ گیا۔ آپ نے مورچہ چھوڑ کر سب سے اوّل اس مست ہاتھی پر حملہ کرنا چاہا جو اس طرف رُخ کئے ہوئے بڑھا چلا آرہا تھا۔ جو فوج دستہ اس وقت آپ کی زیر کمان تھا۔ ہاتھی کا مقابلہ کرتے ہوئے جھجکا اور میدان سے واپس چلا جانا غنیمت سمجھا۔ بہادر شیخ نے آگے بڑھ کر سب کو روکا اور خوف زدہ آواز میں غل مچا کر کہا۔

شیخ کی موثر اور پُرجوش نصیحت

بہادرو! یہی تو لڑائی کا موقع ہے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے کا یہی تو وقت ہے اس موقع پر جان دینا اور شجاعوں کے کارناموں میں اپنی زندہ یادگار قائم رکھنا جان بچانے اور ہمیشہ بزدلی اور نامردی کے ساتھ یاد کئے جانے سے بہت بہتر ہے۔ شجاعت پیشہ ناموروں کی سب سے زیادہ جس چیز نے تاریخ میں بقائے دوام کے ساتھ عزت افزائی کی ہے اور بہادروں کو جس بات نے تاریخی کارناموں میں ممتازیت و انتخاب کا پُر فخر اعزاز بخشا ہے یہی جان نثاری اور وفاداری ہے اس میں ذرا شک نہیں کہ ایسے جان جوکھوں اور خطرناک مواقع میں ثابت قدمی اور استقامت سے کافی حصّہ لینا بعض اولوالعزم اور جان بازوں کو بھی نصیب نہیں ہوا ہے۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ انسانی تدبیر تقدیر الٰہی کو کبھی شکست نہیں دے سکتی۔ فتح ہمارے ساتھ ہے اور بغیر مقابلہ واپس چلے جانے میں بدنامی کے علاوہ سراسر حرماں نصیبی اور بدقسمتی آگے کھڑی ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمہیں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جس کا جی چاہے مجھ سے علیحدگی اختیار کرے اور جسے منظور ہو میرا ساتھ دے ؎

ہر چند کہ آپ کا یہ شیریں اور موثر وعظ دلسوزی اور حکمت آمیز مقولوں سے پُر تھا۔ اور سامعین کے دلوں پر بہت اچھا اثر ڈالنے کا کافی سامان رکھتا تھا۔ لیکن تجربہ سے دیکھا جاتا ہے کہ جو طبیعتیں حقیقت میں قابل اور متاثر ہوتی ہیں ان میں ادنےٰ بات سے تحریک تحریک کے ساتھ تکمیل کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بخلاف ان کے جو طبیعتیں ناقابل اور پژمردہ ہوتی ہیں ان پر کسی موثر وعظ کا اثر پڑتا ہے نہ دلسوزی کا اظہار کام آتا ہے اور چونکہ سنگلاخ چٹانوں پر بغیر ہل چلائے بیج ڈالنا اور پھر اس کے باردار ہونے کی امید کرنا خلافِ قانونِ قدرت

بات ہے۔ اس لیے جناب شیخ صاحب اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہو سکے۔

چنانچہ آپ کے اکثر رفیق اس خطرناک معرکہ میں آپ سے جُدا ہو گئے۔ اور صرف چار شخصوں نے اس دہشت ناک منظر میں آپ کا ساتھ دیا۔ یہی چار اولوالعزم اور ارادہ کے پورے وہ شخص ہیں جن کی نسبت شیخ وجیہ الدین صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر ہمارے رفیقوں میں سے کوئی شخص کسی خوفناک اور جانبازی کے موقع میں ہمارا ساتھ دے گا ان ہی چار مستقل اشخاص میں سے ہوگا۔

قصّہ مختصر آپ ایک اونچے دمدمے سے تلوار علم کئے ہوئے اترے ان چار شخصوں نے آپ کے گھوڑے کا فتراک مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر باہم معاہدہ کیا کہ ہم شیخ کے ساتھ جانیں تک لڑا دیں گے۔ اور وفاداری کا حق جیسا کہ جیسا چاہیئے ادا کریں گے۔ جس مقام پر شیخ کے قدم ہوں گے وہاں ہم اپنی آنکھیں بچھا دیں گے۔ شیخ نے نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے ہاتھیوں کی طرف رخ کیا۔ اور سب سے اوّل اس ہاتھی پر سفاکانہ حملہ کیا جو زیادہ سرکشی کر رہا تھا۔ قریب پہنچ کر کچھ دیر تک تو خاموش اور چپ چاپ کھڑے رہے۔ لیکن جونہی ہاتھی نے اپنی مہیب اور خوفناک سونڈ آپ کی طرف اٹھائی اور چاہا کہ لپیٹ کر گھوڑے سے کھینچ لے۔ آپ نے پوری طاقت سے ایک ایسی تلوار ماری کہ اس کی سونڈ پیچھے کی جانب سے دو پارہ ہوگئی سونڈ کے کٹتے ہی ہاتھی نے ایک نہایت کریہ۔ ہوش ربا چیخ ماری جس سے سننے والوں کے دل دہل گئے اور لشکر میں عام طور پر ایک زلزلہ اور تہلکہ پڑ گیا۔ ہاتھی ایسی بے سروسامانی اور سراسیمگی کے ساتھ پیچھے کی طرف بھاگا کہ زرہ پوشوں کا لشکر جو اس کے عقب میں لشکر عالمگیر پر اسلحہ آتشی یعنے داغنے والے آلات سے باڑیں مارتا ہوا آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ اس کے پاؤں سے اس قدر کچلا گیا کہ صرف گنتی کے آدمی اور وہ بھی بہت مشکل سے جانبر ہو سکے۔

شیخ کی یہ شجاعانہ کوشش گویا عالمگیر کی فتح وعروج اور شاہ شجاع کے زوال و ادبار کا مقدمہ تھا۔ ابھی اس سے پیشتر عالمگیر کا اقبال جو پہاڑ کی چوٹی کے ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح نہایت حیرت کے ساتھ اس پر خوف نظارہ کو الوداعی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس آفتاب کی طرح چمکنے لگا جو نصف النہار پر پہنچ کر اپنی پوری اور کامل درخشانی سے

ایک عالم کو منور کر دیتا ہے۔ منتشر اور بھاگی ہوئی فوج سب طرف سے سمٹ سمٹا کر جمع ہو گئی اور شیخ کی سرکردگی میں غنیم کی فوج پر دفعتہً پل پڑی۔ اب سطح زمین پر تلواریں چمکنے لگیں اور آتش فشاں آلات سے سارا میدان دھواں دھار ہو کر مہیب اور خوفناک آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس جنگ کا بھی حصّہ زیادہ پرخطر اور خوفناک تھا۔ بہادروں کے سر کھیرے ککڑی کی طرح بے دریغ کٹ رہے تھے۔ اور زخمی سپاہی خونی دریا میں غوطے لگا رہے تھے۔ کسی کو کسی کی خبر تک نہ تھی۔ اور ایک بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔

شاہ شجاع کی ہزیمت اور شکست

نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ شجاع کو شکست ہوئی اس کے لشکر کا اکثر حصّہ بے دریغ قتل کیا گیا اور کسی قدر گرفتار۔ میدان عالمگیر کے ہاتھ رہا۔ اور غنیم کا بے شمار سامان حرب ہاتھ لگا۔ لشکر میں فتح کے شادیانے بجنے لگے اور ہر شخص کو اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ عالمگیر نے اس فتح کی خوشی میں ایک شاہانہ جلسہ کیا اور چونکہ وہ عین معرکہ میں جناب شیخ وجیہہ الدین صاحب کی بہادرانہ کوشش اور وفادارانہ جوش کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا اس لیے سب سے پیشتر عمدہ اور منتخب اسلحہ کے ساتھ کثیر التعداد رقمیں آپ کو عطا کی گئیں۔

عالمگیر کی خداشناسی

عالمگیر نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کی کمر میں تلوار باندھی اور نہایت شکرگذاری کے ساتھ آپ کے منصب اور عزت افزائی میں ترقی کرنی چاہی۔ لیکن اس سیرچشم اور مستغنی المزاج بہادر نے اپنی اس کارگذاری کے صلہ میں کوئی مہتم بالشان اور منتخب عہدہ لینا پسند نہیں کیا کیونکہ آپ اپنے موجودہ منصب کو صوبہ جات کی گورنری اور پرگنوں کی عاملی کے ممتاز عہدوں سے کسی درجہ کم نہ سمجھتے تھے۔ نیز آپ کی محتاط زندگی اور معمول سے زیادہ اتقاء و پرہیزگاری ان معزز عہدوں کے مناسب بھی نہ تھی۔ جن میں مصروف ہو کر اکثر لوگ ان امور سے غفلت میں پڑ جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ آپ نے اسی خیال سے ان عہدوں کو قبول نہ کیا ہو۔

اس واقعہ سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ شیخ صاحب اپنی بے مثل شجاعت اور بے محابا جرأت میں کہاں تک قابلیت رکھتے تھے۔ اور شاہی درباروں میں آپ کی شجاعانہ کوششیں کس قدر اعزاز و وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ

آپ کی شجاعت کی نسبت اور بھی بہت سے دلچسپ اور ندرت مآب واقعات تذکروں میں لکھے گئے ہیں جن سے آپ کی یہ صفت بوجہ احسن ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا میں ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

ایک اور واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید شہاب الدین کا جو شاہ عالمگیر کا ایک نہایت معزز و ممتاز اور مشہور کارکن تھا۔ عالمگیر بادشاہ کی طرف سے محاسبہ پیش آیا۔ چونکہ حساب سمجھتے وقت بادشاہ کو اس کی خیانت ثابت ہوئی۔ اس لیے عالمگیر نے اس پر سخت عتاب کیا۔ اور گرفتاری کا حکم دے دیا۔ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب نے اس تعارف کی وجہ سے جو ایک زمانہ سے حاصل تھا۔ عالمگیری عدالت میں اس کی ضمانت پیش کی اور خود غبن شدہ رقوم کے کفیل ہو گئے۔ آپ کی ضمانت منظور ہوئی اور رقوم کی ادائیگی کے لیے ایک محدود وقت مقرر کیا گیا۔ لیکن جب وعدہ کی مدت ختم ہوئی اور سید شہاب الدین نے رقومات ادا کرنے میں تساہل کیا تو شاہی مطالبہ آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ رقم کثیر تھی اور شیخ صاحب اس قدر استطاعت نہ رکھتے تھے کہ اُسے ادا کر کے حاصل کرتے۔ اس لیے آپ نے سید شہاب الدین کو بلایا اور نہایت نرمی اور سہولت کے ساتھ مطالبہ کا سلسلہ چھیڑا۔ ہنوز باتوں کا تار نہ ٹوٹا تھا کہ بدقسمت سید نے آپ کے اُس قومی احسان اور اس سہل گیری و نرمی کی یہ مکافات کی کہ سخت برہمی اور غصہ کے لہجہ میں بولا کہ حضرت! میرے پاس مال و دولت کچھ نہیں اور اس کے ساتھ ہی ایک بڑی غضب ناکی اور عام جوش کے ساتھ تلوار میان سے نکال کر کہنے لگا یہ حاضر ہے! شیخ صاحب نے اس کی یہ بھی (اور سچ پوچھیے تو کمینہ پن) ملاحظہ کر کے ایک نہایت ہی خوش آئند تبسم کے ساتھ فرمایا پیارے سید! تلوار کا قبضہ پکڑنا بہت آسان ہے۔ لیکن اس کی ذمہ داری سے باہر آنا مشکل اور سخت مشکل ہے۔ تمہاری غضب ناکی محض بے جا ہے اور میرے سامنے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ شیخ کی یہ گفتگو سن کر وہ اور بھی افروختہ ہوا اور اس کی حمیت کی رگ حرکت میں آئی۔ ایک فوری جوش کے ساتھ تلوار اٹھائی اور سر تک بلند لے گیا۔ لیکن ہنوز تلوار نیچے جھکنے نہ پائی تھی کہ دل پہلے شیخ کا بایاں ہاتھ اس تک پہنچ چکا تھا۔ آپ نے اپنے بائیں ہاتھ سے تو اس کی تلوار پکڑی اور دائیں ہاتھ سے چہرہ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ احسان فراموش سید اوندھے منہ زمین پر جا پڑا اور ایک عرصہ تک بے ہوش رہا۔ آپ نے خادم سے

فرمایا کہ اس گردن زدنی کے ہاتھ پاؤں رسی سے کس دیئے جائیں اور اس کے طویلہ میں جس قدر اونٹ گھوڑے موجود ہوں سب حاضر کیے جائیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور حرمان نصیب سید کا طویلہ فوراً خالی کر دیا گیا۔

ادھر جب سید کو تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو آپ نے اُسی قہر آلود نظروں سے دیکھ کر فرمایا کہ سید! کیا اس قومی احسان کا بدلہ یہی تھا جو تو نے ادا کیا۔ اور ہاں یہ تو بتا کہ اب تیرا وہ لاف و گزاف اور تکبر و غرور کہاں گیا۔ سید سے جب کہ اس نے اپنے تئیں ایک بڑی رسی میں جکڑا ہوا دیکھا آپ کے پہلے جملہ کو سن کر بجز اس کے اور کچھ بن نہ آیا کہ گردن نیچی کر لی۔ لیکن جب دوسرا جملہ کان میں پڑا تو اس کے دل میں ایک غیر معمولی حرکت پیدا ہوئی۔ اور نہایت جوشیلی آواز میں بول کر میں نے اپنے کامیاب ہونے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن اسے میں کیا کروں کہ آپ کا ہاتھ قبل اس کے کہ میں اپنا وار کروں حرکت میں آیا۔ اور ایک قوی صدمہ مجھے پہنچا۔ جس سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا پھر آپ ہی فرمائیں کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔

شیخ صاحب نے اس کی بیہودہ اور فضول گفتگو سن کر فرمایا کہ بے شک تم سچ کہتے ہو اب میں تمہیں پورا موقع دیتا ہوں کہ اپنی کامیابی میں کوشش و محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو اور جو کچھ کرنا ہے کر گذرو۔ چنانچہ آپ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سید کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں اور اس کی تلوار اسے دے دی جائے فوراً آپ کے ارشاد کی تعمیل ہوئی اور ناعاقبت اندیش سید تلوار لے کر محترم شیخ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر چند چاہا کہ حملہ کرے۔

رعب و ہیبت

لیکن شیخ کا رعب اس درجہ غالب ہوا کہ اس کا جسم سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگا۔ اور بدن پر اس قدر لرزہ پڑا کہ حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ انجام کار اس نے تلوار زمین پر پھینک دی اور بے ساختہ آپ کے قدموں پر گر پڑا۔

اس واقعہ سے شجاعت کے سوا آپ کے قومی احسان و تفضلات سہل گیری اور استقلال کے عمدہ نمونے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رعب و ہیبت جو شجاعت کے لیے لازمی ہیں آپ میں بطرز احسن پائے جاتے تھے۔ پھر واقعہ کو اگر ناظرین لطیفہ سمجھیں

تو حقیقت میں ایک عمدہ اور نتیجہ خیز مذاق ہے۔ لیکن اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس بات کی پوری تحقیق ہوتی ہے کہ واجب الاحترام شیخ کی شجاعت۔ شہرت سے درگذر کے ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ کتب تواریخ اور عام تذکروں میں بزرگ شیخ کی شجاعت کے افسانے جستہ جستہ مذکور ہیں۔ لیکن اس واقعہ کی نسبت مجھے یہ لکھنا بہت مشکل ہے کہ کس تاریخ میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ تاہم میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مؤرخوں نے اسے ایک عام معمولی اور جزئی واقعہ سمجھ کر نظرانداز کر دیا ہے۔ لیکن اس کے واقعی اور محقق ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں اور اس کے ثبوت میں میں صرف مستند شہادت پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جب جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے سامنے اس واقعہ کا ذکر ہوا تو آپ نے نہایت وثوق کے ساتھ ارشاد کیا کہ یہ واقعہ میرا چشم دید ہے۔ اس موقع پر میں خود موجود تھا اور اس خوفناک منظر کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا"۔ پس اس مستند اور فاضل کی واجب القبول عینی شہادت کے مقابلہ میں ہمیں ہرگز جائز نہیں کہ واقعہ مذکورہ کے ثابت اور محقق ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ کر سکیں۔

محترم شیخ کی تاریخ زندگی میں سب سے زیادہ جس چیز نے آپ کو تمام ہندوستان میں معروف و مشہور کر دیا ہے وہ یہی آپ کی شجاعت کے کارنامے اور بہادری کے افسانے ہیں جن میں سے بعض ان واقعات کو بہ تفصیل بیان کر آیا ہوں۔ جن میں ناظرین کی دلچسپی کے بہت کچھ سامان تھے۔ اب میں آپ کی استقامت اور قلبی قوت کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

استقامت جو علاوہ دلچسپی کے مذکورہ بالا عنوان سے کمال تعلق رکھتا ہے کیونکہ حقیقت میں قلبی قوت اور استقامت ہی بیت الشجاعۃ کا پہلا دروازہ ہے جس میں قدم رکھتے ہی ناظرین کو آپ کی شجاعت کا اور بھی کافی اندازہ ہو جائے گا۔ اور معلوم ہو جائیگا کہ آپ نے اس صفت خاص میں وہ غیر معمولی ترقی کی جس سے آج تک صفحات تواریخ پر آپ کا نام نامی ثبت ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیباکی اور قلبی قوت اس حد تک پہنچ گئی تھی۔ کہ ایک معرکہ جنگ میں عظیم الشان مقاتلہ اور سخت خونریز محاربہ واقع ہوا۔ دونوں لشکروں کے بے شمار اور ان گنت آدمی قتل کیے گئے اور کچھ زخمی۔ لیکن انجام کار مسلمانوں کو نمایاں فتح نصیب ہوئی اور مقدس اسلام کے شاندار جھنڈے ہوا میں اڑنے لگے۔ جب مسلمانوں کا جنرل جس کی

زیر کمان یہ فاتح لشکر موجود تھا۔ اپنے مقام پر پہنچا تو رات کے وقت حسب دستور تمام فوجی افسر دربار میں حاضر ہوئے۔ مقتولوں کی تعداد میں گفتگو کا سلسلہ چھڑ گیا اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے مناظرہ کی حد تک پہنچا۔ ہر شخص مقتولوں کی ایک تعداد قائم کرتا تھا۔ اور دوسرے کی طرف سے فوراً اس کی تردید ہوتی تھی۔ شدہ شدہ جب آپ کی نوبت آئی تو فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جانبین سے پانچ کم دو سو یا پانچ اوپر دو سو آدمی قتل کیے گئے ہیں۔ اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں ان کی بابت میں کوئی کافی معیار اور صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔

ذہانت و حافظہ

حاضرین نے جب آپ کا یہ عاقلانہ حیرت انگیز فیصلہ سنا تو سخت استبعاد و استعجاب کیا اور تحیر انگیز صورت میں شیخ کے چہرہ کو تکنے لگے۔ لیکن تاہم کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ آپ کے قول کی تکذیب کرتا۔ اور وہاں تا کا کوئی جواب دیتا۔ اس تحیر اور بے جا سکوت نے محترم شیخ کو آشفتہ کیا اور آپ کسی قدر برہمی سے کہنے لگے کہ تم لوگ اس قدر متعجب کیوں ہوتے ہو میں نے کوئی بات نفس الامر کے خلاف نہیں کہی ہے یہ اور بات ہے کہ تم اُسے واقع کے مطابق نہ سمجھو۔ حاضرین نے اگرچہ اپنی متذبذب حالت کے درست کرنے میں بہت کچھ کوشش کی مگر بدقسمتی سے وہ اس میں ناکام رہے تاہم بلجاجت یوں عرض کرنے لگے۔ مخدوم و محترم شیخ صاحب! ہم اعتراضاً متعجب و متحیر نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیں اس واقعہ سے کماحقہٗ واقفیت نہیں ہے ورنہ ہم آپ کی ہر بات قابل تسلیم سمجھتے اور اسے وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

حاضرین دربار یہ سب کچھ کہہ رہے تھے لیکن حقیقت میں انہیں واجب الاعتصام شیخ کی اس بات میں بہت بڑا شک اور سخت تردد تھا۔ آپ ان کے اس تذبذب کو فوراً تاڑ گئے اور چاہا کہ سب کو حقیقت حال پر مطلع کریں۔ چنانچہ آپ اس مجلس سے ایسی ہیئت پر اُٹھے جیسے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے اٹھتا ہے۔ رات نہایت اندھیری اور تیرہ تاریک تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا تھا نہ راستہ کا پتہ و نشان معلوم ہوتا تھا۔ آس پاس کے گاؤں والوں نے کبھی کے چراغ گل کر دیئے تھے۔ چاروں طرف سے کالی کالی گھنگھور گھٹائیں امڈی چلی آرہی تھیں۔ بجلی کی کڑک سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ گاہے گاہے باد صرصر کے تیز جھونکے آبادی کا نشان دیتے تھے۔ ورنہ اندھیرے کی سیاہ چادر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میلوں تک عالم خاموشی اور سنسانی حکومت کر رہی ہے۔ ایسی خطرناک حالت

میں شیخ ہی کا کام تھا کہ تلوار کا قبضہ ہاتھ میں پکڑ کر بے محابا معرکہ میں تشریف لے گئے۔

اس وقت معرکۂ جنگ اور بھی پُرخوف اور زیادہ خطرناک تھا کہیں کہیں سے زخمیوں کی جگرخراش آوازیں اور جانگزا صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ یا ادھر ادھر سروں کے ڈھیر پڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے بے سر لاشوں کے تودے لگے ہوئے تھے اور جس طرح مینہ سے زمین بھیگ جاتی ہے اسی طرح بہادروں اور جانبازوں کے خون سے زمین بھیگی ہوئی نظر آتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن دل چلے اور نڈر شیخ کے دل پر اس حسرتناک منظر کا کچھ بھی اثر نہ پڑتا تھا۔ آپ نے نہایت احتیاط اور اطمینان کے ساتھ مقتولوں کو گننا شروع کیا۔ اسی اثناء میں آپ کا ہاتھ ایک ایسی گھائل نعش پر پڑا جس میں ہنوز کچھ جان باقی تھی ہاتھ پڑتے ہی اس نے ایک نہایت دہشتناک چیخ ماری۔ ممکن تھا کہ شیخ اس ہولناک چیخ سے دہشت میں آجاتے۔ لیکن تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت ہے کہ کچھ تذبذب آپ میں دخیل نہیں ہوا۔ آپ نے اس کی تسکین کی اور اپنا نام بتا کر اور لاشوں کی پڑتال شروع کی۔ اسی اثنا میں آپ کا خیال اس طرف دوڑا۔ کہ معرکہ جنگ کے علاوہ کچھ مقاتلہ گاؤں کے عین وسط میں بھی ہوا تھا۔ وہاں بھی چل کر مقتولوں کی نعشیں ٹٹولنی چاہئیں۔ چنانچہ آپ میدانِ جنگ کی نعش شماری سے فارغ ہو کر گاؤں میں پہنچے اور جہاں جہاں احتمال تھا انتہا سے زیادہ مقتولوں کا تجسس کیا آپ ایک ایک لاش پر ہاتھ رکھتے اور گنتے جاتے تھے کہ دفعتہً آپ کا ہاتھ ایک بڑھیا عورت سے چھو گیا جو لڑائی کے وقت ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی اُس نے بھی ایک نہایت خوفناک چیخ ماری اور غل مچا کر امن و پناہ کی استدعا کی۔ آپ نے اس کی بھی تسلی کی اور مزید اطمینان کے لیے آپ نے اپنے نام نامی سے آگاہ کیا۔

یہ سخت تعجب بلکہ ایک گونہ خرق عادت بات ہے کہ مقتولوں کی تعداد اُسی قدر ظاہر ہوئی۔ جو شیخ صاحب کا معیار تھا۔ آپ نے نہایت جوش مسرت کے ساتھ لشکر کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور مجلس کو اُسی ہیئت پر پایا۔ جس پر آپ چھوڑ کر معرکہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ حسبِ قاعدہ مجلس ہی جا بیٹھے اور جب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو معرکہ میں جانے اور مقتولوں کی نعشیں شمار کرنے اور ان دونوں شخصوں سے ملاقات کرنے کا سارا قصہ بتفصیل بیان کیا۔ اب حاضرین کا استعجاب اور بھی زیادہ ہوا اور وہ پہلے سے بھی کسی قدر زائد حیرت زدہ ہو گئے۔ سب سے زیادہ خود رئیس کو آپ کی اس قلبی قوت اور حیرت افزا

استقامت پر تعجب تھا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ سو بہادر سوار مشعلیں لے کر معرکہ میں جائیں اور تمام مقتولوں کا شمار کر کے ان دونوں شخصوں کو ہمراہ لے آئیں۔ سواروں کی یہ جماعت اگرچہ اپنی بے دھڑک شجاعت اور بے خوف دلیری میں بے مثیل تھی۔ لیکن اس خطرناک وقت اور پُرخوف مقام کی ہیبت سے معرکہ میں جاتے ہوئے ہچکچائی اور خوف کے مارے سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگی۔ امیر نے جب ان لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو ایک تند اور غضبناک لہجہ میں بولا۔ "ہاں ہاں ابھی جاؤ اور اس سر بستہ راز کی مجھے جلد اطلاع دو اور اس طلسم کی پردہ کشائی کرو۔" اس دوسرے حکم نے ان کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیئے۔ اور اب بجز اس کے ارشاد کی تعمیل کے اور کچھ نہ ہو سکا۔ معرکہ میں جا کر مقتولوں کا شمار کیا اور ان دونوں شخصوں کو ساتھ لے آئے۔ مقتولوں کی تعداد نے شیخ کی رائے سے موافقت کی اور ان دونوں شخصوں نے آپ کے نام سے امیر کو اطلاع دی۔

قصہ مختصر محترم شیخ کی شجاعت و استقامت اور قلبی قوت کے حالات و واقعات اس قدر وسیع اور غیر محدود ہیں جن کے ذکر کرنے کی ہم اپنے اس مختصر تذکرہ میں گنجائش نہیں دیکھتے یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر بطور مشتے نمونہ از خروارے بہت تھوڑے وقائع لکھ کر اس عنوان کو ختم کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ القلیل ینبئ عن الکثیر والغرفۃ یحکی عن البحر الکبیر۔ مدرنہ خاص کر آپ کی بے مثال جرأت اور سچی شجاعت کے اس قدر واقعات ہیں کہ اگر فیصدی دس کا بھی انتخاب کیا جائے تو بھی ہمارا تذکرہ ان کے لیے ناکافی ہو۔ تاہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند روایتیں اوپر نقل کر آئے ہیں۔ جن سے آپ کی شجاعانہ کوششیں بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن اس بات کو ہم ڈنکے کی چوٹ کہیں گے کہ شیخ کے پولیٹیکل معاملات کی نسبت ہمیں ایک واقعہ بھی لکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ مورخین نے انہیں عام اور جزئی واقعات خیال کر کے بالکل نظر انداز کر دیا ہے اس لیے ہمیں امید ہے کہ ناظرین اس بات کا الزام دینے سے ضرور اغماض کریں گے۔ کہ ہم نے کوئی پولیٹیکل واقعہ شیخ کی سوانحعمری میں ذکر نہیں کیا۔

شیخ کے عام اخلاق و عادات

شیخ کے سپاہیانہ واقعات کو چھوڑ کر اب ہم آپ کے عام اخلاق و عادات پر نظر ڈالتے

ہیں کیونکہ انسان کی تاریخی زندگی میں یہی ایک ایسا دلکش مرقع ہے جس میں مختلف شکل وشمائل کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔

اخلاق وعادات

نہایت تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ وہی شخص جن کے پرزور ہاتھ میں ابھی ابھی تلوار کا قبضہ تھا۔ اب علمی جلسوں میں فضیلت کی کرسی کو زینت دے رہے ہیں۔ وہی شیخ جو کل معرکہ آرائیوں میں داد شجاعت دے رہے تھے اور بے مثل جرأت کے حیرت ناک مونے دکھا رہے تھے۔ آج علمی مذاق کی نہروں میں بڑی خوشی سے غوطے لگا رہے ہیں۔ کبھی آپ کا روئے سخن علماء و فضلاء کی طرف دکھائی دیتا ہے جس میں علمی باریکیاں بیان کی جاتی ہیں۔ کبھی درویشوں اور پیروان طریقت کی طرف متوجہ معلوم ہوتے ہیں۔ جس میں کشف ومراقبہ کے عام مباحث ذکر کئے جاتے ہیں۔ علماء وفضلاء ومشائخ وسالکین کا مجمع درِ دولت پر لگا ہوا ہے اور سب مرادوں اور کامیابیوں سے گودیاں بھر بھر کر جا رہے ہیں۔ میں اس عنوان میں جس قدر آپ کے اخلاق وعادات اور عام خوبیوں کی تعریف کروں گا وہ حقیقت میں آپ کے اصلی واقعات ہوں گے۔ جن میں شاعرانہ استعارہ ہوگا نہ تکلف وبناوٹ کا دخل:۔

علم وفضل

شیخ وجیہ الدین صاحب علاوہ حسن وصورت اور شجاعت وبہادری کے علم وفضل میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور جس طرح ظاہری علم میں عدیم المثال سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح علم باطن میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے ضمیری اور روحانی جوہر اپنے میں ممتازیت کی گہری تہ رکھتے تھے اور باطنی اسرار اور الہامی نکات آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اور یہ ایک ایسی خصوصیت آپ کو حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے اس وقت کی تمام اسلامی سوسائیٹیوں اور علمی مجلسوں میں آپ کی بے حد عزت کی جاتی تھی۔ اور قطع نظر اس خصوصیت کے آپ کی تواضع۔ علمی قدردانی۔ انشاء پردازی۔ شیریں کلامی۔ فصاحت وبلاغت کا جادو ہر شخص پر اپنا پورا اثر ڈال چکا تھا۔ اس لیے ہر موقع دخل یہاں تک کہ شہر کی گلی کوچوں میں آپ کی خداداد قابلیت کی بڑے زور وشور سے داد دی جاتی تھی۔

مورخین نے شیخ کی قابلیت پر جو مختصر ریمارک کئے ہیں ان کے متفقہ الفاظ یہ ہیں کہ اس جلیل القدر اور عظیم الشان خاندان میں جو سب سے زیادہ قابل فخر اور خاندانی اعزاز کے بقا اور دوام کا باعث ہے۔ وہ شیخ وجیہ الدین صاحب کا وجود باجود ہے۔ تمام

خاندان میں آپ سے زیادہ کوئی شخص پُر مغز اعالی دماغ، حوصلہ مند، دقیق النظر۔ بردبار، خوش اخلاق۔ صائب الرائے، شجاع، فصیح و بلیغ، عقیل و فیاض نہیں ہوا۔ باوجود امیرانہ شان و شوکت کے آپ کے مزاج میں انتہا سے زیادہ عجز و انکسار تھا۔ آپ کا طرزِ معاشرت بالکل سادہ، اور تکلف و بناوٹ سے کوسوں دور تھا۔ آپ علمی جلسوں اور اسلامی انجمنوں میں نہایت سادگی کے ساتھ شریک ہوتے۔ درویشوں اور مشائخوں سے ملاقات کرتے ان کے مکان پر پا پیادہ جاتے۔ علمار فضلار کی عظمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے۔ محتاجوں، مسکینوں کی ہر وقت رعایت رکھتے یا

سب سے بڑی قابل تعریف اور خوبی کی بات یہ تھی کہ اگر بمقتضائے بشریت کسی معاملہ میں آپ سے غلطی ہو جاتی اور اس پر کوئی متنبہ کرتا یا احیاناً نصیحتاً کوئی بات کہتا تو آپ اُسے نہایت مشکوری کے ساتھ فوراً قبول کر لیتے۔ اور اگر وہ نیک صلاح ہوتی تو نہایت مستعدی اور آمادگی کے ساتھ عمل میں لاتے۔ غرضکہ یہ تمام باتیں اس قسم کی تھیں جنہوں نے شیخ کو تمام ہندوستان میں مشہور کر دیا تھا اور جن کی وجہ سے آپ کے پُر فخر اور قابل قدر و منزلت واقعات سے صفحات تاریخ کو اب تک زینت ہے بلکہ امید ہے کہ یہ تاریخی روشنی ہمیشہ تک آپ پر تاباں اور درخشاں رہیں گی۔

الحاصل شیخ صاحب کے ان واقعی اخلاق و عادات سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ کیا بلحاظِ شہرت عام اور کیا بلحاظِ دیگر فضائل و خصائل جامع جمیع کمالات اور حاوی حسنات و خیرات تھے۔ اور جب آپ کی شجاعت و دلیری کے کارنامے بھی ان تمام اوصاف کے ساتھ پیش نظر کئے جائیں گے۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ بزرگ شیخ نامداران اسلام کی تاریخ میں بلحاظِ عام مقولہ الولد سر لابیہ کے اپنے والد بزرگوار جناب شیخ معظم اور جدامجد جناب شیخ منصور کے پورے نمونے تھے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ان کے بقائے دوام اور شہرت عام کے باعث آپ ہی تھے۔ اس خاندان کے سلسلہ نسب میں ہم شیخ معظم کی اولاد کے نام لکھ آئے ہیں۔ لیکن ان میں جسے سب سے زیادہ تاریخی شہرت اور عام مقبولیت حاصل ہے وہ شیخ وجیہ الدین ہمارے اس عنوان کے ہیرو ہی ہیں گو شیخ جمال اور شیخ فرید آپ کے دو بھائی بھی علم و فضل اور خاص اوصاف کے ساتھ موصوف تھے۔ لیکن آپ کی مقامی شہرت کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہ تھے۔ اس لیے ہمیں اس کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے

کہ اس خاندان کے تمام موجودہ گروہ میں آپ ہی ایک ایسے واجب الاحترام اور معزز شخص تھے جنہیں خاندان کا چشم و چراغ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

شیخ کا کلام الٰہی سے عشق

شیخ کے حالات زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کلام ربانی کے ساتھ انتہا سے زیادہ عشق رکھتے تھے اور مقدس کلام الٰہی کو سفر حضر میں ہمیشہ تعویذ بازو بنائے رہتے تھے۔ چنانچہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ وہ میرے والد محترم کا عام دستور تھا کہ ہر شبانہ روز قرآن مجید کے دو سیپارے تلاوت کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ تلاوت سرسری اور طوطے کی طرح نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ربانی نکات اور الہامی غوامض کی رعایت کے ساتھ ہوتی تھی وہ الہامی اسرار جو قرآن مقدس کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اثنائے تلاوت میں آپ پر منکشف ہوتے اور ہر ہر لفظ کا آپ کی طبیعت پر ایسا زبردست اثر پڑتا تھا کہ بعض اوقات بے اختیار رونے لگتے تھے۔ غرضکہ آپ میں مقاصد ربانی کے سمجھنے اور اُن سے موثر ہونے کی پوری قوت تھی اور جو کچھ آپ کو اُس سے فائدہ حاصل ہوا وہ کسی طرح معرض تحریر میں نہیں آسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو قرآن مجید سے کمال عشق ہو گیا تھا۔ اور آپ کو سفر حضر خوشی رنج میں کبھی دو سیپارے پڑھے بدون چین ہی نہیں پڑتا تھا جب آپ معمر ہوئے اور بصارت میں کچھ ضعف آگیا تو ایک جلی قلم قرآن اپنی تلاوت کے لیے پسند کیا اور سفر میں کسی وقت اپنی جان سے جدا نہیں کیا۔

شیخ کا ازدواج و اولاد

شیخ وجیہ الدین صاحب نے شیخ رفیع الدین محمد ابن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز کی عصمت مآب اور پاک دامن دختر سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ شیخ ابوالرضا محمد شیخ عبدالرحیم شیخ عبدالحکیم۔ باستثنائے شیخ عبدالحکیم کے باقی دونوں حضرات کے مفصل و بسیط حالات چونکہ ناظرین کو آگے چل کر ملیں گے۔ لہٰذا اس موقع پر مختصراً اس قدر عرض کرنا مناسب ہے کہ شیخ وجیہ الدین صاحب کو جس قدر محبت شیخ عبدالرحیم صاحب سے اسی قدر اور فرزندوں سے نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سفر و حضر کے اکثر موقعوں پر آپ کی ہمراہی کا شیخ عبدالرحیم ہی کو اعزاز حاصل تھا اور چونکہ آپ کی آغوش محبت اور سایہ عاطفت میں شیخ عبدالرحیم ہی نے بچپن سے پرورش پائی تھی اس لیے آپ کو اُن ہی سے کمال

کمال محبت تھی۔ اور اس عالمگیر شہرت کا باعث جو شیخ عبدالرحیم کو اس وقت تک حاصل ہے غالباً یہ ہی محبت ہے۔

فضل وکمال کے لحاظ سے شیخ ابوالرضا محمد جس رتبے کے شخص تھے گو اس کی نظیر بمشکل مل سکتی ہے۔ لیکن نشر علوم اور مفید فنون کی اشاعت کے اعتبار سے جو عمومیت اور تاریخی شہرت جناب شیخ عبدالرحیم کو حاصل ہوئی اس میں شیخ ابوالرضا محمد دوسرے درجہ میں جگہ رکھتے ہیں۔ جس نے سب سے پہلے دہلی میں بیت العلوم کی عمارت کا نقشہ بنایا۔ اور اس کے در و دیوار کو علوم و فنون کے مرقعوں سے سجایا۔ زاں بعد طالب علموں کی گودیاں علمی برکت سے لبریز کیں۔ وہ شیخ عبدالرحیم صاحب ہیں۔ جن کے حلقۂ درس میں مختلف ملک و دیار کے ذہین طلبہ نے زانوئے ادب تہ کئے اور علم ادب دینیات۔ منقول، معقول، حساب، ہیئت، علم اللسان، فلسفہ، حکمت، مناظرہ، کلام، علم الرجال وغیرہ علوم کی تکمیل میں معروف ہوئے وہ شیخ عبدالرحیم ہیں مگر تاہم ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ شیخ ابوالرضا محمد خود ایک جلیل القدر فاضل تھے۔ اور بلند ہمتی کے ساتھ مختلف علوم سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ حدیث وفقہ اور تفسیر قرآن جس کی اہل اسلام کے تمام طبقوں میں عزت کی جاتی ہے ان علوم میں آپ کو ایسا کمال تھا جسے ماہرین فن اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے رسمی علوم و فنون بالخصوص علم ادب کا کمال بھی بڑے بڑے ادیبوں کو تسلیم ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ ابوالرضا محمد کی ہمہ دانی نہایت حیرت انگیز ہے آپ فقہ، حدیث، تفسیر، طب، ادب، شاعری، کلام اور سب سے بڑھ کر علم تصوف میں مجتہدین فن کے درجہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ اگرچہ آپ جامع علوم تھے۔ لیکن جس قدر تصوف اور ادب سے دلچسپی تھی اس قدر دوسرے علوم و فنون سے کم تھی جیسا کہ آگے چل کر آپ کی لائف میں ان تمام باتوں کا ذکر ہوگا۔

اب میں صرف ان الفاظ پر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔ کہ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کو تمام علوم و فنون میں مہارت کامل حاصل ہو گئی اور آپ زمانہ کے سرد وگرم سے خوب واقف ہو چکے تو ایک باخدا ولی کی ولایت کے شواہد مشاہدہ کر کے اس سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ میں مستغرق و محو ہو گئے۔ لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ خاموشی اور کم گوئی کی عادت ڈالی۔ اور گوشہ نشینی میں زندگی بسر کرنی پسند کی غرضکہ چند روز میں آپ

نے اس میں وہ کمال پیدا کیا جس کی نظیر اس زمانہ کے صوفیوں میں نہ پائی جاتی تھی۔
" وَهٰذَا فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ "

شیخ کی شہادت اور باب کا خاتمہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شیخ کی شہادت

شیخ وجیہ الدین صاحب کے سوانح عمری میں جو باتیں ہم نقل کر آئے ہیں وہ آپ کے حالات زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ ہے لیکن سب سے زیادہ اہم اور مہتم بالشان آپ کی شہادت کا افسوس ناک واقعہ ہے جسے میں مختصراً یہاں بیان کرتا ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ اب میں اپنے قلم سے ایک ایسے بے مثل بہادر ایسے لاثانی شجاع ایسے قابل اور فخر روز گار کے دنیا سے اٹھ جانے کا واقعہ لکھ رہا ہوں جس کی شریف اور مقدّس ذات حقیقت میں آیندہ تمام کامیابیوں کا ایک مختصر دیباچہ اور دینی و دنیوی ترقیوں کا پورا فوٹو تھی۔ اور جس کی شجاعت و بہادری پر ہندوستان کو انتہا سے زیادہ فخر و ناز تھا بے شک شیخ وجیہ الدین صاحب کا دنیا کو یوں خدا حافظ کہنا اور عزیز و اقارب سے یک لخت منہ موڑ لینا ایک ایسا جانگداز حادثہ اور جگر خراش صدمہ ہے جس پر پتھر کا دل بھی دو آنسو ڈالے بدوں نہیں رہ سکتا۔ لیکن تاہم ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ گو دنیا سے شیخ صاحب کا اثر زائل ہو گیا ہے مگر ان کا نام نامی اب تک خیر و خوبی کے ساتھ باقی ہے اور قیامت تک دائم و قائم رہے گا۔ اگرچہ لوگوں کی نظروں سے ان کا وجود باجود غائب ہو گیا ہے لیکن ابدالآباد تک ان کا ذکر بلند رہے گا۔ وہ موت بہت ہی مبارک ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ کی زندگی انسان کو نصیب ہوتی ہے اور وہ انسان نہایت خوش قسمت ہے جس کے لیے اقبال کی یاوری سے وہ سامان پیدا ہو جائیں۔ جن سے اُسے بقائے دوام اور شہرت عام حاصل ہو۔ ہم شیخ صاحب کی اس مبارک موت سے خوش ہیں جس نے آپ کو ابدی زندگی اور اس کے ساتھ خدائی رضامندی کا معزّز و محترم تمغہ حاصل کرایا اور خداوند عالم سے دست بدعا ہیں کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو یہی موت نصیب ہو۔ آمین۔

يَا رَبِّ لَا تَسْلُبْنِي حُبَّهَا أَبَدًا !
وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِينًا !

شیخ کی شب بیداری

شیخ عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ میرے بزرگوار والد صائم النہار قائم اللیل تھے ہمیشہ رات کو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھا کرتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ تمام شب تہجد گذاری میں بسر کرتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ تہجد گذاری میں مصروف تھے اور میں بھی اس وقت آپ کے پاس حاضر تھا آپ کے ایک سجدہ نے اس قدر طول کھینچا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کی مقدس روح عنصری جسم سے مفارقت کر گئی۔ میں حیران تھا کہ اب کیا کروں اور کس کو اس واقعہ کی اطلاع دوں۔ اس وقت طرح طرح کے خیالات کا میرے دل پر ہجوم تھا اور ان کا سلسلہ آناً فاناً بڑھتا چلا جاتا تھا۔ غرضکہ کوئی بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اور میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔

آنچہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

اتنے میں آپ کو ہوش ہوا اور آپ نہایت بشاشت سجدہ سے اُٹھے جب میں نے اس سجدے کی طوالت کا سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھے سجدہ میں غیبت واقع ہوئی اور اسی حالت میں شہیدوں کے احوال سے مطلع ہوا۔

شہادت کے لیے دعا

جب میں نے ان کے اعلےٰ درجات اور قدر و منزلت کو اپنی آنکھ سے دیکھا تو میرے دل میں ایک بے اختیارانہ جوش پیدا ہوا۔ اور میں نے جناب الٰہی میں نہایت عاجزی کے لہجہ میں شہادت کی درخواست پیش کی۔ اور یہاں تک اصرار و الحاح کیا کہ میری التماس نے آخر کار قبولیت کا جامہ پہنا اور منکشف ہوا کہ دکن کی طرف جانا چاہیے کیونکہ شہادت کا اعزاز وہاں پہنچ کر حاصل ہو سکتا ہے میں والد بزرگوار کی زبانی یہ الفاظ سن رہا تھا اور زار زار رو رہا تھا اور اس وقت میرا برا حال تھا۔ آپ نہایت خوش آیندہ تبسم کے ساتھ مجھے تسلی دیتے اور میری آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

شیخ کا دکن کی طرف سفر کرنا

الغرض اس واقعہ کے بعد آپ نے سفر کی تیاریاں کر دیں۔ اور باوجودیکہ آپ شاہی منصب کو مدت سے خدا حافظ کہہ چکے تھے۔ اور اس سے آپ کو پہلے ہی سے دلی نفرت پیدا ہو چکی تھی۔

لیکن اس وقت شہادت کا شوق اس درجہ دامن گیر تھا کہ پھر از سر نو اسباب سفر و جنگ فراہم کرنے میں مشغول ہو گئے۔ نہایت عمدہ گھوڑے خریدی اور جن ہتھیاروں کی کمی تھی ضرورتاً شاہی اسلحہ خانہ سے لیے۔ اور دکن کی جانب شاداں و فرحاں متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ کا خیال تھا کہ شاید راجہ سیوا سے جو اس زمانہ میں دکن کا حکمران تھا اور وارث تخت و تاج خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس کی طرف سے قاضی اسلام کی نسبت سخت بے حرمتیاں ظہور میں آئی تھیں۔ مجھے جنگ کرنے اور قاضی وقت کا اس سے انتقام لینے کا اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ اس خیال سے آپ آگے بڑھے چلے گئے۔ لیکن جب برہان پور پہنچے تو آپ پر منکشف ہوا کہ تم اپنی شہادت کا مقام بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ آپ فوراً اس طرف پلٹے اور جن قدموں گئے تھے انہیں قدموں مراجعت فرمائی۔

ایک قافلہ سے ملاقات و صحبت

اثناء راہ میں تاجروں کے ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی جو صلاح و تقویٰ کے ساتھ متصف تھا اور جو آپ کی صحبت میں رہنا غنیمت سمجھتا تھا آپ نے بڑی خوشی کے ساتھ ان سچے اور پاک نفس مسلمانوں کو اپنی صحبت کے لیے پسند کیا۔ اور سب نے مل کر قصبہ ہندیا سے عبور کر کے ہندوستان میں آنا چاہا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اثناء سفر میں ایک نہایت بوڑھا اور مسن شخص آپ کے سامنے آیا جو ضعیفی اور کم طاقتی کے سبب قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا اور حالت رفتار میں اس کے پاؤں برابر ڈگمگاتے تھے۔ آپ نے اس کے حال زار پر کمال مہربانی فرمائی اور ہمدردی کے لہجہ میں اس کا مقصد دریافت کیا۔ بڈھے نے تھرتھرائی ہوئی زبان میں بلجاجت عرض کیا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں اگر آپ اپنے خدمتگاروں میں مجھے جگہ دیں اور امن و امان کے ساتھ دہلی پہنچا دیں تو زندگی بھر مرہون منت رہوں گا۔ بزرگ شیخ نے بڈھے کی تشفی کی اور اپنے ایک ملازم سے ارشاد کیا کہ اس ضعیف کو ہر روز تین پیسے یا دو وقت کی خوراک دے دیا کرو۔ چنانچہ ملازم نے آپ کے ارشاد کے بموجب اُسے کھانا دیا اور نہایت حفاظت سے اپنے پاس رکھا۔

بدمعاش بڈھا

حقیقت میں یہ بدمعاش بڈھا رہزنوں کا جاسوس تھا۔ جو تاجروں کے قافلہ میں اس غرض سے آشامل ہوا تھا کہ فرصت کا موقع پا کر رہزنوں کو خبر دے اور وہ عین غفلت میں غافل تاجروں پر لوٹ پڑیں۔ لیکن افسوس اس غدار و بے وفا کی یہ دھوکا

دھوکا دہی کسی پر ظاہر نہیں ہوئی اور سب نے ایک غریب مسافر سمجھ کر اس کی مہمان نوازی میں بڑی فیاضی برتی۔ جب اس مختصر سی جماعت کا قیام سرائے نوبنریا میں ہوا تو جاسوس نے رہزنوں کو اطلاع دی۔ کچھ یوں ہی سا دن پڑھا تھا۔ کہ رہزنوں کی ایک کثیر جماعت ہتھیاروں سے آراستہ سرائے میں آدھمکی۔ جناب شیخ صاحب ہنوز تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور کلام اللہی کے مؤثر الفاظ سے دلچسپی لے رہے تھے۔ آپ ربانی نکات کے تتبع میں اس درجہ محو تھے کہ اس قیامت زا حادثہ کی مطلق خبر نہ تھی اتنے میں دو تین شخص رہزنوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ شیخ وجیہ الدین کس کا نام ہے اور وہ کون شخص ہے۔ فرمایا یہ نام تو میرا ہی ہے۔ کہا ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے پاس کچھ مال واسباب نہیں ہے۔ نیز ہماری جماعت میں کا ایک شخص آپ کا نمک خوار بھی ہے اس لیے گذارش ہے کہ آپ ان لوگوں سے علیحدہ ہو جائیں ہمیں آپ سے کسی قسم کا تعرض نہیں اور نہ ہمیں یہ منظور ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

رہزنوں کا قافلے کو لوٹنے کی غرض سے آنا

کیونکہ ہم اس قافلہ کو لوٹنے کی غرض سے آئے ہیں اور تابہ امکان یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے جانبر نہیں ہوں گے۔ آپ نے رہزنوں کا یہ منشاء سمجھ کر قرآن مجید کو غلاف کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم کیا کہہ رہے ہو یہ ممکن نہیں کہ میں اپنے دینی بھائیوں کی رفاقت چھوڑ کر علیحدگی اختیار کروں اور انہیں مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خاموش رہوں۔ یہ کہہ کر اپنے ہتھیار اُٹھا لیے اور ایک نہایت عاجلانہ حرکت کے ساتھ سب سے پہلے آپ ہی ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں پہنچے۔

صبح کا وقت ہے قریباً آٹھ گھنٹے بج چکے ہیں۔ آفتاب کی تیز اور چمکیلی شعاعیں غلیظ ابر سے چھپی ہوئی ہیں۔ رہزنوں کی کثیر جماعت بڑی چیرہ دستی اور خونخواری کے ساتھ برا جمائے کھڑی ہے۔ ان کے چہرے نہایت بشاش اور تر و تازہ ہیں۔ اور ایک مٹھی بھر آدمیوں سے مقابلہ کرنا کوئی بات ہی نہیں سمجھتے۔ شیخ صاحب اپنے مصیبت زدہ رفیقوں کو ساتھ لیے ہوئے خدا کے نام پر جان دینے کے لیے بالکل آمادہ و تیار ہیں۔

شیخ کا رہزنوں سے مقابلہ

اگرچہ آپ اپنے ساتھیوں کی بے سروسامانی اور ان کی مصیبت کا خیال کر کے کسی قدر افسردہ ہیں۔ لیکن

شہادت کا انتہا سے زیادہ شوق آپ کے قوی دل اور مرد میدان ہونے کو ثابت کر رہا ہے تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے اور تسلی آمیز لہجہ میں اپنے ساتھیوں کی دلجوئی میں مصروف ہیں آپ چاہتے ہیں کہ بے دین رہزنوں پر تنہا ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اپنے رفیقوں کے مصیبت میں مبتلا ہونے سے ڈرتے ہیں اور پھر اپنے ارادہ کو آئندہ وقت کے لیے اٹھار کھتے ہیں۔اس وقت آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ میرا خون اسی سرزمین پر گرایا جائے گا۔ اور مرتبہ شہادت کا اعزاز یہیں حاصل ہوگا۔ اور یہی ایک یقین تھا جو ایسے نازک اور خطرناک موقع پر آپ کو بہت کچھ شاداں و فرحاں بنا رہا تھا۔ اتنے میں جنگ چھڑ گئی اور جانبین سے تیر و تلوار کے وار ہونے لگے۔

بہادر شیخ جن کے قدم قدم پر شہادت کا شوق بھڑک رہا تھا۔ بپھرے ہوئے شیر کی طرح بڑی بے تابی کے ساتھ رہزنوں پر جھپٹ پڑے اور آپ کو بالکل خبر نہیں رہی کہ میں کہاں ہوں اور کس جم غفیر پر حملہ کر رہا ہوں۔ رہزن چاروں طرف سے سمٹ سمٹا کر اس شیر دل بہادر پر ٹوٹ پڑے اور سب نے نرغہ میں کر لیا۔ آپ کے جسم مبارک پر بائیس زخم کاری لگے اور آخری زخم میں سر جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے پچاس قدم تک کفار کا تعاقب کیا۔ اسی اثناء میں ایک عورت آپ کے سامنے آ گئی اور آپ کا یہ حال دیکھ کر تعجب اور تعجب کے ساتھ سخت حیرت زدہ ہوئی، آپ اسی مقام پر ٹھنڈے ہو کر گر پڑے اور وہیں مدفون ہوئے۔

شیخ عبدالرحیم کا صبر و استقلال

اس وقت شیخ وجیہ الدین شہید کا غم سب سے زیادہ آپ کے نہایت پیارے اور چہیتے فرزند شیخ عبدالرحیم کو تھا۔ بے شک آپ اپنے مہربان والد کے فراق میں جس قدر رنج و غم اور آہ و زاری کرتے بجا تھا۔ لیکن آپ نے اس جانگداز صدمے میں جس صبر و استقلال سے کام لیا۔ درحقیقت وہ آپ ہی کا کام تھا۔ شیخ کی یہ دل گداز حالت سن کر کوئی ایسا سخت دل نہ تھا جو آپ پر غم کے آنسو نہ بہاتا ہو مگر واقعی بات یہ ہے کہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے صبر و استقلال میں کچھ بھی فرق نہ آیا تھا۔ بلکہ آپ بالکل سچے اور پاک نفس حضرات کی طرح صبر و استقلال کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے اگرچہ لوگ تعزیت سے آپ کے غم کو رہ رہ کر ابھارتے اور اکساتے تھے مگر آپ صرف دو ایک غمناک کلمے کہہ کر خاموش ہو جاتے تھے۔ اور مشیت ایزدی سے دم بخود تھے۔

شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جس روز میرے والد بزرگوار شہید ہوئے تھے اسی شام کا ذکر ہے کہ مجھے یکایک بے چین ہو کر نیند آگئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ شیخ صاحب اسی حالت میں متمثل ہو کر میرے پاس تشریف لائے جس میں آپ شہید ہوئے تھے۔ مجھے ایک ایک کر کے دکھا رہے ہیں۔ میں فوراً گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور ایصال ثواب کی غرض سے کچھ صدقہ دیا۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ اپنے والد کی لاش مبارک اُس میدان سے نقل کر کے دہلی میں لے آؤں۔ لیکن جب میں نے عزم بالجزم کیا تو آپ پھر میرے خواب میں تشریف لائے اور مجھے منع کر دیا کہ میری لاش یہیں رہنے دو اور یہاں سے نقل کر کے دوسرے مقام پر نہ لے جاؤ۔

خاتمہ باب

شیخ وجیہ الدین صاحب کے وہ حالات جو مجھے لکھنے تھے لکھ چکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ جس طرح آپ کی ولادت کا سنہ اور تاریخ کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہوا۔ اُسی طرح آپ کی شہادت کے سنہ و تاریخ کا بھی کہیں پتہ نہیں چلا اور مجھے اس بات کا اقرار کرنا چاہیئے کہ قدیم مؤرخوں نے کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جس میں ان باتوں کا صاف صاف ذکر ہو اور جس سے ایک مؤرخ کو تاریخ نویسی کی حیثیت سے کافی مدد مل سکے۔ لیکن تاہم شیخ کے حالات زندگی کی بابت جو کچھ میں نے لکھا ہے حتی الوسع مستند تذکروں سے نہایت تلاش کر کے لکھا ہے۔ میرا جہاں ایک خیال ہے اس کتاب میں کوئی ایسا واقعہ نہیں نقل کیا گیا ہے جس کی سند معتبر تذکروں میں موجود نہ ہو اس صورت میں میں کہہ سکتا ہوں کہ جناب شاہ ولی اللہ کے خاندان کے حالات میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اردو میں لکھی گئی ہے۔ وللہ الحمد۔

دوسرا حصّہ

معزز ناظرین! ہمارے تذکرہ کا پہلا حصّہ ختم ہو گیا۔ جس میں جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے ان معزز و ممتاز بزرگواروں کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں جو اس محترم اور شریف خاندان کے سلسلۂ نسب میں تاریخی شہرت زیادہ رکھتے تھے اب دوسرے حصّہ کا آغاز ہے۔ جس میں آپ کے والد بزرگوار حضرت شیخ عبد الرحیم صاحب کے نانا جناب شیخ رفیع الدین محمد کے واجب الاحترام خاندان اور خود آپ کے ننہیال کے محترم و معزز حضرات کے مفصّل حالات پڑھیں گے۔ اسی لیے ہم نے اس حصّہ کے دو باب قرار دیئے ہیں۔ پہلے باب میں جناب شیخ عبد الرحیم صاحب کے ننہیال کا ذکر ہوگا۔ اور دوسرے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے۔

باب اوّل

شیخ رفیع الدین محمد

جناب شیخ رفیع الدین محمد جو حضرت شیخ وجیہ الدین شہید کے خسر اور جناب شیخ عبد الرحیم صاحب کے نانا ہیں اس نامور اور دنیا کے مشہور عالم فاضل کے فرزند رشید ہیں۔ جو قطب العالم کے ساتھ پکارا جاتا تھا اور جس کے تبحر علمی غیر معمولی تفرس۔ انتہا سے زیادہ فہم و دانائی بلاغت و فصاحت کے پُر فخر اور قابل قدر کارناموں کی چمک سے صفحاتِ تاریخ اب تک روشن ہیں"

شیخ رفیع الدین محمد کا فضل و کمال

آپ کی خدا پرستی، تقدس نفسانی اپنے ضمیری جوہر دل کی تابانی اخلاق کی تہذیب و شائستگی۔ خیالات کی نجابت و شرافت پر دہلی اور اہل دہلی کو کمال فخر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کے سچے جلال کی روشنی اور اسلامی برکتوں سے مالامال اور اس کی بخششوں اور لازوال نعمتوں سے بہرہ ور تھا۔ اگرچہ شیخ رفیع الدین محمد کے اور بھی چند بھائی تھے لیکن تاریخ نویسوں نے اس خاندان

پر ریمارک کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ شیخ رفیع الدین محمد اپنے تمام بھائیوں پر ایک خاص قسم کی عظمت و فضیلت رکھتے تھے۔ آپ ظاہر و باطن دونوں طرح کے علوم کے جامع اور کتب تصوف سے کماینبغی واقفیت رکھتے تھے۔ پہلے پہل آپ نے اپنے والد بزرگوار سے طریقہ چشتیہ و قادریہ حاصل کیا۔ اور کچھ دنوں شیخ نجم الحق صاحب کی مبارک صحبت میں فیض یاب رہے۔ ازاں بعد والد کی ترغیب و تحریص سے خواجہ محمد باقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک دراز مدت تک ان کی صحبت میں زندگی بسر کی اور جو کچھ حاصل کرنا تھا۔ یہاں سے حاصل کر لیا۔

خواجہ محمد باقی اس بلند اقبال اور ہونہار تلمیذ یا مرید کو انتہا سے زیادہ دوست رکھتے تھے اور اس کی خداداد قابلیت اور ذہن رسا کی وجہ سے اپنے حلقہ کے تمام تلامذہ پر ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس خاص فن کے واسطے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو خواجہ محمد باقی نے شیخ رفیع الدین محمد سے دریغ رکھی ہو۔ شیخ صاحب نے چند روز میں طریقت کے تمام مراتب پر عبور کر لیا اور پیر کی غایت درجہ کی توجہ کی وجہ سے معراج کمال پر پہنچ گئے۔

خواجہ محمد باقی کی خاص توجہ

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد باقی شیخ رفیع الدین محمد صاحب کا بہت بڑا ادب کرتے اور ہمیشہ اعزاز و توقیر سے پیش آتے تھے۔ جب آپ کو خطاب کرتے تو شیخ یا دوسرے معزز الفاظ سے یاد کرتے تھے اور جو کچھ شیخ صاحب عرض کرتے تھے۔ اسے خواجہ صاحب ضرور مان لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خواجہ صاحب کے تمام یاروں اور خلیفوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ شیخ رفیع الدین محمد صاحب خواجہ کے معشوق ہیں۔ حقیقت میں خواجہ کے برتاؤ شیخ رفیع الدین محمد صاحب کے ساتھ ایسے ہی تھے جیسے کسی مہربان باپ یا شفیق استاد کے برتاؤ اپنے نہایت پیارے اور چاہیتے فرزند یا لائق و قابل تلمیذ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں اور آپ کا یہ اعزاز گویا ان مجموعی خدمت گذاریوں کا ایک بیش بہا مرقعہ تھا جسے آپ نے اپنے بزرگوار پیر کی نمایاں خدمات سے مختلف الوان اور نقش و نگار کے ساتھ سجایا تھا۔ چنانچہ میں اس مقام پر چند ان واقعات کا ذکر کرتا ہوں جن سے ان دونوں حضرات کے اتحاد اور ارتباط اور دلی تعلقات نہایت

تفصیل کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خواجہ محمد باقی اپنے لائق و قابل مرید کی کسی بات کو کبھی رد نہ کرتے تھے اور تمام معاشرتی امور میں ان سے عزیزانہ برتاؤ برتتے تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد کا ازدواج ثانی (۱) واقعہ

شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب شیخ رفیع الدین محمد صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا اور آپ نے شیخ محمد عارف ابن شیخ غفور اعظم پوری کی لڑکی سے نکاح ثانی کرنا چاہا تو مجلس عقد میں جناب خواجہ محمد باقی کو قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف دی۔ خواجہ نے ضعف کا عذر کیا اور شیخ رفیع الدین سے معذرت کہلا بھیجی کہ میں تمہارے عقد کے جلسہ میں ضعف کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتا۔ امید ہے کہ تم مجھے معذور رکھو گے میرے تمہارے تعلقات نمائشی نہیں ہیں بلکہ فطرتی اور حقیقی طور پر وابستہ ہیں اور جب ہے تو گو میں بظاہر تمہارے جلسہ عقد میں شرکت نہیں رکھتا۔ لیکن دل سے ضرور شریک ہوں۔ شیخ رفیع الدین محمد صاحب جب خواجہ کی اس معذرت پر مطلع ہوئے تو خود حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ حضور کو میرے جلسۂ عقد میں ضرور شریک ہونا پڑے گا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ عزیز من! مجھے اس شرکت سے معاف کرو۔ آج کل میرا ضعف اور نقاہت اس درجہ بڑھے ہوئے ہیں کہ اعظم پور تو بہت دور ہے تھوڑی دور بھی جانے کی برداشت نہیں کر سکتا۔ شیخ نے عرض کیا بھلا حضور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تنہا جاؤں بغیر آپ کے مجھے کہیں لطف صحبت نہیں مل سکتا۔ اگر حضور کی یہی مرضی ہے اور آپ میرے جلسۂ عقد میں قدم نہیں فرما سکتے تو میں بھی نہیں جاتا۔ شیخ کی اس تقریر نے خواجہ کو ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ اور اب وہ اعظم پور جانے کے لیے راضی ہو گئے۔

جب خواجہ محمد باقی اعظم پور پہنچے اور اس طرف کے صوفیوں نے آپ کی آمد آمد کی خبر سنی تو سب جمع ہوئے اور بڑے جوش مسرت کے ساتھ آپ کا خیر مقدم ادا کیا۔ ہر ایک شخص نے اپنے حوصلہ کے موافق زر نقد آپ پر سے نثار کیا۔ اور ایک پر تکلف اور عالیشان مکان میں مسند پر لا بٹھایا۔ اعظم پور کے اطراف و اضلاع سے جوق جوق صوفی آنے لگے۔ اور آپ کی صحبت مبارک سے فیض یاب ہونے لگے۔ اس نواح کے سَو سَو کوس کے صوفی اس مجلس میں حاضر تھے اور محفل کا وہ رنگ تھا جو اس سے پیشتر کسی نے کبھی سنا تک نہ تھا۔

غرضکہ اسی محفل میں شیخ رفیع الدین محمد کا نکاح منعقد ہوا۔ اور مجلس برخاست کی گئی۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار کی والدہ ماجدہ ان ہی شیخ محمد عارف کی صاحبزادی تھیں۔ جن کا نکاح شیخ رفیع الدین محمد سے اس مجلس میں ہوا۔ وللہ الحمد۔ خلاصہ یہ کہ اس بیان سے وہ دلی تعلقات بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ جو جناب خواجہ محمد باقی اور شیخ رفیع الدین محمد صاحب میں تھے۔

دوسرا واقعہ ۲۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی سے جناب خواجہ محمد باقی کی نسبت کوئی گستاخی و بے ادبی ظہور میں آئی اور کسی شخص نے خواجہ کی خدمت میں اُسے بجنسہ نقل کر دیا جس سے آپ نہایت آشفتہ و برہم ہوئے اور آثارِ قہر و غضب ناکی آپ کی پیشانی سے ظاہر ہونے لگے۔ اتفاق سے وہاں ایک تاگا پڑا ہوا تھا آپ نے اُٹھا کر بڑی مضبوطی کے ساتھ گرہ لگائی اور وہیں ڈال دیا۔ شیخ رفیع الدین محمد نے جو خواجہ کے مزاج سے واقف اور شناسا تھے۔ اس تاگے کو اٹھا لیا اور بڑی حفاظت و احتیاط سے پاس رکھا۔ چند روز کے بعد شیخ احمد سرہندی قبض شدید میں مبتلا ہوئے۔ اور جوں جوں علاج کرتے گئے بے چینی بڑھتی گئی۔ آخرکار وہ اس کے سبب کی تلاش اور تفحص کے درپے ہوئے۔ اور مدت تک چھان بین کرتے رہے۔ جب حقیقت حال واضح ہوا تو آپ دہلی میں آئے اور خواجہ کے رفقاء سے اس بارہ میں شفاعت کی درخواست کی۔ کسی کو اس قدر جرأت نہ پڑی کہ خواجہ کی خدمت میں اس کی بابت لب کشائی کرتا۔ اور شیخ احمد سرہندی کی معذرت کر کے ان کی گستاخی معاف کراتا۔ انجام کار نے مجبور ہو کر جواب دیا کہ ہم خواجہ کی خلاف مرضی کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر تم خواجہ کے معشوق سے کہو گے تو امید ہے کہ وہ تمہارا مطلب حل کر دیں گے۔ شیخ احمد نے جناب شیخ رفیع الدین محمد کی طرف رجوع کی۔ اور باصرار و الحاح اپنا حال عرض کیا۔ شیخ خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور شیخ احمد کی التماس کو ایک ایسے شائستہ اسلوب اور عمدہ طریقے سے خلوت میں عرض کیا کہ خواجہ کو قبول کرنے کے سوا کچھ بن نہ پڑا اور بہت سے لیت و لعل کے بعد خواجہ نے فرمایا بے شک مجھے تمہاری خاطر سے شیخ احمد کی گستاخی سے درگزر کرنا اور اس کے سر پر معافی کا تاج رکھنا مناسب تھا۔ لیکن کیا کروں وہ تاگا میرے پاس سے گم ہو گیا۔ شیخ نے خواجہ کی اس مہربانی اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور وہ تاگا جیب سے نکال کر فوراً حاضر کر دیا۔ اور خواجہ کے حکم

سے اس کی گرہ کھول ڈالی۔ تاگے کی گرہ کھلتے ہی شیخ احمد کا قبض جاتا رہا۔ اور ان کا رنج و بیماری فرحت و صحت سے بدل گئی۔ اس واقعہ سے بھی جناب خواجہ محمد باقی اور شیخ رفیع الدین محمد کے خصوصیات اور باہمی تعلقات کا کافی اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اعزاز شیخ رفیع الدین محمد کو خواجہ کے علمی دربار میں حاصل تھا۔ اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس میدان میں آپ کی عظمت کے برابر کوئی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ آپ کی بے مثال عزت اور لاثانی توقیر خواجہ کے عظیم الشان حلقہ میں سب کو تسلیم تھی۔ اور ہر شخص آپ کو اپنا سرتاج سمجھتا تھا۔ علاوہ ان دو واقعوں کے کتابوں میں اور بھی خواجہ محمد باقی اور شیخ رفیع الدین محمد کے باہمی تعلقات اور اتحاد کی چند مثالیں لکھی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ناظرین کی دلچسپی سے خالی ہیں۔ اس لیے نظرانداز کی جاتی ہیں۔ مگر مجھے یہاں اس قدر اور کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رفیع الدین محمد نے جس دل سوزی اور دردمندی سے خواجہ محمد باقی کی خدمت کی بہرحال وہ ان کا فرض منصبی سمجھا جاتا ہے مگر خواجہ نے جو اعزاز و اکرام شیخ رفیع الدین محمد کا اپنے مریدوں کے حلقہ میں قائم کیا اس کے احسان سے شیخ صاحب کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

شیخ رفیع الدین محمد کی ذکاوت کا ایک عجیب واقعہ

شیخ رفیع الدین محمد کی ذکاوت و فراست بھی خاص کر قابل ذکر ہے اور اس کی روایتیں حد سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ چنانچہ ایک دو روایتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ شیخ فرید بخاری جو اپنے وقت کے معزز امیروں میں سے ایک ممتاز دولت مند تھا اور قطع نظر تمول و دولت مندی کے نجابت و صلاح کو جامع اور مشائخ صوفیہ کا انتہا سے زیادہ معتقد تھا۔ اس نے ایک عالی شان سرا کی بنیاد ڈالی اور کثیر التعداد روپیہ صرف کر کے اس میں چند بڑی بڑی عمارتیں قائم کیں۔ جب سرا اور اس کی عمارتیں بن کر تیار ہو گئیں تو اس نے اپنی عزت افزائی کی غرض سے شہر کے تمام مشائخ کی دعوت کی اور سامان ضیافت مرتب کیا۔ شیخ رفیع الدین محمد صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور مع رفقاء کے غریب خانہ پر تشریف لا کر کمترین کی عزت افزائی فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے اس کی دعوت منظور کر لی اور مقررہ وقت پر تشریف لے گئے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سماع کی محفل گرم ہوئی۔ اور اہل مجلس میں سے ایک شخص پر وجد طاری ہوا آناً فاناً اس کا حال متغیر ہوتا گیا اور مستانہ نعروں سے ساری محفل

گونج اُٹھی۔ تمام حاضرین دستور مجلس کے مطابق اس کی تعظیم کے لیے اُٹھے۔ لیکن شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ اس پر بعض لوگوں نے چرچا کیا اور باہم بڑی چیں بیں کے بعد سب کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ بے شک شیخ کا یہ فعل خلاف طریقت ظہور میں آیا۔ شیخ نے فوراً اس عیب گیری کو تاڑ لیا اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے میرے کھڑے نہ ہونے کو تحقیر کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ لیکن ہنوز آپ اُسی طرح بیٹھے رہے اور کسی سے کچھ نہیں کہا جب اس شخص کا وجد زائل ہوگیا اور محفل سماع برخاست ہوئی تو خود شیخ فرید نے آپ سے دریافت کیا کہ صاحب وجد کی تعظیم کے لیے جو آپ کھڑے نہیں ہوئے اس کا کیا سبب تھا۔ شیخ صاحب نے نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیا کہ اگر تم اس شخص سے اس وجد اور تغیر کا سبب دریافت کرتے تو میرے بیٹھے رہنے کا عذر بہت جلد روشن ہو جاتا اور مجھ سے دریافت کرنے کی حاجت نہ پڑتی۔ چنانچہ شیخ فرید نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور رقص و نعرے کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ میں بجز اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ دو تین روز کا عرصہ ہوا ہے کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے۔ اس کا رنج و غم میرے دل میں اس وقت تک مضمر تھا۔ جب یہ بے چین کر دینے والے نغمے اور تڑپا دینے والے راگ میرے کان میں پڑے تو وہ رنج و غم بے اختیار بھڑک اٹھے اور انتہا سے زیادہ بے چینی اور تغیر مجھ میں ظاہر ہوا پھر آپ نے وہ تو دیکھ ہی لیا جو مجھ سے ظہور میں آیا۔ جب یہ شخص اپنی تقریر کا سلسلہ ختم کر چکا تو شیخ رفیع الدین محمد نے کسی قدر کرخت آواز میں فرمایا کہ بھلا ایک نداف کی تعظیم کے لیے اٹھنا جو اپنے جورو کے غم میں مبتلا ہو کر چند نعرے مارے مشائخ طریقت نے کہاں اور کس جگہ بیان فرمایا ہے۔ حاضرین مجلس آپ کی ذہانت و ذکاوت سے دھنگ رہ گئے۔ اور جنہوں نے اس بارہ میں بحث کی تھی خجالت و شرمندگی سے سر نہ اُٹھایا اور انجام کار اپنی اس بے ہودہ بحث سے توبہ کی اور شیخ سے معافی چاہی۔ اس واقعہ سے شیخ صاحب کی ذہانت و تفرس سے قطع نظر کر کے آپ کا قومی اعزاز و اقتدار بھی ثابت ہوتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ قومی جلسوں میں نہایت باوقعت اور مقتدر تسلیم کئے جاتے تھے۔

شیخ کے تفرس کی ایک اور مثال

۲۔ خان عالم جو شاہی دربار کے امیروں میں سے تھا۔ اور ابتدا میں شیخ رفیع الدین محمد کا نہایت معتقد تھا ایک دفعہ اس کے باغ میں جو سکنی مکان سے بہت ہی متصل واقع تھا ایک

فقیر وضع شخص وارد ہوا۔ یہ فقیر بظاہر نہایت مہذب معلوم ہوتا تھا اور ابناء دنیا کی مخالطت و محبت سے کلی نفرت رکھتا تھا۔ بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ و قال الرسول نکلتا تھا اور چونکہ چند روز میں اس کی توکل و قناعت اور تدوین و تذہب نیز اتقا، خدا پرستی، طہارت اور تقدس نفسانی۔ ضمیری جوہروں کی درخشانی و یانت۔ نیک نیتی کی شہرت تمام دہلی میں پھیل گئی تھی۔ اس لیے تمام اسلامی پارٹیوں میں اس کی عزت کی جاتی تھی۔ اور قطع نظر اس خصوصیت کے چونکہ اس کی تواضع اور نیک چلنی کا جادو خان عالم کے ہم جلیسوں پر اپنا پورا اثر ڈال چکا تھا۔ اس لیے دہلی کے ہر گلی کوچہ میں اس کی قابلیت کی داد دی جاتی تھی۔ خان عالم کے ندیموں نے جب اس کی لیاقت اور خدا پرستی کا ہر طرح پر امتحان کیا تو بسبیل تذکرہ اس کے مفصل حالات خان عالم سے بیان کئے اور وہ دل سے اُس کا معتقد ہو گیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شیخ رفیع الدین محمد کا بھی اس باغ میں گذر ہوا۔ اور آپ نے اس فقیر کو دیکھ کر خان عالم سے فرمایا کہ یہ شخص فقیر نہیں نہیں ہے بلکہ ایک نہایت زہریلا سانپ ہے اس سے تابہ امکان بچتے رہنا۔ لیکن خان عالم نے آپ کی اس دل سوزی اور ہمدردی کو حسد پر محمول کر کے ذرا بھی التفات نہیں کیا اور بجائے اس کے کہ شیخ کی نصیحت کو پیش نظر رکھ کر اس سے احتیاط کرتا الٹا آنکھ بند کر کے اس کی مصنوعی اور بناوٹی باتوں پر جان قربان کرنے لگا۔ ابھی اس پر بہت دن نہ گذرنے پائے تھے کہ بادشاہ دہلی نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر متعین کیا اور چونکہ اس دور دراز سفر کے لیے کثیر التعداد روپیہ کی ضرورت تھی۔ اور اتفاق سے اس وقت اس قدر روپیہ اس کے پاس موجود نہ تھا اس لیے وہ نہایت متحیر و متردد ہوا۔ فقیر نے خان عالم کی اس سراسیمگی اور تذبذب کو معلوم کر کے دریافت کیا کہ تمہاری پریشانی اور تردد کا کیا سبب ہے خان عالم نے تمام حال بیان کر دیا اس پر فقیر نے نہایت تسلی آمیز لہجہ میں کہا کہ تم روپیہ کی طرف سے پریشان نہ ہو۔ میں اکسیر بنانا جانتا ہوں۔ لمحہ بھر میں تمہارے آگے روپیہ کا ڈھیر لگا دوں گا۔ اس کے لیے کسی قدر اسباب مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ بدقسمت خان عالم خود اس کے دھوکے میں آگیا۔ اور لاکھ روپیہ سے زائد کے توڑے اس کے سامنے چن دیئے مکار و عیار فقیر چند روز تک عجیب و غریب حیلے کرتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ تمام روپیہ غارت کر کے ایک دن روپوش ہو گیا۔ ہر چند تلاش و جستجو کی گئی۔ لیکن کہیں سراغ نہ لگا۔ خان عالم کے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مضمون سمجھ کر سخت نادم ہوا اور اپنی حماقت و طبع فریبی کے

طشت از بام ہونے کے خوف سے خاموش ہو گیا۔ اور فقیر کی عیاری و دھوکا دہی پر عش عش کرنے لگا۔ حقیقت میں اگر خان عالم شیخ رفیع الدین محمد کی دل سوزی و خیر خواہی سے بھری ہوئی نصیحت پر عمل کرتا اور فقیر کے اس رنگ و روغن پر نہ جاتا تو ایسا چشم زخم کبھی نہ اٹھاتا۔ اور اگر اُسے ذرا بھی خداداد عقل ہوتی تو ایسے درہم و دینار کے بندہ سے ہمیشہ کوسوں دور رہتا۔ لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ غریب اور سادہ لوح خان عالم کو بے شک اس نفس کے بندہ کی محبت بظاہر اثر نہ صرف میرے مال کو زہر آلود کرے گا بلکہ عزت و آبرو کو ایسی سخت معزت پہنچائے گا کہ میں انجام کار رہا تہ ملتا رہ جاؤں گا۔ وہ کیا جانتا تھا کہ ایک ایسا شخص جس کی پنجگانہ نماز کبھی ناغہ نہ ہو۔ جس کی مجلس میں ہر وقت وظیفہ و وظائف کا چرچا رہے۔ جس کی زبان سے اللہ ہُو کے سوا دوسرے لفظ نہ نکلے میرے حق میں کالا ناگ ثابت ہو گا۔ جس کا کاٹا کبھی نہ بچ سکے گا۔ ان ہی گندم نما جو فروش فقیروں کے حالات پر ریمارک کرتے ہوئے ایک معزز ہمعصر لکھتا ہے کہ

"ایسے صوفیوں اور فقیروں کو سلام ہے جو نفس کے بندے ہو کر مال فراہم کرنے کی دُھن میں لوگوں کو ٹھگتے پھرتے اور نا خدا ترسی سے ناواقفوں کا الٹی چھری سے گلا کاٹتے ہیں لیکن اُف تک نہیں کرتے"

اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ جس شخص نے فقراء اور تصوف کو اپنی خبیث اور ناپاک نفسانی خواہشوں اور حیوانی جذبات سے بہرہ حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دے رکھا ہے اور انسانی عظمت، اسلامی برتری، علمی حرمت کو نیست و نابود کر کے ذلت کے آخری درجہ پر پہنچا رکھا ہے اس کی ذات نہایت نفرت ناک اور سخت تنفر انگیز ہے جو لوگ فقر و تصوف کے ظاہری لباس سے آراستہ ہوتے اور رنگین کپڑے پہن کر گلے میں تسبیح ڈال کر فقیری کے پردہ میں غریبوں کی گاڑھی کمائی کا مال غصب کرتے، یتیموں کے حلقوں سے بڑی بیدردی اور ظلم سے لقمہ نکال لیتے ہیں۔ ان پر تیر ان کی فقیری پر دو حرف۔ فقر و تصوف بجائے خود کوئی مضر اور شرع کے خلاف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان سے انسان کے ضمیری جوہر نہایت روشن و چمکدار ہوتے اور اپنے میں خدا تعالےٰ کے سچے جلال و جبروت کی تابانی رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے فقر و تصوف پر خدا کی لعنت جو انسانی شرافت و عظمت کے مٹانے والے اور ذاتی جوہروں کے خون کرنے والے ہوں۔ فقراء کی فضیلت و بزرگی قرآن مجید کی متعدد آیات

اور بے شمار حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس میں وہ دنیا طلب فقیر ہرگز داخل نہیں ہیں جو فقیری کی آڑ میں دنیا حاصل کرتے اور غریبوں کے مال بے دریغ ہڑپ کر جاتے ہیں۔ بلکہ اصلی فقیر وہ ہے جو اپنا مال و متاع خدا کی راہ میں قربان کر دے اور خدا کی رضامندی و خوشنودی میں جان تک سے دریغ نہ کرے یہ شانِ فقیری ہے اور حقیقت میں انہیں فقیروں کی نسبت جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

شانِ فقیری

یدخل فقراء امتی الجنۃ قبل الاغنیاء بخمسمائۃ عام (یعنی میری امت کے فقراء غنی اور دولت مندوں سے پانسو سال پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ لیکن اس فقیری کی نسبت جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں۔ آپ صاف لفظوں میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کاد الفقر ان یکون کفراً اسی فقیری کا یہ اثر ہے کہ کیمیا گر درویش جو ابھی ابھی زہد پارسائی کے لباس میں خان عالم کے باغ میں بیٹھا نظر آتا تھا جب یہاں سے غریب خان عالم کا کثیر التعداد روپیہ غارت کر کے مخفی ہوا تو تمام زہد و پارسائی کو چھوڑ کر فسق و فجور اختیار کیا اور مذہب سے اس قدر دور ہو گیا کہ ڈاڑھی مونچھ منڈا کر برہمن کا روپ بھرا اور سادہ لوح ہندوؤں کو ٹھگنا شروع کیا۔ جب خان عالم ایران کی سفارت کی تکمیل کر کے دہلی واپس آیا تو اثنائے سفر میں حافظ محمد حسن نے جو خان عالم کا متبنےٰ تھا اور تفرس و ذکاوت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس عیار درویش کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور گرفتار کر کے خان عالم کے پاس لے آیا۔ اس مکار نے اگرچہ پہلے پہل اپنا حال مخفی کرنے میں بہت کوشش کی لیکن جب طرح طرح کی ایذا اور المناک سزا دی گئی تو آخر کار اُس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور تلاشی کے بعد کچھ مال بھی برآمد ہوا۔

اس کے بعد خان عالم نے خواب میں دیکھا کہ جلیل القدر اور واجب الاحترام بزرگ کی خدمت میں پہنچ کر اس سے بیعت کی ہے اور اس کی اطاعت و بندگی کا حلقہ اپنے کان میں ڈال لیا ہے فوراً بے چینی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور چونکہ تصویر کشی میں پوری مہارت رکھتا تھا صبح کو اس بزرگ کی تصویر ایک کاغذ پر کھینچی اور جناب خواجہ محمد باقی کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کی تعبیر دریافت کی اور کاغذی تصویر ملاحظہ کے لیے پیش کی خواجہ نے فرمایا کہ تصویر دیکھنے کی کوئی حاجت نہیں۔ میں اُس عزیز کو پہچان گیا ہوں تمہیں چاہیئے کہ شیخ رفیع الدین محمد سے بیعت کرو اور ان کے فرمان پر گردن تسلیم خم کر دو۔ چنانچہ خان عالم شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عذر و معذرت کر کے بیعت کی تجدید کی۔

الغرض شیخ رفیع الدین محمد صاحب کے اوصاف وکمالات اور خدا ترسی و روحانی جوہروں کی جہاں تک سچی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔ آپ کے تاریخی حالات و واقعات کتابوں میں اس قدر لکھے گئے ہیں کہ اگر ان کا دسواں حصہ بھی ذکر کیا جائے تو حیات ولی ان کی وسعت نہیں رکھتی اس لیے میں ان تمام واقعات کو قلم انداز کر کے صرف ایک ایسے واقعہ پر آپ کے حالات کو ختم کرتا ہوں جو نہایت ہی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے۔

شیخ رفیع الدین محمد کے اخلاق

شیخ رفیع الدین محمد کے اگر تمام اوصاف و اخلاق سے قطع نظر کی جائے اور خواجہ محمد باقی کی خلافت کے انتساب کو بھی الگ کر دیا جائے تو بھی کرم و مروت کی ایک ایسی صفت آپ میں پائی جاتی تھی جس سے مخیروں اور عالی ہمتوں کی فہرست میں آپ کا نام نہایت روشن اور جلی حرفوں میں نظر آتا ہے اور غالباً ایک اسی مروت پسندی کی صفت نے آپ کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا ہے آپ کی مروت و حوصلہ مندی کی مثالیں اگرچہ تذکروں میں بہت کچھ پائی جاتی ہیں۔ لیکن میں اس مقام پر صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ شیخ صاحب کو اس صفت میں اعلےٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔

شیخ کی مروت کا ایک دلچسپ واقعہ

شیخ رفیع الدین محمد دولت علم کے علاوہ صاحب ثروت اور مالدار بھی تھے اور یہ تمام دولت مندی و تمول انہیں اپنے والد ماجد قطب العالم کے ورثہ سے حاصل ہوا تھا۔ یہ بات نہایت قابل تعریف ہے کہ آپ اس تمول کے ساتھ اس زیور سے بھی آراستہ تھے جو مال و دولت کے واسطے زیب و زینت کا باعث ہے یعنی کرم و سخاوت جوانمردی خوش خلقی مروت سب باتیں آپ میں بوجہ احسن پائی جاتی تھیں۔ فقراء اور مساکین کے ساتھ سلوک کرنے اور رحیمانہ برتاؤ سے پیش آنے کے سوا طلبہ سے بہت رعایت کرتے اور تا بامکان ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے۔ آپ کا تمول تخصیص کے ساتھ اس وجہ سے اور بھی قابل ذکر ہے کہ باوجودیکہ آپ کی دولت مندی اور تمول تمام دہلی میں اشاعت پا چکا تھا اور حقیقت میں آپ کا تمول ایک امیر کبیر کی دولت کے ساتھ ہمسری کا دعوےٰ کرتا تھا۔ لیکن آپ ایسے سادہ طریقے سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے جو ایک دولت مند سے مشکل اور سخت مشکل ہے۔ آپ ہر شخص سے خواہ وہ کسی رتبہ کا آدمی ہوتا نہایت عاجزی و انکسار اور متواضعانہ اخلاق سے

پیش آتے۔

شیخ کی مروت کا اور ایک دلچسپ واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رہزنوں کی ایک جماعت نے آپ کے تمول کی شہرت سن کر آپ کے مکان پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن اس سے قبل کہ سب مل کر یکبارگی مکان پر پل پڑیں اور آپ کا مال و متاع غارت کر کے لے جائیں اپنے میں سے ایک شخص کو اس لیے منتخب کر کے روانہ کیا کہ آمد و رفت کے رستہ سے واقف ہو جائے اور نقد و اسباب کا پتہ لگا لائے اور یہ بھی معلوم کر آئے کہ گھر کے لوگ غافل ہیں یا ہشیار۔ چنانچہ رہزنوں کا منتخب کیا ہوا جاسوس لوگوں کو غفلت میں پا کر شیخ کے مکان میں دراتا گھس گیا۔ لیکن خدا کی شان گھر میں داخل ہوتے ہی اندھا ہو گیا اور نہایت بے چینی کے ساتھ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کی یہ آہٹ محسوس کر کے گھر والے جاگ اُٹھے اور چراغ لے کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جب حقیقت حال پر مطلع ہوئے۔ تو شیخ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے اپنی انتہا درجہ کی مروت و کرم کی وجہ سے اہل خانہ کو حکم دیا کہ اس سے کسی طرح کا تعرض نہ کرو اور کچھ دے کر رخصت کر دو۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور گھر والوں نے اُسے کچھ نقد اور کھانا دے کر رخصت ہونے کی اجازت دی۔ لیکن جاسوس نے بھرائی ہوئی آواز میں غل مچا کر کہا کہ میں کس طرح جاؤں نہ تو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ پاؤں میں رفتار کی طاقت ہے۔ میری آنکھیں بالکل اندھی ہو گئیں اور گھٹنے ٹوٹ گئے ہیں یہ سن کر شیخ بستر خواب سے اٹھے اور نہایت شفقت اور مہربانی سے اپنی لکڑی اس کی آنکھوں اور گھٹنوں سے چھوا دی۔ جاسوس بینا و تندرست ہو کر اپنی جماعت سے جا ملا اور تمام واقعہ بجنسہٖ نقل کر دیا۔ رہزنوں کی جماعت نہایت نادم و پشیمان ہوئی اور تاسف کرتی ہوئی لوٹ گئی۔ اس کے بعد پھر کبھی انہوں نے اس طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ شیخ کا مکان شہر اور آبادی سے الگ واقع تھا اور مکان کی عمارت سنگین و پختہ نہ تھی بلکہ نہایت خام اور بودی تھی۔ طرفہ یہ کہ آپ کا تمول مشہور و معروف تھا اور کوئی پہرہ چوکی دینے والا موجود نہ تھا۔

شیخ رفیع الدین محمد کی اس قدر معروفی کے بعد اب ہم آپ کے آباؤ اجداد میں سے خاص کر ان حضرات کے حالات مختصراً ذکر کرتے ہیں جو ذیل کے سلسلۂ نسب میں تاریخی شہرت زیادہ رکھتے ہیں اور جن کے واقعات دلچسپی اور ندرت و جدت کے سامان بہت کچھ اپنے

ساتھ لیے ہوئے ہیں ۔

شیخ رفیع الدّین محمد کے آباؤ اجداد کا شجرۂ نسب!

شیخ طاہرؒ [۱]

شیخ حسنؒ [۲]

شیخ محمد معروف بجیال | شیخ عبدالعزیزؒ [۳]

شیخ قطب العالم

شیخ رفیع الدین محمد

---

[۱] شیخ طاہر کے تین فرزند تھے لیکن دو حضرات کے نام باوجود تحقیق کے اب تک معلوم نہیں ہوئے ۔

[۲] شیخ حسن کے چار فرزند تھے مگر مجھے بجز شیخ محمد المعروف بہ بجیالی اور شیخ عبدالعزیز صاحب کے دوسرے دو صاحبزادوں کے نام کا پتہ نہیں لگا ۔

[۳] شیخ عبدالعزیز صاحب کے تین صاحبزادے تھے جن میں دو صاحبزادوں کے نام کا پتہ نہیں لگا (مؤلف)

شیخ محمد طاہر اور ان کا خاندان | شیخ محمد طاہر جو شیخ رفیع الدین محمد کے جد اعلیٰ تھے اور جو پورب میں بڑے مشہور اور نامور عالم شمار کئے جاتے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے آپ کا خاندان ملتان میں بڑی ناموری اور نیک نامی کے ساتھ مشہور تھا۔ جس کی نجابت اور شرافت نہ صرف ملتان کے باشندے بلکہ دور دراز کے لوگ تسلیم کرتے تھے اور جس کا اعزاز و اقتدار ہر طبقہ کے لوگ ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ اس واجب الاحترام اور شریف خاندان میں بہت سے ایسے مقتدر اور باوقعت لوگ موجود تھے جن کے فضل و کمال کا تمام زمانے کو اعتراف تھا اور جس شہرت کے ساتھ ان کا نام پکارا جاتا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ وقعت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ غرضکہ محترم شیخ محمد طاہر جن پر تاریخی روشنی ہمیشہ چمکے گی، اس معزز و مقتدر خاندان میں پیدا ہوئے۔

شیخ کی تعلیم | ابتدائی زمانہ میں اگرچہ شیخ محمد طاہر کو حسب معمول قرآن شریف کی تعلیم پانے کے لیے مکتب میں سپرد کیا گیا۔ لیکن یہ تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ سیر و شکار میں مصروف رہے اور یہ مصروفیت تحصیل علوم سے مانع ہوئی۔ مگر جب آپ عمر کے ابتدائی مرحلے طے کر کے سن بلوغ کو پہنچے تو ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کی ہمشیرہ نے قرآن مجید کی ایک آیت پیش کی اور اس کی تفسیر دریافت کی جس کا جواب شیخ سے کچھ بن نہ پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ درجہ ندامت حاصل ہوئی کہ کسی طرح سے سر نہ اٹھا سکے۔ اس وقت آپ کی غیرت میں اس قدر سلسلہ جنبانی ہوئی۔ کہ قرآن مجید بغل میں لے اپنے وطن مالوف کو خدا حافظ کہا۔ اور تحصیل علوم کے لیے مسافرت کی ناگوار سختیاں برداشت کرنا اختیار کیں۔

شیخ کا تحصیل علوم کے لیے وطن سے نکلنا | اب آپ کی یہ کیفیت تھی کہ جس شہر یا قصبہ میں کسی عالم کی شہرت سنتے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ نہ کچھ حاصل کرتے۔ چند روز میں آپ تھانیسر پہنچے اور یہاں اس قدر قابلیت پیدا ہو گئی کہ قرآن شریف کے معانی و مطالب اخذ کرنے کی کامل مہارت اور تامہ قدرت حاصل ہو گئی۔ آپ نے اپنی ہمشیرہ کو خط لکھا اور ساتھ ہی اس آیت کی تفسیر لکھ دی۔ جس کی بابت انہوں نے استفسار کیا تھا۔

شیخ کا تکمیل علوم کے لیے بہار پہنچنا | شیخ محمد طاہر کو اس وقت اگرچہ تمام علوم و فنون

میں کافی دسترس پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن ہمت کی بلند پرواز شاہین نے اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اُن کا ذوق علمی تھانیسر سے صوبہ بہار میں کھینچ لایا۔ کیونکہ اس عہد میں بہار کے سوا تحصیل علوم اور تکمیل فنون کا کوئی دوسرا موقع طالب علموں کے حق میں نہ تھا۔ یہاں اُس وقت اہل علم کا بہت بڑا مجمع تھا۔ اور ہر موقع پر علماء کے جھگڑے رہتے تھے۔ جب آپ بہار میں پہنچے تو ایک مشہور علامہ کی خدمت میں تکمیل علوم کی غرض سے تشریف لے گئے۔ اور اس نے آپ کو شدنی اور ہونہار سمجھ کر اپنے درس میں داخل کر لیا۔ اور نہایت محنت و جانفشانی سے چند روز میں تمام کتب درسیہ اور فنون رسمیہ پر عبور کرا دیا اب وہ زمانہ آیا کہ آپ کی بے مثال جودت طبع اور لاثانی حافظہ کا علماء کے عام طبقوں میں چرچا ہونے لگا اور شدہ شدہ آپ کی عدیم النظیر ذہانت اور استحضار علوم کی بے انتہا شہرت نے لوگوں کو آپ کی طرف متوجہ کیا جوق جوق آپ کی زیارت کے لیے آتے اور آپ کے فضل و کمال اور علمی تبحر کا بدل اعتراف کرتے۔

شیخ کے عام اخلاق

علاوہ ازیں آپ کے اخلاق ایسے وسیع اور عام تھے جن کا جادو بہار کے تمام باشندوں پر اپنا اثر ڈال چکا اور جستہ جستہ آپ کی نطافت، نیک چلنی عام اخلاق کی جگہ داد دی جاتی تھی۔ بہار کا قاضی جس کی شرافت و ایمانداری کی تمام اہل شہر قدر کرتے تھے اور جس نے اپنی زہد و پسندیدہ عادات اور شائستہ اخلاق سے مسلمانوں کے تسخیر قلوب میں عام طور پر ناموری حاصل کی تھی اس نے جب شیخ محمد طاہر کے فضل و کمال اور وجاہت و نجابت کو دیکھا تو اپنی عزیز و پیاری لڑکی کو آپ کے عقد میں دے دیا۔
عقد کے چند روز بعد آپ نے بہار کو چھوڑ دیا اور پورب کے کسی اور اطراف میں قیام فرمایا۔

شیخ کی کتخدائی

الغرض خدا تعالیٰ نے شیخ محمد طاہر کو وہ اندازہ کرنے والا دماغ اور جانچنے والی عقل عطا کی تھی جس کی نظیر اس عہد میں بہت مشکل سے ملتی تھی۔ آپ تمام علوم کو جامع اور مروجہ فنون کو حاوی تھے۔ آپ کی نظر ایسی وسیع اور غائر تھی کہ تمام علوم سے عمدہ عمدہ نتائج اخذ کر لیتے تھے اور ان کے جزئی و کلی مسائل کا پورے طور پر انتخاب کر لیتے تھے بہرحال آخر عمر میں آپ کو وہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے علماء کے سرتاج اور ثقات بزرگواروں کے معتقد علیہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ شیخ کے یہاں قاضی بہار کی پاک دامن دختر کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے جن میں سے سب سے بڑے اور بزرگ فرزند شیخ

حسن تھے ۔

شیخ کا انتقال

شیخ محمد طاہر صاحب آخری عمر میں اپنے فرزندوں اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر جونپور میں چلے آئے تھے۔ یہیں آپ نے انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے ۔ آپ کی قبر شریف ہنوز موجود ہے اور لوگ دور دور سے زیارت کے لیے آتے ہیں ۔

شیخ حسن صاحب

شیخ حسن صاحب جو شیخ طاہر کے بڑے فرزند تھے ۔ بچپن کے زمانہ میں نہایت ذہین اور حلیم فطرت رکھتے تھے۔ لیکن جوں جوں آپ ابتدائی عمر کے مرحلے طے کرتے گئے ۔ مزاج میں تواضع و انکساری آتی گئی نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید یاد کر لیا اور اب تک کتب متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے ۔ علم صرف و نحو کی معمولی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور دو تین ہی برس میں اس فن کی تمام درسی کتابیں نکال لیں گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں آپ کو صرف و نحو میں کامل مہارت اور تامہ لیاقت ہو گئی ۔ اس کے بعد آپ نے فقہ و حدیث وغیرہ علوم کی تعلیم پائی ۔

شیخ حسن کی تعلیم

فقہ و حدیث کے علوم اگرچہ نہایت سخت اور دشوار گذار علوم ہیں لیکن شیخ حسن صاحب کو اپنے بے مثیل حافظہ اور عدیم المثل ذہانت کی بدولت یہ اہم اور مشکل علوم بھی پانی تھے ۔ غرضیکہ آپ اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے ۔

شیخ کی تربیت

اگرچہ اس امر میں ہماری واقفیت محدود ہے اور ہمیں یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ شیخ حسن کی خدمت معلمی کن علماء کے سپرد کی گئی ۔ لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ تعلیم کا دوسرا جزو جسے تربیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی اتالیقی خود جناب شیخ محمد طاہر کے ہاتھ میں تھی ۔ اور شیخ محمد طاہر اس پایہ کے شخص تھے کہ اس عہد میں بڑے بڑے نامور اور مشہور علماء کی اتالیقی آپ کے سپرد تھی جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں بہرحال شیخ حسن کو تعلیم و تربیت کے اعتبار سے اعلےٰ درجہ کے اہل کمال میں شمار کرنا ضرور ہے ۔

شیخ کا علمی اقتدار

جب شیخ حسن صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو دور دور سے لوگ آپ سے فقہ و حدیث کی تعلیم پانے کی غرض سے جوق جوق

آنے لگے اور اس کمسنی اور ابتدائی عمر میں آپ مقتدائے خواص اور معتقد علیہ علماء تسلیم کئے گئے۔ لیکن آپ کی طفلانہ نظریں پہلے ہی سے اس بات کی پیشین گوئی کرتی تھیں کہ یہ شریف و نجیب بچہ آیندہ زمانے میں علم طریقت کا سرتاج اور مشائخ صوفیہ کا پیشوا قرار دیا جائے گا۔ اور بچپن کے زمانہ میں آپ کی پیشانی سے وہ رشد و طلب کے آثار نمایاں تھے جو صاف طور پر اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ ہونہار بچہ درویشوں کا معتقد ہوگا۔

شیخ حسن کا مرید ہونا

چنانچہ جس زمانہ میں سید حامد راجی شاہ کی عظمت و شہرت کا ستارہ اوج عروج پر شہاب ثاقب بن کر چمک رہا تھا۔ اور اقبال کی یاوری اور کمال علم کا آفتاب اپنی پوری تابانی دکھا رہا تھا۔ نیز ان کے ضمیری جوہروں اور روحانی جذبات کی روشنی اطراف عالم میں پھیل گئی تھی تو شیخ حسن بزرگ سید کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں پہنچے۔ اور پہلے ہی مرحلہ میں جاذبہ ازلی نے محترم سید کے حلقہ میں آپ کو کھینچ لیا۔

سید حامد راجی شاہ کا اعزاز

سید حامد راجی شاہ اپنے وقت کے مشائخ میں امتیازی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اور علم طریقت میں آپ نے وہ نام پایا تھا کہ مشائخ زمانہ آپ کو نہایت معزز اور مقتدر القاب سے یاد کرتے تھے۔ علاوہ ازیں جو عظمت اور قدر و منزلت ان کے دلوں میں موجود تھی وہ ایسی اعلٰے درجہ کی تھی جس کا کوئی کافی اندازہ نہیں کرسکتا۔

شیخ حسام الدین کا ذکر

شیخ حسام الدین مانکپوری کے ممتاز خلیفہ تھے جو حقیقت میں شریعت و طریقت دونوں طرح کے علوم کو جامع اور مشائخ چشتیہ میں اعلٰے درجہ کا اعزاز و اقتدار رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ نور قطب العالم کی خلافت کا ممتاز منصب بھی آپ کو حاصل تھا۔ غرضکہ شیخ حسام الدین صاحب اپنے عہد میں ایک ایسے مسلم الثبوت صوفی تھے جو ہر بات میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ آپ کا زہد و تقوٰے تورع ضرب المثل تھا اور آپ کا مستجاب الدعوات ہونا خواص میں بے مثل شہرت پا چکا تھا۔

شیخ نور قطب العالم کی مجمل ہسٹری

شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے نامور اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ عشق و محبت ذوق و شوق، تصرف و کرامت، ریاضت و مجاہدات اور مذہبی مباحث میں سب سے زیادہ حصہ

رکھتے تھے۔ بلکہ اس عہد میں کوئی شخص ان باتوں میں آپ کی ہمسری اور برابری کا دعوےٰ نہ کرسکتا تھا۔ کثرت ریاضات نے تمام عالم میں شہرت عام پیدا کردی تھی۔ اور علماء و فضلاء و مشائخ کا مجمع آپ کے مکان پر لگا رہتا تھا۔ شیخ نور قطب العالم کی لائف میں جو بات سب سے زیادہ استعجاب کی نظر دیکھی جاتی ہے۔ وہ آپ کی دینداری اور مذہبی تقدس و جوش ہے۔ جس کی نظیر اُس زمانہ کے مشائخ میں بہت مشکل سے ملتی ہے۔

شیخ علاء الحق

آپ اپنے والد شیخ علاء الحق بن سعد کے خلیفہ بھی تھے جو جامع علم ظاہر و باطن اور مرجع خواص و عوام تھے۔ گو خلافت کے اس ممتاز منصب نے شیخ نور قطب العالم کو اور بھی مشہور و معروف کردیا تھا۔ لیکن واقعی بات یہ ہے کہ جس نے آپ کے فضل و کمال کو منصب خلافت کے علاوہ تمام ہندوستان میں مشہور کردیا وہ آپ کے علمی کارنامے اور تصرف و کرامات کے سچے واقعات ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک صفحات تواریخ پر اُن کی گہری جھلک پڑ رہی ہے۔

شیخ علاء الحق قطع نظر اس کے کہ بنگالہ اور پورب کے تمام مشائخ میں نہایت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اور اس عہد کے علماء و مشائخ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے شریعت و طریقت کے دونوں علموں کو جامع اور علمی تبحر میں بے مثل تھے۔ آپ کا علم و فضل میں وہ پایہ تھا جو محتاج بیان نہیں یہ بات بجز آپ کے اور کسی کو بہت کم نصیب ہوئی ہے۔ کہ جس نے آپ سے فیض صحبت اور علمی تعلیم کا حصہ لیا وہ علم و فضل میں کامل اور بے نظیر ثابت ہوا۔

شیخ سراج الدین اودھی

شیخ علاء الحق جناب شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ ہیں جو شیخ نظام الدین قدس سرہ کے معزز جانشین اور ایک نہایت بزرگ اور اولوالعزم خلیفہ شمار کئے جاتے تھے۔ الغرض جناب شیخ محمد طاہر کے فرزند رشید شیخ محمد حسن بزرگ و محترم سید حامد راجی شاہ کے مرید و معتقد تھے۔ اور ان کے کمال علم اور تبحر کی وجہ سے انہیں مشائخ کا پیشوا اور علمائے شریعت و طریقت کا سرتاج جانتے تھے۔ چنانچہ آپ کے اس دلی اعتقاد کی مثال جو سید حامد راجی شاہ کے بارہ میں رکھتے تھے۔ ایک تاریخی واقعہ سے خوب ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ حسن کے اس اعتقاد کی مثال جو آپ کو سید حامد راجی شاہ کی نسبت تھا

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ہداد شارح ہدایہ اور چند نامور علماء نے جو شیخ حسن کے درس میں شریک اور آپ کے جلیس وانیس تھے۔ آپ کے اس اعتقاد کو جو بزرگ سید کے حق میں رکھتے تھے استعجاب کی نظر سے دیکھا اور ایک دفعہ تو برملا یہ کہہ بھی دیا کہ سید حامد راجی شاہ سے آپ کا بیعت کرنا اور ان کی متابعت کا حلقہ اپنے کان میں ڈالنا نہایت ہی بعید اور دور از قیاس بات ہے کیونکہ آپ قطع نظر خاندانی عظمت وشان کے علوم وفنون میں عام طور پر اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہیں اور آپ کے ضمیری وروحانی جوہر رتبے میں ممتازیت کی گہری تہ رکھتے ہیں۔ اس کے سوا آپ کی دانش وفضل کا شہرہ تمام ملک میں پھیل گیا ہے اور اہل ملک کی نگاہیں آپ پر وقعت کے ساتھ پڑتی ہیں۔ باوجود اس شہرت کے آپ کا سید حامد سے بیعت کرنا جو علم کتب سے چنداں حصہ نہیں رکھتے سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔

شیخ ہداد کی یہ تقریر سن کر جناب شیخ محمد حسن نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا کہ پیارے شیخ ہداد! تمہارا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ واجب الاحترام اور فخر خاندان وقوم سید حامد راجی شاہ مکتبی علم سے حصہ نہیں رکھتے۔ لیکن تمہیں یہ معلوم ہے کہ ظاہری کتابی تعلیم جو ہر انسان کو مکتب میں دی جاتی ہے اس کے لیے کچھ یہی ضرور نہیں کہ ہر انسان اس تعلیم سے مصلح قوم اور ریفارمر بننے کی قابلیت ولیاقت پیدا کرے۔ بلکہ فطرت جس انسان کو اپنے ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے۔ اس کے ضمیر کو اول ہی روز سے روحانی جوہروں اور ربانی قابلیتوں کے زیور سے آراستہ کر دیتی ہے۔ ایسے وقت میں اگر اُسے مکتبی تعلیم نہ بھی دی جائے تو بھی کوئی اندیشہ اور مضائقہ کی بات نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے روحانی جوہر جو پہلے ہی سے اس میں مضمر کئے گئے ہیں ایک نہ ایک روز اپنی اصلی تابانی اور روشنی دکھا کر ضرور رہیں گے۔

یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ظاہری کسب اور محنت کو ہر چیز میں مداخلت ہے گو کوئی شخص کیسا ہی غبی اور کند ذہن ہو مگر پھر بھی محنت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اُسے باقاعدہ عمل میں لایا جائے تو کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذہانت وحافظہ فطرت کی خاص عنایتیں ہیں۔ جو مقدس اور پاک نفوس کو بغیر ظاہری تعلیم کے بھی حاصل ہو سکتی ہیں اور ربانی قابلیتوں کی وہ درخشانی وتابانی جو کسی پاک دل پر

پرتوافگن ہو جاتی ہے۔ نہ جانکاہ محنت سے میسر ہو سکتی ہے نہ عرقریزی وہاں کچھ کام دے سکتی ہے۔ لیکن اس پر بھی میں چاہتا ہوں کہ اہل علم کی ایک جماعت منتخب ہو کر محترم سید کی خدمت میں بھیجی جائے تاکہ جو مشکل اور اہم مسائل اور علمی باریکیاں دل میں کھٹکتی ہیں انہیں سید کی خدمت میں پیش کریں۔ اگر سید کی توجہ سے حل ہو جائیں اور ان کا جواب باصواب حاصل ہو تو میری طرح ان کو بھی معتقد و مرید ہونا چاہیئے ورنہ خیر۔ چنانچہ شیخ ہداد وغیرہ نے اہل علم کی ایک جماعت سید کے امتحان کے لیے منتخب کی اور اسے آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ بعض لوگوں کے اشکال تو راستہ ہی میں حل ہو گئے اور بعضوں سے بزرگ سید کے پرانوار جمال کے دیکھنے سے اور باقی لوگوں کے شکوک و شبہات آپ کے حکمت آمیز اور پراسرار کلام کے سننے سے مٹ گئے۔ حاضرین آپ کے اس بے مثل اور عدیم المثال تصرف کی بانگی دیکھ کر قدموں پر گر پڑے اور فوراً بیعت کر کے ربقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

شیخ حسن کی دہلی میں تشریف آوری

الغرض شیخ حسن صاحب ایک دراز مدت تک اسی سرزمین میں طالبوں کے ارشاد و تعلیم میں مصروف و مشغول رہے۔ لیکن بعد ازاں سلطان سکندر کی استدعا سے جو سلاطین دہلی میں ایک انصاف پسند اور منصف مزاج بادشاہ تھا اور جو فیاضی اور سخاوت میں سب سے افضل و فائق شمار کیا جاتا تھا۔ پرانی دہلی میں تشریف لائے اور محل بجے منڈل میں اقامت اختیار کی۔

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شائقین کی بصیرت و اطلاع کے لیے بجے منڈل کی مجمل ہسٹری مختصراً قلمبند کردوں۔ ناظرین سے امید ہے کہ خارج از بحث کا الزام دینے سے معذور سمجھیں گے۔

بجے منڈل کی مختصر تاریخ

بجے منڈل ایک نہایت عظیم الشان اور خوشنما محل ہے جو قطب صاحب کے راستہ میں حوض خاص کے سامنے واقع ہے یہ ایک نہایت عالی شان عجیب و غریب اور حیرت افزا عمارت ہے۔ دلچسپ و دل کشا ہونے کے سوا کسی زمانہ میں بہت ہی خوش منظر اور پُرفضا ہو گی۔ لیکن اس کی موجودہ ویران حالت دیکھ کر اس شاہانہ شوق پر انتہا سے زیادہ افسوس ہوتا ہے جس نے اس

عظیم الشان اور دل گیر عمارت کی بنیاد ڈالی ہو گی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ عمارت حوصلہ مند فیروز شاہ کے شوق کا نتیجہ ہے۔ جس نے کثیر التعداد لاگت سے اسے تیار کیا تھا اسی عمارت کو جہاں نما بھی کہا جاتا ہے اور بارہ منزل کے لقب سے بھی پکارا جاتا ہے۔ لیکن عوام الناس بجے منڈل کہتے ہیں۔ کتب تواریخ پر غائر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عالیشان اور خوبصورت عمارت اسی زمانہ میں بنائی گئی تھی۔ جس زمانہ میں فیروز شاہ نے فیروز آباد آباد کیا تھا۔ فیروز آباد کی تعمیر ۷۵۵ھ ہجری میں ہوئی۔ اور اس کے چند سال بعد بجے منڈل کی تعمیر بھی شروع ہوئی۔ اس عمارت کی قطع وضع نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ ایک بلند اور اونچے برج پر چار دیواروں کا ایک خوبصورت کمرہ بنایا گیا ہے۔ اس کمرہ میں سے گزر کر اس کی بغلی دیواروں میں اوپر جانے کا زینہ رکھا گیا ہے چند زینے چڑھ کر اوپر جانا ہوتا ہے۔ یہاں ایک نہایت کشادہ اور سنگین بارہ دری تھی۔ جس کی خوشنمائی اور رونق کو اس کے عروج کا زمانہ اپنے ساتھ لیتا گیا۔ یہاں بجز اس عمارت کے اور کوئی چیز ایسی نہ تھی۔ جس پر انسان کی نظر شوق سے پڑے۔ لیکن افسوس کہ اب وہ عمارت بھی ٹوٹ پھوٹ کر ڈھیر ہو گئی اور بجز علامات ونشانات کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہی مدتوں کی بے حرمتی نے نازک خیال معماروں کی عجیب وغریب صنعت اور حیرت انگیز کاریگری کو بالکل بے رونق کر دیا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ کبھی اس سے تفریح ہوتی تھی۔ دل گھبراتا اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔ موزخوں کا بیان ہے کہ فیروز شاہ نے ایک نقب بنائی تھی کہ قلعہ فیروز آباد سے اس مکان میں ہو کر نقب کے راستہ سے سوارہ حوض خاص تک چلے جاتے تھے۔ اگرچہ یہ عمارت اب بہت شکستہ اور خراب ہو گئی ہے۔ لیکن پھر بھی نقشہ اور ہیئت اور وضع قطع اچھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جناب شیخ حسن پرانی دہلی میں تشریف لائے اور بجے منڈل میں اقامت اختیار کی اسی مقام پر آپ نے انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ کہتے ہیں کہ سلطان سکندر کا بلند اقبال اور نامور فرزند فتح خاں شیخ کا بہت بڑا معتقد تھا۔ ایک دفعہ اس کے دل میں آیا کہ باپ سے بغاوت کرے اور باغیوں کی ایک جماعت کی سرگردگی میں دار الحکومت پر حملہ آور ہو کر مستقل بادشاہ بن جائے۔ دربار کے بہت سے ندیموں اور سلطنت کے امراء اور کارکنوں نے اس کے ساتھ اس بارہ میں اتفاق کر لیا اور مسلح ہو کر وقت کے منتظر رہے۔

فتح خاں ابن سلطان سکندر شیخ حسن کا بڑا معتقد تھا

لیکن جب فتح خاں نے اس بارہ میں شیخ سے مشورہ کیا، تو

آپ نے اُسے بغاوت سے منع کیا۔ اور امن و امان کی بشارت دی۔ اس سے سلطان سکندر بھی آپ کا معتقد ہو گیا اور آپ کے اعزاز و اقتدار کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

بعض مورخوں کا یہ بھی بیان ہے کہ جب شیخ دہلی میں تشریف لائے تو بادشاہ وقت شیخ کے بعض کمالات پر خواب میں مطلع ہوا۔ جس نے اس کے پہلے اعتقاد میں ایک اور بھی نئی اور تازہ روح ڈال دی۔

شیخ حسن کا انتقال

جناب شیخ حسن ۹۰۹ھ ہجری کو بیچ منڈل کے محل میں بحالتِ وجد فوت ہوئے۔ آپ خاصے تندرست اور چست و چالاک تھے کسی طرح کی بیماری عارض نہ تھی۔ آپ کی مجلس میں طالبین کا جمگھٹا لگا ہوا تھا اور ایک رباعی جس کا اول مصرعہ "اے ساقی ازاں مے کہ دل و دین من است" ہے بار بار پڑھی جاتی تھی۔ جس سے آپ پر وجد طاری ہوا۔ اور اسی حال میں آپ کی مقدس روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

کتاب مفتاح الفیض جو علم سلوک میں تصنیف کی گئی ہے۔ شیخ کی بہت بڑی یادگار ہے جس سے آپ کے باطنی علم اور بے مثال روحانی جذبات کی شان و شوکت بڑی خوبی سے واضح و آشکارا ہوتی ہے۔

شیخ حسن کی اولاد ذکور

شیخ حسن کے انتقال کے بعد آپ کے چار فرزند یادگار باقی رہے۔ لیکن اُن میں سے جنہیں تاریخی شہرت حاصل ہے اور جن سے شیخ صاحب کی آیندہ نسلوں کا سلسلہ بڑھا وہ صرف دو فرزند ہیں۔ شیخ محمد المعروف بہ خیالی اور شیخ عبدالعزیز۔ یہی وہ دو شخص ہیں جن کے فضل و کمال کی شہرت عام طور پر تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور جو علم سلوک کے کتاب کے پورے دیباچہ اور الولد سر لابیہ کے کامل نمونہ تھے۔

دربار دہلی میں شیخ محمد خیالی کا اعزاز

شیخ محمد خیالی بجہاالحال لطیف المشرب قوی الریاضت تھے اور علم سلوک کے دوسرے بازو سمجھے جاتے ہیں۔ حکومت دہلی کی طرف آپ کا وہی اعزاز و اقتدار کیا جاتا تھا جو جناب شیخ حسن آپ کے والد بزرگوار سے وابستہ تھا۔ سلطان دہلی آپ کی بڑی کرتا تھا اور سیر و سفر میں اکثر اوقات اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ بلکہ کمال قدردانی سے آپ کو اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا اور یہ

اس قابلیت اور پولیٹیکل لیاقت کا نتیجہ تھا۔ جو روز اول ہی سے آپ میں مضمر تھی۔ لیکن آپ نے باوجود حکومت کے اس شان و شوکت اور شاہی اعزاز و اقتدار کے اپنی اصلی حالت نہیں چھوڑی یہی وجہ تھی کہ آپ اپنے عہد میں پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں۔

شیخ محمد خیالی کی لیاقت

شیخ محمد خیالی کی شہرت اگرچہ زیادہ تر علوم سلوک میں ہے لیکن آپ فقہ و حدیث اور ادب و کلام میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ گو آپ ابتداء میں اپنے والد بزرگوار کے مرید تھے اور انہیں کے طریقہ کو استعمال میں لاتے تھے۔ مگر انجام کار آپ کا وہ ارتباط جو سلسلہ قادریہ کے ساتھ وابستہ تھا آپ پر غالب آیا اور اسی زمانہ میں آپ نے تکمیل فنون کی غرض سے دہلی سے سفر کیا اور ملک عرب میں پہنچ کر حرم مدینہ میں سالہا سال ریاضات شاقہ میں زندگی بسر کی۔ جب حاجی عبدالوہاب بخاری دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ نے شیخ محمد خیالی کو بشارت دی کہ جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے ایک مدت دشواری سے زندگی بسر کی ہے اب تو اسے ہندوستان میں پہنچا دے۔

لہذا میں بکمال لجاجت عرض کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ہندوستان تشریف لے چلیں۔ شیخ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن تاوقتیکہ خود مجھے اس کا حکم نہ ہوگا۔ ہندوستان نہیں جا سکتا۔

شیخ کا انتقال

چنانچہ جب آپ اس پر مامور ہوئے تو حاجی عبدالوہاب بخاری آپ کو ہندوستان میں لایا۔ اور یہاں پہنچ کر آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ بجے منڈل میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔

شیخ کے خلفاء

شیخ محمد خیالی کے خلفاء بے شمار اور ان گنت ہیں اور یہ آپ ہی کے بے مثل فیض کا نتیجہ تھا کہ جس نے آپ سے فیض صحبت حاصل کیا وہ بھی علم و فضل میں کمال عروج کو پہنچ گیا اور اور شہرت میں بے نظیر اور عدیم المثال ثابت ہوا، آپ کی خانقاہ میں بعض ایسے بھی معزز و مقتدر خلیفہ ہیں۔ جو خود امام وقت اور مجتہد فن کہلائے جاتے ہیں اور جو کمال و تکمیل کے مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں۔ شیخ امان اللہ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی کو کون نہیں جانتا اور کون سا آدمی ایسا ہے جو ان کے فضل و کمال

سے خوب واقف نہیں ہے یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جن کے تبحر اور فیض صحبت میں ہندوستان کے مشہور اور نامور مشائخ کو کلام نہ ہو۔

شیخ عبدالعزیز

شیخ حسن صاحب کے دوسرے مشہور اور دنیا کے نامور فرزند رشید شیخ عبدالعزیز ہیں۔ جن کی تاریخی زندگی کے حالات میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرا ذاتی شوق اور اس نجیب و شریف خاندان کے معزز حضرات کے حالات کی غایت کے لحاظ سے یہی ایک مضمون اس قابل تھا جو سب سے پیشتر مفصل لکھا جاتا مگر ترتیب مضامین اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس مضمون پر ذرا دیر میں پہنچا۔ حقیقت میں شیخ عبدالعزیز ہی ایک ایسے مقدس اور فقیر طبیعت بزرگ تھے۔ جن کی ذاتی شرافت و نجابت۔ جن کی محتاط زندگی۔ جن کی تورع و پرہیزگاری نے آپ کو دور دور مشہور کر دیا تھا۔ اور جن کی تقدس مآبی اور پاکی کی ناموری نے آپ کے شریف و معزز خاندان میں اور بھی جان ڈال دی تھی۔ آپ کے بچپن کا زمانہ دراصل آپ کی آیندہ لائف کا ایک مختصر دیباچہ اور پورا فوٹو تھا۔ دیکھنے والے اس ہونہار بچے کی طفلانہ نظروں سے پہلے ہی تاڑ گئے تھے کہ کچھ دنوں بعد یہی ہلالی ملک میں بدر کامل ہو کر چمکنے والا اور اپنی پوری تابانی سے ایک عالم کو روشن و منور کرنے والا ہے اور در حقیقت ایسا ہی ہوا بھی۔ طبقہ علمائے صوفیہ میں جس قدر مشہور و معروف خاندان دنیا میں گزرے ہیں۔ ان میں سے یہ خصوصیت خاص پہلے ہی روز سے آپ کے حصہ میں تھی کہ علاوہ تکمیل علوم درسیہ اور فنون رسمیہ کے سلسلہ سہروردیہ اور قادریہ کے خرقہ سے ممتاز ہوں۔ دنیا میں ہر شخص کسی ایک فن ہونے کی شہرت رکھتا ہے اور ایک ہی علم میں اس کی نظر وسیع ہوتی ہے اور وہ اس میں تبحر حاصل کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دو فن تک اس کا شاہین کمال بلند پروازی کیا کرتا ہے۔ لیکن بہ تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ آپ تمام علوم کو جامع اور سب میں تبحر رکھتے تھے اور ہر علم میں ویسی ہی بحث کر سکتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے علم خاص میں بحث کرتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا فخر کا باعث ہو سکتا ہے کہ آپ کی قابلیت و لیاقت ہر قسم کے اہل فن کو تسلیم تھی۔ اور سب کو آپ کے فضل کا اعتراف تھا۔

شیخ عبدالعزیز کا بچپن

شیخ عبدالعزیز صاحب ہنوز دو تین ہی سال کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار اپنی عمر شریف کے مرحلے طے

کر کے رہگرائے۔ سفر عالم آخرت ہوئے اور اپنا فیض باطن شیخ قاضی خان ظفر آبادی کے حوالے کر گئے۔ جو آپ کے ایک نہایت معزز خلیفہ تھے اور جن کی استقامت و کرامت زہد و تجرید و ریاضت و مجاہدات تاثیر صحبت کا اس زمانہ میں کوئی دوسرا عویدار نہ تھا اور تصرف و کرامت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

شیخ عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت

شیخ عبدالعزیز جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن تمیز کو پہنچے تو جناب سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوہاب بخاری کی خدمت میں تحصیل علوم کی غرض سے حاضر ہوئے۔ چونکہ سید محمد اور خود ان کے والد بزرگوار حاجی عبدالوہاب بخاری جناب سید حسن صاحب کے فضل و کمال کے معترف لھ(؟) اس امر کی علی الاعلان شہادت دیتے تھے کہ در حقیقت شیخ حسن ہی اس زمانہ میں تمام علوم و فنون میں فرد ہیں۔ نیز شیخ عبدالعزیز کی ذاتی خوبیوں اور فطری قابلیتوں نے سید محمد بخاری کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اس لیے انہوں نے شیخ عبدالعزیز کی اتالیقی کے نازک اور اہم فرائض کو اپنے ہاتھ میں لیا اور نہایت قابلیت اور دل سوزی سے ان فرائض کو ادا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں شیخ عبدالعزیز کو ان کے فیض صحبت اور تعلیم و تربیت نے فقہ، حدیث ادب، کلام اور تمام دینیات میں کامل کر دیا۔

شیخ عبدالعزیز کی علم سلوک میں تکمیل

جب شیخ عبدالعزیز درسی کتابوں کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو حاجی عبدالوہاب بخاری کی خدمت میں چند روز رہ کر خصوص استفادہ حاصل کیا اور خرقۂ سہروردیہ زیب تن فرمایا۔ حاجی عبدالوہاب بخاری نے سید راجو قتال سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ جو جناب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی تھے اور جو بہت معمر اور مسن ہو کر راہ آخرت پر گامزن ہوئے تھے۔ آپ نے مخدوم جہانیاں اور نیز شیخ رکن الدین ابو الفتح سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ ان کی سند طبقہ صوفیہ میں بہت بڑی شہرت رکھتی ہے۔ جناب حاجی عبدالوہاب صاحب نے جس طرح سید راجو قتال کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا اسی طرح مدت تک شیخ عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی حاضر رہ کر فیض یاب ہوئے تھے الغرض جب شیخ عبدالعزیز صاحب نے اس فضل و کمال کی شہرت حاصل کی اور علم شریعت و طریقت میں پورے طور پر تکمیل کر لی۔ تو شیخ قاضی خان نے اپنے فرزند رشید شیخ عبداللہ کو ظفر آباد سے شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں روانہ کیا

تاکہ وہ اس فیض باطن کو یاد دہانی کرے جو شیخ حسن صاحب نے قاضی خاں کے حوالے کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود حاضر خدمت ہوتا ہوں مگر اس میں طلب شرط ہے شیخ عبدالعزیز یہ پیام پاتے ہی متوجہ ظفرآباد ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو زر نقد مال و متاع، گھوڑا، کپڑا وغیرہ جو کچھ پاس رکھتے تھے۔ سب راہ خدا میں صرف کر دیا اور بحالت تجرید میں پورے تین سال تک طرح طرح کی مشقتوں اور ریاضتوں کی برداشت کی یہاں تک کہ ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر پہنچ گئے اور اس میں آپ کو خاطر خواہ عروج حاصل ہو گیا۔

جب یہ سب کچھ ہو گیا تو شیخ قاضی خاں ظفرآبادی نے جناب شیخ حسن کا باطنی فیض آپ کے سپرد کر دیا۔ اور دہلی کے طرف مراجعت کرنے کی اجازت دی۔ آپ ان سے رخصت ہو کر اپنے قدیم قیام گاہ میں تشریف لائے اور ارشاد کے قوانین و قواعد کی بنیاد ڈالی اور مسائل سلوکیہ کا اچھی طرح اعلان کیا۔ اگر شیخ عبدالعزیز نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی فقہ، حدیث، علم سلوک میں کامل مہارت حاصل کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی اس اثناء میں سید ابراہیم ایرجی کی خدمت میں مدت تک علم تصوف کے دقائق اور باریکیاں حاصل کرتے رہے اور انجام کار سلسلہ قادریہ کے خرقہ سے سرفراز کئے گئے۔ سید ابراہیم ایرجی تمام فنون علم میں کامل اور اکثر خانوادوں کی برکات کے جامع تھے۔ لیکن نسبت قادریہ اس پر غالب آ گئی تھی اور خرقہ قادریہ شیخ بہاؤالدین قادری سے زیب تن فرمایا تھا۔

خلاصہ یہ کہ شیخ عبدالعزیز صاحب ہمیشہ ریاضت و مجاہدات میں مصروف رہے اور جو کچھ آپ نے جوانی کی حالت میں اپنے اوپر لازم کیا۔ اسے آخر وقت تک نہایت دلیری اور جرأت کے ساتھ ادا کیا۔ شیخ عبدالعزیز صاحب کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف اور لائق تقلید ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے خاندان کے طریقہ کی اتباع اور اسلاف کے رویہ کی پیروی میں کوئی دقیقہ کبھی فروگذاشت نہیں کیا۔ اس سے زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ آپ آداب مشائخ کے تحفظ میں انتہا درجہ کی کوشش کیا کرتے تھے۔

آداب مشائخ

آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی شیخ کا نام نہیں لیا۔ بلکہ ہمیشہ معزز الفاظ اور وزنی خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ بالخصوص اپنے موجودہ مشائخ کا غایت درجہ اعزاز و احترام پیش نظر رکھتے اور ان کا بڑے قیمتی الفاظ میں شکریہ ادا کرتے۔

شیخ کی فیاضی

آپ میں فیاضی کا مادہ نیچرل اور فطرتی تھا۔ علاوہ اس فیاضی کے جو آپ سے عام طور پر ظہور میں آئی۔ خفیہ طور پر بھی علماء صلحا اور حاجت مندوں کی اعانت میں کثیر التعداد رقمیں صرف ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح صوفیوں اور مشائخوں اور علماء کے طبقوں میں آپ کے فضل و کمال اور تصرف و کرامت کی ایک غیر معمولی شہرت اور دھوم مچی ہوئی ہے۔ اسی طرح مشہور و نامور فیاضوں کی فہرست میں بھی آپ جلی اور روشن حرفوں میں دیکھے جاتے ہیں۔

شیخ کے عادات و اخلاق

باوجود اس شان و شوکت اور اعزاز و اقتدار کے آپ کے مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی اور عجز و انکسار تھا درویشوں اور عالموں سے خود ان کے قیام گاہوں میں جا کر ملاقات کرتے اور ہر شخص سے خواہ کسی مرتبہ کا آدمی ہوتا نہایت خندہ پیشانی اور متواضعانہ اخلاق سے پیش آتے اگر کسی کی بیماری کا حال آپ کو معلوم ہوتا تو دن میں کئی کئی مرتبہ جا کر عیادت کرتے۔ اس کے علاوہ عفو و ترحم حد اعتدال سے متجاوز تھے۔ گو بعض ناسمجھ خدام اور جہلاء عوام بدزبانیاں کرتے تھے مگر آپ اپنی بلند نظری اور حوصلہ مندی سے ہمیشہ درگزر کیا کرتے اور اپنی عام فیاضیوں سے دشمن و دوست کو مالا مال کر دیتے تھے۔

ان ہی باتوں پر کیا منحصر ہے۔ حلم، بردباری، صبر، رضا، تسلیم غرض کہ جس قدر عمدہ اور اچھے اخلاق ایک نہایت اولوالعزم اور بزرگ شخص میں پائے جانے ضروری و لازم ہیں سب آپ میں بوجہ احسن پائے جاتے تھے اور ان تمام باتوں میں آپ کا کمال اس عہد کے لوگوں کو تسلیم تھا۔ اس لیے ہم نہایت زور دے کر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شیخ عبدالعزیز صاحب تمام اخلاق محمودہ میں مشائخ چشت کی ایک محسوس یادگار اور دنیا کے ممتاز و مشہور اہل کمال میں سے تھے۔

شیخ کا انتقال

آپ نے ۶ر جمادی الاخری ۹۷۵ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ اور آیۂ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئ و الیہ ترجعون ۰ پر آپ کا خاتمہ ہوا۔ آخر میں ہم اس سلسلۂ قادریہ کو اس مقام پر تبرکاً نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو خاص شیخ عبدالعزیز صاحب کی قلم سے لکھا ہوا ہے اور چونکہ عربی دانوں کے لیے اس میں زیادہ حصہ ہے اس لیے بجنسہ عربی میں لکھتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا الى سبيل الرشاد وامرنا باتباع الحق والسداد والصلوة و السلام على نبيه محمد وآله اولى الولاية والارشاد وصحبه الاكرمين الاكملين و الامجاد وبعد فيقول العبد تراب الاقدام خدام اهل بيت النبي عليه الصلوة والسلام ذرهٔ ناچيز عبد العزيز بن حسن بصره الله بعيوب بنفسه وجعل يومه خيرا من امسه ان الاخ الاعز الاكرم العامل العالم افتخار الافاضل والاكامل سلالة الاولياء قدوة الاصفياء الشيخ يحيى بن الشيخ معين الدين. فالذى جعل الله تعالى من اهل صفوته واصطفاه بخلوص محبته وكمال معرفته لما شرفنا بشرف حضوره وصحبته و تقرر لدى رسوخ اعتقاده ومحبته عقدت معه عقد الاخوة الدينية والبسته خرقة المشائخ الصوفية قدس الله تعالى ارواحهم ونور اشباحهم وانا البستها بطريق الارشاد والوكالة والنيابة والاجازة والخلافة من شيخي ومرشدى ومخدومي وسيدي وسندي سيد السادات منبع السادات السيد ابراهيم بن معين بن عبد القادر بن مرتضى الحسنى القادرى سلمه الله تعالى وشيخي ومرشدى المشار اليه ليس من شيخه ومرشده ابى البركات بهاء الملة والدين ابراهيم الانصارى القادرى افاض الله علينا شآبيب بركاتهم وشيخه ومرشده المشار اليه ليس من شيخه السيد السند الشريف قطب الوقت ابى العباس احمد بن حسن الجيلى المغربى الشافعى وهو من ابيه السيد السند الشريف السيد حسن وهو من ابيه السيد الشريف موسى وهو من ابيه السيد السند الشريف وهو من ابيه السيد السند الشريف محمد صلوا احمد وهو من ابيه السيد الشريف محى الدين ابى نصر وهو من ابيه السيد الشريف ابى صالح وهو من ابيه السيد الشريف عبد الرزاق وهو من ابيه القطب الربانى والغوث الصمدانى محى الملة والدين ابى محمد عبد القادر الحسنى والحسينى الجيلانى وهو من شيخه ابى سعيد على المخرمى ومن شيخ الاسلام ابى الحسن على بن محمد بن يوسف القرشى الهكارى وهو من شيخه ابى الفرح يوسف الطرسوسى وهو من الشيخ عبد الواحد بن عبد العزيز اليمنى وهو من ابى بكر الشبلى وهو من سيد الطائفة جنيدى البغدادى وهو من سرى السقطى وهو من معروف الكرخى وهو من ابى سليمان داود بن نصير الطائى وهو من الامام على بن موسى الرضا وهو اخذ العلم والادب من والده الامام موسى الكاظم وهو من والده الامام جعفر الصادق وهو من والده الامام محمد باقر وهو من والده الامام زين العابدين وهو من

والد الامام حسین وهو من والد الامام علی بن ابی طالب رضی الله عنهم وهو من سید المرسلین وخاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبد الله صلی الله علیه وآله وصحبه الطیبین والطاهرین وهو قال ادبنی ربی فاحسن تادیبی انتهی کلامه۔

جناب شیخ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد ان کے چند فرزند باقی تھے۔ جن میں شیخ قطب العالم بلحاظ فضل و کمال، علم و دانش۔ جود و سخا سب سے ممتاز اور مستثنیٰ تھے۔ علمی ذوق و شوق خدا نے آپ کو پہلے ہی سے دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گو تربیت کی ابتدائی جو تعلیم کا دوسرا جزو ہے شیخ عبدالعزیز ہی کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن مختلف علوم جو اس زمانہ میں رائج اور درس میں داخل تھے۔ آپ نے ہر فن کے مجتہدین سے جدا جدا حاصل کئے۔ علم فقہ و حدیث کو خاص طور پر بڑے وقت سے حاصل کیا۔ صرف و نحو کلام و ادب اور اسی قسم کے وہ فنون جو عربیت کے جزو اعظم کہلائے جاتے ہیں اور جو اہل علم کے واسطے گراں مایہ جوہر ہیں ان میں آپ کو اس قدر کمال تھا کہ ماہرین فن میں شمار کئے جاتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس وہ تمام مجلسی علوم جن کی مختلف ممالک و اقوام میں بہت بڑی عزت کی جاتی ہے۔ ان میں بھی آپ کی طبیعت نہایت موزوں اور قابل واقع ہوئی تھی۔ یہی وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے آپ تمام بھائیوں کی نسبت اپنے میں ممتازیت کی گہری تہ رکھتے اور سب سے ممتاز و مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں آپ کو وجد سماع کے طریقہ سے بالکل انکار تھا۔ بلکہ صوفیوں کے تمام اوضاع و اطوار سے کلیتہً اعراض تھا۔ آپ ہمیشہ ان باتوں سے مجتنب و محترز رہتے اور وجد و سماع کی مجلسوں میں شریک ہونے کو لہو و لعب سے زیادہ تصور نہ کرتے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب کی مجلس سلوک گرم تھی اور وعظ و ارشاد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ صوفیوں کے جھگٹے لگے ہوئے تھے۔ علماء کا مجمع مجلس کی رونق دوبالا کئے ہوئے تھا۔ اسی اثناء میں شیخ قطب العالم بھی تشریف لے آئے اور خاموشی و متانت کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے۔ شیخ عبدالعزیز صاحب اپنے فرزند رشید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس روحانی توجہ اور زبردست کشش کا آپ پر یہ اثر پڑا کہ فوراً بے خود ہو گئے۔ حاضرین مجلس نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور غل مچا کر کہا الحمد للہ کہ آپ کے صاحبزادے صوفیوں اور ان کے طریقہ کے معتقد ہو جائیں گے اور اپنے انکار و اعراض سے پشیمان ہو کر قائل ہو جائیں گے۔ لیکن شیخ عبدالعزیز نے فوراً انہیں

خاموش کر دیا اور شتابانہ لہجہ میں فرمایا کہ قطب العالم کا انکار ایک ایسا مستحکم و مضبوط ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ علاوہ اس کے ہنوز ان کی طلب کا زمانہ نہیں آیا ہے۔ جس سے وہ مجبور ہیں۔

چنانچہ جب آپ کی بے خودی دور ہو گئی اور ہوش میں آئے تو حاضرین نے اس کیفیت کی بابت سوال کیا فرمایا خواب کی طرح ایک قسم کی بے ہوشی مجھ پر طاری ہو گئی تھی۔ جو کسی طرح قابل اعتبار اور لائق لحاظ نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب شیخ عبدالعزیز صاحب کا پیمانہ حیات لبریز ہو کر چھلک گیا اور آپ دنیا سے سفر کر کے رہگرائے عالم آخرت ہوئے تو شیخ نجم الحق جو جناب شیخ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ کے نہایت ممتاز و معزز خلیفہ تھے اور جن کی باطنی توجہ و تصرف کی دھوم ایک عالم میں مچی ہوئی تھی۔ اپنے مرحوم و مغفور شیخ کے مرقد شریف کی زیارت اور ماتم زدوں کی تعزیت کی غرض سے تشریف لائے۔ جب زیارت سے فارغ ہوئے اور شیخ مرحوم کے عزیز و اقارب سے ملاقاتیں کر چکے اور دہلی سے وطن مالوف کی مراجعت کرنی چاہی تو شیخ قطب العالم کی درگاہ میں تشریف لے گئے آپ اس وقت طلبہ کے درس میں مشغول تھے۔ اور نہایت توجہ و اطمینان کے ساتھ علوم کے رموز و باریکیاں بیان فرما رہے تھے۔ شیخ نجم الحق نے آپ کی طرف نظر التفات سے دیکھا اور ایک عجیب و غریب تصرف کر کے جھٹ سوار ہو گئے۔ آپ کی پالکی ہنوز تھوڑی دور پہنچی کہ شیخ قطب العالم میں انتہا سے زیادہ کرب و بے چینی ظاہر ہوئی اور یہ کیفیت ساعت بساعت اور آناً فاناً بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ آپ پا پیادہ افتاں و خیزاں شیخ نجم الحق کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بیعت کر کے طریقہ صوفیہ حاصل کیا۔

اس کے بعد جب خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ طریقہ نقشبندیہ کے پھیلانے اور اس کے عام رواج دینے میں مشغول ہوئے اور آپ کی شہرت کا ستارہ معارج کمال پر پہنچا تو شیخ قطب العالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدت تک فیض صحبت حاصل کرتے رہے یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ محمد باقی جو ابتدا میں شیخ قطب العالم کے سلسلہ تلامذہ میں داخل تھے اور ایک مدت تک آپ کی خانقاہ کے مجاور رہے تھے۔ اب خود شیخ قطب العالم نے ان کا تلمذ اختیار کیا۔ لیکن نہایت مسرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ شیخ نے کبھی اس بات کا خیال تک نہیں کیا اور ان سے فیض صحبت حاصل کرنے میں برابر مستغرق رہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ اہل کمالات جب تک ہر درجہ کے آدمی سے استفادہ حاصل نہیں کرتے اپنے تئیں اہل کمال میں ہرگز شمار نہیں کرتے۔ امام بخاری جو فن حدیث میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور اپنے عہد میں ایک ایسے مسلم الثبوت محدث تھے جن کے علم و فضل میں کسی کو کلام نہیں تھا۔ تحقیق مدارج پر ریمارک کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"محدث اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے سے اعلیٰ درجہ کا شاگرد نہ ہو اور اپنے برابر والے سے استفادہ حاصل نہ کرے اور اپنے کمتر سے سماعت حدیث نہ کرے۔ یعنی محدث کو تحقیق کا ایسا درجہ حاصل کرنا چاہیئے کہ ہر ایک مرتبہ کے لوگوں سے اپنے فائدہ کی بات اور مفید مضمون کو تحقیق کرتا رہے"

واقعی امام بخاری کا یہ قیمتی اور وزنی ریمارک قابل نوٹ ہے جو لوگ اپنے سے کم درجہ لوگوں سے استفادہ لینے کو معیوب سمجھتے ہیں انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

خواجہ محمد باقی کی ابتدائی خدمت اور شیخ قطب العالم کے تلمذ اختیار کرنے کا صحیح زمانہ بتانا اگرچہ بہت مشکل ہے۔ لیکن اس قدر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت خواجہ ابتدائی زمانہ کے مرحلے طے کر رہے تھے شیخ قطب العالم کے سلسلہ تلامذہ میں تھے اور علمی ذوق و شوق میں آپ کا میلان طبعی شیخ کی طرف تھا۔ جس زمانہ میں خواجہ محمد باقی شیخ کی خانقاہ کے مجاور تھے اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آدھی رات کو شیخ پر منکشف ہوا کہ خواجہ محمد باقی کی تعلیم و تلقین کی تکمیل مشائخ بخارا کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ آپ اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ سے فرمایا انہیں بخارا کے مشائخ طلب کرتے ہیں۔ اسی وقت ادھر متوجہ ہونا چاہیئے خواجہ نے فوراً سفر کی تیاری کر دی اور شیخ سے رخصت ہو کر عنان توجہ بخارا کی طرف متوجہ کی۔ چونکہ شیخ کے پاس اس وقت بجز تہ بند کے خرقہ موجود نہ تھا اس لیے آپ نے تہ بند ہی خواجہ کو عنایت فرمایا جسے خواجہ نے دستار کے طور پر سر سے لپیٹ لیا اور فوراً بخارا کے قصد سے ادھر متوجہ ہو گئے۔

بخارا میں پہنچ کر خواجہ محمد باقی۔ خواجہ مکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک کے تمام طریقے اور باطنی فیوض حاصل کئے۔ چند روز میں آپ کی روحانی قوت نے غیر معمولی ترقی کی اور آپ کے فضل و کمال کا آفتاب اپنے انتہائی مرکز پر پہنچ گیا۔

شیخ قطب العالم کے چند فرزند تھے۔ لیکن سب سے افضل اور عمر میں سب سے بڑے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے نانا شیخ رفیع الدین محمد تھے۔ جن کے تاریخی حالات باب اول کے شروع میں ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے جد امجد شیخ رفیع الدین محمد کے خاندان کے حالات جس قدر ہمیں لکھنے مقصود تھے سب لکھ چکے۔ لیکن سچ پوچھئے تو ابھی ہمیں بہت کچھ لکھنا باقی ہے کیونکہ یہ حالات شیخ عبدالرحیم کے ننھیال کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ تاوقتیکہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے ننھیال کے واقعات اور اس خاندان کے مشہور و معروف حضرات کے حالات نہ لکھے جائیں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا مصوّر نے یک رخی تصویر دکھائی ہے۔ اس لیے ہمیں ضرور ہے کہ دوسرے باب میں شاہ صاحب کے ننھیال کا مختصر تذکرہ لکھیں۔ وجہ یہ کہ جو تاریخی شہرت اور عظمت و جبروت اس شریف و نجیب خاندان نے حاصل کی ہے وہ دنیا میں ہمیشہ کے لیے ایک محسوس یادگار باقی ہے جو آج تک اُسے زندہ کئے ہوئے ہے۔

باب دوم

حضرت شیخ محمد پھلتی

حضرت شیخ محمد عارف باللہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے نانا۔ ان نامور اور معزز شیخ کے بلند اقبال فرزند ہیں جن کا نام شیخ محمد عاقل تھا۔ اور جن کے جود وسخا۔ زہد وتقوےٰ طالب العلموں اور مساکین فقراء کی رعایت اور علمی کارناموں کا امتیازی پھریرا تمام ہندوستان میں اڑتا تھا اور جن کے تصرفات وتوجہات کے پُرفخر اور قابل قدر حالات سے اب تک تاریخی صفحات پر روشنی چمک رہی ہے۔ شیخ محمد اپنے تمام بھائیوں میں سب سے افضل اور عمر میں سب سے بڑے ہیں۔ گو شیخ محمد کے دوسرے فرزندوں نے بھی گمنامی کے دائرہ سے نکل کر تاریخی شہرت عمدہ طور پر حاصل کر لی ہے اور علمی شہرت میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے لیکن ان سب میں بلحاظ شہرت عام قابل انتخاب شیخ محمد ہی ہیں جو خاص فضائل سے منسوب ہیں۔ یہ ایک وہ معزز اور نامور شخص ہے جس نے اپنے خاندان کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا۔ لوگوں کا یہ خیال نہایت صحیح اور قابل نوٹ ہے کہ اگر اس خاندان میں شیخ محمد نہ ہوتے تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر کبھی اس قدر تاریخی شہرت حاصل نہ کرتا۔

شیخ کی ولادت و بچپن

شیخ محمد کے بچپن کا زمانہ حقیقت میں آیندہ اعزاز واقتدار اور فطری ضمیری جوہروں کا ایک ایسا قابل آئینہ تھا۔ جس پر آیندہ زمانے میں تجلیات ربانی کا پرتو بخوبی پڑ سکا۔ ابتداء نشو ونما سے رشد وہدایت کے آثار آپ کی مبارک اوصاف پیشانی پر درخشاں تھے۔ جسے دیکھ کر اہل دل آپ کے حال پر بے انتہا التفات کرتے اور صاف کہتے تھے کہ کچھ دنوں بعد یہ ہلال ہندوستان میں چودھویں رات کا چاند بن کر اپنی پوری تابانی دکھانے والا ہے۔ چنانچہ شیخ جلال نے جو دنیا کے نامور اور مشہور ولی جناب شیخ آدم بنوری کے نہایت معزز و معتقد خلیفہ تھے اور شیخ محمد عاقل سے بے حد محبت و دوستی رکھتے تھے۔ شیخ محمد کے پیدا ہونے پر بہت خوش ہوئے اور خاص خاص لوگوں کو صراحتہً اور کنایتہً مطلع کیا کہ یہ بچہ شدنی اور ہونہار ہے جو آیندہ زمانہ میں بڑی قدر ومنزلت کو پہنچے گا۔

دنیاوی حشمت و شوکت اس کے قدموں کو بوسہ دیں گی اور یہ اہل دل کے حلقوں کا پیشوا اور سرتاج قرار دیا جائے گا۔

جب شیخ محمد پیدا ہونے کو تھے تو جناب شیخ جلال آپ کے والد بزرگوار کے پاس گئے اور ایک طلائی دینار ہدیۃً پیش کیا۔ اور جب آپ دنیا سے منہ موڑ کر عالم بالا میں تشریف لے جانے لگے تو حاضرین کو وصیت فرمائی کہ میرا مصحف مقدس جس میں میں تلاوت کیا کرتا ہوں شیخ محمد کو پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے اس ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ اور آپ کا مصحف شیخ کو پہنچا دیا گیا۔ جسے شیخ نے بڑی مشکوری کے ساتھ قبول کیا۔

شیخ محمد کی تعلیم

جب شیخ محمد صاحب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن تمیز کو پہنچے تو تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک نارنول میں ایک مشہور علم کے درس گاہ میں تعلیم پائی۔ بعد ازاں جناب شیخ ابو الرضا محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کچھ دنوں آپ سے تعلیم پاتے رہے۔ لیکن جب آپ کی طبیعت یہاں سے اچاٹ ہوئی تو جناب شیخ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ کی صحبت میں تشریف لائے اور یہ صحبت آپ کی طبیعت کے بہت ہی مناسب پڑی چونکہ آپ کا دل و دماغ پہلے ہی سے ان جوہروں سے آراستہ تھا جنہیں فطرت کی خاص بخشش کہنی چاہئیں۔ اور آپ کے ضمیر جوہر عجیب و غریب قابلیت کا جامہ رکھتے تھے۔ لہذا تھوڑے عرصہ میں آپ نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ جو لوگ آپ کے ہم سبق تھے انہیں آپ کی اس عاجلانہ ترقی اور تمام علوم پر اس قدر جلد عبور کر جانے پر تعجب اور تعجب کے ساتھ رشک تھا۔ لیکن غیبی اور عمیق نظریں خوب سمجھ گئی تھیں کہ اس روشن ضمیر میں خدا کی طرف سے وہ قوت ودیعت کی گئی ہے جو ربانی نکات کے سمجھنے میں ید طولےٰ رکھتی ہے۔

شیخ کا خدا طلبی میں سفر کرنا

جب آپ فارغ التحصیل ہو گئے اور علمی تحقیقات پر اس سرے سے اُس سرے تک عبور کر گئے۔ تو اب داعیہ غیب نے خدا طلبی کی طرف دعوت کی جس کی آپ نے مردانِ باہمت کی طرح اجابت کی اور وطن مالوف کو خدا حافظ کہہ کے اہل کمال کی تلاش میں اکناف و اطراف عالم کا سفر کیا۔ اور علمائے کاملین کی صحبتوں میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ سالہا سال کشاکش طلب میں نہایت مستعدی سے زندگی بسر کی اور باطنی علوم کے اشغال میں ہمہ تن مصروف رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے فضل و کمال کا شہرہ تمام بلاد میں پھیل گیا اور اہل دنیا کی نگاہیں بڑی وقعت

کے ساتھ پڑھنے لگیں۔ جب آپ تکمیل کے مرتبہ کو پہنچ گئے اور سلوک وارشاد کے تمام مراتب طے کر چکے تو پھر وطن مالوف میں تشریف لائے اور علم ظاہری و باطنی کے درس میں مشغول ہو گئے۔

جناب شیخ محمد صاحب کے عام اخلاق و عادات

شیخ کے عام اخلاق و عادات

اب ہم شیخ محمد کے ان معاملات اور تاریخی حالات کو چھوڑ کر جو تعلیم و تعلم سے متعلق ہیں آپ کے عام اخلاق و عادات پر توجہ کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ شیخ موصوف کے اخلاق و عادات پر ریویو کریں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس خاندان کے طبقہ علماء میں کوئی عالم ایسا کم گذرا ہے۔ جو علمی فیاضی، جود و سخا، ترک حظ نفس، توکل و قناعت، زہد و اتقا میں آپ کا دعوے دار ہو اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی شخص کسی بات میں آپ کا شریک ہو بھی تو اس کا یہ دعوےٰ قطعی طور پر نادرست ہوگا کہ خدا ترسی اور زہد و اتقا میں بھی وہ آپ سے افضل یا برابر ہوگا۔ آپ کی خدا پرستی، تواضع، بردباری اور سب سے بڑھ کر عظمت و کرامت اس درجہ شہرت پکڑ گئی تھی کہ بڑے بڑے باکمال لوگ دور دور سے حاضر خدمت ہونے اور آپ کے تلامذہ اور مریدوں کے حلقہ میں شریک ہونے کو مایۂ اعزاز و افتخار سمجھتے۔ گو آپ کے چہرہ سے نورانی عظمت و جلال برستا تھا اور وہ شان و شوکت رعب و دبدبہ نمایاں تھا جس سے دیکھنے والوں پر عظمت نما ہیبت طاری ہوتی تھی۔ لیکن آپ کی عاجزی و انکساری حد اعتدال سے بڑھ گئی تھی اور باوجود اس شان و شوکت کے مزاج میں انتہا درجہ کا عجز و انکسار تھا۔ آپ ہر ایک شخص سے نہایت خندہ پیشانی اور متواضعانہ اخلاق کے ساتھ پیش آتے اور اس کی رضامندی و خوشنودی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ صدق و راست گوئی اور تحقیق و اعتبار میں ایسے مسلم الثبوت تھے کہ لوگ آپ کے قول و نقل کو بے تامل بغیر سند و حجت کے پیش کرتے آپ کا طرز معاشرت بالکل نرالا اور انوکھا تھا جس پر کبھی کسی کو نکتہ چینی کا موقع ہی نہ ملا۔

آپ کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف اور لائق تقلید ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے شیخ کے احترام و اعزاز اور انہیں راضی رکھنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کرتے رہتے۔ طالب العلمی کے زمانہ سے لے کر ارشاد و تکمیل کے عہد تک کبھی کوئی بات ایسی

ظہور میں نہیں آئی جو شیخ کی مرضی کے ذرا خلاف ہو اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر دنیا میں بہت مشکل سے مل سکتی ہے آپ کے اس قسم کے بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن سے ناظرین کو اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جناب شیخ محمد صاحب کے دل میں اپنے واجب الاحترام اور معزز شیخ کی کہاں تک عظمت و عزت قائم تھی۔ لہٰذا میں چند واقعات مختصراً ذیل میں قلمبند کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ

پہلا واقعہ

شیخ محمد صاحب خود اپنے قلم مبارک سے لکھتے ہیں کہ اثنائے تحصیل میں چونکہ ہمارے معزز و محترم شیخ کی طبیعت اکثر اوقات تجرد کی طرف منجذب و مائل تھی اس لیے ہم لوگوں کا سبق روزانہ نہ ہوتا تھا اور ہوتا بھی تھا تو بہت تھوڑا۔ اس صورت میں مجھے اپنے اوقات کے ضائع ہونے کا بہت صدمہ تھا چند روز تک تو میں اسی کشاکش میں رہا۔ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ کیا میں شیخ کی صحبت سے علیحدہ ہو کر کسی اور درس گاہ میں تعلیم لوں یا اسی معمولی حیثیت میں اوقات بسر کروں آخر کار میں نے دل میں اس بات کا قطعی فیصلہ کر لیا کہ صرف اسی قلیل مقدار تعلیم پر قناعت کرنا اور موجودہ فرصت کو یوں ضائع و برباد کرنا بہر حال بہتر نہیں ہے۔ چنانچہ ہمت کے شاہین بلند پرواز نے بال و پر کھولے اور اب میں علمائے کاملین کی درس گاہیں تلاش کرنے کو نکلا۔ اتفاق سے شہر کی ایک نامور اور فاضل اجل کی درس گاہ میں میرا گذر ہوا جو طالب علموں کو نہایت محنت اور جانفشانی سے درس دیتا اور ان کی ترقی تعلیم میں بے حد کوشش کرتا تھا۔ اس کی یہ محنت و کوشش دیکھ کر میرا عزم مصمم ہو گیا کہ چند درسی کتابیں یہاں نکال لینی چاہئیں۔ لیکن جب میں وہاں سے واپس ہو کر شیخ کی مجلس میں پہنچا تو آپ نے اول میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ پھر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین کلمے لکھ کر زمین پر ڈال دیا اور خود اُٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے۔ شیخ کے چلے جانے کے بعد میں نے کاغذ اٹھا کر پڑھا اس میں لکھا تھا کہ آج تم کہاں گئے تھے کہ مجھے تمہارا باطن ظلمت و تاریکی سے مکدر نظر آتا ہے۔ میں نے فوراً توبہ کی اور اپنے ارادہ کو فسخ کر دیا پھر کبھی اس قسم کا خیال تک میرے ذہن میں ہی نہیں گذرا۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کے شیخ نے اپنے ایک مرید کو حکم فرمایا یہ بکری میرے فلاں دوست کے مکان پر پہنچا دے۔ مرید نے فوراً آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اور بکری لے کر چلا۔ رستہ میں بکری نے چلنے سے انکار کیا۔ اور ایک مقام پر اڑ کر کھڑی ہو گئی ہر چند اس نے اس کے چلانے میں کوشش کی۔ مگر بکری جگہ سے ہلی تک نہیں چونکہ اس نے بکری کا چلانا اور اپنے کندھے پر لاد کر لے جانا دونوں باتیں حرج سے خالی نہیں دیکھیں اس لیے اب اُسے یہ فکر ہوا کہ کسی مزدور کو کچھ اُجرت دے کر بکری پہنچا دینی چاہیئے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت کوئی مزدور دستیاب نہ ہوا۔ اور اس صورت میں شیخ کی خدمت بجا آوری میں قاصر رہا۔ شیخ محمد صاحب کو جب اس قضیہ پر اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک عاجلانہ حرکت کی اور جلدی سے بکری کو کندھے پر لاد کر روانہ ہو گئے۔ جب واپس آئے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دونوں صاحبوں کے حال پر مطلع ہو کر فرمایا کہ شیخ محمد کو اس کی حسن خدمات نے مقربین کے درجہ پر پہنچایا۔ اور دوسرے مرید کو اس کے قصور نے اس مرتبہ کے حاصل کرنے سے باز رکھا۔

تیسرا واقعہ

تیسرا واقعہ

شیخ محمد صاحب فرماتے ہیں کہ آدھی رات کا وقت تھا یا اس سے کچھ کم و بیش تھا عالم پر خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تاریکی سب طرف حکومت کر رہی تھی کہ میرے معزز شیخ مسجد سے اٹھ کر باہر آئے۔ میں آپ کے پیچھے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے چلا آتا تھا۔ جب آپ دروازے پر پہنچے تو لحظہ بھر ہیئت مراقبہ میں کھڑے رہے ذرا بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی طالب تمہارے پاس رجوع لائے تو اسے فوراً وہ تمام باتیں تلقین کر دو جو ہم سے تمہیں پہنچی ہیں۔ ہم تم کو بخوشی اجازت دیتے ہیں۔ میں آپ کی یہ باتیں (اور شیخ پوچھے تو خدا اندکی الہام) سن کر حیرت زدہ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس عظیم الشان منصب کی مجھ میں قابلیت کہاں ہے۔ اور ان باتوں کا خیال تک کبھی میرے ذہن میں نہیں گذرا ہے شیخ صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ نے میرے اس خطرہ کو فوراً دریافت کر لیا اور ایک

نہایت خوش آیندہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے جو کچھ اس وقت میری زبان سے سنا ہے واقعی باتیں ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے ان تمام لوگوں کے نام تعلیم کر دیئے ہیں جو تم سے بے واسطہ یا بواسطہ بیعت کریں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہارے سامنے ان لوگوں کے نام مفصل بیان کر سکتا ہوں۔ تمہارا اس بارہ میں توقف و حیرت کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ جو کام خداوندی دربار میں مقرر ہو چکتا ہے وہ ہرگز محل توقف میں نہیں ہوتا۔

ان واقعات سے قطع نظر اس احترام و اعزاز کے ثبوت کے جو شیخ محمد صاحب کے دل میں اپنے معزز شیخ کا قائم تھا۔ آپ کی عظمت و بزرگی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خداوندی عنایتیں اور فطرت کی بخششیں پہلے ہی سے آپ کے حال پر مبذول تھیں۔ اور روز اول ہی سے خدا کی نظر رحمت آپ پر پڑ چکی تھی۔ آپ اکثر اوقات یہ رباعی پڑھا کرتے تھے ؎

اے دوست ترا بہر مکان می جستم — در تو خبر این و آن می جستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی — خجلت زدہ ام کز تو نشان می جستم

شیخ محمد صاحب کی عظمت و بزرگی کی ایک اور تمثیلی حکایت بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابتداء ہی سے نہایت معزز اور مقتدر تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے اقارب میں سے ایک شخص محمد سنجی نام پورب کے کسی ناحیہ میں شہید ہو گئے تھے میں طالب العلمی کے عہد میں ایک دن مسجد جتو کے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور حجرے کا دروازہ بند کئے ہوئے کتاب کے مطالعہ میں مستغرق کہ دفعتہً وہ عزیز متمثل ہو کر میرے حجرے میں آ کھڑا ہوا۔ اس کے بدن کو فوجی لباس ڈھانکے ہوئے تھا اور ہتھیار لگے ہوئے تھے۔ جن کی چمک زمین پر برابر پڑ رہی تھی۔ میں نے یہ صورت دیکھ کر کہا کہ مجھے اپنے حالات سناؤ بولے جس وقت میرے جسم پر زخم لگتا تھا میں ایک ایسی لذت پاتا تھا جس کی حلاوت اب تک میرے دل میں باقی ہے۔ اس وقت چونکہ بادشاہ اسلام کی جرار فوج فلاں مشہور بت خانے کے مسمار و خراب کرنے کے لیے جا رہی تھی اس لیے ہمیں ان کی رفاقت و امداد کا حکم ہوا۔ اور اس تقریب سے ہمارا گزر اس راہ میں بھی ہوا۔ مجھے تم سے ملنے کا انتہا سے زیادہ شوق تھا لہذا تمہارے حجرے میں آیا اور نیاز قدم بوسی حاصل کی۔

جناب شیخ محمد صاحب کے تصرفات اور باطنی توجہات و کرامات اور پیشین گوئیاں وغیرہ

شیخ صاحب کے تصرفات جن لوگوں نے مخدومی شیخ محمد کی قابلیت اور خداداد لیاقت پر مختصر طور پر ریمارک کئے ہیں ان کے متفق الفاظ یہ ہیں کہ اس تمام خاندان میں شیخ محمد سے بڑھ کر کوئی شخص عالی دماغ - حوصلہ مند - خوش اخلاق اور قوانین اسلام کا پابند - بزرگان اسلام کے احترام و وقار کی رعایت کرنے والا نہیں ہوا - بالخصوص آپ کے باطنی توجہات و تصرفات کے اس قدر حالات ہیں کہ اگر فیصدی دس کا بھی انتخاب کیا جائے تو بھی حیات دلی کی وسعت اس کے لیے ناکافی ہے پھر بھی ہم اس مقام میں آپ کے تصرفات کے وہ چند واقعات لکھتے ہیں جو ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں -

سید علی کا ایک عجیب واقعہ سید علی جو آپ کے مریدوں میں سے ایک مخصوص و مستثنٰی مرید ہیں نقل کرتے ہیں کہ میں جوشِ جوانی کے زمانہ میں شراب بکثرت استعمال میں لایا کرتا تھا - گویا ہر وقت اور ہر ساعت اسی میں مستغرق و مخمور رہتا تھا اور کوئی ممنوع و قبیح فعل ایسا نہ تھا جس کا میں مرتکب نہ ہوتا تھا - جب میری حالت پستی و خرابی کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئی اور تمام اخلاق و عادات بگڑتے چلے تو میں نے اپنے دل میں عزم بالجزم کر لیا کہ اگر مجھے کوئی ایسا کامل عزیز ملے گا - جس کی پُر اثر نظریں پڑتے ہی میں اپنے ان ناشائستہ و قبیح افعال سے باز آجاؤں گا - اور اتقاء و پرہیز گاری کی خواہش میرے دل میں فوراً پیدا ہو جائے گی - تو میں اس کی صحبت و خدمت کو اپنے لیے ضروری اور لازمی سمجھوں گا - اور اس کی ارادت و اعتقاد کا حلقہ گوشِ دل میں ڈالوں گا - اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا - اور پھر ان ممنوعات کے گرد نہ پھٹکوں گا - اتفاق سے جناب شیخ محمد صاحب کسی تقریب کی وجہ سے قریہ سرائے میں تشریف لائے - حقیقت میں یہ وہ زمانہ تھا جس میں میرے اقبال و سعادت کا ستارہ پستی سے نکل کر اوج کمال پر شہاب ثاقب بن کر چمکنے والا تھا چونکہ میرے والد بزرگوار پہلے سے شیخ کے معتقد تھے اس وجہ سے میں بھی ان کے ساتھ واجب الاحترام شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک سرسری نظر مجھ پر ڈالی اور فرمایا تم کہاں رہتے

ہو اور کس جگہ ذکر ہو۔ ہنوز یہ دو تین باتیں ہی آپ کی زبان مبارک سے نکلی تھیں کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کا انجذاب واقع ہوا۔ اور جن ممنوعات و مناہی میں ایک مدت سے آلودہ تھا ان سے فوراً طبعی تنفر پیدا ہوا اور وقتاً فوقتاً آناً فاناً زیادہ ترقی کرتا گیا میں فوراً اُٹھ کر گھر آیا اور شراب کے شیشوں کو چکنا چور کر ڈالا۔ مناہی کے جس قدر اسباب و ذرائع میرے مکان میں موجود تھے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بعض چیزیں ایسی بھی تھیں جو نہایت قیمتی اور مجھے بے حد عزیز تھیں۔ اور جن کا مجھے شاید تمام عمر اپنے پاس سے علیحدہ کرنا گوارا نہ ہوتا۔ لیکن شیخ کی روحانی توجہ اور باطنی تصرف نے مجھ میں اس قدر اثر ڈالا کہ میری نظروں میں تمام وزنی اور قیمتی سامان بالکل ہیچ نظر آیا۔ اور ایک ایسی طبعی نفرت پیدا ہوئی کہ بغیر لحاظ کسی امر کے میں نے تمام سامان عیش کو خاک میں ملا دیا اور مجھے ان کے غارت کرنے میں کسی طرح کا دریغ نہ آیا جب میں ان تمام کاموں سے فارغ ہو گیا۔ تو غسل کر کے نئی پوشاک زیب بدن کی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبۃ النصوح کی اور بیعت کر کے آپ کی صحبت کا التزام اپنے اوپر فرض سمجھا۔ ایک عرصہ کے بعد مجھے سفر کابل کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ گو کمترین کی دلی آرزو تھی کہ چند روز حضور کے فیض صحبت میں زندگی بسر کر کے دارین کی فلاح و سعادت حاصل کرتا۔ لیکن افسوس کہ میری بدقسمتی۔ مجھے کابل کی طرف کھینچے لے جاتی ہے۔ اور میں بدنصیب مجبوراً آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ شیخ صاحب نے نہایت خوش آیندہ مسکراہٹ کے ساتھ یہ مشہور بیت پڑھی اور نہایت خندہ پیشانی سے مجھے رخصت کیا ؎

گر در یمنی چو با منی پیش منی
در پیش منی چو بے منی در یمنی

یعنے اگر تم میرے ساتھ ہو تو گو یمن میں ہو لیکن میرے سامنے موجود ہو اور اگر میرا خیال تمہارے دل سے مٹ گیا ہے تو اگرچہ میرے پاس مگر حقیقت میں یمن میں ہو۔

الغرض میں کابل کی طرف روانہ ہوا اور چند روز وہاں رہنے کا اتفاق پڑا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک نہایت حسین و خوبصورت عورت سے مجھے خلوت ہوئی اور بدکاری کی خواہش نے میرے دل پر ہجوم کیا قریب تھا کہ توبہ کی گرہ کھل جائے اور میں فسق و فجور میں مبتلا ہو کر دین و دنیا سے گیا گذرا ہو جاؤں کہ دفعتاً ایسے خطرناک اور نازک موقع میں شیخ کی

مبارک صورت میرے سامنے آموجود ہوئی۔ جوں ہی اس شکل شمائل پر میری نظر پڑی گویا نفسانی خواہش نام تک کو نہ تھی۔ شہوت کا تمام نشہ اتر گیا۔ اور میں اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اس کے بعد اگرچہ مجھے تین یا چار سال تک کابل میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن کبھی عورت کی رغبت نے میرے دل میں خطور نہیں کیا۔ میرا گمان تھا کہ میں بالکل عنین اور نامرد ہو گیا ہوں اور رجولیت کا مادہ مجھ سے سلب کر لیا گیا ہے۔ مگر جب میں وطن مالوف کی طرف لوٹا اور اپنی شرعی بی بی سے ہمبستر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ عنینہ و نامردی نہ تھی۔ بلکہ عصمت حق کی جلوہ گری تھی۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد صاحب کی روحانی توجہ اور باطنی تصرف کا ایک عجیب و غریب اثر تھا۔ جس کی نظیر اہل دلوں کے حلقہ میں بہت مشکل سے پائی جاتی ہے۔

ایک اور واقعہ

جناب شیخ محمد صاحب کے تصرف کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طالب العلم عظمت اللہ نام آپ کی خانقاہ میں سکونت رکھتا تھا۔ چونکہ دل گیر صورت سے قطع نظر کر کے خوش لحن بھی تھا۔ اس لیے آپ کو اس سے معمولی محبت ہو گئی تھی اور جب وہ اپنی موسیقی خیز آواز سے کوئی غزل پڑھتا تھا تو آپ اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ جوش مسرت سے بھرے بیٹھے تھے۔ اور کمال درجہ کا سرور و ابتہاج حاصل تھا کہ عظمت اللہ کو نغمہ چھیڑ دینے کا حکم فرمایا۔ لیکن اس نے اس موقع پر تن داری برتی اور آپ کے ارشاد کی تعمیل سے پہلو تہی کی۔ دو تین مرتبہ آپ نے اس کو طلب کیا۔ مگر اس نے ہر دفعہ انکار اور انکار کے ساتھ اصرار کیا۔ آپ کی طبیعت اس سے بعد مکدر و منغض ہوئی اور غضب ناک اور قہر آلود نگاہ سے اس کی طرف التفات کیا۔ جس کے اثر سے اس کی حالت میں عجیب و غریب انقلاب پیدا ہوا۔ سارے چہرے پر زردی اور زردی کے ساتھ مردنی چھا گئی۔ اور جسم پر لرزہ پڑا اور آناً فاناً بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ہلاکت کا خوف اس پر غالب آیا۔ اور اپنی زیست سے محض مایوس و ناامید ہو گیا۔ محمد جعفر جو شیخ صاحب کے خادم قدیم تھے۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور لجاجت کے لہجہ میں عظمت اللہ کی سفارش کی بابت لب جنبانی کی آپ کا غصہ فرو ہوا اس کی اس گستاخی سے درگذر کی۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اب اسے وہ خوش الحانی اور وہ دلفریب آواز میسر نہیں ہو سکے گی۔ جس پر مجھے رغبت تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد اس کی آواز کی ملاحت اور خوش لحنی جاتی رہی اور مردود جمیع طبائع ہو گیا جو لوگ، اس سے پیشتر اس کی آؤ بھگت کرتے تھے۔ اب

نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور جو اپنے سر وآنکھوں پر جگہ دیتے تھے صف نعال میں بھی بیٹھنے کو نا گوار جاننے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے فسق وفساد میں مبتلا ہوا۔ اور کسی جگہ اس کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔

الحاصل شیخ محمد صاحب کے اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔ میں نے صرف ان ہی دو ایک واقعوں کے قلمبند کرنے پر اکتفا کیا تاکہ یہ تذکرہ زیادہ طول نہ پکڑ جائے اور معزز ناظرین کو بہت انتظار نہ کرنا پڑے۔ لیکن شیخ کے حالات زندگی ختم کرنے سے پیشتر مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کے روحانی تصرف کے دلچسپ واقعات سے ناظرین نے لطف اٹھایا ہے اسی طرح آپ کے سلب امراض کے چند واقعات جو تصرف کا دوسرا جزو ہے مختصراً درج کروں تاکہ اہل مذاق اپنے اپنے مذاق کے مطابق دلچسپی لیں۔

سلب امراض شیخ محمد صاحب کو تصرف کی اس دوسری شاخ سلب امراض میں وہ قوت حاصل تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ ایک دفعہ سید برہان بخاری کو قولنج عارض ہوا جس کی وجہ سے نہایت کرب وبے چینی اور اضطراب وبے قراری پیدا ہوئی۔ ان کے رفقاء نے آپ سے التجا کی اور آپ سید برہان کے مکان پر تشریف لے گئے مریض کے سرہانے بیٹھ کر اس کے مرض کو سلب کر لیا اور اس نے فوراً شفائے کلی پائی۔ لیکن اس کا اثر شیخ صاحب میں کبھی کبھی ظاہر ہوتا تھا۔ اور آپ گاہے ماہے قولنج میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ میر عبداللہ جو آپ کے نواص کے حلقہ میں ایک معزز شخص ہیں نقل کرتے ہیں کہ حضرت شیخ صاحب کسی موضع کو تشریف لے گئے۔ اور میں خدمت میں حاضر تھا جب وہاں سے مراجعت کرنے کا قصد ہوا تو مجھے سخت وشدید تپ عارض ہوئی اور ایک دو ہی روز میں اس قدر ناطاقت ہو گیا کہ جنبش کرنے تک کی طاقت نہیں رہی۔ شیخ نے جب میری یہ حالت دیکھی تو میرے واسطے جستجو کی۔ اتفاق سے اس وقت سواری کہیں میسر نہیں ہوئی۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر تم میرے گھوڑے کے آگے آگے چل سکتے ہو تو تیار ہو جاؤ تمہیں اس وقت عجیب وغریب واقعات پیش آئیں گے۔ میں نے عرض کیا بہتر ہے۔ چنانچہ بہزار محنت وہ قت لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور شیخ کی نظر مبارک کے سامنے لا بٹھایا فوراً مجھے مرض میں تخفیف معلوم ہوئی اور اب میں نہایت چاق وچست ہو کر آپ کے گھوڑے

کے آگے آگے چلنے لگا۔ جوں جوں قدم آگے ڈالتا تھا مجھ میں طاقت و توانائی آتی جاتی تھی۔ حتٰے کہ مجھے شفائے کلی حاصل ہوئی اگرچہ ساری منزل پا پیادہ قطع کی۔ لیکن مجھے حیرت تھی کہ ذرا بھی تکان و کاہلی معلوم نہ ہوتی تھی۔

کرامات

شیخ محمد صاحب کی کرامتوں کے بھی بہت سے دلچسپ واقعات ہیں۔ ایک دفعہ بمقام سنوتہ آپ کے ایک بے ریا اور مخلص دوست نے دعوت کی اور صرف اس قدر کھانا پکایا جو پندرہ آدمیوں کو کافی ہو سکتا تھا۔ جب دستر خوان بچھایا گیا تو تلوبہ کا حاکم شیخ محمد یعقوب آدمیوں کی ایک جماعت کثیرہ کے ساتھ شیخ کی زیارت کے لیے آموجود ہوا۔ ایسے محل پر لوگوں کے ایک جم غفیر کے دفعۃً آجانے سے میزبان گھبرا گیا اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ شیخ صاحب نے اس کی گھبراہٹ معلوم کر کے فرمایا کہ تم کسی طرح کا فکر نہ کرو۔ ان لوگوں کی دعوت ہمارے ذمہ ہے۔ لیکن تمہیں اس قدر تکلیف کرنا ضرور ہو گی کہ کثیر التعداد طباق جمع کر دو۔ انشاء اللہ یہی قلیل مقدار کھانا بہت ہو جائے گا اور تمام حاضرین سیر ہو کر کھالیں گے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ایک خوش آیندہ تبسم کے ساتھ فرمایا کہ فقیر لوگ گاہے گاہے ایسا بھی کیا کرتے ہیں۔

شیخ الہ بخش جو آپ کے قبیلہ میں ایک ذی وجاہت اور صاحب اعتبار شخص تھا اور تمول و دولت مندی کے نشہ میں چکنا چور ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ جناب شیخ صاحب کی خدمت مبارک میں کچھ ایسی گستاخی اور بے ادبی کی جس سے آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے منغض ہو کر فرمایا خداوندا اس کے بعد اس شخص کا منہ مجھے نہ دکھائیو۔ یہ کہہ کر آپ تو سوار ہو گئے اور پیچھے شیخ الہ بخش ایک نہایت مہلک اور خطرناک مرض میں گرفتار ہو گیا۔ جس سے ہزار علاج کے بعد بھی جانبر نہ ہو سکا۔ دو روز تک حالت نزع رہی اور تیسرے روز جبکہ آپ نے مکان پر مراجعت فرمائی مر گیا۔ شیخ نے اُس کے جنازے پر نماز پڑھی اور لوگوں نے دفن کر دیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ عبدالوہاب آپ کے چچازاد بھائی نے ایک نہایت خوبصورت اور عالی شان عمارت بنائی۔ عمارت جب بن بنا کر تیار ہو گئی تو شیخ عبدالوہاب کو ایک اتفاقی سفر پیش آیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد اس طرف کے ایک رئیس رستم نامی نے جسے

شیخ عبدالوہاب سے دلی عداوت تھی۔ اس عمارت کے مسمار و خراب کر ڈالنے کا قصد کیا۔ جب، شیخ محمد صاحب اس کے اس ارادے پر مطلع ہوئے تو فرمایا۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ شیخ عبدالوہاب کی عمارت بلاوجہ ڈھائی جائے اور ہم موجود ہوں۔ اور چونکہ جنگ کرنا فقیروں کا شیوہ نہیں ہے۔ اس لیے میں ایک تصرف کرتا ہوں کہ رستم یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ چنانچہ جب رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عمارت مسمار کرنے سے ارادے سے فوج کا ایک دستہ فراہم کیا اور سب لوگ اس کے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئے۔ تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک شخص نے اس کے ساتھ اس بارے میں اتفاق نہیں کیا اور اس مہم میں شریک ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ رستہ میں رستم نے اس سے سختی کی جس کا یہ انجام ہوا کہ عاقل کا حقیقی بیٹا مار ڈالا گیا۔ اس قتل کے وبال میں رستم سے مواخذہ کیا گیا اور وہ اسی مواخذہ میں مر گیا۔

سید محمد وارث جو نہایت معتبر اور صادق القول شخص ہے بیان کرتا ہے کہ مجھے ایک مرتبہ سفر پیش آیا۔ میں رخصتانہ ملاقات کے لیے شیخ محمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے عافیت کی خوشخبری دی اور مصافحہ کر کے رخصت کیا۔ اتفاقاً اثنائے سفر میں ایک رات خونی ڈاکوؤں نے ہجوم کیا اور مجھ پر ہلاکت کا خوف غالب آیا۔ اس نازک اور خطرناک موقع پر مجھ سے بجز اس کے اور کچھ نہ ہو سکا کہ شیخ صاحب کی جناب میں متوجہ ہوا۔ اور آپ کا تصوّر ذہن نشین کر کے بچھونے پر جا لیٹا۔ کرب و بے چینی کے ساتھ چند کروٹیں لیں اور آخر کار نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ جناب شیخ صاحب کھڑے فرما رہے ہیں۔ کہ محمد وارث اٹھو اور بے خوف و خطر یہاں سے نکل جاؤ۔ تم سے کوئی تعرض نہیں کر سکتا۔ لو یہ دو لڈو ناشتہ کے لیے رکھ لو۔ میں نے لڈو لے کر اسی حالت میں جیب میں ڈال لیے۔ جب میں بیدار ہوا تو ہنوز میرے جسم پر رعشہ کا اثر باقی تھا اور ڈاکوؤں کا دہشت ناک خیال مجھے رہ رہ کر دہلا رہا تھا۔ لیکن جب میں نے وہ دونوں لڈو جو خواب میں شیخ نے عنایت فرمائے تھے بعینہٖ جیب میں دیکھے تو ایک فوری اطمینان کے میرے گئے ہوئے ہوش و حواس بجا کر دیئے۔ میں اپنے دل کو نہایت مضبوط اور قوی پا کر بچھونے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سوار ہو کر منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈاکوؤں کو یا تو میری مزاحمت کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی یا سب کے سب مجھ سے غافل رہے۔ بہر حال میں بڑی جرأت اور آزادی سے نکل کر روانہ ہوا۔ اور کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔ شیخ صاحب کے عنایت کئے ہوئے

لڈ و مدت تک تبرکاً میرے پاس رہے۔ لیکن جب آپ ناپائیدار اور فانی دنیا سے رحلت فرما کر عالم باقی ہوئے تو میں نے انہیں کھا لیا۔

پیشن گوئی
۱۱۱۹ھ میں جب عالمگیر بادشاہ کے فرزندوں شاہ عالم اور محمد اعظم میں بمقام اکبر آباد خونخوار اور عظیم الشان جنگ واقع ہوئی تو شیخ محمد صاحب کے معتقدوں میں سے کسی نے آپ کو بایں مضمون عریضہ لکھا کہ ان دونوں وارثان تخت و تاج میں سے کس کے نصیب میں فتح مقدر ہے۔ آپ ان میں سے جسے فاتح تسلیم کریں میں اسی کی جانب داری کروں۔ شیخ صاحب نے فوراً لکھ بھیجا کہ شاہ عالم کی فتح ہوگی۔ اور محمد اعظم عین میدان جنگ میں مارا جائے گا۔ انجام کار ایسا ہی ہوا۔ اور آپ کی پیشین گوئی بے کم و کاست سچی ہوئی۔

جناب شیخ محمدؐ صاحب کی صحبت و نظر کا اثر

یہ عنوان اس قدر وسیع ہے جس کی تفصیل اور توضیح کے لیے کئی جزو درکار ہیں۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ شیخ محمد صاحب کے علم و فضل اور فیض صحبت کا پایہ اس قدر ارفع و اعلے تھا کہ جس نے آپ سے فیض صحبت حاصل کیا وہ بھی تصرف و توجہ میں کامل اور بے نظیر ثابت ہوا۔ جن لوگوں نے آپ کی مریدی و تلمذ اختیار کیا۔ ان کی ٹھیک تعداد بتانا بہت مشکل ہے لیکن تاہم جنہیں تاریخی شہرت حاصل ہے ان کی تعداد بھی اس قدر ہے۔ جن کی مختصر فہرست کی وسعت حیاتِ ولی نہیں رکھتی۔ اس لیے ہم چند حضرات کی مجمل فہرست ناظرین کے سامنے پیش کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔

شیخ کے تلامذہ
سید عبدالرحیم اور سید ہاشم جو معقولی منقولی علوم میں شہرۂ آفاق تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت و محبت کی وجہ سے وہ ارتباط حاصل کیا کہ آپ نے ایک دن ان پر نظر التفات ڈالی جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ ہر ایک میں عجیب حالت پیدا ہو گئی۔ سید عبدالرحیم کو کشف خواطر اور کشف قبور حاصل ہوا۔ یعنے آپ ہر ایک شخص کے دلی بھید اور مخفی اسرار ظاہر کر دیتے اور جس قبر پر پہنچتے اس کی حقیقت بیان کر دیتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کھاتولی کے قبرستان میں سے گزر رہے تھے ہمراہیوں سے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آگ کا ایک بھڑکتا ہوا شعلہ زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے اور جب چند قدم آگے بڑھے تو ایک قبر کو دیکھ کر فرمایا کہ آگ کا شعلہ

اس قبر سے نکل رہا ہے۔ لوگوں نے اس کا کھوج لگایا تو معلوم ہوا یہ قبر ایک ایسے شخص کی ہے جو ظلم و فسق کے ساتھ متصف تھا۔ اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا اور آپ نے اس کے دل کا حال ظاہر کر دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ آپ مسلوب العقل ہو گئے۔ اور مجذوبوں کی طرح بازاروں میں پھرنے لگے۔ سید عبدالرحیم کی والدہ اپنے فرزند کا یہ حال دیکھ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور بالحاح تمام عرض کیا کہ عبدالرحیم پر ایسی توجہ فرمایئے کہ اس کے گئے ہوئے ہوش و حواس بجا ہو جائیں۔ فرمایا اُسے چند روز تک ہماری خدمت میں حاضر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ لوگوں نے سید عبدالرحیم کو زنجیروں میں کس کر چند روز تک آپ کی نظر مبارک میں رکھا تھوڑے ہی دنوں میں اُن کے ہوش و حواس درست ہو گئے۔

سید ہاشم کی یہ کیفیت تھی کہ جو آسیب زدہ آپ کے سامنے لایا جاتا فوراً جن و آسیب کا اثر مریض سے جاتا رہتا۔ ایک عالم آپ کی نظر فیض اثر کی بدولت آسیب و جن سے خلاصی پاتا تھا۔ اور جنوں کی ایذا سے مریضوں کو صحت و تندرستی حاصل ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کو بھی جذب واقع ہوا اور مستانہ وار صحرا و بیابان میں گشت لگانے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سید ہاشم ایک رات ہندو فقیر کے تکیہ میں پہنچے جو اس زمانہ میں ہنود کا مقتدا اور پیشوا تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور جس کا جادو دنیا میں مشہور و معروف تھا۔ جس وقت آپ اس کے تکیہ میں پہنچے ہیں تو سحر کی وجہ سے حوض کے دونوں کناروں پر خشک کھالوں کے سنگریزوں پر لڑھکنے کی خوف ناک آواز اُن کے کان میں پہنچی۔ لیکن آپ نے اس طرف ذرا التفات نہیں کیا ابھی تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک مہیب دیو بھینسے کی شکل میں نمودار ہوا۔ جس نے بڑی خونخواری سے آپ پر حملہ کیا۔ آپ مستانہ وار حق حق کہتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے اور وہ "آناً فاناً" میں غبار بن کر اڑ گیا۔ ہندو نے یہ واقعہ دیکھ کر جادو سے توبہ کی اور جھٹ مسلمان ہو گیا۔

ایک دفعہ عبدالسبحان نامی ایک شخص جناب شیخ محمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے جوں ہی اس پر نظر التفات ڈالی۔ فی الحال ایک قسم کی توحید منکشف ہوئی جس سے وہ دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھرنے اور ہر چیز کو خدا کہنے لگا۔ تمام شرعی و عرفی آداب بالائے طاق رکھ دیئے اور کسی بات کا پابند نہ رہا۔ اور جب اس کے تمام حالات و خیالات اور بھی بگڑتے چلے تو لوگ اس کی اس آزادی سے تنگ ہو کر دوبارہ شیخ صاحب کی خدمت

میں لائے اور آپ نے اس کی کیفیت جذب کو ایک ہی نظر میں سلب کر دیا اور ایک خاص نظر ڈالی جس سے عبدالسبحان بدستور سابق عقل و ہوش میں آ گیا اور تمام دیوانہ پن جاتا رہا۔

سید عنایت اللہ باشندہ سنبلہیڑہ کو شیخ صاحب کی توجہ سے بہت تھوڑے زمانہ میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا تھا۔ اور صدہا کوس کی باتیں فوراً دریافت کر لیتا تھا۔ قرب و جوار کے لوگوں کی حرکت و سکون سے واقف ہونا اس کے آگے کوئی بات ہی نہ تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ سید عنایت اللہ بیمار پڑے شیخ صاحب ان کی عیادت کے لیے وطن سے چلے۔ سید عنایت اللہ کو ان کے سوار ہونے سے گھر پہنچنے تک کے سارے حالات منکشف تھے۔ گویا بستر مرض پر پڑے ہوئے آنکھوں سے تمام واقعات دیکھ رہے تھے۔ جب شیخ صاحب سوار ہوئے تو سید عنایت اللہ نیند سے چونک پڑے اور حاضرین سے کہنے لگے۔ اس وقت شیخ صاحب سوار ہو گئے ہیں۔ پھر کہا اب فلاں موضع میں پہنچے ہیں اور اب فلاں مقام پر تشریف رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیخ صاحب سنبلہیڑہ کے قریب پہنچے تو کہا اب شیخ صاحب ہمارے شہر میں آ گئے ہیں۔ یارو! جلد اٹھو اور بڑے جوش مسرت کے ساتھ شیخ کا استقبال کرو بعد ازاں حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ کیونکہ شیخ اب دروازے پر آ پہنچے ہیں۔

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں آپ کے فیض صحبت سے عجیب و غریب غیبت حاصل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلائق کا شور و شغب بالکل محسوس نہ کرتے تھے۔ اور عالم پر سکوت و خاموشی کا سناٹا چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ توحید کا غلبہ اس درجہ تھا کہ جب کسی نے ان سے توحید کی مثال دریافت کی تو بولے توحید کی مثال بلاتشبیہ ایسی سمجھنی چاہیئے کہ ایک مٹی کی ٹھلیا کو ریت سے لبریز کر کے پانی سے بھر دیا جائے۔ بعد ازاں غور سے دیکھا جائے تو پانی کا ہر جزو ریت کے ہر ہر جزو میں سرایت کیا ہوا نظر پڑے گا۔ اسی طرح توحید خداوندی تمام مخلوق میں ساری ہے۔

محمد محسن جو معقول و منقول میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چند روز میں آگاہی کے شرف سے ممتاز ہوا آخرکار ہمہ اوست کی معرفت اس پر غالب ہوئی اور رفتہ رفتہ قیود شرعی سے قدم باہر نکالنے لگے۔ شیخ نے محمد جعفر کو جو آپ کا مخلص و بےریا خادم تھا اس پر متعین کیا کہ مفروضہ نمازیں محمد محسن سے فوت نہ ہونے پائیں۔ لیکن پھر تھوڑے

عرصہ میں اس کا سکر جاتا رہا اور تمام ہوش وحواس بجا ہو گئے۔ محمد محسن کی توجہ باطنی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک نوجوان صالح کسی عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا اور دیوانوں کی طرح ہوش باختہ آہ وزاری کرتا پھرتا تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا افسوس ہے کہ ایک ایسا نیک دل اور خداشناس آدمی یوں ہاتھوں سے جاتا رہے۔ محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور ایک نظر خاص ڈالی۔ فوراً اس کے دل سے عورت کی محبت جاتی رہی اور بجائے اس کے محبت الٰہی کے نقوش اس کے دل لوح پر کندہ ہو گئے۔

عبدالہادی جو سماع و وجد کے سخت منکر و مخالف تھے۔ شیخ کی خانقاہ میں آئے اتفاق سے اس روز آپ مجلس سماع میں مدعو تھے۔ جب آپ مجلس سماع میں شریک ہونے کے لیے تشریف لے جانے لگے۔ تو عبدالہادی بھی ساتھ ہو لیے۔ اثنائے راہ میں شیخ نے فرمایا کیا حالت سماع میں تم پر کبھی وجد بھی طاری ہوا ہے جواب دیا نہیں۔ فرمایا تم وجد کرنا چاہتے ہو۔ عبدالہادی نے آپ کی طرف استعجاب کی نظر سے دیکھا گویا انہوں نے تعجب کیا کہ لوگوں پر کس طرح اور کیوں کر وجد طاری ہو سکتا ہے۔ شیخ صاحب عبدالہادی کا استعجاب دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن جب مجلس میں پہنچے اور محفل سماع گرم ہوئی تو آپ نے ان کی طرف نظر التفات ڈالی۔ اور ایک ایسا روحانی تصرف کیا کہ عبدالہادی سے حرکات مستانہ ظاہر ہونے لگیں۔ اور لحظہ بلحظہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ کامل دو روز تک بے خود رہے اور ہوش میں آنے کے بعد سماع و وجد کے قائل ہو گئے۔

ایک دفعہ سنبلیہڑہ کے باشندوں نے شیخ سے استدعا کی کہ آپ انہیں توجہ باطنی اور تاثیر روحانی کا کرشمہ دکھائیں۔ اس وقت شیخ کی مجلس میں بہت سے آدمی حاضر تھے۔ آپ نے فوراً ایک سرسری نظر حاضرین پر ڈالی۔ سترہ آدمی جن میں سید نور علی اور سید ملتانی بھی شریک تھے۔ بے خود ہو گئے اور عرصہ تک عالم بے ہوشی میں پڑے رہے۔ ایک مرتبہ شیخ مانکہ باشندہ قصبہ لادر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا حضرت! میں آپ کی باطنی توجہ و تاثیر کے امتحان کی غرض سے آیا ہوں۔ شیخ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ اشراق کے وقت سے جمعہ کے وقت تک بے ہوش پڑا رہا۔ گو آپ نے اس کے بازو پکڑ کر خوب جھنجوڑا اور متنبہ کیا۔ پھر بھی مستانہ وار حرکتیں کرنے لگا۔ لیکن عرصہ کے بعد جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے حال دریافت کیا۔ بولا اگر شیخ لمحہ بھر اور توجہ فرماتے تو

تو میری روح بدن سے مفارقت کر جاتی۔

الغرض شیخ محمد صاحب کے تصرفات و توجہات کی مثالیں اس قدر ہیں کہ اگر فیصدی پانچ بھی بیان کی جائیں تو بھی ان کے لیے ایک طولانی دفتر چاہیئے۔ اس لیے ہم نے باستثنائے چند آپ کے تصرفات کے تمام واقعات نظر انداز کر دیئے ہیں معزز ناظرین سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس کا الزام نہ دیں گے۔

شاہ عبید اللہ

جناب شیخ محمد صاحب کے کئی صاحبزادے تھے۔ لیکن ان سب میں شاہ عبید اللہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جو عمر میں سب سے بڑے اور عظمت و بزرگی میں سب سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ اپنی بے نظیر قابلیت اور عدیم المثال لیاقت کی وجہ سے اس قدر معزز و ممتاز تھے کہ خاندان مغلیہ کے وارثان تخت و تاج باجود اس شان و شوکت اور جاہ و جلال کے تعظیم کرتے اور اُس عہد کے مشائخ اپنی آنکھوں پر جگہ دیتے تھے۔ شاہ عبید اللہ کی مختصر الفاظ میں یہ تعریف کافی ہے کہ آپ ایک ایسے معزز و ممتاز شیخ کے فرزند رشید ہیں جن پر نہ صرف قصبہ پھلت کو بلکہ ہندوستان کے اکثر طبقوں کو فخر اصل ہے۔ قطع نظر اس خاندانی عزت و بزرگی کے آپ کی ذات میں بھی وہ جوہر تاباں تھے جن سے ایک عالم منور و روشن تھا۔

جناب شیخ محمد صاحب خود اپنی زبان سے فرماتے ہیں کہ ایک دن خدا تعالے نے اس فقیر پر ایک آشنا کی صورت میں تجلی فرمائی یعنے ایک بچہ کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ جب میرے قریب پہنچا تو ارشاد کیا محمد! میں اس بچہ کو تیرے گھر میں پیدا کرتا ہوں۔ فقیر نے کمال لجاجت و الحاح کے ساتھ عرض کیا کہ خداوندا یہ تیری مخلوق ہے۔ جہاں منظور ہو پیدا کر۔ اس واقعہ کے چند دنوں پیچھے شاہ عبید اللہ پیدا پیدا ہوئے۔ پس اگر شاہ عبید اللہ کے تمام خاندانی اور ذاتی اعزاز سے قطع نظر کی جائے تو بھی صرف ایک یہ ہی خصوصیت اس قسم کی ہے کہ جس کے مقابلہ میں تمام اور اعزاز و اقتدار پاسنگ کے برابر بھی نظر نہیں آتے یہ خصوصیت روز ازل سے آپ ہی کے حصہ میں تھی کہ خدا تعالیٰ آپ کی نسبت ایسا کچھ فرمائے۔ شاہ عبید اللہ کے لیے خصوصًا اور تمام خاندان کو عمومًا اس سے زیادہ اور کیا ذریعہ فخر ہو سکتا ہے۔

الغرض شیخ محمد نے ۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں انتقال فرمایا۔ جب آپ مدفون

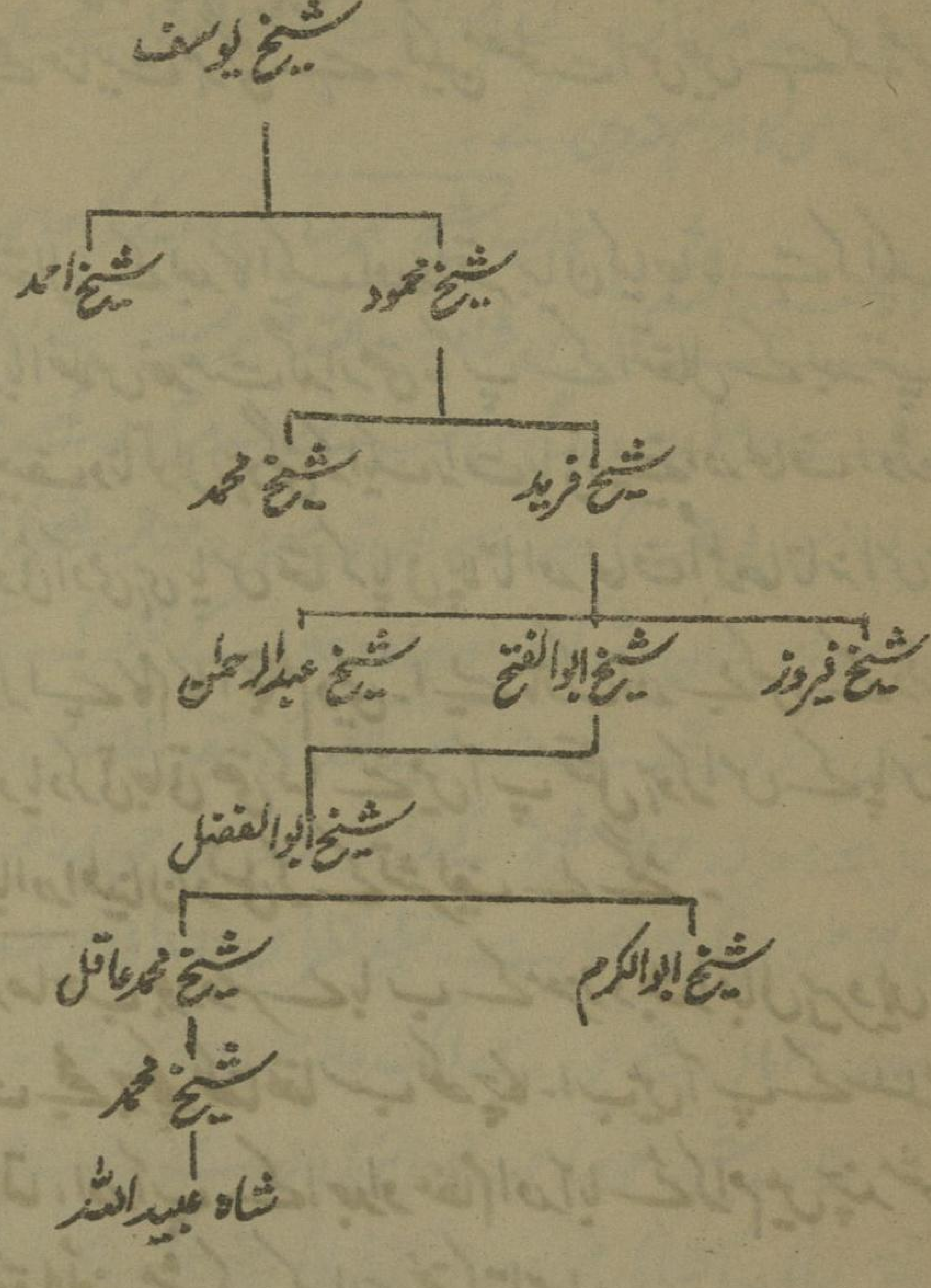
ہوئے تو جناب شیخ عبدالرحیم صاحب قدس سرہا نے آپ کی قبر پر بیٹھ کر حاضرین مجلس کو جہری ذکر کا حکم فرمایا۔ اس صحبت کے بعد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ شیخ محمد کی روح نے مجھ پر ظاہر ہو کر کہا کہ میں اپنے جسم میں متمثل ہو کر تمہارے پاس آنا چاہتا تھا اور یہ قدرت خدا کی طرف سے مجھے عنایت ہو گئی ہے۔ لیکن مصلحت اس میں ہے کہ مجسم ہو کر تمہارے سامنے نہ آؤں۔

اسی طرح آپ کے انتقال کے بعد کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بڑھیا جو شیخ کی دلی عقیدت مند اور با اخلاص خدمت گذار تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد تپ لرزہ میں مبتلا ہوئی اور اس درجہ ضعیف و ناتواں ہو گئی کہ ایک رات پانی پینے اور لحاف اوڑھنے کے لئے بے قرار تھی۔ نہ تو کوئی آدمی ہی پاس تھا کہ پانی پلاتا اور لحاف اُڑھاتا نہ اس میں اس قدر طاقت ہی تھی کہ خود اُٹھ کر اپنے کام کا انجام دیتی۔ ایسے نازک اور بے کسی کے وقت بڑھیا زار و قطار روتی جاتی اور شیخ کو یاد کرتی جاتی تھی کہ اتنے میں آپ متمثل ہو کر اس کے پاس تشریف لائے پانی پلایا لحاف اُڑھایا اور اطمینان و تسلی کر کے تشریف لے گئے۔

معزز ناظرین! شیخ محمد صاحب جو دوسرے باب کے معزز و بلند اقبال ہیرو ہیں۔ اُن کے حالات زندگی کی بابت مجھے جو کچھ لکھنا تھا سب لکھ چکا۔ اب میں آپ کے سلسلہ نسب پر ایک سرسری اور اجمالی نظر ڈالتا، اور آپ کے اجداد عظام اور آبائے کرام میں چند مشہور و معروف حضرات کی نہایت مختصر لائف پیش کر کے بات ختم کرتا ہوں۔

شجرہ آیندہ صفحہ پر

شیخ محمدؐ صاحب کا شجرہ نسب یہ ہے



واضح ہو کہ شیخ محمد صاحب کے اجداد عظام نے اوّل اوّل مقام سدھور میں جو یوپی میں ایک مشہور و معروف شہر ہے بباسست اختیار کی تھی۔ آپ کے اکابر و اسلاف رونق افزائے محفل درس تھے یہاں تک کہ شیخ احمد بن شیخ یوسف جن پر اس خاندان کے نامور اور دنیا کے مشہور مشائخ کا سلسلہ نسب منتہی ہوتا ہے۔ سلطان سکندر تاجدار ہندوستان کے عالیشان دربار میں پہنچے اور چند ہی روز میں اپنی بے نظیر قابلیت سے شاہی دربار میں وہ اعزاز و اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطنت کی طرف سے چند قریئے آپ کو مدد معاش کے لیے نسلاً بعد نسل عنایت ہو گئے۔ اس تقریب کی وجہ سے اس خاندان کے اسلاف نے پھلت میں بباسست اختیار کی اور ایک دراز زمانہ تک ان کی اولاد و احفاد نے یہاں توطن کیا۔ شیخ احمد کے حقیقی بھائی شیخ محمود کے دو فرزند تھے۔ شیخ فرید اور شیخ محمد جو اُسی موضع پھلت میں سکونت

رکھتے تھے۔

شیخ فرید شیخ فرید اپنے آباء کرام کے طریقہ وطرز پر اکتسابی و وہبی فضائل کے ساتھ موصوف تھے اور آپ کے فضل وکمال کی شہرت قصبہ پھلت کے چار دیواری سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے تین فرزند بے مثل یادگار باقی رہے۔ شیخ فیروز[۱]۔ شیخ ابوالفتح[۲]۔ شیخ عبدالرحمان[۳]، ان سب میں شیخ ابوالفتح خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

شیخ ابوالفتح اور ان کی تعلیم آپ عنفوان شباب میں علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے جب تمام علمی تحقیقات سے فارغ ہوئے اور ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ حاصل کر چکے تو آپ کی عالی ہمتی نے صرف ان ہی علوم کی تحصیل پر قناعت نہیں کی بلکہ ہمت کے شاہین نے تحصیل سلوک کی طرف بال و پر کھولے اور آپ مشائخ کاملین کی خدمت کی طرف متوجہ ہوئے۔ مدتوں تک اس زمانہ کے صوفیوں کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور مشائخ زمانہ کے فیض صحبت سے سعادت اندوز ہوئے۔ چنانچہ چند مستند شہادتوں اور نقل صحیح سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے اور ان سے استفاضہ حاصل کیا بعد ازاں شیخ نظام نارنولی کی صحبت میں آئے جو مشائخ چشتیہ میں سے ایک مشہور و نامور شیخ تھے۔ اور خواجہ خانوی گوالیاری کے ممتاز خلیفہ تھے۔ شیخ ابوالفتح کو شیخ نظام کی صحبت نہایت موافق اور بغایت مفید پڑی۔ سالہا سال ریاضت و مجاہدات میں بسر کئے اور ہر قسم کے فیض سے بہرہ اندوز و کامیاب ہوئے۔ آخر کار جب ارشاد تکمیل کے مرتبہ پر پہنچے اور آپ کے اقبال و یاوری اور فضل و کمال کے ستارہ نے اوج کمال پر قدم رکھا تو پھر وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور درس و تدریس وعظ و تلقین میں مصروف ہوئے۔ یہ تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ شیخ نظام علوم مروجہ پر چنداں اطلاع نہ رکھتے تھے۔ لیکن تو بھی شیخ ابوالفتح جو تمام علوم و فنون پر کمال اقتدار رکھتے تھے آپ کی صحبت میں فیض یاب تھے۔ شیخ نظام کے خاندان میں جو علوم نے شہرت پائی وہ شیخ ابوالفتح ہی کی علمی فیاضیوں کا سبب ہے کیونکہ جس اثناء میں آپ شیخ نظام کی صحبت میں تھے تو انہوں نے اپنی اولاد کے علوم کی تکمیل اور تربیت کی خدمت جو تعلیم کا دوسرا عنصر ہے آپ ہی کے سپرد کر دی تھی۔ جسے شیخ ابوالفتح نے بڑی قابلیت اور

دل سوزی کے ساتھ ادا کیا اور جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں شیخ نظام کی اولاد نہایت قابل و دانشمند اور دنیا میں مشہور و نامور ہو گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صاحب دل نے شیخ ابوالفتح کو شیخ نظام کی خدمت میں دیکھ کر نہایت استعجاب کے لہجہ میں فرمایا کہ "آفتاب ستاروں کی پناہ میں آیا ہے"۔

سنا جاتا ہے کہ شیخ ہیبت اللہ انصاری نے جو شیخ عبدالعزیز بہلتی کے مقتدر خلیفہ تھے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز شیخ ابوالفتح پڑھائیں۔ جس وقت آپ کا انتقال ہوا شیخ ابوالفتح نارنول میں تھے۔ لوگ وضو کرتے جاتے تھے۔ اور شیخ کے انتظار میں کھڑے ہوتے جاتے تھے۔ دفعتہً سامنے سے شیخ نمودار ہوئے اور شیخ ہیبت اللہ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ گویا آپ کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے ایک نہایت عاجلانہ حرکت کے ساتھ وطن پہنچنا چاہیئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیخ ہیبت اللہ انتقال کر گئے اور لوگ ان کی وصیت کے مطابق میرا[1] انتظار کر رہے ہیں۔

شیخ ابوالفتح کا ازدواج

شیخ ابوالفتح نے خواجہ طیفور کی محترم و باعصمت لڑکی سے نکاح کیا۔ جب مجلس عقد گرم ہوئی تو زمزمۂ غنا چھیڑ دیا گیا۔ شیخ ابوالفتح کی حالت ساعت بساعت متغیر ہونے لگی اور رفتہ رفتہ وجد و رقص کی نوبت پہنچی۔ خواجہ طیفور کے مشرب میں سماع منع تھا اور وہ وجد و رقص کے سخت مخالف تھے لوگوں نے جب یہ کیفیت خواجہ کے گوشگزار کی تو آپ مجلس میں تشریف لائے۔ اور شیخ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا چونکہ اس عزیز پر وجد حقیقی طاری ہے۔ اس لیے اس کا انکار کرنا نہیں چاہیئے۔

---

[1] یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ہیبت اللہ انصاری اور شیخ ابوالفتح نے باہم عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم میں جو شخص پہلے انتقال کرے دوسرا اس کے جنازے کی نماز پڑھائے جس زمانہ میں شیخ ہیبت اللہ بیمار پڑے۔ شیخ ابوالفتح نے نارنول کا قصد کیا رخصت کے وقت شیخ ہیبت اللہ نے اس عہد کو یاد دلایا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو میں اُسے ضرور انجام دوں گا چنانچہ اسی مرض میں شیخ ہیبت اللہ نے انتقال فرمایا اور شیخ ابوالفتح نے آپ کے جنازے کی نماز پڑھائی ۱۲ منہ

شیخ ابوالفتح کا انتقال شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب جب آگیا تو آپ نے اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو بلا کر فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت میرے سامنے پڑھو۔ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی۔ اور شیخ ابوالحسن نے نہایت خوش الحانی سے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد شیخ نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور آیہ
پڑھ کر منہ پر ملے کہ آپ کا طائر روح قفس جسم سے پرواز کر گیا اور اوشائخ میں شیخ ابوالفتح کا ایک رسالہ دنیا میں آپ کی محسوس یادگار باقی ہے جو بلحاظ مضامین نہایت لطیف اور اعلےٰ درجہ کا رسالہ ہے۔

شیخ ابوالفضل شیخ ابوالفتح کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضل سریر آرائے خلافت ہوئے اور افادہ ظاہری و باطنی کی مسند پر جلوس فرمایا۔ آپ نے طولانی عمر پائی اور سب کی سب مرضیات الٰہی۔ ترک دنیا و اہل دنیا، درس علوم دینیہ، کتب سلوک کے عمل جیسے احیا اور عین العلم[1] میں بسر کی۔ آپ آداب طریقت و شریعت میں نہایت اعتدال کے ساتھ اور افراط و تفریط سے دُور تھے۔

شیخ ابوالکرم جب شیخ ابوالفضل کا جام حیات لبریز ہو کر چھلک پڑا تو آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ ابوالکرم جو سابق میں شاہی نوکری میں معروف تھے۔ سجادہ نشینی کے درپے ہوئے اور اس کام کو اپنے ذمہ لینا چاہا۔ شیخ ابوالکرم اگرچہ نہایت ذکی الطبع، خوش تقریر و فصیح اور قابل تھے اور اس کے ساتھ علوم فقہ و حدیث وغیرہ میں بھی آپ کو کامل مہارت حاصل تھی۔ لیکن کسی قدر عیش طلب اور راحت پسند تھے۔ اور چونکہ ابتدائے زمانہ سے اس وقت تک شاہی ملازمت میں زندگی بسر کی تھی۔ اس لیے

---

[1] جناب شاہ ولی اللہ صاحب کتاب عین العلوم پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے آنکھ سے دیکھی ہے اس میں جا بجا شیخ ابوالفضل کے نہایت مفید و کارآمد حاشیے خود شیخ کی قلم مبارک سے لکھے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں یہ حاشیے آب زر سے لکھنے کے قابل اور طالبین سلوک کو دستور العمل بنانے کے لائق ہیں جن کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا محشی ہر قسم کے علوم میں کامل تبحر اور پوری دستگاہ رکھتا ہے اور اس کی تحقیق اعلےٰ درجہ کی ہے ۱۲

ریاضات و مجاہدات کی زیادہ محنت و مشقت بھی نہیں اُٹھائی تھی۔ جناب شیخ ابوالفضل کو بھی دن بدن ان کی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ان کے بارہ میں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد سجادہ نشینی کا حق شیخ ابوالکرم کو حاصل ہے۔ لیکن تاہم شیخ ابوالکرم کی ذاتی خوبیوں اور شرعی قیود کی پابندیوں نے قبیلہ کے تمام لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اس لیے وہ شیخ ابوالکرم کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے، اور ان کا استحقاق ثابت کر کے سجادہ نشینی کی مسند پر بٹھا دیا۔ شیخ ابوالفضل کے معتقدوں اور مریدوں نے ان لوگوں کے دباؤ سے شیخ ابوالکرم کی سجادہ نشینی نہایت تحمل کے ساتھ تسلیم کی۔ لیکن بایں ہمہ شیخ مبارک نے جو شیخ ابوالفضل کے جان نثار خادم تھے۔ اس سجادہ نشینی کو تسلیم نہیں کیا اور گھبراہٹ و بے چینی کے ساتھ شیخ کی روح کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ حقیقت حال پر مطلع ہوں۔ شیخ ابوالفضل ان کے خواب میں تشریف لائے اور صاف لفظوں میں فرمایا۔ میری سجادہ نشینی کا حق اس کو حاصل ہے جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا۔ جب شیخ مبارک بیدار ہوئے تو تمام لوگوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جب صبح کو کھانا تقسیم ہونے لگا تو شدہ شدہ کھانے کی تقسیم شیخ ابوالفضل کے بتائے ہوئے درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھی۔

شیخ محمد عاقل

لوگوں نے یہ صورت دیکھ کر شیخ محمد عاقل کو شیخ مرحوم کا سجادہ نشین تسلیم کیا۔ ادھر رفتہ رفتہ چند اس قسم کے اسباب پیدا ہو گئے کہ جن کی وجہ سے شیخ ابوالکرم کی جمعیت متفرق ہو گئی اور اس افلاس و تنگدستی میں جو لازمۂ درویشی ہے صبر و تحمل نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے سجادہ نشینی سے دستبرداری کی اور شیخ محمد عاقل[1] مستقل

---

[1] شیخ محمد عاقل کو ظاہری و باطنی علم کا کافی حصہ قدرت سے عطا ہوا تھا اور روز اول ہی سے اہل اللہ کی فہرست میں آپ کا نام نامی درج ہو چکا تھا۔ آپ فقراء اور طالب العلموں کی رعایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے اور ہمیشہ خدا ترسوں نیک دلوں کی صحبت پسند کرتے تھے۔ اپنی اوقات کا اکثر حصہ تو اوراد و وظائف میں صرف کرتے تھے۔ اور باقی حصہ طلبہ کی درس تدریس میں۔ جود و سخا اور مہمان نوازی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ترک دنیا میں آپ اپنے تمام ہمعصروں پر فوقیت لے گئے تھے غرض وہ تمام عام اخلاق اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سجادہ نشین قرار دیئے گئے۔

اگرچہ آپ کے کئی صاحبزادے تھے۔ لیکن عمر میں سب سے بڑے اور قدر و منزلت میں سب سے افضل شیخ محمد ہیں۔ جن کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ میں اوپر کر آیا ہوں:

دوسرا حصہ ختم ہوا

(بقیہ حاشیہ) نیک اطوار جو ایک خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے میں ہونے لازم اور ضروری ہیں۔ شیخ محمد عاقل میں بوجہ احسن پائے جاتے تھے ۱۲ منہ

تیسرا حصّہ

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب

تمہید حضرات ناظرین! اب میں عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد بزرگوار جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی لائف شروع کرتا ہوں۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ میں اس عنوان پر جس کے تفصیلی حالات سے آپ کو زمانہ دراز سے ایک خاص دلچسپی کے ساتھ کمال اشتیاق تھا نیز جسے مجھے سب سے اول اور سب سے زیادہ مفصل لکھنا چاہیئے تھا بہت دیر میں پہنچا۔ لیکن میرے سلسلہ بیان میں بھی چند در چند ایسی ضروری اور معقول مزاحمتیں واقع ہوئیں جن کی وجہ سے میں آپ کے اشتیاق کے جلد پورا کرنے میں معذور رہا۔

اب جب کہ میں پہلے اور دوسرے حصے میں شیخ صاحب کے مقدس اور جلیل القدر خاندان کے مفصل حالات ختم کر چکا تو آپ کے حالات زندگی پر قلم اٹھاتا اور جس قدر مفصل حالات مجھے دستیاب ہو سکے۔ ترتیب وار قلمبند کرتا ہوں تاکہ آپ کا نام نامی دنیا میں زندہ ہو اور آپ کے خاص فضائل و کمالات سے قوم میں ایک غیر معمولی تحریک اور تحریک کے ساتھ مبارک جوش پیدا ہو۔

قبل اس کے کہ میں معزز شیخ کے ان فضل اور آپ کے روحانی وضمیری جوہروں اور علمی کارناموں کو ترتیب وار قلمبند کروں جو ضرب المثل کے طور پر آج تک تاریخوں میں محسوس یادگار ہیں۔ مناسب ہوگا کہ آپ کے حالات زندگی اور فضائل وکمالات کا اجمالی طور پر سرسری خاکہ کھینچوں تاکہ ناظرین کو آپ کے قابل تقلید واقعات دیکھنے کی زیادہ رغبت ہو اور شائقین زیادہ شوق سے پڑھیں۔

شیخ کے اجمالی حالات واجب الاحترام شیخ عبدالرحیم صاحب دہلی میں ایک ایسے نامور اور مشہور بزرگ گذرے ہیں جن کا نام نامی بچہ بچہ کو یاد ہے اور جن سے نہ صرف دہلی ہی کے باشندے روشناس ہیں بلکہ تمام ہندوستان اور ہندوستان سے لے کر عرب تک آپ کے نام کا امتیازی پھریرا اڑ رہا ہے۔ یہی وہ

بزرگوار ہیں جن کے ذہبی واکتسابی علوم کا سمندر بڑے زور شور سے چاروں طرف پڑا اُبل رہا ہے۔ اور حدیث و تفسیر کا چمکدار اور نتھرا ہوا چشمہ گلی گلی اور کوچے کوچے میں انتہائی پیاری اور دل گیر ادا کے ساتھ بہ رہا ہے۔ جس میں سے بے شمار خوشگوار و شیریں نہریں کٹ کر دور دور بھی چلی گئی ہیں اور جنہوں نے اپنی شادابی سے ایک عالم کو سرسبز اور لہلہار رکھا ہے۔

ہجرت کی دسویں صدی میں اس فاضل اجل نے اپنے علم و فضل کے عالیشان جھنڈے تمام عالم میں گاڑ دیئے تھے اور طائر خیال بلند پرواز اس کے مراتب علم اور شان کمال کی رفعت و بلندی کو پا نہیں سکتا تھا۔ ہندوستان میں آپ وہ پہلے ہی نامور ہیں جنہوں نے طالبان علم دین کے لیے صلائے عام دی اور اپنے بے نظیر فیضان اور عدیم المثال صحبت سے اہل دنیا کو نہال کر دیا۔ حدیث و فقہ کے مختلف علمی معلومات اور سلوک ارشاد کی باریکیوں اور نازک و دقیق مسائل کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس کے فیض سے آج تک ہندوستان کے علمی کارناموں کے چراغ روشن ہیں۔

حقیقت میں ہندوستان کے علماء پر شیخ کا اس قدر احسان ہے جس کے بار سے وہ سر نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن تعجب اور تعجب کے ساتھ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بہت کم ایسے معزز علماء ہیں جو آپ کے تاریخی حالات سے واقف ہیں۔ گو ہمیں یہ بات عموماً تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ نامور و مشہور حضرات کے واقعات کچھ نہ کچھ مشہور ہو جاتے اور خود بخود اُن کی شہرت خاص لوگوں میں پھیل جاتی ہے۔ تاہم یہ ضروری بات ہے کہ ایک دنیا کے نامور اور مشہور شخص کے جہاں تک جزوی اور دلچسپ واقعات پر عبور ہوتا ہے وہ اسی قدر زیادہ مفید و کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ جن سے اس کے خاص فضائل اور کمالات کی وجہ سے قوم میں ایک عجیب و غریب تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور جن کے پڑھنے سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل کمال کی ترقی کے سامان کیونکر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور انسانی کمال جو اس کا اصلی شریف عنصر ہے وہ کن طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ پہلے میں لکھ آیا ہوں کہ جناب شیخ وجیہ الدین شہید کے تین فرزند رشید تھے۔ شیخ عبدالحکیم جو سب میں چھوٹے صاحبزادے ہیں ان کے حالات زندگی چونکہ بالکل تاریکی میں ہیں۔ اس لیے افسوس ہے کہ ہمارا تذکرہ ان سے خالی رہا جاتا ہے۔ شیخ عبدالرحیم صاحب جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کے نامور فرزند اگرچہ عمر میں شیخ ابوالرضا محمد سے افضل تھے۔ گو علمی

فیاضیوں کی شہرت میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ باستثنائے شیخ عبدالحکیم کے باقی دونوں حضرات کے حالات اس حصہ میں لکھے جائیں گے اس لیے اس حصہ کے بھی دو باب مقرر کئے گئے ہیں۔ پہلے باب میں شیخ عبدالرحیم کے حالات زندگی ہوں گے اور دوسرے میں شیخ ابوالرضا محمد کے۔

الغرض جناب شیخ عبدالرحیم صاحب عجیب وغریب قابلیت کے شخص تھے۔ آپ کے روحانی وضمیری جوہر اپنے میں گہری ممتاز زیست کی تہ رکھتے تھے۔ اور تمام علوم وفنون میں قابل انتخاب تھے۔ آپ جس طرح علم حدیث وتفسیر میں عدیم المثال اور بے نظیر تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح فقہ وادب وغیرہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باوجود ان شرعی علوم وفنون کے وہبی علوم کا کافی حصہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر مفصل طور پر آپ کو معلوم ہوگا۔ ہندوستان میں جس معزز اور بزرگوار نے سب سے پیشتر حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی اور جس مشہور محدّث نے اس غریب علم کے شائع کرنے اور پھیلانے میں کوشش بلیغ کی وہ شیخ عبدالرحیم صاحب تھے۔ ربانی نکات اور آسمانی اسرار جو قرآن و حدیث کے الفاظ میں خمیر کر دیئے گئے ہیں۔ آپ ہی نے انہیں ہندوستانیوں پر واضح کیا اور جن لوگوں کے دلوں پر صدیوں سے جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آپ ہی نے اپنے پُر اثر وعظ اور غیر معمولی تلقین سے منور کر دیا۔

شیخ عبدالرحیم صاحب کو قدرتاً علم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ گویا فطرت نے اس مقدس نفس اور پاک طینت کی ذات میں علمی مذاق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اکثر اوقات علوم دینیہ کے مطالعہ اور قرآن کی اشاعت میں مصروف رہتے اور علم سلوک کے رواج دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ آپ کی محتاط زندگی اتقا و پرہیزگاری، ترک[1] دنیا و اہل دنیا

---

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کا ایک مخلص و بے ریا معتقد بادشاہ اورنگ کے سلسلہ خواص میں داخل تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عالمگیر کو پنکھا کر رہا تھا کہ دفعتہً اس پر محویت غالب ہوئی اور پنکھا ہاتھ سے چھوٹ کر اس زور سے عالمگیر پر گرا جس سے وہ فوراً چونک پڑا۔ بیدار ہونے کے بعد دریافت کیا کہ اس بے جا حرکت کے ظہور پذیر ہونے کی کیا وجہ ہے۔ غریب خواص نے کانپتی اور تھرتھراتی ہوئی آواز سے شیخ صاحب کا کچھ حال اور آپ کی طرف اپنے انتساب کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نفس کشی۔ عام اخلاق۔ خدا ترسی کی بے نظیر شہادت دہلی کی چار دیواری سے نکل کر دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ اور علم و ہنر۔ فہم و فراست۔ عزم و ثبات نے آپ کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا آپ کی علمی فیاضیوں کے ندا سے عام نے دلوں میں وہ ذوق شوق پیدا کر دیا تھا کہ دُور دُور کے اہل کمال آپ کے درس گاہ میں کھینچ آئے تھے اور پرانی دہلی جمیع علوم و فنون کا مرکز بن گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ) ذکر کیا جسے عالمگیر نے رغبت کے کانوں سے سنا اور غائبانہ مشتاق ملاقات ہو کر بولا کہ شیخ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اس نے نہایت سماجت سے عرض کیا کہ بادشاہوں کی محفلوں میں اور امرا کے گھروں میں جانا شیخ کا دستور نہیں ہے۔ چونکہ عالمگیر مذہب کا سخت پابند تھا اور مذہبی تقدس کے علاوہ اہل اللہ کا ہمیشہ شائق اور ان کے عشق و محبت کا بندہ تھا۔ خواص کی یہ آزادانہ گفتگو سن کر اس کے اشتیاق کی آگ بھڑک اٹھی اور اپنے دربار کے ایک معتمد علیہ کو جو شیخ سے غایت درجہ کا اتحاد رکھتا تھا آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور اپنے اشتیاق اور استدعائے ملاقات کی کیفیت کہلا بھیجی۔ اس شخص نے عالمگیر کا پیام دے کر اگرچہ بہت کچھ مبالغہ کیا مگر کچھ بھی مفید نہ پڑا۔ شیخ نے قطعی طور پر انکار کر دیا کہ میں عالمگیر سے ملاقات کرنے کے لیے اس کے دربار میں نہیں جا سکتا۔ عالمگیر کا فرستادہ بالکل مایوس ہو گیا تو بولا مجھے ایک کاغذ لکھ کر دے دیجئے تاکہ بادشاہ میری تقصیر پر محمول نہ کرے آپ نے ایک نہایت حقیر اور متبذل کاغذ جس میں جوتیاں لپٹی ہوئی دھری تھیں۔ زمین سے اٹھا کر ذیل کی عبارت لکھی۔ کہ مردان اہل اللہ کی جماعت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر اور حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں فرماتا ہے۔ ومتاع الحیوٰۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل قرآن مقدس کے اس معنی خیز جملہ پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تمہیں دنیاوی اعزاز اور حشمت و شوکت نصیب ہے۔ ایک نہایت ہی اقل القلیل جزو ہے۔ اگر میں بفرض محال اس بات کو تسلیم بھی کر لوں کہ تم مجھ سے مل کر خوش ہو گے۔ اور اپنی دنیاوی شوکت و حشمت میں سے کچھ میرے حوالہ کر دو گے تو اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کہ جزو لا تیجزی دو گے اور میں اس جزو لاتیجزی کے لیے اپنا نام خدا کے دفتر میں سے نکالنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ بزرگان چشتیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے رجسٹر میں درج ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کھرچ ڈالا جاتا ہے۔ یہ عبارت لکھ کر آپ نے عالمگیر کو بھیج دی۔ عالمگیر نے جب اس رقعہ کو دیکھا تو بڑے غور سے پڑھا۔ بار بار اس کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قدرت کے نازک اور پیارے ہاتھوں نے جس علم وفیض کی قیمتی قبا آپ کے موزوں قدو قامت پر سجائی تھی وہ دوسرے قد پر بمشکل موزوں اور ٹھیک آسکتی تھی گویا خیاط ازل نے علم اور اس کے ساتھ عمل وخلوص کی پوشاک روز ازل ہی سے آپ کے لیے قطع کی تھی جس سے اس وقت آپ نے اپنے جسم کو سجایا۔ آپ کی معجز نما کرامات اور روحانی تصرفات و توجہات کا چرچہ ایک عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ اور آپ کی فطری لیاقتوں اور ذاتی جوہروں کے ڈنکے تمام دنیا میں بج گئے تھے۔ آپ کے مزاج میں استغنائی اس درجہ تھی جس کی نظیر سے علماء کاملین کے حلقے خالی نظر آتے ہیں۔ گو آپ کی طبیعت میں پرلے درجہ کی بے تکلفی تھی۔ لیکن امراء ورؤساء کے مکانوں پر کبھی نہیں جاتے تھے اور اس دروازے کو کلیتہً بند کر رکھا تھا۔ ہاں اگر یہ لوگ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو نہایت متواضعانہ اخلاق اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے اور معززین قوم کا خصوصیت کے ساتھ اعزاز و اکرام فرماتے اگر وہ لوگ نصیحت کی طرف راغب ہوتے تو نہایت نرمی تلطف سے حق نصیحت ادا کرتے اور امر معروف اور نہی منکر کے منصب کو بڑی جرأت وآزادی کے ساتھ ادا کرتے۔

آپ کو جس طرح جہل وجاہلوں سے طبعی نفرت تھی اسی طرح ہمیشہ علم وعلماء کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ مذہبی عقائد وخیالات میں مستحکم اور زندہ قدم المادہ کے قطعی دشمن تھے ہر حال میں احادیث نبویہ کا تتبع کرتے اور کوئی جزئی و فروعی بات حدیث کے خلاف نہ کرتے یہ آپ کی استقامت کا ادنے نمونہ ہے کہ عمر بھر میں جماعت سوائے قومی عذر کے فوت نہیں ہوئی۔ بچپن کے زمانہ سے لے کر آخر عمر تک ممنوع باتوں کی طرف کبھی میل نہیں کیا۔ طریقہ محمدیہ کی پیروی آپ کی جبلی عادت تھی۔ باوجود اس فضل وکمال کے

(بقیہ حاشیہ) پرشوق نظریں عبارت پر پڑتی تھیں اور ہر دفعہ ایک نیا مزہ آتا تھا انجام کار اس نے شیخ کا رقعہ جیب میں ڈال لیا اور مدت تک تعویذ بازو بنا کر رکھا۔ جب نیا خلعت زیب تن کرتا رقعہ جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رکھ لیتا فرصت کے وقت ہمیشہ مطالعہ کیا کرتا۔ اور زار زار قطار روتا کرتا اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب امراء ورؤساء کی صحبت سے کمال متنفر تھے اور دنیا اور اس کے تجملات کو سخت حقارت اور نفرت انگیز نگاہوں سے دیکھتے تھے ۱۲ منہ

مزاج میں غایت درجہ کا انکسار و عجز تھا۔ طرز معاشرت بالکل سادہ اور تکلف و بناوٹ سے دور تھی۔ امور ضروریہ کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور بیع و شرا میں خود تصرف کرتے۔ آپ کا لباس نہ تو زاہدان خشک اور فقہائے ظاہری کی ہی ہیبت پر ہوتا تھا نہ فقرائے آزاد ہی طریقہ پر۔ بلکہ مشائخ و صوفیہ کے مطابق ہوتا تھا۔ جس طرح خود بغیر اشد ضرورت کے قرض لینا مکروہ جانتے تھے اسی طرح ان لوگوں سے بھی ناخوش ہوتے اور ملامت کرتے تھے جو کھانے اور تنعم و تفکر وغیرہ کے لیے قرض لیتے تھے۔ طبعی معلومات میں آپ کا ذہن نہایت رسا و تسلیم تھا۔ اور علمی و عملی تجربات خاص طور پر مشہور تھے۔ آپ کا وظیفہ نوافل تہجد تھا۔ جن میں تعداد رکعت کی قید کچھ نہ ہوتی تھی۔ بلکہ جب تک دل میں نشاط و رغبت ہوتی تھی نوافل میں مصروف رہتے تھے۔ اشراق و چاشت کی نماز بلا ناغہ ادا کرتے اور بعد مغرب دو رکعتیں نماز اپنے والدین اور برادر کو ثواب پہنچانے کی غرض ادا کیا کرتے۔ عذر کے سوا ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور نہایت خوش الحانی اور قواعد تجوید کی رعایت سے پڑھتے۔ حلقۂ یاروں کے علاوہ قرآن مجید کے دو تین رکوع تدبر معانی کے ساتھ پڑھنا آپ کا دستور تھا۔ ہزار بار درود اور ہزار دفعہ نفی اثبات نماز فجر سے پیشتر بعض بجہر بعض بخفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات کا ہمیشہ ورد کیا کرتے۔ جب جناب شیخ ابوالرضا محمد آپ کے برادر کلاں کا انتقال ہو گیا تو آپ نے بعض یاروں کی استدعا و اصرار سے وعظ کہنا شروع کیا۔ اکثر مشکوٰۃ شریف کی حدیثیں نہایت تشریح و توضیح کے ساتھ بیان فرماتے اور کچھ تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین کا حصہ بیان کرتے۔ آخر میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنی شروع کی۔ لیکن ہنوز تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ ضعف مرض غالب آیا۔ اور اسی مرض میں انتقال فرما گئے۔

باب اول

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے مفصّل حالات

شیخ کی ولادت و طفولیت تعلیم و تربیت

شیخ عبدالرحیم صاحب کی ولادت

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے ولادت کی صحیح تاریخ اور سال و دن بتانا اگرچہ بہت مشکل ہے۔ کیونکہ کسی تذکرہ اور تاریخی کتاب سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن آپ کا سال ولادت سنہ وفات سے جہاں تک مطابقت کیا جاتا ہے تو اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ سنہ ۱۰۵۴ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ غالباً صحیح ہے۔ کیونکہ مستند تواریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ نے ستتّر برس کی عمر پاکر ۱۱۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جب سنہ ۱۱۳۱ھ میں سے ستتّر تفریق کئے جائیں گے تو ۱۰۵۴ھ باقی رہا ہے۔ اسی لیے آپ کا سنہ ولادت شروع ۱۰۵۴ھ سمجھنا چاہیئے جو حسابی قاعدہ سے نہایت صحیح اور درست ہے۔ الشیخ کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی بعض ان پاک نفوس اور صاف باطن حضرات نے جنہیں فطرت سے ممتازیت کا کافی حصہ ملا تھا اور جن کے دلوں میں ربانی جلال بڑے زور شور سے چمک رہا تھا۔ نیز جنہوں نے روحانی ذریعہ سے تعلیم پائی تھی صاف لفظوں میں جناب شیخ وجیہ الدین آپ کے والد بزرگوار کو بشارت دی تھی کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا پاک نفس اور نیک فطرت لڑکا پیدا ہوگا جس کی فرزندی کے انتساب سے نہ صرف تم بلکہ تمہارا سارا خاندان دنیا میں روشناس ہو جائے گا۔ اور ہندوستان سے لے کر عربستان تک اس کے نام کا امتیازی جھنڈا گڑ جائے گا۔ چنانچہ شیخ رفیع الدین محمد نے جن کے علمی و عملی کارنامے دنیا میں خاص طور پر مشہور ہو چکے تھے۔ اور جن کا فضل و کمال اعلےٰ درجہ کی وقعت کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا۔ صریح لفظوں میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی بابت پیشین گوئی کی تھی جسے میں اس مقام پر مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

جب شیخ رفیع الدین محمد جو آخر میں شیخ عبدالرحیم صاحب کے حقیقی نانا ہوئے اور جن کی لائف میں دوسرے حصّہ کے باب اوّل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر آیا ہوں، کا جام حیات لبریز ہونے کے قریب ہوا تو ایک دن آپ نے اپنا تمام اثاث بیت جمع کیا اور تمام وارثوں کو شرعی حصّہ پر تقسیم کر دیا اپنی اولاد میں سے ہر ایک شخص کو اس کے حسب حال عنایت فرمایا۔ جب آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی کی نوبت پہنچی (جو آئندہ شیخ عبدالرحیم صاحب کی والدہ ہوئیں) تو آپ نے انہیں فوائد طریقت کے چند جزو اور پیروں کا شجرہ عطا کیا۔ شیخ کی بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اس لڑکی کی ہنوز شادی نہیں ہوئی ہے اس کے مناسب حال یہ کاغذ کے چند اوراق نہیں بلکہ شادی کے سامان مہیا کرنے ضروری ہیں۔ شیخ محمد صاحب نے جواب دیا کہ یہ کاغذ کے چند اجزا ہماری گذشتہ اسلاف کی ایک محسوس یادگار اور میراث ہیں جنہیں ہم دنیا کے تمام حشمت و شوکت سے افضل اور قیمتی سمجھتے ہیں۔ اس لڑکی کے ایک فرزند پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر اہل اللہ کی جماعت کا سرتاج قرار دیا جائے گا اور عالم کا مقتدا و پیشوا تسلیم ہوگا۔ چونکہ وہ ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ہوگا لہٰذا یہ تمام اوراق اس کے حوالے کر دینا۔ رہے شادی کے سامان ان کا ہمیں ذرا فکر نہ کرنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ مسبب الاسباب ہے۔ خود مہیا کر دے گا۔ چنانچہ جب شیخ عبدالرحیم صاحب پیدا ہوئے اور ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن رشد کو پہنچے تو آپ کی نانی صاحبہ نے وہ اوراق آپ کے سپرد کر دیئے جو آپ کے بہت کام آئے۔ جس مبارک زمانہ میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی ولادت ہوئی اس وقت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ سریر آرائے سلطنت تھا اور آپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہ الدین صاحب سلطنت کی طرف سے ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ قطع نظر اس کے آپ خود بھی دولت و ثروت رکھتے تھے۔ غرضکہ شیخ عبدالرحیم کی اقبال یاوری سے وہ تمام سامان مہیا ہو گئے تھے جو ایک خوش قسمت بچہ کی پرورش کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا نہایت ناز و نعمت کے ساتھ آپ کی پرورش ہوئی تھی۔ آپ کے بچپن کا زمانہ حقیقت میں آپ کی آئندہ حالات زندگی کا ایک ایسا دیباچہ تھا جسے سرسری طور پر دیکھ کر مبصرین صاف کہتے تھے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں یہی نونہال بچہ اپنے مذہبی تقدّس اور روحانی تصرفات کی وجہ سے تمام عالم کا ایک معزز و معتقد ربقارم تسلیم کیا جائے گا۔ تمام ملک و قوم اسے نہایت اعزاز کے ساتھ اپنی آنکھوں پر جگہ دے گی اور اس کے

سامنے سلاطین کی گردنیں جھک جائیں گی۔ چنانچہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کے واقعات بہت سے ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جو خود شیخ عبدالرحیم صاحب کے قلم مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ وہ زیادہ دلچسپ ہیں۔ اس لیے صرف ان ہی کے قلمبند کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ماموں شیخ عبدالحی ایک نہایت صالح اور خدا ترس آدمی تھے۔ اتقا و پرہیزگاری کے سوا دنیا اور اہل دنیا سے طبعی نفرت رکھتے اور بالکل اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلتے تھے۔ گو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں بے انتہا کوشش کرتے تھے۔ لیکن خدا کی شان کہ اُن کی طبیعتیں متاثر نہ ہوتی تھیں اور لکھنے پڑھنے کی طرف ذرا متوجہ نہ تھیں۔ جس کی وجہ سے بزرگ شیخ اپنی فلاح اور معزز خاندان کے نام کو برقرار رکھنے سے بالکل مایوس و نا اُمید ہو گئے تھے۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ ماں باپ دولت مند ہوں یا مفلس ان کی بوڑھی آرزوئیں اپنے ہونہار بچوں کی کوششوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن جب وہ اپنی اولاد کے اطوار اس قسم کے دیکھتے ہیں جن سے کسی طرح کی امید نہیں بندھتی تو ان کی مایوسی و شکستہ دلی سخت خطرناک ہوتی ہے ایسی حرمانی اور مایوسی کے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ قبل از وقت جان دینے کو مصلحت و عزت سمجھتے ہیں۔ اور بعض مرتے نہیں تو مرنے سے بدتر ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی نہایت دردناک طریقہ سے آخر ہوتی ہے۔ بجنسہ یہی حالت شیخ عبدالحی صاحب کی تھی آپ کو رہ رہ کر یہی خیال پیدا ہوتا تھا کہ افسوس جو علمی فضیلت ہمارے بزرگوں نے حاصل کی ہے میری اولاد کی بد لیاقتی اسے دنیا سے مٹا ڈالے گی۔ یہی ایک خیال تھا جو شیخ کو ہمیشہ مغموم و رنجور رکھتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں بچپن کی حالت میں سر سے عمامہ اُتار کر زانو پر رکھے ہوئے وضو کر رہا تھا اور جس قدر وضو میں سنن و آداب ہیں سب کی برابر رعایت کرتا جاتا تھا۔ آپ نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر انتہا درجہ کا جوش مسرت ظاہر کیا اور نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا خدا کا شکر ہے۔ کہ میں اپنی اولاد کی ناقابلیت دیکھ دیکھ کر ہمیشہ ڈرتا تھا کہ ہمارے اسلاف کا سِر ہماری اولاد سے منقطع ہو جائے گا لیکن اب مجھے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ اُس سِر کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے گو اپنی نسل میں نہ سہی بہن کی نسل میں موجود ہے۔

۲۔ شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں ہنوز میں نو دس سال بچہ تھا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں کے ایک عزیز خواجہ ہاشم نام بخارا سے آگئے اور ہمارے محلہ میں سکونت اختیار کی۔ جب مجھے دیکھتے بہ محبت پیش آتے اور بہت ہی توجہ والتفات فرماتے ایک دفعہ فرمایا مجھے ایک درود یاد ہے جس کا عامل ہمیشہ متمول و دولت مند رہتا ہے چونکہ میرا دل اس وقت دنیا کے تمام تعلقات سے منقطع تھا۔ اس لیے ان کے جواب میں عرض کیا کہ جب خدا تعالےٰ مجھے بلا واسطہ قوت لایموت پہنچاتا ہے اور میری مایحتاج کا وہ خود متکفل ہو چکا ہے تو اب میں دوسرے سے کوئی حاجت نہیں رکھتا۔ خواجہ ہاشم میری اس برجستہ اور معقول جواب کو سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن چند روز کے بعد فرمایا کہ ہمیں ایک ایسی مؤثر دعا سینہ بسینہ پہنچی ہے کہ اگر مجذوم پر پڑھ کر پھونکی جائے تو اس کا جذام فوراً جاتا رہتا ہے۔ میں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ میں اس خبیث اور موذی مرض سے محفوظ ہوں۔ ہاں اگر کوئی مبتلائے جذام میری نظر پڑے گا۔ اُسے خدمت مبارک میں لا کر حاضر کروں گا۔ آخر کار چند روز کے بعد خواجہ ہاشم نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ برخوردار من! اس درود و دعا کے ذکر کرنے سے مجھے تمہارا شکار کرنا مقصود تھا کیونکہ تم استعداد عالی رکھتے ہو۔ اب امتحان سے معلوم ہوا کہ تم میرے خیال سے بھی بڑھ کر عالی ہمت۔ حوصلہ مند۔ بلند خیال۔ دقیق النظر ہو میرا دلی مقصد یہ تھا کہ تم اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرو میں نے خواجہ کی یہ دل سوزی دیکھ کر کہا تو آپ ہی کوئی شغل بتائیے۔ چنانچہ خواجہ نے مجھے اسم ذات کی تلقین کی اور فرمایا کہ ایک کاغذ کے تختہ پر ہمیشہ اسم ذات کو لکھتے رہو۔ یہاں تک کہ تمہارے خیال میں بڑی مضبوطی اور استحکامی کے ساتھ بیٹھ جائے میں نے اس شغل کو اختیار کیا اور چند ہی روز میں اس کی کیفیت مجھ پر غالب ہو گئی۔ اس زمانہ میں میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا اور حاشیہ ملا عبدالحکیم کے لکھنے کا ارادہ تھا۔ جب میں نے لکھنا شروع کیا تو ایک جزو کے قریب اسم ذات لکھ گیا اور مجھے بالکل شعور نہ ہوا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔

الغرض جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی طفولیت کا زمانہ نہایت ہی مبارک اور مقدس زمانہ تھا۔ جس میں آپ کی نہایت ہی ناز و نعمت اور عمدہ طور سے پرورش ہوئی۔ شیخ کے زمانہ طفولیت کے حالات اگرچہ ہمیں کسی ایسے سلسلہ سے نہیں دستیاب ہوئے جن پر ہم

بلا تامل بھروسہ کر لیں۔ لیکن تاہم جو ہمیں تحقیق ہوا ہے۔ بیان قلمبند کرتے ہیں۔ آپ کا بچپن فطرت کی عجیب وغریب خوبیوں کو لیے ہوئے تھا۔ جن کی نظیر دوسرے بچوں میں مشکل سے پائے جانے کی امید ہو سکتی ہے۔ آپ کائنات حسن کے لب لباب اور دنیا بھر کے حسین نہ تھے تو بھی آپ کے چہرہ میں ایک ایسی قسم کی نمکینی وملاحت تھی جس سے شان کبریائی کے عجیب وغریب نمونے ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کی صاف اور ستھری پیشانی اپنے میں ایک خاص عالمانہ تزک واحتشام کی تابانی رکھتی تھی اور اس میں ایک عجیب نوعیت کی بزرگانہ متانت کا چمکارا نمودار تھا۔ آپ کی دل فریب طفلانہ حرکتوں میں اس غضب کی کشش تھی۔ جنہوں نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

بزرگ شیخ کی بچپنے کی سکوت خیز صورت آپ کی مزاج کے تحمل وبردباری کی صاف شہادت دیتی تھی۔ اور قیافہ شناس نظریں خوب جانتی تھیں کہ آپ کی یہ خاموشی ربانی نکات اور ضمیری جوہروں کی کوئی گہری تہہ اپنے میں رکھتی ہے۔ وہ ناز بھری اور خوشنما ہٹیں جو عموماً بچے ناز بردار اور مہربان والدین سے کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی نہیں کیں۔ ادب کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی اپنے والدین کے سامنے اونچی نگاہیں کر کے بات نہیں کی۔ اور ہر بات پر بجا ودرست کہنے اور گردن نیچی کر کے نہایت متانت وسنجیدگی کے ساتھ جواب دینے عادت تھی غرضکہ محترم ومعزز شیخ کی طفولیت کا زمانہ ایسا عجیب وغریب اور حیرت ناک زمانہ تھا جس کی نظیر سے اس عہد کے تمام بچے خالی تھے۔

شیخ کی تعلیم وتربیت

اگرچہ اس امر میں ہماری واقفیت محدود ہے کہ شیخ کی تعلیم وتربیت کب شروع ہوئی۔ لیکن مختلف واقعات اور اس جلیل الشان عظیم القدر خاندان کے دستور پر نظر ڈالنے سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا کہ اس مزید عصر نے چوتھے سال میں قدم رکھا تھا کہ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب نے قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔

مگر یہ تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا کہ اس کم سن بچے نے اس نوعمری میں تعلیم قرآن کی طرف اس قدر توجہ مبذول کی کہ بہت تھوڑے سے عرصہ میں ختم کر لیا زاں بعد صرف ونحو اور ادب کی کتابیں جو دینی علوم کے عنصر ہیں پڑھنی شروع کیں۔ اور ابھی آپ آٹھ سال کے تھے کہ یہ علوم کچھ ایسے پانی ہو گئے کہ بڑے بڑے تجربہ کار لگانہ کھاتے تھے۔ اسی زمانہ

میں علم وادب میں آپ کو وہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ فصاحت و بلاغت اور نعت کے متعلق شعر اور شاعروں کی غلطیاں بتادیتے تھے کہ یہاں یوں ہونا چاہیئے لیکن خود شعر نہ کہتے تھے اور شاعری کو بلحاظ ایک مقتدر علامہ ہونے کے مایۂ فخر نہ سمجھتے تھے ۔ جب آپ کو نواں یا دسواں سال شروع تھا تو شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتے تھے ۔ اور معقول کی اکثر کتابیں نکال چکے تھے ۔ جن زمانہ میں اورنگ زیب اکبر آباد میں جلوس فرما تھا تو آپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہ الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے اور اس تقریب سے آپ اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد[۱] ہروی سے تعلیم پاتے ۔ ابتدائی رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک تو آپ نے اپنے برادر کلاں شیخ ابوالرضا محمد سے نکالے اور شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک تو آپ نے اپنے برادر کلاں شیخ ابوالرضا محمد سے نکالے اور شرح مواقف اور تمام کتب کلامیہ و اصولیہ میرزاہد ہروی سے پڑھیں ۔ جب شرح مواقف پڑھتے تھے تو آپ کے درس میں

۱؎ مرزا محمد زاہد ہروی قاضی اسلم کے فرزند رشید ہیں ۔ قاضی اسلم جہانگیر کے عہد میں ہرات سے ہندوستان میں آئے اور اپنی ذاتی خوبیوں کے اور علمی قابلیتوں کی وجہ سے جہانگیر کو اپنا گرویدہ کر لیا ۔ جہانگیر نے جب ان کی لیاقت کا اچھی طرح امتحان کر لیا تو قاضی القضاۃ کے معزز منصب پر ممتاز کیا ۔ دنیاوی اعزاز اور مذہبی تقدس میں اس سے زیادہ اور کونسا درجہ ہو سکتا ہے کہ آپ ایک ایسے عہدے پر ممتاز تھے جس کے سامنے خود وارث تخت وتاراج کی بھی گردن تسلیم خم ہوتی تھی ۔ قاضی اسلم ۔ ملا محمد فاضل باشندہ بدخشاں کے شاگرد رشید تھے ۔ جب ابتدائی زمانہ کے مرحلے طے کر چکے تو کابل میں پہنچے اور ملا صادق حلوائی کا تلمذ اختیار کیا ۔ بعد ازاں توران میں گئے اور ملا مرزا جان شیرازی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور وہیں مرزا جان کے تلمیذ رشید ملا یوسف سے حکمت کے فنون و علمی معلومات حاصل کیں جو اس عہد کے تمام مشہور اساتذہ میں نہایت امتیازیہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے ۔ جب قاضی اسلم ان تمام علوم سے فارغ التحصیل ہو گئے تو لاہور میں تشریف لائے اور ملا جلال لاہوری سے جو علوم عربیہ میں یگانہ روزگار اور فرید عصر تسلیم کیا جاتا تھا اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کو جامع وحاوی تھا تفسیر و اصول کا درس لیا ۔ مرزا محمد زاہد تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے ۔ آپ کے بے نظیر جودت ذہن اور عدیم المثال فہم و فراست سے تمام اجلہ علماء کے حلقے خالی تھے ۔ حاشیہ شرح مواقف اور حاشیہ شرح تہذیب اور حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق آپ کی مخصوص یادگاریں ہیں ۔

اور بھی کئی بڑی عمر کے طلبہ شریک تھے۔ لیکن سب کے سب آپ سے ناراض اور کبیدہ تھے کیونکہ آپ شرح مواقف جیسی مشکل کتاب کے کئی کئی صفحے اُستاد سے دریافت کئے بغیر صاف پڑھ جایا کرتے تھے اور کسی مقام پر دم نہ لیتے تھے۔ حالانکہ ہر طالب العلم کتاب کے ایک ایک مقام کو سمجھنا اور اس پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ بھلا یہ بات شیخ صاحب سے کب ممکن تھی۔ یہاں تو خیال و دماغ عقل کابل سے پہلے ہی آراستہ ہو چکا تھا۔ اور یہ معمولی کتابیں آپ کے سامنے بالکل پانی تھیں۔ شیخ حامد جو بڑے طباع اور ذہین شخص تھے۔ اور کتب کلامیہ کی تعلیم میں شیخ کے ہم درس بھی تھے۔ آپ کے اس لگاتار پڑھنے سے اور کسی

(بقیہ حاشیہ) علاوہ ان تصانیف کے آپ کی چند اور تصانیف بھی مشہور ہیں جیسے حاشیہ شرح تجرید حاشیہ ہیاکل وغیرہ۔ آپ اورنگ زیب کے عہد میں منصب احتساب پر ممتاز تھے ایک عرصہ کے بعد اس عہدے سے مستعفی ہو کر کابل تشریف لے گئے اور عزلت و گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ علم ظاہری کے علاوہ باطنی علم کا بھی حصہ رکھتے تھے اور اکابر صوفیہ میں سے ایک ایسے واجب الاحترام بزرگ کی صحبت سے فیض یاب تھے جس نے روحانی ذریعہ سے تعلیم حاصل کی تھی جیسا کہ آپ کی بعض تصانیف خاص سے معلوم ہوتا ہے آپ نے مبحث وجود اور مبحث علم واجب الوجود میں ایک نہایت نتیجہ خیز تقریر کی ہے۔ چونکہ وہ حضرات صوفیہ کی دلچسپی سے خالی نہیں لہذا میں اس مقام پر اسے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ آپ مبحث وجود میں لکھتے ہیں۔ والتحقیق ان الوجود بالمعنی المصدری امر اعتباری متحقق فی نفس الامر وبمعنی ما به الموجودیة موجود بنفسه بل واجب لذاته وذالك لان معنی کون الشئ اعتباریا متحققا فی نفس الامر ان یکون موصوفه بحیث یصح انتزاعه عنه فههنا ثلثة امور الاول المنتزع عنه وهو الماهیة من حیث هی والثانی المنتزع وهو الوجود بالمعنی المصدری والثالث منشأ الانتزاع وهو الوجود بمعنی ما به الموجودیة وهو الوجود القائم بنفسه الواجب لذاته لانه لیس قائما بالماهیة لا علی نحو الانضمام و الا یلزم تاخره عن وجود الموصوف وعلی نحو الانتزاع ولا یلزم حین انتزاع الوجود المصدری انتزاع آخر بل انتزاعات غیر متناهیة۔ اسی طرح آپ علم واجب الوجود کے مبحث میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان الواجب تعالی علما اجمالیا وعلما تفصیلیا اما العلم الاجمالی فهو مبدأ العلم التفصیلی وخلاق الصورة الذهنیة والخارجیة وهو العلم الحقیقی وهو صفة الکمال وعین الذات وتحقیقه علی ما الهمنی ربی بفضله وهو ان للممکن جهتین جهة الوجود والفعلیة وجهة العدم والا فعلیة وهو بحسب الجهة الثانیة لا یصلح ان یتعلق به العلم فانه بهذه الجهة عدم

مقام کو دریافت نہ کرنے سے سخت ناخوش تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شیخ کتاب کا مشکل مقام پڑھ رہے تھے۔ شیخ حامد کو یقین تھا کہ آج یہ اس مقام پر ضرور رکیں گے لیکن جب آپ وہ مشکل مقام بھی لگاتار پڑھتے چلے گئے تو شیخ حامد جھلا اٹھے اور آپے سے باہر ہو کر کہنے لگے کہ شیخ صاحب آپ کچھ سمجھتے بھی ہیں یا یوں ہی ورق گردانی کرتے ہیں۔ شیخ نے اپنے دوست کا یہ طیش وغضب دیکھ کر نہایت عجز وانکساری سے کہا شیخ صاحب! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مقام آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہے اگر حقیقت میں یہ مقام بغیر سمجھے رہ گیا ہے تو آپ مجھ سے دریافت کرلیں۔ شیخ حامد نے سب سے مشکل مقام کی طرف اشارہ کر کے کہا اسی کو سمجھا دیجئے۔ اس وقت خود مرزا محمد زاہد اور آپ کے تمام ہم سبقوں کی پُر شوق نظریں شیخ پر برابر اٹھ رہی تھیں اور ہر ایک شخص دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ آج شیخ کی علمی لیاقت کا پورا امتحان ہو جائے گا۔ حقیقت میں ایسے مقام پر جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی جانبی نہایت ہی قابل وقعت تھی۔ آپ نے ایک ایسے سہل اور آسان طریقہ پر اس مشکل مقام کی تقریر کی جس سے تمام حاضرین آپ کے بے مثل جودت ذہن اور عدیم المثال فہم پر عش عش کرنے لگے۔ اور تحیر انگیز صورت سے آپ کے چہرے کو تکنے لگے۔ جس تحیر کے ساتھ آپ نے اس اشکال کی تقریر کی وہ ایسی معمولی تقریر نہ تھی جس سے لوگوں کو استعجاب اور استعجاب کے ساتھ حیرت نہ ہوتی۔ جملہ طلبہ آپ کے فضل وکمال کے قائل ہو گئے اور جس شہرت کے ساتھ آپ مشہور تھے۔ اب اس سے بہت زیادہ وقعت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی۔

اگرچہ مرزا محمد زاہد پہلے ہی سے شیخ کو ہونہار اور رشدی جانتے تھے لیکن اُس وقت

محض فالجهة التي بحسبها يتعلق به العلم هي الجهة الاول وهي راجعة اليه لان وجود الممكن هو بعينه وجود الواجب كما ذهب اليه اهل التحقيق فعلمه تعالى بالممكنات ينطوي في علمه بذاته بحيث لا يعزب عنه شيء منها او بعينه على ان فهو ذالك محل الاوصاف الانتزاعية مع موصوفاتها فان لها وجود ايجاد احد الوجود الخارجي في ترتب الآثار وهو منشأ الانتزاع وبحسبه لا امتياز بينها وبين موصوفاتها واما العلم التفصيلي فهي علمه حضوري بالموجودات الخارجية وبالقوى الذهنية العلومية والسفلية فتامل لعله يحتاج الى التجريد الذهن وقد زدنا على ذالك في تعليقات شرح التجريد ۱۲۔

کی یہ علمی قابلیت دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں اس نونہال پودے کی خوش آیندہ بھو نکے ایک عالم کے دل و دماغ کو معطر کریں گے اور یہی ہلال آیندہ زمانہ میں بدر کامل ہو کر ملک میں چمکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ مرزا موصوف شیخ پر حد سے زیادہ التفات کرتے۔ اور ہر وقت آپ کی دلجوئی و خوشنودی میں معروف رہتے تھے۔ چنانچہ خود جناب شیخ عبدالرحیم صاحب مرزا صاحب کے حالات پر مختصر ریمارک کرتے ہوئے آپ کی اُن مہربانیوں کا ذکر کرتے ہیں جو ایام درس میں آپ پر مبذول تھیں۔

مرزا محمد زاہد کی مہربانیاں

آپ فرماتے ہیں کہ جناب مرزا محمد زاہد جن سے میں نے تمام کتب کلامیہ و اصولیہ پڑھیں اور جو تمام علوم میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ مجھ پر نہایت مہربان تھے۔ اور بڑے شوق ذوق سے میری تعلیم میں شب و روز مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ جس روز کسی قومی عذر کی وجہ سے کتاب کا مطالعہ نہ کرتا تھا۔ تو آپ فرمایا کرتے تھے فرزند من! ایک دو ہی سطریں پڑھ لو تاکہ ناغہ ہو عالمگیر بادشاہ آپ کی اس قدر عزت کرتا تھا۔ کہ آپ کو ندیموں اور وزراء کے زمرہ میں جگہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عالمگیر نے آپ کو بلایا اور آپ بہت جلد اس طرف متوجہ ہوئے جونہی آپ دروازہ سے نکلنے لگے میں نے دروازہ کی دونوں بغلیاں مضبوطی سے پکڑ کر کہا تاوقتیکہ آپ میرا فلاں کام سرانجام نہ دے لیں گے۔ میں آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ آپ نہایت خندہ پیشانی اور خوش آیندہ تبسم کے ساتھ فرمایا تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔ اطمینان و دلجمعی سے تمہاری بات سنوں گا۔ اور تمہارے کام کو انجام دوں گا۔ اس وقت میں متردد ہوں اور شاہی دربار میں جانے کی غرض سے پا بر رکاب ہوں۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کو اپنے کام کی انجام دہی بغیر چھوڑ دوں۔ جب آپ نے میرا یہ اصرار ملاحظہ کیا تو واپس پلٹ آئے اور جب تک میرا کام پورا پورا انجام کو نہ پہنچا دیا قدم آگے نہ بڑھایا۔ دوسرے طلبہ جب اس قسم کی مہربانیاں مجھ پر دیکھتے تھے تو تعجب کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے میں محسود طلبہ تھا۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرے استاد مرزا محمد زاہد میں سب سے زیادہ قابل تعریف ایک یہ بات تھی کہ جب کسی معاملہ میں آپ سے فروگذاشت ہو جاتی اور کوئی متنبہ کرتا تو فوراً قبول کر لیتے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے۔ آپ نے رمضان میں میری دعوت کی میں آپ کے مکان پر موجود تھا اور مغرب کے وقت قریب آگیا تھا۔ اتنے میں ایک کباب فروش آیا

اور کباب کا خوان آپ کے سامنے رکھ کر عرض کیا کہ یہ آپ کی نذر ہیں۔ مرزا صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ اے عزیز! میں نہ تیرا پیر ہی ہوں نہ استاد ہی نذرانہ کیا معنی؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے تیری کوئی اور غرض ہے۔ اگرچہ اس نے اول اول اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے سے انکار کیا۔ لیکن آپ کے مبالغہ اور اصرار سے معلوم ہوا کہ اس کی دکان بر سر راہ واقع ہے۔ اور مزار کے ماتحت لوگ اس کی دکان وہاں سے اُٹھانا چاہتے ہیں۔ جب یہ کیفیت آپ کو معلوم ہوئی تو فرمایا کل میں ایک متدین اور معتبر آدمی بھیجوں گا جو نہایت عدل اور انصاف سے فیصلہ کر دے گا۔ اب تو جا اور اطمینان رکھ۔ کباب فروش نے کہا حضور! یہ کباب میں نے خاص آپ کے لیے تیار کئے ہیں۔ اور اب وقت میں اس قدر گنجائش نہیں رہی کہ یہ فروخت ہو سکیں۔ آپ نے ایک شخص کو جو مرزا موصوف کے بچوں کا معلم تھا۔ حکم فرمایا کہ ان کبابوں کی قیمت کا اندازہ کر کے گھر سے قیمت دلا دو۔ چنانچہ اس نے آٹھ آنے دلا دیئے۔ اور کباب آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے یہ صورت دیکھ کر عرض کیا کہ آپ کی غرض رشوت سے بچنے کی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ ہنوز حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کبابوں کی قیمت بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے اور کباب فروش آٹھ آنے پر صرف اس غرض سے راضی ہو گیا کہ اس سے آپ کا کام متعلق ہے آپ فوراً متنبہ ہوئے اور اسی وقت کباب فروش کو بلا کر دریافت کیا کہ تو نے گوشت کتنے کا خرید اتھا اور مصالحہ کتنے کا، ایندھن میں کیا خرچ ہوا۔ اور نفع کس قدر حاصل ہوتا ہے حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ وہ ساڑھے تین روپے کے کباب تھے۔ آپ نے پورے دام اس کے حوالے کئے اور معلم کو بلا کر سخت عتاب کے بعد فرمایا کیا تو جانتا تھا کہ میں حرام چیز سے روزہ افطار کروں۔ یہ کونسی عقل اور کونسی دوستی کی بات ہے۔ اس کے بعد آپ نے اور آپ کے ساتھ میں نے کھانا تناول کیا۔

علمی ترقی

الحاصل جناب شیخ عبدالرحیم صاحب دس سال کی عمر میں صرف نحو ادب کلام اصول معقول، حکمت وغیرہ تمام علوم رسمیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ جب آپ نے گیارہویں سال میں قدم رکھا تو فقہ و حدیث کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ لیکن کسی تذکرہ اور مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان علوم کی خدمت معلمی کن علماء کے سپرد تھی۔ البتہ ایک مورخ کے مجمل بیان سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ صرف فقہ کی تعلیم آپ نے اپنے والد بزرگوار جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کی خدمت میں پائی اور چونکہ شیخ وجیہ الدین صاحب متعدد علوم

میں کمال رکھتے تھے۔ کچھ عجب نہیں کہ علم حدیث کی تکمیل بھی آپ ہی کی خدمت میں حاصل ہوئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس علم کی دوسرے معلم سے تحصیل کی ہو۔ بہر صورت اس فن شریف کے اساتذہ کے متعلق ہماری واقفیت محدود ہے تاہم دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں علمی روشنی ہر طرف پھیل رہی تھی۔ اور عالمگیری دربار میں بڑے بڑے علماء اور مجتہدین موجود تھے۔ قطع نظر اس کے ابھی تک شیخ کی ننہیال میں اس قسم کے اہل کمال موجود تھے۔ جو یگانہ روزگار اور فرید عصر تسلیم کئے جاتے اور دنیا کے ممتاز و مشہور اہل کمال میں گنے جاتے تھے۔ غرضکہ شیخ نے حدیث و فقہ کی تعلیم اعلےٰ درجہ کی پائی۔ جس میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور جب آپ کے اس کمال پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اس علم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کو حاصل تھا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت کو بالضرور ان حضرات نے انجام دیا ہے۔ جو ساری دنیا میں ممتاز و مشہور ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں۔ انہوں نے آپ کے علمی تبحر پر ریمارک کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ علم حدیث پر نہایت قیمتی اور وزنی ریویو کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ جیسے فاضل اجل شخص ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اس نیلگون آسمان کے نیچے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب سے زیادہ فن حدیث میں طاق اور جاننے والا اس عہد میں کوئی نہ تھا۔ اگر میں انصاف سے آپ کی نسبت کوئی رائے ظاہر کروں تو بلا تامل اس امر کا اعتراف کروں گا کہ میں نے ان جیسا ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو تمام علوم میں عموماً اور حدیث و فقہ میں خصوصاً تبحر رکھتا ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد آپ جیسے محدث و مفسّر فقیہ کو ہندوستان کی گود میں پرورش پانا بہت کم نصیب ہوا ہوگا۔ آپ کو صحاح کی اکثر حدیثیں ازبر تھیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام حدیثیں مع اسناد کے بلا توقف نقل کرنے میں ملکہ خاص حاصل تھا"

شاہ ولی اللہ صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

"میں اپنے والد بزرگوار کے علم کے آگے دنیا بھر کے علماء کے علوم کو بالکل ایسا دیکھتا ہوں جیسے دریا کے مقابلہ میں قطرہ"

حقیقت میں شاہ صاحب کی یہ تعریف مبالغہ آمیز اور جھوٹی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ جس

شخص نے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی تصنیفات اور ان حواشی کو دیکھا ہے جو آپ نے حدیث و فقہ کی کتابوں پر چڑھائے ہیں۔ وہ ان سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے اس قول کا پورے طور پر اندازہ کر سکتا ہے کہ کہاں تک ٹھیک اور درست ہے۔

تکمیل علوم

الغرض جناب شیخ عبدالرحیم صاحب بارہ سال کے تھے کہ علم حدیث و فقہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اور آپ کو تمام و کمال اس پر عبور ہو گیا تھا۔ گویا یہی سال آپ کے فارغ التحصیل ہونے کا تھا۔ آپ کا اس چھوٹی سی عمر میں تمام درسیہ کتب سے فارغ التحصیل ہو جانا اور پھر ہر مضمون کتاب کو ازبر یاد رکھنا نیز ان سے ہزارہا جدید مسائل اور صدہا نکات و باریکیاں مستنبط کرنا اگرچہ آپ کے جودت ذہن اور بے نظیر فہم و روایت کی بے مثال دلیل ہے۔ لیکن مبصرین خوب سمجھتے ہیں کہ یہ ان وہبی علوم اور ربانی قابلیتوں کا پرتو ہے جو روز ازل سے اُن پاک نفوس حضرات کے مجلہ دل میں چمک چکا ہے۔ جنہوں نے روحانی ذریعہ سے تعلیم پائی ہے۔

ابتدائے سلوک

معزز اور واجب الاحترام شیخ جب دینیات سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ تو لوگ آپ کے پاس تحصیل علوم کی غرض سے جوق جوق آنے لگے اور اسی چھوٹی سی عمر میں سب نے آپ کو اپنا سرتاج مان لیا۔ لیکن آپ کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی نے ان ہی علوم پر قناعت نہیں کی بلکہ ہمت کے بلند پرواز شاہین نے باطنی علوم کی تحصیل کی طرف بال و پر کھولے۔ اور آپ اہل اللہ کی جستجو کے درپے ہوئے اگرچہ یہ شوق آپ کو اثنائے تحصیل ہی میں دامن گیر تھا۔ اور گاہے گاہے ادھر متوجہ بھی ہوتے تھے۔ مگر اس کا ظہور کلیتہً فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہوا جیسا کہ ایک جگہ آپ خود اپنی قلم مبارک سے تحریر فرماتے ہیں کہ

> "جب میں بارہ یا تیرہ سال کا تھا تو ایک رات حضرت زکریا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سر پر دست شفقت پھیرا۔ اور اسم ذات کے شغل کی تلقین فرمائی۔ جس کی تاثیر اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ باوجودیکہ میں تحصیل علم میں شب و روز مصروف تھا اور ذکر کی طرف میری توجہ بہت کم مبذول تھی۔ لیکن پھر بھی جو بات اس وقت مجھے حاصل تھی اس کی نظیر سے بڑے بڑے قوی الطلب اہل کمال کے حلقے خالی

مجھے جب میں دینیات سے فراغت پا چکا تو جناب شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ[1] کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں "فرزند من! تا وقتیکہ خواجہ تمہیں نظر قبولی سے نہ دیکھیں اپنی عقیدت مندی کا ہاتھ دوسرے شخص کے ہاتھ میں نہ دینا پھر اس کے بعد تمہیں اختیار ہے" چنانچہ میں نے خواجہ خرد[2] کی خدمت میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور تعبیر دریافت کی اور یہ بھی عرض کیا کہ چونکہ اس شہر میں آپ کے سوا دوسرا شخص خواجہ کے لقب سے نہیں پکارا جاتا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ بشرہٗ آپ ہی ہیں" خواجہ نے جواب دیا "عزیز من! تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں جناب خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی بیعت میسر ہوگی اور اس فقیر کا رتبہ اس سے بہت کم ہے کہ جناب شیخ عبدالعزیزؒ جیسے مقتدر بزرگ خواجہ کے ساتھ مجھے تعبیر فرمائیں"

---

[1] شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے پرنانا ہیں جن کے حالات دوسرے حصہ کے پہلے باب میں لکھے جا چکے ہیں ۱۲ منہ

[2] خواجہ خورد جناب خواجہ محمد باقی کے فرزند رشید اور طریقہ نقشبندیہ کے دوسرے بازو ہیں۔ ہنوز آپ صغیر سن ہی تھے کہ خواجہ محمد باقی رہگرائے عالم آخرت ہوئے۔ جب خواجہ خرد ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اخذ طریقہ کیا اور زمانہ دراز کے بعد اجازت حاصل کر کے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہاں چند روز رہ کر خواجہ حسام الدین اور شیخ الہداد کی صحبت میں حاضر ہوئے جو خواجہ محمد باقی کے تمام خلفاء میں نہایت بلند رتبہ تھے۔ خواجہ حسام الدین ابتدائی زمانہ میں ایک نامور اور مشہور امیر تھے اور ان کے والد اس زمانہ میں تمام نامدار امراء میں خصوصیت کی نظر دیکھے جاتے تھے۔ خواجہ حسام الدین جب خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے روحانی جذبات نے ان میں تاثیر کی تو آپ اپنے تمام عزیز و اقارب اور مال و دولت کو ترک کر کے گھر سے نکل آئے اور چونکہ آپ کے اقرباء پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور فقراء کے لباس میں رہنا پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ نے اپنے تئیں دیوانگی میں ڈال دیا اور دانستہ کپڑوں کو نجاست سے آلودہ کر کے سودائیوں جیسے پھرنے لگے۔ اب آپ کے عزیز و اقارب کو مایوسی ہو گئی اور انہوں نے آپ کو مطلق العنان کر دیا اس کے بعد خواجہ حسام الدین اطمینان سے جناب

چنانچہ میں اس کے بعد بشارت مذکور کا منتظر رہا اور شب و روز ورد پڑھنے میں مستغرق رہا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں درود پڑھ رہا تھا۔ دفعتہً آسمان پر مہتاب جیسا ایک نور چمکا حالانکہ وہ رات تاریک تھی اور چاند کے طلوع ہونے کا زمانہ تھا غرضکہ وہ نور آہستہ آہستہ زمین پر پھیلنا شروع ہوا۔ اور آناً فاناً میری طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ میری تمام چارپائی اور جسم پر چھا گیا اور میں بالکل نور میں ڈوب گیا۔ جب تک وہ نور سر سے نیچے نیچے رہا میں بڑے ذوق شوق سے درود پڑھتا رہا۔ لیکن جونہی سر پہ آیا فوراً بے ہوش ہو گیا اور اب مجھے اپنے آپ تک کی خبر نہیں رہی۔ میرے والد بچھونے سے اُٹھے اور ہر چند کہ میری جستجو کی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرا ظاہری وجود بھی مفقود ہو گیا تھا۔ الغرض اس حالت غیبت میں نُہیں آسمانوں کو یکے بعد دیگرے طے کرتا ہوا اوپر پہنچا اور جناب نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ملازمت نصیب ہوئی۔ آپ نے مجھ سے بیعت لی اور نفی اثبات کا طریقہ تلقین فرمایا جب میں ہوش میں آیا تو اپنی حالت کو بالکل بدلا ہوا پایا۔ گویا اب میں ایک دوسرے ہی عالم میں تھا۔ چند روز کے بعد پھر خواجہ خرد کے پاس گیا۔ اور اپنی گذشتہ کیفیت بیان کر کے

(بقیہ حاشیہ) خواجہ محمد باقی کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے اور انجام کار آپ کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہوئے الغرض خواجہ خرد جب خواجہ حسام الدین کی خدمت میں پہنچے تو آپ خاص مراعات سے پیش آئے اور چند ہی روز میں ارشاد و تکمیل کے رتبہ پر پہنچا دیا۔ خواجہ خرد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر سلوک و تصوف میں ہے لیکن آپ حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ علوم میں بھی مجتہدین فن کہلائے جاتے تھے۔ سب سے بڑا فخر آپ کو یہ حاصل ہوا کہ شیخ عبدالرحیم صاحب جیسے علامہ آپ کے تلامذہ کے حلقے میں داخل تھے جیسا کہ آگے چل کر شیخ صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں مفصلاً لکھا جائے گا۔ جب آپ کا جام حیات لبریز ہونے کے قریب ہوا تو آپ نے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کو بلا کر فرمایا کہ مجھے خواجہ محمد باقی قدس سرہ کے روضہ سے دور ہٹ کر اس مقام پر دفن کرنا جہاں زائرین کی جوتیاں اترتی ہیں۔ آپ کی فرزندی کے انتساب کے لحاظ سے مقبرہ کے اندر دفن نہ کرنا۔ کیونکہ میں اس مقام کے لائق نہیں ہوں۔ شیخ نے جواب دیا کہ چونکہ یہ کام آپ کے ورثہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس لیے ممکن ہے کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں قاصر رہوں فرمایا تمہارا کام تبلیغ ہے۔ چنانچہ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جب خواجہ کا انتقال ہوا تو میں آپ کی وصیت کا اعلان کر دیا۔ اور آپ کی ورثہ کو اس پر

التماس کی کہ اب آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں۔ فرمایا تمہیں ظاہر میں بھی کسی بزرگ سے بیعت کرنا مناسب ہے۔ میں نے کہا کہ میں سے زیادہ بزرگ ومقتدر دوسرا شخص نہیں پاتا فرمایا چونکہ میں تمہیں نہایت رکھتا ہوں۔ اس لیے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مجھ سے بیعت کرو عرض کیا میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مجھے دوست بھی رکھتے ہیں۔ اور پھر بیعت سے انکار بھی کرتے ہیں آخر اس کی کچھ وجہ؟ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ میں بعض ممنوعات کا مرتکب ہوں اور سنت نبویہ کی اتباع میں قدرے تساہل کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میرے ارتباط کی وجہ سے تمہارا قدم راہ تشریع سے ڈگمگا جائے۔ لیکن ہاں فیض صحبت پہنچانے میں کبھی دریغ نہ کروں گا۔ میں نے خواجہ کی یہ تقریر جو دل سوزی اور خیر خواہی سے بھری ہوئی تھی۔ سن کر عرض کیا کہ پھر مجھے کس سے بیعت کرنا چاہیے فرمایا اگر شیخ آدم بنوری قدس سرہا کے ممتاز خلفاء میں کوئی بزرگ مل جائے تو بہت اچھا ہے کیونکہ وہ تشریع تہذیب نفس، ترک دنیا میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسرے کو اس زمانہ میں میسر نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہماری پڑوس میں سید عبداللہ سکونت رکھتے ہیں۔ جو

(بقیہ حاشیہ) متنبہ کر دیا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور خواجہ وصیت کے خلاف مقبرہ کے اندر دفن کیا ۱۲ منہ

لہ سید عبداللہ اصل میں کیھڑی بستی کے رہنے والے تھے ان کے والد بزرگوار نے اسی بستی میں بسا سرت اختیار کی تھی۔ ابھی یہ کم سن ہی تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ اور آپ کو اسی وقت خدا طلبی کا داعیہ پیدا ہوا۔ جا بجا اولیاء اللہ کا کھوج لگاتے پھرتے اور اتفاق سے پنجاب کے اطراف میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے جو قرأت میں ید طولے رکھتا تھا۔ اور جس نے قواعد تجوید و ترتیل کو معراج کمال تک پہنچا دیا تھا یہ بزرگ دنیا اور اہل دنیا کو خدا حافظ کہہ کے صحرا کی ایک مسجد میں زندگی بسر کرتا اور آدمیوں کے اختلاط اور ان کی آمد و شد سے فراغت پا کر توکل و قناعت کے ساتھ موصوف تھا۔ واجب الاحترام سید ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے اور خدا طلبی کا رستہ دریافت کیا۔ فرمایا کہ تمہارا ارشاد و تلقین تو ایک اور عزیز پہ موقوف ہے۔ جس کی خدمت میں انشاء اللہ عنقریب پہنچنے والے ہو لیکن حفظ قرآن مجھ سے کر لو۔ چنانچہ آپ قرآن مجید پڑھنے لگے۔ اور اسی اثناء میں اس عزیز کی صحبت کی برکت سے تجرید و ترک دنیا

شیخ آدم کے ایک معزز خلیفہ ہیں فرمایا بہت منتنم ہیں۔ اُن سے بیعت کر لینی مناسب ہے۔ چنانچہ میں بزرگ سید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن چونکہ آپ پر اخفاد خمول غالب تھا۔ اس لیے پہلی مرتبہ آپ نے میری بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ مگر آخر کار میں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(بقیہ حاشیہ) اور نفس وشیطان کی دھوکہ دہی سے بچنے کے آداب حاصل کر لیے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن سید اور وہ بزرگ باہم قرآن مجید کے دور میں مصروف تھے کہ بہت سے آدمی عربی سبز لباس زیب تن کئے ہوئے جوق جوق ظاہر ہوئے ان کا سردار مسجد کے قریب آیا۔ اور اس بزرگ کی قرأت سن کر فرمانے لگا۔ بارک اللہ ادیت حق القرآن یعنی خدا برکت دے کہ تو نے قرآن کا حق ادا کیا یہ کہا اور واپس چلا گیا۔ اس عزیز کا دستور تھا کہ قرآن پڑھتے وقت آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ اور کسی چیز کی طرف ذرا التفات نہ کرتا تھا۔ جب سورت ختم کر چکا تو سید سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ تھے جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ رہا تھا ہر چند کہ میں اٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن قرآن کی حرمت کی وجہ سے اُٹھ نہ سکا۔ سید نے جواب دیا کہ عربی شکل وشباہت کے بہت سے آدمی تھے جن کے جسموں کو سبز لباس ڈھانکے ہوئے تھا جب اُن کا سردار اس طرف بڑھا تو میں ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ اس کی تعظیم میں کھڑا ہو گیا۔ ہنوز ان باتوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ اسی شکل وشمائل کا ایک شخص آکر بولا کہ کل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مجمع میں حاضر تھا۔ آپ ایک حافظ کی تعریف فرما رہے تھے جو اسی صحرا میں سکونت رکھتا ہے اور یہ بھی فرما رہے تھے کہ کل صبح کے وقت میں اُسے دیکھوں گا اور اس کی قرأت سنوں گا۔ اب میں آپ لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ حضور تشریف فرما ہوئے تھے کہ نہیں اگر ہوئے تھے تو کس طرف تشریف لے گئے۔ ان دونوں حضرات نے جب اس کی یہ حیرت انگیز تقریر سنی تو ادھر ادھر دوڑنے لگے اور ہر چند تفحص کیا۔ لیکن کہیں سراغ نہ ملا۔ الغرض جب بزرگ سید قرآن پڑھ چکے تو اس عزیز نے انہیں رخصت کیا۔ اور کہا اب تم جاؤ۔ اور جس جگہ صاحب ولایت پاؤ اس کی خدمت میں انتہا سے زیادہ کوشش کرو۔ سید عبد اللہ شہر بشہر اور قصبہ بہ قصبہ گشت لگاتے ہوئے سامانہ میں پہنچے۔ اور شیخ ادریس رحمہ اللہ سامانی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو سلسلہ قادریہ کے دوسرے بانہ اور سلوک وتصوف میں مشہور زمانہ تھے توکل و قناعت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اور ریاضت ومجاہدہ لباس۔ آپ آمد ورفت کا دروازہ کئے

یہ سب کچھ تھا لیکن اسم ذات کا شغل جو مجھے حالت غیبت میں حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل ہوا تھا غالب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو لطف و مزا مجھے اس میں ملتا تھا دوسرے شغل میں وہ لذت نہ پاتا تھا۔ نفی اثبات کا شغل اول تو مجھ سے بن ہی نہ آتا تھا۔ اور اگر طبیعت پر زور ڈال کر کبھی معروف بھی ہوتا تھا تو مزا نہ آتا تھا۔ اس سے مجھے اس درجہ شرمندگی و ندامت ہوتی تھی کہ محترم سید کے آگے سر نہ اٹھا سکتا تھا۔ انجام کار میں نے سید صاحب سے اس کا علاج دریافت کیا۔ پہلے تو آپ نے چند مرتبہ مجھ پر نظر خاص ڈالی۔ اور روحانی تصرف کے ساتھ متوجہ ہوئے۔ لیکن جب آپ کا تصرف ذرا کارگر نہ ہوا تو فرمایا جس چیز

(بقیہ حاشیہ) ہوئے محنت و سختی میں زندگی بسر کرنے اور شدت و سرعت سے لذت اٹھاتے تھے۔ پہلی دفعہ جب محترم سید نے شیخ ادریس سے ملاقات کی تو آپ نے انہیں کورا جواب دے دیا کہ دنیا میں فقیر بے شمار ہیں جہاں چاہو جاؤ کیونکہ میرے پاس وہی شخص رہ سکتا ہے جو مردہ کی طرح کھانے پہننے لوگوں کے ملنے جلنے سے بالکل علیحدگی اختیار کر لے اور حاجت ضروریہ کے سوا میرے دروازہ سے باہر نہ جائے بزرگ سید نے ان تمام شرطوں کو منظور کیا اور طریقہ سلوک کی تحصیل میں مصروف ہوئے اولوالعزم اور عالی ہمتوں کی طرح سید نے ان جانکاہ محنتوں پر جنہیں حقیقت میں اختیاری موت کہنا چاہیئے نہ صرف صبر کیا بلکہ بدل راضی رہے شیخ ادریس سید کی یہ جانفشانی اور کارگذاریاں ملاحظہ فرما کر بہت محظوظ ہوئے اور دن بدن ان کے حال پر توجہ زیادہ مبذول کی اسی اثناء میں شیخ کے فرزند رشید نے سید سے قرآن مجید یاد کرنا شروع کر دیا تھا جس نے شیخ کی توجہ میں ایک اور جلا پیدا کر دی تھی۔ القصہ حافظ سید عبداللہ زمانہ دراز تک شیخ ادریس کی خدمت میں فیض یاب رہے لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو شیخ آدم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس زمانہ میں پیشوائے مذہبی تسلیم کئے جاتے تھے اور سلاطین وقت کی گردنیں جن کے سامنے جھکی رہتی تھیں۔ سید نے آپ کو ایک عالی مقام شیخ متشرع عظیم المعرفت قوی التاثیر پا کر اور کہیں جانے کا ارادہ بالکل فسخ کر دیا۔ اور سالہا سال آپ ہی کی صحبت میں گذار دیئے۔ لیکن جب شیخ آدم کا بھی انتقال ہو گیا تو سید عبداللہ اپنے عم بزرگوار سید عبدالرحمٰن کے پاس چلے آئے جو شیخ آدم کے ایک مخلص اور بے ریا مرید تھے اور ہمیشہ ان ہی کی صحبت میں رہے۔ جس زمانہ میں شیخ آدم اور سید عبدالرحمٰن کی باہم خط و کتابت ہوئی

نے انبیاء علیہم السلام کے انفاس طیبہ کی توسط سے استقرار پایا ہے ہم اُسے بدل نہیں سکتے۔ تم جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح کی طرف متوجہ ہو اس کا علاج وہیں سے میسّر ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اس وقت سے نفی و اثبات کا شغل مجھ پر غالب آیا۔ اور اس قدر آسان ہوگیا کہ بارہ یا تیرہ برس کی عمر میں ایک سانس میں دو سو دفعہ بآسانی کہہ لیتا تھا۔ گو میں اس زمانہ میں بھی تحصیل علوم سے خالی نہ تھا۔ اور بہت سے علائق و موانع میرے ساتھ وابستہ تھے لیکن باوجود اس کے جو انجذاب وکشش مجھے حاصل تھا دوسرے طالب کو کم نصیب تھا۔

واجب الاعتصام سید اس فقیر پر نہایت مہربانیاں فرمایا کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے شیخ! تم ہنوز بچے تھے اور اپنے ہم عمروں میں کھیلتے پھرتے تھے کہ ہماری طبیعت تمہاری طرف مائل تھی۔ میں تمہیں دیکھ کر خدا تعالےٰ سے دست بدعا ہوتا تھا کہ خداوندا اس بچہ کو اپنے اولیاء کے زمرہ میں داخل کرے۔ اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر کر۔ سو خدا کا شکر ہے کہ اس کا نتیجہ ظہور میں آگیا۔

(بقیہ حاشیہ) تھی تو جو مکتوب شیخ کی طرف لکھا جاتا اس میں سید عبد الرحمان کے ساتھ سید عبد اللہ کا نام بھی ہوتا۔ چنانچہ میں اس مقام پر شیخ کے دو مکتوب نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن سے علاوہ باہمی اتحاد و محبت کے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ آدم بزرگ سید کی بہت عزت کرتے تھے

مکتوب اوّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین الذاکرین حضرت اللہ تعالےٰ در امور دین و دنیاوی بحسب مرضات خود موفق بجمعیت خالص مخلص دارد

زاں یار دلنوازم شکر یست نے شکایت   گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت

این اسلام نامہ فقیر از آن برادران معنوی بنظر انتباہ مطالعہ باد وقت گزران ست کار فردا در عمل فردا مجسو بست واللہ ولی التوفیق وہنہ الرشاد و علےٰ الصراط السداد بحرمۃ حبیبہ وآلہ واصحابہ وتبعہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ از ہمہ یاران این جا سلام برادرانہ خوانند مکتوب دوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علےٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین الاکرمین۔ علاؤ این انوی معنوی سیادت پناہ توفیق آثار سید عماد وحافظ عبد الرحمان بعد سلام فقیرانہ مطالعہ فرمانید احوال این محال مستوجب حمد ست سلامت واستقامت برادران مطلوب است والاجابۃ من اللہ سبحانہ لبقیۃ المرام یک عنایت نامہ گرامی اخلاص مشحون ازمقام باربہ از ایشان وثانی از حافظین ازمقام اکبر آباد رسیدہ بود الحمد للہ والمنۃ کہ بصحت و

شیخ کے اساتذہ اور اُن کے اجمالی حالات

شیخ ابوالرضا محمد

ابتدائی زمانہ میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی تعلیم کا دوسرا جزو تربیت جناب شیخ وجیہ الدین آپ کے والد بزرگوار اور شیخ ابوالرضا محمد آپ کے برادر مہربان کے ہاتھ میں تھی اور چونکہ یہ دونوں اس قدر و منزلت کے شخص تھے۔ جن علمی و عملی نظیر سے تمام ہندوستان خالی تھا۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے اعتبار سے شیخ عبدالرحیم صاحب نے ان دونوں مقدس اور پاک نفوس حضرات سے کون کون کتابیں نکالیں یہ ظاہر کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ باوجود تلاش کے اس وقت تک کسی تاریخ و تذکرہ سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن تاہم اس قدر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے سلسلہ عقائد کے ابتدائی رسالوں سے شرح عقائد اور شرح خیالی تک کی تعلیم شیخ ابوالرضا محمد سے پائی۔ چنانچہ خود شیخ عبدالرحیم صاحب اپنے سلسلہ تعلیم پر ریویو کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں میں اخی معظم شیخ ابوالرضا محمد سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا۔ اس وقت حاشیہ خیالی پر میں نے ایک اعتراض کیا اور مخدومی اخوی جواب کے پے در پے ہوئے شدہ شدہ اس مناظرہ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مجھ میں۔ اور برادر مہربان میں رنجش پیدا ہوگئی میں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم دونوں خواجہ خورد کی ملاقات کے لیے گئے۔ آپ نے معمولی مزاج پرسی کے بعد فرمایا کہ اب تمہاری خیالی کہاں تک پہنچی ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت! چند روز سے میں نے اُسے چھوڑ رکھا ہے۔ فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ نماز روزے کے ضروری احکام معلوم ہو جانے کے بعد اس کی چنداں ضرورت نہیں دیکھی۔ لیکن جب آپ نے اصل حقیقت ظاہر کرنے پر مبالغہ اور مبالغہ کے ساتھ بے حد اصرار کیا تو اصلی واقعہ بے کم و کاست بیان کیا گیا۔ خواجہ خورد نے نہایت مہربانی سے فرمایا کہ اچھا شرح خیالی ہم سے پڑھ لو۔ اور کل صبح کو ضرور آؤ چنانچہ میں دوسرے دن

(بقیہ حاشیہ) سلامت اند و از یاد فقیران غافل نیستند متوقع بہرحال کہ این اخلاص نتیجہ بخش سعادت دارین باشد بمنہ و فضلہ سبحانہ و تعالےٰ ای برادر وقت گذران است سعی تبضرع و دعا صادقانہ ضروریست کہ حق سبحانہ و تعالےٰ باقی عمر از ین دار فانی ضائع نگذارد ۱۲ منہ

کتاب لے کر حاضر ہوا اور آپ نے تقریر کرنی شروع کی۔ میرے اعتراف کو نہ صرف پسند ہی کیا۔ بلکہ اس کی قوت و تائید ظاہر کی تین روز تک یہی صحبت رہی اور اس اثنا میں میں نے شرح خیالی کا بہت سا حصہ نکال لیا۔ چوتھے دن جب میں کتاب لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو فرمایا چونکہ تمہارے محترم اور بزرگ نانا شیخ رفیع الدین محمد نے مجھے تین ہی سبق پڑھائے تھے۔ اس لیے میں بھی تمہیں تین روز سے زیادہ درس نہیں دوں گا۔

شیخ رفیع الدین محمد

اور اس کا قصہ یہ ہے کہ "میں عنوان شباب میں ظاہری حسن و خوبصورتی کو دوست رکھتا تھا۔ شیخ رفیع الدین محمد صاحب کا ایک فرزند رشید نہایت دلگیر صورت رکھتا تھا۔ اور اس کے حسن و جمال کا چرچا گھر گھر پھیلا ہوا تھا۔ میں ایک دن اُسے دیکھنے کے قصد سے گیا اور شرح لمعات ساتھ لیتا گیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میں تصوف کی مسائل کی تحقیقات کے لیے آیا ہوں۔ کیونکہ شیخ موصوف ہمارے شہر میں مشکلات تصوف کے حل کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اور علمی فضیلت میں تمام ملک میں مسلم الثبوت تھے۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو نہایت جوش مسرت سے میرا استقبال کیا۔ اور بڑی مہربانی سے پاس بٹھایا۔ جب میں نے شیخ کے سامنے کتاب رکھی تو آپ نے دو تین جملے سرسری طور پر فرما کر کتاب بند کر دی۔ اور زیادہ تحقیق نہ فرمائی۔ اور اس کے ہی اپنے فرزند رشید کو بلا کر فرمایا کہ خواجہ کی خدمت میں حاضر رہو۔ میں یہ صورت دیکھ کر سخت نادم ہوا۔ اور شرمندگی کے مارے شیخ کے سامنے سر نہ اٹھا سکا لیکن چونکہ جوانی کا زمانہ تھا اس پر ذرا بھی التفات نہیں کیا۔ اور دوسرے روز اسی نیت اور اُسی اسلوب پر حاضر ہوا۔ وہاں جا کر بدستور سابق معاملہ دیکھا تیسرے روز ایک قوی ندامت مجھ پر غالب ہوئی۔ اور میں نے ان خیالات سے جو میرے دل میں جم گئے تھے توبہ کی۔ اس روز آپ نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور انتہا سے زیادہ ملتفت ہو کر تصوفی تحقیقات کے درپے ہوئے اور خاص خاص علمی نکات بیان فرمائے۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر آپ کو اس فن کی تحقیق پیش نظر ہے تو مجھے حکم دیجئے تاکہ روزانہ دولت خانہ پر حاضر ہو کر جو کچھ فقیر کو آتا ہے عرض کروں۔ لیکن میں آپ کے یہاں آنے کو تجویز نہیں کرتا۔ کیونکہ آپ کی عزت و توقیر کا پایہ اس سے کہیں زائد بلند ہے۔ میں نے شیخ کی یہ دل سوزی اور مہربانیوں سے بھری ہوئی تقریر سن کر التماس کی۔

کہ جب حضرت میری حضوری تجویز نہیں فرماتے ہیں تو میں آپ کی اس تکلیف کو کب گوارا کرسکتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ سلسلہ بند ہوا چاہتا ہے۔ اور یہ تحقیق عنقریب نیا جنم لیا چاہتی ہے۔
شیخ میرے یہ برجستہ فقرے سن کر نہایت محظوظ ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد فیروز شاہ میں تشریف لائے اور ایک جگہ متعین کر کے فرمایا آپ کو یہاں بیٹھنا اور تصوف کے مشکل سے مشکل اور مغلق مقامات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مقام مشکل حل ہونے سے باقی رہ جائے گا تو اس کا حل کرنا میرے ذمہ ہے۔ چنانچہ اس روز سے میری یہ حالت ہوئی کہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو شیخ کے بتائے ہوئے مقام پر جا کر مطالعہ کرنا اور مشکل مقام خود بخود پانی ہو جاتا۔ یہ تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا کہ اگر میں اس معین جگہ سے ایک بالشت کے فاصلہ کا بھی تفاوت کرتا تو وہاں یہ بات میسر نہیں ہوتی تھی۔

شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب خواجہ نے اپنی تقریر کا سلسلہ یہاں تک پہنچایا تو میں نے عرض کیا معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں سبقوں پر اکتفا کرنا اسی کرامت کے ساتھ مقید ہے۔ خواجہ بھی اگر اس قسم کا تصرف فرمائیں تو بہت ہی مناسب ہوگا۔ خواجہ نے فرمایا میرے اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہی غرض تھی اور تمہیں اس بات پر برانگیختہ کرنا منظور تھا۔ پس اگر آج سے بعد تمہیں کسی علم میں کوئی ایسی مشکل و دقت پیش آئے جو تم سے حل نہ ہو سکی، اُسے مجھ پر ظاہر کرنا انشاء اللہ حل ہو جائے گی۔

شیخ کا بیان ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اُس روز سے مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی گو میں مرزا محمد زاہد کی خدمت میں تحصیل علوم کرتا تھا۔ لیکن حقیقت میں مجھے ہر کتاب کے مضامین پر تمام و کمال عبور حاصل تھا۔ اکثر ایسا اتفاق پڑا ہے کہ میں ایک کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھتا تھا اور آخر حصہ کی لوگوں کی تعلیم دیتا تھا۔

واقعہ مذکورۂ بالا سے جس طرح یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ شیخ عبدالرحیم صاحب کی ابتدائی تعلیم جناب شیخ ابوالرضا محمد کے ہاتھ میں تھی۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ کے سلسلہ اساتذہ میں جناب خواجہ خرد اور مرزا محمد زاہد ہروی بھی داخل ہیں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ شیخ کے اور بھی چند اساتذہ ہیں۔ جن میں سے خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی خصوصیت کے ساتھ نہایت بلند رتبہ کے آدمی ہیں۔ اور جن کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تصوفی تحقیقات میں ہے۔ لیکن حقیقت میں تمام علوم میں اجتہاد

کا درجہ رکھتے تھے اور ہندوستان میں مجتہدین فن تسلیم کئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ شیخ عبدالرحیم صاحب کے جن اساتذہ کی مختصر فہرست نہایت تلاش و جستجو اور سخت جانکاہی سے ہمیں دستیاب ہوئی ہے ان کے نام نامی حسب تفصیل ذیل میں درج ہیں۔ جناب۱ شیخ وجیہ الدین صاحب شہید۔ جناب۲ شیخ ابوالرضا محمد صاحب۔ جناب۳ حافظ سید عبداللہ صاحب۔ جناب۴ خواجہ خورد صاحب۔ جناب۵ خواجہ ابوالقاسم صاحب اکبرآبادی قدس اللہ اسرارہم۔ شیخ وجیہ الدین صاحب شہید کے حالات ہم پہلے حصّہ میں نہایت بسط و شرح کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں۔ اور شیخ ابوالرضا محمد صاحب کے واقعات اسی حصہ کے دوسرے باب میں درج ہوں گے۔ باستثنا ان دونوں حضرات کے باقی اہل کمال کے مختصر حالات اس موقع پر لکھے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ معزز ناظرین خاص دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

حافظ سیّد عبداللہ قدس سرہٗ

سید عبداللہ کا ابتدائی زمانہ

جناب سید عبداللہ صاحب اصل قصبۂ کھیڑی ضلع بارہہ کے رہنے والے ہیں۔ ابھی آپ نہایت کم سن تھے کہ والدین کا سایۂ عاطفت سر پر سے اُٹھ گیا اور اس زمانہ میں آپ کو داعیہ خدا طلبی پیدا ہوا۔ اولیاء اللہ کی جا بجا تلاش کرتے پھرتے اور آخر کار ضلع پنجاب میں ایک بزرگ کے پاس پہنچ کر قرآن مجید حفظ کیا۔ ازاں بعد سامانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ ادریس سامانی کی خدمت میں پہنچے اور محنت و خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سید عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں شیخ ادریس کی صحبت میں حاضر تھا میری عادت ہو گئی تھی کہ فقیروں کے استنجے کے لیے پتھر سے ڈھیلوں کو صاف کیا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے اپنی اس خدمت اور کارگزاری پر خوشی اور خوشی کے ساتھ عجب پیدا ہوا۔ لیکن شیخ نے باطنی اشراق سے خود معلوم کر کے فرمایا عبداللہ! تمہیں میرے چہرے اور بدن پر کچھ کھرچنوں کے نشانات اور تغیرات معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا میں خدا طلبی کے ابتدائی زمانہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور ان کے استنجے کے لیے اپنے بدن اور چہرے سے ڈھیلے صاف کیا کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو

لذت مجھے اس مالش میں حاصل ہوتی تھی اب تک اس کا اثر میرے دل میں باقی ہے۔ یہ زخموں کے نشان اُسی مالش کے اثر ہیں۔

خدمت کارگذاری

سید عبداللہ فرماتے ہیں کہ شیخ ادریس کے زمانہ خدمت میں ایک یہ کام بھی میں نے اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ جمعرات کے روز شیخ اور آپ کے گھر والوں کے میلے کپڑے دریا پر لے جاتا۔ اور اپنے ہاتھ سے صاف کر کے خدمت شیخ میں حاضر کیا کرتا۔ آپ نماز جمعہ اُن ہی سفید کپڑوں کو زیب بدن فرما کر ادا کیا کرتے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جمعرات کو فاقہ کی وجہ سے میری بری حالت تھی اور بھوک کے مارے بیتاب تھا۔ لیکن اسی حالت میں بدستور سابق شیخ کے کپڑے لے کر دریا پر پہنچا اور لوگوں سے پرے ہٹ کر ایک تنہا مقام پر کپڑے دھونے میں مشغول ہوا۔ جوں جوں آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا اور دھوپ میں حرارت و تیزی ترقی کرتی جاتی تھی۔ مجھ پر بھوک اور پیاس غالب ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار میں بے ہوش ہو گیا اور مجھے اپنے آپ تک کی خبر نہیں رہی اسی اثناء میں ایک برقع پوش مرد میرے پاس آیا۔ اور نہایت نرمی اور آہستگی سے مجھے بیدار کر کے برقع کے اندر سے گرما گرم روٹی نکال کر دی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ کیا تم نے قرآن مجید میں آیہ ۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔ نہیں پڑھی ہے۔ میں نے بایں خوف وہ روٹی قبول نہیں کی کہ مبادا یہ شیطان ہو اور مجھے دھوکا دیتا ہو۔ لیکن اس عزیز نے میری یہ اندرونی خلش فوراً دریافت کر لی اور ایک نہایت ہی تسلی کے لہجہ میں فرمایا کہ اے شخص تو اس خیال کو دل سے نکال ڈال اور اس روٹی کو غیبی رزق یقین کر۔ چنانچہ اس کے اس ارشاد سے میرا دلی کھٹکا جاتا رہا۔ اور میں نے خوب سیر ہو کر روٹی کھائی۔ اسی اثنا میں میں نے دل میں کہا کہ دریا کا پانی گرم ہے کاش سرد پانی یہاں ہوتا تو بہت اچھا ہوتا۔ میرے دل میں اس خطرہ کے گذرتے ہی برقع پوش نے مجھے ٹھنڈا پانی دیا۔ جسے میں نے خوب سیر ہو کر پیا ازاں بعد کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا سید اتم نے خضر کے[1] ہاتھ سے روٹی لے کر کھائی بہتر کیا۔ لیکن محمدیوں کو خضر کا احسان اٹھانا زیبا نہیں ہے۔

---

[1] یہ بات تحقیق کے خلاف ہے۔ (ناشر)

شیخ آدم کی صحبت و خدمت

الغرض جب شیخ ادریس صاحب کا انتقال ہو گیا تو محترم بزرگ سید عبداللہ جناب شیخ آدم کی خدمت میں پہنچے اور چونکہ ان کا طریقہ آپ کو بہت پسند آیا۔ اس لیے زمانہ دراز تک اُن ہی کی صحبت میں زندگی بسر کی۔

سید عبداللہ کی خوش لحنی

بزرگ سید عبداللہ کے عام اوصاف اور خاص فضائل سے قطع نظر کر کے آپ خوش لحنی اور ملکۂ علم تجوید خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ یہ خصوصیت روزِ ازل سے آپ ہی کے حصّہ میں تھی، کہ جب قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوتے تو جس قدر چرند پرند اس کی طرح گر پڑتے۔

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ سید عبداللہ کچھ ایسے درد انگیز لہجہ میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے کہ تمام حاضرین پر ایک طرح کی محویت طاری ہو جاتی تھی۔ اور جس قدر لوگ مسجد میں موجود ہوتے تھے۔ سب محو سماع ہو جاتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ دارالشکوہ کے قاریوں میں سے نو مشہور و منتخب قاری آپ کے امتحان کے لیے آئے جن میں سے ہر ایک شخص قواعد تجوید میں ید طولےٰ رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے استدعا کی کہ قرآن کا کچھ حصہ ہمارے سامنے پڑھیے۔ سیدؒ نے فرمایا کہ اگر تمہیں ایک دو رکوع سننے ہیں تو میں ابھی پڑھتا ہوں۔ اور اگر زیادہ کی رغبت ہے تو تھوڑی دیر توقف کرو۔ چاشت کی نماز کے بعد حسب دستور دو سیپارہ پڑھوں گا۔ چنانچہ وہ نماز چاشت تک ٹھہرے رہے۔ اور آپ نے نماز کے بعد دو سیپارہ پڑھے۔ معترضوں نے اگرچہ اعتراض کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اُنہیں کوئی اعتراض کرتے بن نہ پڑا۔ زاں بعد سید نے فرمایا کہ لوگ قرارت سبعہ کو باین طریقہ پڑھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ چند طریقوں سے تلفظ کرتے ہیں مگر یہ طریقہ میرے نزدیک ذرا بھی وقعت نہیں رکھتا میں اس طرز کو پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ صرف عاصم کی کسی طریقہ پر تلاوت کی جائے اور اس میں دوسرے طریقہ کا ذرا بھی اختلاط نہ ہو پھر ابو عمر کے قاعدہ کے مطابق اور اسی طرح ساتوں قاریوں کے قرأت پڑھے۔ ممتحن لوگ آپ کی اس تقریر سے حیرت زدہ ہو گئے اور کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہی۔

سیدؒ کی باطنی تصرفات

محترم بزرگ سیدؒ کی باطنی تصرفات اور روحانی توجہات کے بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں۔ جنہیں میں اس

مقام پر ذکر کر کے کتاب کو طول نہیں دیتا۔ مختصراً اس قدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ کہ آپ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک پاک باز اور متشرع ولی میں ہونا چاہئیں اور جن کی نظیر سے اُس عہد کے مشائخ کے حلقے بالکل خالی نظر آتے تھے۔ علوم و فنون اور عام خاندانی حیثیت سے قطع نظر کر کے ربانی قابلیتوں اور فطری ضمیری جوہروں نے آپ کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اور آپ کی معجز نما کرامتوں کے ڈنکے ایک عالم میں بج گئے تھے آپ کا انتقال اکبر آباد میں ہوا۔ شیخ عبدالرحیم صاحب خود اپنی قلم سے لکھتے ہیں۔ کہ جس زمانہ میں اورنگ زیب اکبر آباد میں جلوس فرما تھا میں اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی زمانہ میں سید عبداللہ بھی۔ سید عبدالرحمان کے ساتھ اکبر آباد میں تشریف رکھتے تھے۔ وہیں آپ بیمار ہوئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے قبرستان کے ایسے موقع میں دفن کرنا جہاں کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق وقت سے میں اس وقت بیمار تھا اور سخت بیمار تھا۔ مرض نے مجھے یہاں تک ضعیف و کمزور کر دیا تھا کہ سید عبداللہ کے جنازہ کے ساتھ تک جا نہ سکا۔ لیکن جب مرض میں تخفیف ہوئی اور کچھ قوت آتی چلی تو میں ایک ایسے شخص کو ہمراہ لے کر روانہ قبرستان ہوا۔ جو بزرگ سید کے دفن میں شریک تھا قبرستان پہنچ کر جب میں نے ممدوح کے مرقد کی زیارت کرنے کا قصد کیا اور ہمراہی سے دریافت کیا تو وہ سید کی قبر بتا نہ سکا۔ لیکن قیاس سے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سید کا مزار ہے۔ میں اس جگہ بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ دفعتہً بزرگ سید نے مجھے پس پشت سے آواز دی کہ عبدالرحیم! فقیر کی قبر یہ ہے۔ لیکن تم نے جو کچھ پڑھنا شروع کیا ہے اُسے وہیں تمام کرو اور اُسی قبر کی میت کو ثواب پہنچاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ قرات سے فارغ ہو کر میں نے اپنے ساتھی سے کہا ذرا غور سے دیکھ کر جس قبر کی طرف تو نے اشارہ کیا ہے حقیقت میں بھی سید عبداللہ کی قبر ہے یا میرے پس پشت واقع ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں عرصہ سے اس میں غور کر رہا ہوں۔ لیکن آپ کے کہنے سے مجھے یاد آگیا کہ دراصل مجھ سے چوک ہو گئی تھی۔ بلاشک سید صاحب کی قبر شریف آپ کی پشت ہی کی طرف واقع ہے۔ میں وہاں سے اُٹھ کر محترم سید کے مزار پر آیا۔ اور قرآن پڑھنے لگا اس وقت مجھے غم و اندوہ کی وجہ سے کچھ ایسی برخاستگی طبع حاصل ہوئی کہ قرات کے

قواعد کی رعایت بخوبی نہیں کر سکا۔ دفعتہً قبر کے اندر سے آواز آئی کہ عبدالرحیم! تم نے فلاں فلاں مقام پر مساہلہ کیا۔ حالانکہ قرارت کے بارہ میں تابہ امکان احتیاط کرنی چاہیے۔

خواجہ خُرد قدس سرہٗ

خواجہ خرد کے ابتدائی واقعات

خواجۂ خرد۔ جناب خواجہ محمد باقی کے فرزند رسید اور اہل کمال میں بڑے پایہ کے شخص ہیں۔ ہنوز آپ صغیر سن اور کمسن ہی تھے کہ آپ کے والد بزرگوار خواجہ محمد باقی رہگرائے سفر آخرت ہو گئے تھے۔ جب آپ نے عمر کے ابتدائی مراحل طے کر کے سن رشد میں قدم رکھا۔ تو شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور زمانہ دراز تک اُن کی خدمت میں فیض یاب رہے۔ بعدازاں آپ خواجہ حسام الدین اور شیخ الہداد کے پاس تشریف لائے، جو خواجہ محمد باقی کے مشہور و ممتاز خلیفے تھے۔ یہاں سے آپ نے اجازت اور اخذ طریقہ کی سند حاصل کی اور درس و تدریس کا دروازہ کھولا۔

خواجہ خرد کے اگرچہ ایک اور بھائی بھی تھے جو عمر میں بڑے اور علم و فضل میں آپ سے افضل تھے۔ لیکن باطنی تصرفات اور روحانی توجہات میں جو شہرت آپ کو حاصل تھی وہ خواجہ کلاں کو میسر نہ تھی۔ خواجہ کلاں اس خاص صفت میں آپ کی ہمسری اور برابری کا دعوےٰ نہ کر سکتے تھے۔ آپ کے باطنی علم نے تمام ملک میں شہرت عام پیدا کر دیتی تھی۔ اور طالبانِ حق دور دراز ملکوں سے خطرناک اور دشوار گذار راہیں طے کر کے خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ علماء، فضلاء، مشائخ کا مجمع ہمیشہ آپ کی درگاہ میں رہتا تھا۔ اور سینکڑوں طلبہ کامیاب اور بامراد ہو کر جاتے تھے۔ آپ کی کرامات کے واقعات نہایت دلچسپ ہیں۔ منجملہ ان کے دو ایک واقعات اس جگہ قلمبند کئے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور میرے ساتھ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت آپ کو طلبہ کو سبق پڑھا رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے نہایت بیتاب تھے۔ رفتہ رفتہ بھوک یہاں تک غالب ہوئی کہ آپ سبق پڑھا نہ سکے ایک شخص کو گھر بھیجا کہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو لے آئیے۔ لیکن گھر والوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہمارے پاس بجز دو ایک

لقموں کے جو بچے کے واسطے رکھے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ گھر میں دو ایک لقموں کے سوا اور کچھ کھانا نہیں ہے۔ اور وہ بھی بچے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ فرمایا اُس میں سے تھوڑا سا لے آؤ۔ چنانچہ خادم دوبارہ گیا اور ایک چھوٹی تشتری میں تھوڑا سا کھانا لے آیا۔ آپ نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ بھی فقیر کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ اس بات کا خیال نہ کرو کہ کھانا تھوڑا ہے۔ خدا برکت دے گا۔ اور تم سب سیر ہو کر کھا لو گے۔ حاضرین کو آپ کے اس ارشاد سے تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت ہوئی۔ خواجہ نے ہم دونوں بھائیوں کو خصوصیت کے ساتھ مکرر فرمایا۔ اور اس وجہ سے ہمیں آپ کے ساتھ ضرور شریک ہونا پڑا۔ انجام کار ہم تینوں شخصوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور تشتری میں اُسی قدر کھانا بچ رہا جس قدر خادم گھر سے لایا تھا۔ آپ نے تشتری خادم کے حوالہ کی اور فرمایا یہ بچے کے لیے لے جاؤ۔

۲۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خواجہ خُرد کے پاس ایک شخص نے آکر التماس کی کہ بادشاہ مجھے ایک مہم سر کرنے کی غرض سے ایک بہت دُور مقام پر بھیجتا ہے۔ اول تو وہ ملک ہی نہایت دور ہے۔ دوسرے دشمن تعداد میں کثیر اور اسباب جنگ میں ید طولےٰ رکھتے ہیں بخلاف اس کے نہ تو میرے پاس اس قدر جنگی سامان ہی ہے نہ جنگی فوج ہی۔ اور سب سے زیادہ مصیبت کی یہ بات ہے کہ بادشاہ سے کسی طرح عذر نہیں کر سکتا۔ آپ مجھ پر توجہ کیجیے اور اس نازک اور خطرناک موقع پر امداد فرمائیے۔ خواجہ نے بطریق خوش طبعی فرمایا کہ کچھ نقدی پیش کرو تاکہ ہماری خاطر تمہاری توجہ ہو۔ زاں بعد آپ نے فرمایا کہ تم فلاں روز جنگ کرنا اور اپنی قلت دشمنوں کی کثرت سے ذرا بھی خوف نہ کرنا انشاءاللہ فتح یاب ہو گے۔ شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو دن میں نے اس شخص کے لیے مقرر کیا ہے اُسے یاد رکھنا اور جب وہ وقت آجائے تو مجھے یاد دلانا۔ چنانچہ جب وہ وقت ہوا تو میں نے خواجہ کو یاد دلایا۔ آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور مجھے دروازہ پر بٹھا کر فرما گئے کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ آپ شاداں و فرحاں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں عین معرکۂ جنگ میں پہنچا۔ حقیقت

میں دشمنوں کی تعداد بکثرت تھی اور یہ لوگ نہایت ہی قلیل تھے۔ اول مرتبہ اگرچہ ان مٹھی بھر آدمیوں کو شکست ہوئی۔ لیکن اس عزیز نے نہایت ثابت قدمی کی اور اپنی جگہ سے تل بھر نہ ہٹا اسی اثناء میں معرکۂ جنگ میں پہنچ گیا۔ اور خدا کے فضل سے اس عزیز کی فتح ہوئی۔ بہت سے دشمن قتل کئے گئے اور بقیہ السیف شکست کھا کر بھاگ گئے۔ میں نے اس تمام واقعہ کو ایک کاغذ پر لکھا ہے اور دن تاریخ وغیرہ ثبت کر کے اپنے پاس رکھا ایک عرصہ کے بعد اس شخص کا خط آیا اور جو کچھ خواجہ نے بیان فرمایا تھا بجنسہ وہی باتیں خط میں مندرج تھیں۔

۳۔ خواجہ خرد زور کوشک کے محلہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کی کہ حضور مجھ پر کوئی ایسی توجہ فرمائیے کہ تحصیل علم سے فراغت پا جاؤں فرمایا کہ میں تمہارے اس سوال کا عنقریب جواب دوں گا اور جواب شافی دوں گا۔ وہ شخص تو اپنے گھر چلا آیا۔ اور خواجہ نے اس کے عقب میں ایک شخص روانہ کیا اور ایک رقعہ اس کے ہاتھ لکھ کر بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ کل انشاءاللہ تم تمام علوم سے فارغ التحصیل ہو جاؤ گے۔ وہ شخص یہ غیر مترقبہ بشارت سن کر نہایت متعجب ہوا۔ دوسرے روز اتفاق سے یہ شخص سو گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے اس جہان کو رخصت کر گیا۔

باوجود اس عظمت وبجودت اور باطنی وظاہری کمالات کے خواجہ خرد کے مزاج میں حد سے زیادہ عاجزی وانکساری تھی۔ آپ ہر شخص کے ساتھ اپنے عام متواضعانہ اخلاق سے پیش آتے اور اہل علم کے اعزاز ووقعت میں پلے درجہ کی کوشش کرتے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ عبدالرحیم صاحب آپ کی درس گاہ میں تشریف لے گئے اس وقت خواجہ تو چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور تمام طلبہ بوریئے پر بیٹھے ہوئے تھے جوں ہی شیخ صاحب درس گاہ میں داخل ہوئے خواجہ نے انتہا سے زیادہ تعظیم کی خود پائنتی اور شیخ کو سرہانے کی جانب بٹھایا۔ ہر چند شیخ صاحب نے مقام صدر میں بیٹھنے کو بے ادبی سمجھا اور بہت کچھ معذرت کی لیکن خواجہ نے باصرار تمام آپ کو مقام صدر میں بیٹھنے پر مجبور کیا۔ اس تعجب خیز معاملہ سے تمام حاضرین دریائے تحیر میں غرق ہو گئے۔ انجام کار خواجہ رحمت اللہ آپ کے فرزند رشید نے اٹھ کر التماس کی کہ حضرت! اس مجلس میں بعض لوگ ایسے بھی موجود ہیں

جو عمر میں سب سے بڑے اور فضل و علم میں سب سے افضل ہیں اور اس درجہ سے تعظیم و تکریم کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ باوجود اس کے آپ کے شیخ عبدالرحیم صاحب کو اس اعزاز کے ساتھ خاص کرنے میں کیا نکتہ ہے۔ خواجہ نے فرمایا شیخ عبدالرحیم کی خصوصیت کے ساتھ تعظیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو مجھے یہ بات دکھانی مقصود تھی کہ جو وقعت و بزرگی اس محترم اور جلیل القدر خاندان کی میرے دل میں ہے تم اُسے محسوس کر کے اس معاملہ میں میری تقلید کرو اور جس طرح میں ان کی تعظیم و توقیر کرتا ہوں اسی طرح تم بھی انہیں نگاہ وقعت سے دیکھو۔ جس زمانہ میں ان کے جد امجد شیخ رفیع الدین صاحب کی خدمت میں حاضر تھا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا تو شیخ صاحب کا دستور تھا کہ جب میں حاضر ہوتا تھا اسی تواضع سے پیش آتے تھے۔ باوجودیکہ وہ میرے استاد تھے اور میں نے ان کی خدمت میں بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا۔ علیٰ ہٰذالقیاس جناب شیخ رفیع الدین صاحب جب ہمارے والد بزرگوار خواجہ محمد باقی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ بھی آپ کے ساتھ یوں ہی پیش آتے تھے حالانکہ شیخ صاحب خواجہ کے مشہور خلیفہ تھے۔ خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ نے چونکہ سلوک کے ابتدائی زمانہ میں شیخ قطب العالم جناب شیخ رفیع الدین صاحب کے والد بزرگوار کی خدمت میں تحصیل علوم کی تھی اور ان سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا تھا۔ بایں لحاظ ہمیں اپنے اس محسن خاندان سے اسی طرح کا سلوک کرنا زیبا ہے۔

شیخ عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن خواجہ خرد کے خدام میں سے ایک خادم شراب کے نشہ میں مست تھا۔ ایسے موقعہ پر مجھے اس کے ساتھ بحث کرنے کا اتفاق پڑا چونکہ وہ مخمور تھا اور میری ہر بات کا جواب نامعقول دیتا تھا۔ اس لیے میری طبیعت منغص ہوگئی اور اب میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اس کے بعد یہاں کبھی نہیں آؤں گا۔ ابھی دو تین ہی روز گذرے تھے کہ خود خواجہ تشریف لائے اور میرے مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک بڑھیا سے میرا پتہ پوچھا اس نے جواب دیا کہ عبدالرحیم اس وقت سوتا ہے فرمایا جب وہ بیدار ہوں تو کہہ دینا خرد تمہیں ڈھونڈتا آیا تھا۔ اور اب وہ جسو کی مسجد میں ملے گا۔ چنانچہ جب میں بیدار ہوا تو بڑھیا نے سارا ماجرا مجھ سے بیان کیا۔ میں فوراً اس مسجد میں پہنچا خواجہ خرد اپنا عمامہ سر کے نیچے رکھے ہوئے بے تکلف سوتے تھے بس جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی خواجہ اُٹھے اور نہایت مہربانی کے ساتھ

پیش آئے۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ اور انتہا سے زیادہ میری دلجوئی کی۔

خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی قدس سرہٗ

خلیفہ ابوالقاسم۔ ملا عمر کے داماد تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور و معتبر علماء میں ایک منتخب اور ممتاز عالم و فاضل گنے جاتے تھے۔ شرح ملا پر جو ایک بسیط اور نہایت مفید و کارآمد حاشیہ ہے وہ ملا عمری کی خداداد قابلیت اور ذہانت کا بدیہی نتیجہ ہے۔ خلیفہ ابوالقاسم ملا ولی محمد کے شاگرد رشید ہیں۔ جو اعیان دولت اور رؤسا شہر میں شمار کئے جاتے۔ اور حضرت امیرؒ[1] کے ممتاز و معزز علماء میں گنے جاتے تھے حضرت امیر کے خلفاء میں آپ

---

[1] حضرت امیر ابوالعلےٰ کے والد بزرگوار میر ابوالوفا اور دادا امیر عبدالسلام ہیں۔ میر ابوالوفا خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ احرار کی اولاد میں ہیں۔ حضرت امیر ابوالعلےٰ والد کی طرف سے حسینی سید اور میر تقی الدین کرمانی کی اولاد میں سے ہیں جس زمانہ میں ان کے والد ماجد اور جد امجد سمرقند کو چھوڑ کر ہندوستان کو عبور کرتے ہوئے مکہ معظمہ جا رہے تھے یہ اس زمانہ میں حالت سفر میں پیدا ہوئے ان کے والد اور دادا ارض حجاز میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے خواجہ فیضی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی جو اس زمانہ میں مان سنگھ پورب کے گورنر کی رفاقت میں ایک معزز و ممتاز عہدہ رکھتے تھے۔ جب میر ابوالعلےٰ ابتدائی زمانہ کے مرحلے طے کر کے سن بلوغ کو پہنچے اور عالم شباب میں قدم رکھا تو خواجہ فیضی کا سایہ بھی آپ کے سر پر سے اُٹھ گیا۔ فیضی کے انتقال کے بعد آپ چندروز تک نوکر پیشہ رہے اور سپاہیانہ طریق پر زندگی بسر کی۔ اسی اثناء میں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگ کھڑے فرما رہے ہیں کہ ابوالعلےٰ تم نے یہ کیا وضع اختیار کر رکھی ہے تم وہی وضع رکھو جس وضع میں ہمیں دیکھ رہے ہو اور اسباب معاش کی طرف سے ذرا بھی متفکر نہ رہو کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ ازاں بعد ان بزرگوں میں سے ایک نے اُسترہ نکال کر میر ابوالعلےٰ کا سر مونڈا اور دوسرے نے اپنا قمیص ان کے زیب بدن کیا تیسرے نے اپنی دستار عنایت کی۔ میر ابوالعلےٰ یہ دیکھ کر بڑی بیتابی کے ساتھ چونک پڑے اور اسی وقت سے ان کے دل میں ایک طرح کا قلق و اضطراب پیدا ہوا۔ ہر چند چاہا کہ نوکری کو بالائے طاق رکھیں لیکن مان سنگھ مانع آیا اور آپ کا

بالکل وہی نسبت رکھتے تھے جو نسبت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین صاحب قدس سرہٗ کے اصحاب میں حاصل تھی۔ خلیفہ ابوالقاسم نے تمام علوم کی تحصیل، ملا ولی محمد سے کی اور ان ہی کی خدمت میں علم باطنی حاصل کر کے بیعت کی۔ آپ ہمیشہ گمنامی اور عزلت نشینی کو دوست رکھتے تھے اور یہی طریقہ آپ پر غالب تھا۔ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا اور ابناء ملوک کی صحبت اپنے حق میں سم قاتل سمجھتے تھے۔ آپ کا مشرب ترک اکساب اور توکل کلی تھا یہی وجہ تھی کہ اکثر اوقات آپ کی زبان پر جاری رہتا تھا کہ ولی کے تین نشان لوگوں میں مشہور ہیں لیکن چوتھا نشان یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ

(بقیہ حاشیہ) استغفار منظور نہیں کیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ چند اس قسم کے اسباب جمع ہو گئے جن سے طوعاً و کرہاً امیر ابوالعلےٰؒ کو ملازمت ترک کرنی پڑی۔ ملازمت کے تعلق سے سبکدوش ہوتے ہی آپ ہمہ تن خدا طلبی میں مصروف ہو گئے۔ اغلب اوقات خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے مزار کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے قسم قسم کے فیوض سے بہرہ ور ہوئے زاں بعد آپ نے امیر عبداللہ سے بیعت کی جو آپ نے عم بزرگوار اور بڑے محترم و معزز شخص تھے۔ گویا آپ بظاہر نوکری پیشہ تھے۔ لیکن حقیقت میں ولایت کے آثار ان کی تاباں پیشانی صاف عیاں تھے حضرت امیر العلےٰ پر ایک دفعہ فالج گرا جس سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی لیکن آپ نے اس وقت بھی محنت و جانفشانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ گو آپ کی طہارت و وضو کے وقت بہت ہی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ مگر تو بھی کبھی بے وضو نہ رہتے تھے۔ ایک دن آپ یہ بیت پڑھ رہے تھے ؎

در دم از یار است و درمان نیز ہم　　　دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

اسی بیت کو پڑھتے پڑھتے آپ پر ایک قوی وجد طاری ہوا۔ جس کی حرارت سے تمام اعضا کھل گئے اور ان میں اصلی قوت عود کر آئی آپ کو وہ قوی جذب اور باطنی تصرف حاصل تھا کہ جس شخص پر نظر خاص ڈالتے بے خود ہو کر مردہ کی طرح گر پڑتا۔ آپ کا طریقہ بجز اتباع شریعت نبوی اور پیروی جادہ محمدی کے اور کچھ نہ تھا شرعی احکام سے کبھی سر مو انحراف نہ کرتے بلکہ آپ کے تمام اقوال و افعال شریعت کے مطابق ہوتے اول اول آپ کے تمام تلامذہ اور مرید جیسے ملا ولی وغیرہ بالکل آپ کے ہی قدم بقدم چلتے تھے۔ اور آپ کے طریقہ و روش کے ذرا بھی مخالف نہ تھے لیکن ان کے بعد ایک قوم پیدا ہوئی جنہوں نے بحکم ؎ بدنام کن مرد نکو نامی چند کے نفسانی خواہشوں کی پیروی اختیار کی

بدون کسی واسطہ کے اس کی معیشت کا متکفل اور ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں حقیقت میں جناب خلیفہ ابوالقاسم کے توکل کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔ اور چونکہ آپ کو حقیقی توکل حاصل تھا۔ اس لیے خدا تعالےٰ آپ کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کا خود کفیل ہو گیا تھا۔ اگرچہ آپ معاش کا کوئی سبب اور وسیلہ نہ رکھتے تھے لیکن ہمیشہ خوشحالی اور نہایت آسودگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے گھر میں گھی ختم ہو چکا اور دوسرا گھی کہیں سے نہ آیا خلیفہ متحیر تھے اور بغیر گھی کے کھانا تناول فرماتے تھے۔ ایک روز کسی تقریب سے آپ گھر میں تشریف لے گئے اور بالا بالا گھر کی تلاشی لی معلوم ہوا کہ گھی کی ایک ٹھلیا کسی نے مخفی کر کے رکھ دی ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ گھی نہ آنے کا یہی سبب تھا چنانچہ خلیفہ نے اُسے فوراً خرچ کر ڈالا اور اسی اثناء میں بہت سا گھی ہدیۃً آ گیا۔

(بقیہ حاشیہ) اور عقائد فاسدہ پر کاربند ہو کر آیہ ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ مبین کے مصداق قرار دیے گئے۔ حضرت امیر ابوالعلی کا دامن اس قسم کے گندگیوں سے بالکل پاک اور ستھرا ہے چنانچہ ملا لطف اللہ جامع مقامات میں حضرت امیر نے اس امر کو اپنی تالیف میں خوب واضح کر کے بیان کیا ہے۔ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالعلی کے فرزند رشید امیر نورالعلی سے ملا حقیقت میں جن کمالات کے ساتھ آپ موصوف تھے دوسرے لوگوں میں اُن کی نظیر مشکل پائی جاسکتی تھی جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف اور لائق تقلید آپ میں پائی جاتی تھی وہ آپ کی راستبازی اور صادق القول تھی۔ میں نے جہاں تک لوگوں پر خیال دوڑایا کوئی شخص آپ سے زیادہ راستباز اور سچا نہیں پایا میں نے ایک دن ان سے مل کر پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلی سماع کی طرف بہت راغب تھے فرمایا مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے کبھی راگ سنا ہو ہاں چند بار ایسا ہوا ہے کہ آپ کے حضور میں کسی نے کوئی غزل یا قصیدہ پڑھا اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا۔ دوبارہ میں نے دریافت کیا لوگ کہتے ہیں کہ امیر ابوالعلی جس شخص پر نظر خاص ڈالتے یا اپنے منہ کا چبا ہوا پان کسی کے منہ میں ڈال دیتے تو وہ بیہوش ہو جاتا تھا فرمایا کلیۃً یہ بات نہ تھی البتہ گاہے گاہے ایسا ہوتا تھا خود میں نے ہزارہا دفعہ آپ کے منہ کا پان کھایا ہے لیکن کبھی بے ہوش نہیں ہوا۔ امیر نورالعلی بہت روز آپ کی خدمت میں رہے ہیں اور امیر ابوالعلی سے کلاہ اور خرقہ پایا ہے ۱۲ منہ

خلیفہ ابوالقاسم جب علوم دینی کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور ارشاد و تکمیل کے درجہ کو پہنچ گئے۔ نیز طالبان حق کی گودیاں فوائد و فیوض سے لبریز کر چکے تو آپ کو سفر حج کی عزیمت پیدا ہوئی گھر سے باہر تشریف لائے اور بغیر ترتیب زاد و راحلہ اور بدوں گھر والوں سے ملے چلے۔ عرب کی طرف توجہ مبذول فرمائی رستہ میں آپ کے بعض مخلص اور بے ریا معتقدین بھی آپ کے ہمراہی ہو لیے لیکن آپ نے مجرد اور تنہا لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی اور جو لوگ اہل و عیال رکھتے تھے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا چونکہ ہم نے ایک دور دراز سفر کا قصد کیا ہے اور سامان سفر سے خالی ہاتھ ہیں۔ اس لیے عجیب نہیں کہ ارض حجاز اور اس کے اطراف میں ہمیں ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ تم لوگ اہل و عیال رکھتے ہو لہذا میں تمہارا اہل و عیال ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ زاں بعد آپ متوجہ ارض حجاز ہو گئے۔ اور اسی بے سر و سامانی کی حالت سے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ایک مدت تک حجاز میں رہے۔ اور پھر صحیح و سالم وطن مالوف میں تشریف لائے۔ اس مابین سفر میں بہت سی خوارق عادات باتیں اور تعجب ناک واقعات آپ سے ظہور میں آئے جن میں سے بعض واقعات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

خوارق عادات

ازاں جملہ یہ کہ خلیفہ کے یاروں میں یہ بات مشہور تھی کہ جس وقت آپ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلے ہیں تو آپ کی جیب میں بجز ایک پاؤلی کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ آپ اس دور دراز سفر میں کبھی اور کسی مقام پر محتاج نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ جب سفر سے مراجعت فرما کر گھر تشریف لائے تو ہنوز وہ پاؤلی جیب خاص میں تھی۔ شیخ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس واقعہ کی شہرت سنی تو خلیفہ سے اس کی بابت دریافت کیا فرمایا عبدالرحیم! اب تک کسی نے مجھ سے اس واقعہ کو دریافت نہیں کیا۔ نہ میں نے اس کا بھید کسی پر ظاہر کیا اصل قصہ یہ ہے کہ جب میں حج کے ارادہ سے شہر سے نکلا تو ایک اجنبی شخص میرے پاس آیا اور ایک پاؤلی بطرز نیاز پیش کی میں نے اس سے لے کر جیب میں ڈال لی۔ پھر خدا تعالے نے خود بخود سامان مہیا کر دیئے اور مجھے اس پاؤلی کے خرچ کرنے کی حاجت نہیں پڑی اسی طرح جب میں نے میلے کپڑے اتار کر اجلے کپڑے پہنے تو یاروں نے میرے میلے کپڑے لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیے اور خدا تعالے نے مجھے دوسرے کپڑے عنایت

فرمائے۔ غرضکہ مابین سفر میں نہ مجھے کپڑوں کی ضرورت پڑی اور نہ اس پاؤلی کی حاجت ہوئی جب میں گھر آیا تو وہ کپڑے اور پاؤلی برآمد ہوئی اور لوگوں میں یہ بات شہرت پکڑ گئی۔

ازآں جملہ یہ کہ ایک دن اپنے جہاز میں بیٹھے ہوئے اپنے یار دوستوں سے اولیاء اللہ کے مقامات و کرامات کا ذکر چھیڑ دیا تھا اور بیان کا سلسلہ یہاں تک پہنچایا تھا کہ خدا کے برگزیدہ اور مقبول بندے دور و دراز مسافت کو چشم زدن میں طے کر لیتے اور پانی پر اسی طرح دوڑتے ہیں جیسے زمین کی سطح پر۔ ناخدا نے آپ کی یہ تقریر سن کر کہا کہ اس قسم کے جھوٹے قصے اور بناوٹی کہانیاں بہت سنی گئی ہیں۔ میں نے تو کسی کو بھی ایسا نہیں دیکھا خلیفہ نے جوں ہی ناخدا کا یہ مضحکہ آمیز قول سنا آپ کی غیرت کی رگ حرکت میں آئی فوراً سمندر میں کود پڑے اور بلا تکلّف پانی کی سطح پر چلنے لگے۔ جہاز والوں نے ناخدا کو سخت ملامت کی اور وہ بھی نادم و پشیمان ہوا کہ ایک فقیر میرے مجادلہ کے سبب سے معرض ہلاکت میں پڑا ادھر آپ کے بے ریا معتقدین آپ کی مفارقت کے رنج میں سخت محزون و متالم ہوئے کہ دفعتہً خلیفہ نے باآواز بلند فرمایا کہ لوگو! میں بخیریت ہوں اور سطح آب پر بلا تکلف سیر کر رہا ہوں تم ذرا رنج نہ کرو۔ یہ صورت دیکھ کر ناخدا اور تمام اہل جہاز نے توبہ کی اور نیازمندی و عاجزی کا اظہار کر کے خلیفہ کو سمندر سے جہاز میں لائے اور خاطر و مدارات کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

ازآں جملہ یہ کہ یمن میں ایک بزرگ متوطن تھے۔ جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے نسلاً بعد نسل حضرت غوث الاعظم کی کلاہ شریف تبرکاً حاصل کی تھی اور جو ارض حجاز اور اُس کے اطراف میں ایک معزز و ممتاز شخص شمار کیا جاتے تھے۔ جب بزرگ خلیفہ ابوالقاسم مکہ معظمہ میں پہنچے تو ایک رات حضرت غوث الاعظم نے اس شخص کے خواب میں تشریف لا کر فرمایا کہ یہ کلاہ جو تمہارے پاس بطریق امانت ہے خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کے حوالہ کر دو۔ صبح کو جب یہ بزرگ اُٹھے تو انہیں خیال آیا کہ حضرت غوث الاعظم نے جو خلیفہ ابوالقاسم کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے تو اس تخصیص میں کوئی خاص وجہ مضمر ہے۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ کے امتحان کی غرض سے ایک قیمتی اور وزنی جبہ کلاہ کے ساتھ منضم کیا اور پوچھتے پوچھتے خلیفہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یہ دونوں تبرک حضرت غوث الاعظم کے ہیں جن کی بابت مجھے خواب میں ارشاد ہوا ہے کہ ان امانتوں کو آپ کے سپرد کر

دوں۔ خلیفہ نے کلاہ اور کلاہ کے ساتھ جبہ کو قبول کیا اور نہایت مسرور و شاداں ہوئے زاں بعد اس بزرگ نے کہا چونکہ یہ تبرک خدا کی ایک نعمت عظیم ہے اس لیے آپ کو اس کے شکریہ میں بہت سا کھانا پکا کر شہر کے رؤساء کو مدعو کرنا چاہیئے خلیفہ نے فرمایا تم ہی رؤساء شہر کی دعوت کر دو۔ اور کل سب کو لے کر آجاؤ ہم وافر کھانا تیار کر دیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن علی الصباح وہ بزرگ رؤساء شہر کو ساتھ لے کر آیا اور سیر ہو کر کھانا تناول کیا۔ جب کھانا کھا چکے اور فاتحہ سے فارغ ہو گئے تو اس بزرگ نے خلیفہ سے کہا کہ جب آپ متوکل ہیں اور معاش کے ظاہری اسباب نہیں رکھتے ہیں تو فرمایئے کہ اس قدر کھانا کہاں سے مہیا ہوا۔ آپ نے ایک نہایت خوش آیندہ تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے جبہ کو فروخت کر کے کھانے کا سامان مہیا کیا یہ کہنا تھا کہ اس عزیز نے ایک شور مچایا اور زاری و فریاد شروع کی کہ میں نے اس فقیر کو اہل دل خیال کیا تھا۔ لیکن افسوس میرا خیال بالکل غلط ثابت ہوا اور یہ شخص نہایت ناقابل ظاہر ہوا۔ حقیقت میں یہ ایک مکار شخص ہے جو فقیروں کے لباس میں لوگوں کو دھوکا دیتا پھرتا ہے۔ حیف اس نے ان عظیم الشان تبرکات کی کچھ قدر و منزلت نہ کی اور چند حقیر داموں پر فروخت کر دیا۔ خلیفہ ابوالقاسم نے ایک نہایت تندی اور تیزی کے لہجہ میں فرمایا کہ بس خاموش رہ زیادہ گندنہ مچا۔ جو تبرک تھا اُسے ہم نے تعویذ بازو بنا کر رکھا ہے اور جو دراصل تبرک نہ تھا۔ بلکہ ہمارے امتحان کی غرض سے تو نے پیش کیا تھا اُسے ہم نے فروخت ڈالا۔ اور حقیقی تبرک کے شکرانہ میں صرف کر دیا۔ یہ سن کر وہ بزرگ متنبہ ہوا اور تمام اہل مجلس سے حقیقت حال بیان کیا۔ حاضرین مجلس کی زبان سے ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ نکلا کہ الحمدللہ یہ تبرک ایک ایسے شخص کو پہنچا جو اس کا اہل اور مستحق تھا۔

خلیفہ ابوالقاسم اگرچہ امیر ابوالعلیٰ کی صحبت میں بھی پہنچے ہیں اور ان کی خدمت سے بھی بے انتہا فوائد اُٹھائے ہیں لیکن ارتباط استفاضہ اور بیعت ملّا ولی محمد ہی کی خدمت میں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت امیر نے خلیفہ سے فرمایا کہ تم ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے جواب دیا کہ چونکہ ملّا ولی محمد خود حضرت امیر کی خدمت سے فیض یاب ہیں اور اس عاجز نے تمام علوم کی تحصیل اُن ہی کی خدمت میں کی ہے اور ان ہی کی جناب میں الفت تمام رکھتا ہے اس لیے ارتباط بیعت بھی ان ہی کے حضور میں بہتر و مناسب رکھتا حضرت امیر ابوالعلیٰ نے آپ کی یہ شستہ تقریر سُن کر تبسم کیا اور مرحبا کہہ کر دعائیں دیں آپ

کا انتقال اکبر آباد میں ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اجازت عامہ

ہمیں اُن حضرات کی تعداد صحیح اندازے کے ساتھ بتانا سخت مشکل ہے۔ جن سے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے اجازت عامہ حاصل کی۔ کیونکہ باوجود ہزار تلاش و تتبع کے ہنوز کوئی ایسی مفصل فہرست دستیاب نہیں ہوئی جس سے اس بات کا پتہ چل سکے۔ لیکن قیاس اس بات کو چاہتا ہے کہ آپ کو مختلف اشخاص اور متعدد اساتذہ سے اجازت عامہ حاصل ہوئی۔ کیونکہ آپ جن حضرات کی خدمت میں استفادہ کے لیے حاضر ہوئے اور جس علم کی تحصیل میں مشغول ہوئے اُسے بالضرور تکمیل کے مرتبہ پر پہنچایا اور جب آپ ہر شخص کی درس گاہ سے فارغ التحصیل اور کامل ہو کر علیحدہ ہوئے تو کیا عجب کہ ہر شخص سے اجازت اور عام سند حاصل کی ہو لیکن جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے اس سے اس قدر یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ اور خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی اور سید عظمت اللہ جیسے مجتہدین فن اور اہل کمالات کی فیض صحبت اور تعلیم و تربیت نے جناب شیخ عبدالرحیم کو تمام دینی فنون اور وہبی علوم میں کامل کر دیا تھا۔ اور آپ میں ہر قسم کی اہلیت و قابلیت پا کر اجازت عامہ سے ممتاز و سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ ہم اس امر کے ثبوت میں خود جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ہی کے بیان کو پیش کرتے ہیں۔ جس سے بڑھ کر کوئی اور مستند شہادت ہو نہیں سکتی۔

خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کی اجازت

آپ فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ ابوالقاسم نے مجھے تکمیل و ارشاد کی اجازت سے سرفراز فرمانا چاہا تو آپ نے ایک مخلص اور بے ریا عقیدت مند مرید کو حکم فرمایا کہ ہمارے تمام شناساؤں اور مریدوں کی دعوت کر دو اور کافی مقدار کھانا مہیا کرو چنانچہ اس نے آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل کی۔ جب کھانا پک کر تیار ہوا۔ اور تمام دعوتی جمع ہو گئے تو آپ نے فقیر کو طلب کیا۔ میرے سر پر دستار باندھی اور ایک اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ اس وقت میں نے التماس کی کہ حضور! میں اس عظیم الشان اور جلیل القدر کی قابلیت نہیں رکھتا اور ان حقوق کی تحمل و برداشت کی اپنے میں طاقت نہیں دیکھتا فرمایا کوئی مضائقہ نہیں آخر تم نے دوسری جگہ

سے بھی اجازت عامہ حاصل کی ہے۔ بھلا بتاؤ سید عبد اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ کس طرح تھا میں نے عرض کیا انہوں نے اپنے تمام حقوق مجھے معاف کر دیئے تھے فرمایا میں نے بھی اپنے تمام ظاہری و باطنی حقوق تمہیں معاف کر دیئے۔ عبدالرحیم! یہ فرقہ جو کام کرتا ہے اس کا انجام پہلے ہی سے پیش نظر رکھ لیتا ہے۔

سید عبد اللہ کی اجازت

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے مجھے طالبانِ حق کی رہنمائی اور دینی علوم کی اشاعت و درس کی اجازت دی، اور یہ بھی فرمایا کہ اب اگر تم مناسب سمجھو تو دہلی میں جا کر رہو اور وہاں کے باشندوں میں دینیات کی اشاعت دو لیکن میں نے عرض کیا کہ ابھی چند روز تک میں آپ ہی کے قدموں میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور روز بروز زیادہ توجہ مبذول فرماتے رہے۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ عبدالرحیم! تم شہر میں گشت لگایا کرو اور درویشوں کی زیارت کیا کرو۔ لیکن فقیر اس وجہ سے تعلق کیا کرتا تھا۔ کہ اس کی خاطر کلی صرف خلیفہ ہی کی طرف منجذب تھی جب آپ نے میری یہ حالت دیکھی تو ایک دفعہ تاکید فرمایا اور ایک خادم کو میرے ہمراہ کر کے ارشاد کیا کہ انہیں سید عظمت اللہ[1] کے پاس لے جاؤ انہیں میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ آپ کی ملاقات کے لیے اس عزیز کو بھیجا ہے چنانچہ میں خلیفہ کے ساتھ سید عظمت اللہ کی ملاقات کے لیے چلا لیکن جب ہم دونوں بزرگ و محترم سید کے محلہ میں پہنچے تو خادم ان کا گھر بھول گیا۔ اتفاق سے اُسی مقام پر محلہ کے بچے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک ہونہار بچے پر میری نظر پڑی میں نے خادم سے کہا یہ لڑکا بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس

---

[1] سید عظمت اللہ بن عبداللطیف بن بدالدین سید جلال قادری متوکل اکبر آبادی۔ سادات حسینی سے تھے۔ آپ اکبر آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی اس زمانہ میں آپ کا وجود باوجود نہایت مغتنم تھا مزاج میں اس قدر استغنا تھا کہ فقرا اور اغنیا میں سے کسی کے مکان پر کبھی تشریف نہ لے جاتے تھے۔ اور گوشہ قناعت میں زندگی بسر کرتے تھے گو مشائخ چشتیہ میں ایک مشہور و معزز شخص گنے جاتے تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے لیکن لوگوں کو عام طور پر سلسلہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ و نقشبندیہ میں مرید کیا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۰۸۰ھ میں چوتھی ربیع الاول کو ۷۰ سال کی عمر میں بمقام اکبر آباد انتقال کیا اور جس محلہ میں سکونت رکھتے تھے وہیں مدفون ہوئے ۱۲

اس سے سید کا مکان پوچھنا چاہیئے استفسار کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کا فرزند رشید ہے وہ ہمیں مکان پر لے گیا اور سید کو ہمارا پیغام پہنچایا۔ اس زمانہ میں سید عظمت اللہ بیمار تھے اور ضعف کی وجہ سے باہر نہ آسکتے تھے۔ اندر سے کہلا بھیجا مجھے افسوس ہے کہ میں مرض کی اشتداد کے سبب سے صاحب فراش ہوں اور ذرا بھی جنبش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور چونکہ اس وقت قبیلہ کی مستورات کا ہجوم ہے اس لیے پردہ کرانا بھی ناممکن ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری معذرت کو نگاہ قبول سے دیکھیں گے۔ چنانچہ سید کے فرزند نے ہم سے یہ تمام باتیں بیان کیں لیکن ہنوز اس کی تقریر کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ سید نے ایک اور شخص کو بھیجا کہ خلیفہ کے فرستادوں کو بٹھاؤ اور غلام سے فرمایا کہ جس چارپائی پر میں بیٹھا ہوں اسے یوں ہی اٹھا کر دروازہ کے قریب لے چلو۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے مجھ سے ملاقات کر کے فرمایا۔ میں معذور تھا اس لیے آپ کی خدمت میں معذرت کہلا بھیجی تھی۔ لیکن پھر فوراً مجھے خیال ہوا کہ خلیفہ کا ایک عزیز کو میری ملاقات کے لیے بھیجنا ضرور کسی حکمت پر مبنی ہوگا لہذا خود حاضر خدمت ہوا۔ زاں بعد سید صاحب نے میرا نام نسب اور وطن دریافت اور خوب کرید کرید کر پوچھا۔ میں نے اپنا نام و نسب و وطن سب کچھ بتا دیا۔ لیکن شیخ عبدالعزیز کی نسبت کو مخفی رکھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سید کا سلسلہ وہاں تک پہنچتا ہے جب آپ سنیں گے کہ شیخ عبدالعزیز میرے جد امجد ہوتے ہیں تو ضرور تواضع سے پیش آئیں گے جو ایسے نازک اور خطرناک موقع پر نہ صرف تکلیف کا موجب ہے بلکہ اشتداد مرض کا سخت خوف ہے اگرچہ میں نے اس نسبت کو ہزار چھپایا لیکن بزرگ سید نے خداداد فراست سے خود دریافت کر لیا۔ زاں بعد ایک اشکال کی تقریر کی اور مجھ سے جواب کے طالب ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں استفادہ کے لیے حاضر ہوا ہوں نہ افادہ کے واسطے فرمایا ہم یوں ہی مامور ہیں۔ الغرض بہت سی رد و کد کے بعد جو کچھ اس وقت مجھ سے بن آیا بزرگ سید کے اشکال کا جواب دیا جسے آپ سن کر نہایت شاد ہوئے۔ اپنے تئیں چارپائی سے نیچے ڈال دیا اور بے حد تواضع سے پیش آئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں اپنی تقصیر کی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو پہلے سے میں نے معلوم نہیں کیا زاں بعد فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز قدس سرہ نے ہمارے جد امجد کو وصیت کی تھی کہ اگر ہماری اولاد میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور اس اشکال کی بابت وضع تقریر کرے تو اسے ہماری یہ

امانت یعنی طریقہ کی اجازت اور کچھ تبرکات حوالے کر دینا میرے بزرگوار دادا اپنے زمانہ حیات میں اس امر کے متلاشی رہے مگر کوئی شخص اس قدر و منزلت کا نہ پایا۔ چنانچہ جب ان کا جام زندگی لبریز ہو کر چھلکنے لگا۔ تو انہوں نے میرے والد بزرگوار کو یہی وصیت فرمائی والد ماجد نے ہر چند تفحص کیا لیکن وہ بھی ناکام رہے انجام کار میری نوبت پہنچی میں اس وقت سے اس زمانہ تک برابر اسی کھوج میں لگا ہوا تھا۔ لیکن بجز آپ کے اور کسی شخص کو نہ پایا چونکہ میں اس وقت پابرکاب تھا اور کوئی ایسا فرزند جو اس عظیم الشان منصب کی قابلیت رکھتا ہو نہ دیکھتا تھا۔ اس لیے شب و روز افسوس کرتا تھا۔ الحمد للہ کہ آج میری امید کا پژمردہ درخت سرسبز و شاداب ہو کر پھلا پھولا اور میں اس بار امانت سے سبکدوش ہوا یہ کہہ کر سید نے عمامہ میرے سر پر باندھا اور اجازت عامہ عنایت فرمائی۔ کثیر المقدار شیرینی اور کچھ نقدی میرے ساتھ کی اور بڑی خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔ جب میں وہاں سے واپس ہو کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے جوش مسرت کے ساتھ میرا استقبال کیا اور بیساختہ آپ کی زبان سے نکلا کہ آج تم بھرپور ہو کر آئے ہو۔ میں نے وہ تمام عطیات آپ کے سامنے رکھ دیئے فرمایا عبدالرحیم نقدی ظاہری جمعیت کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ اجازت عامہ اور باطنی جمعیت کی طرف مشیر ہے ان دونوں باتوں میں کوئی دوسرا شخص شریک نہیں ہو سکتا۔ البتہ شیرینی ایک ایسی چیز ہے جس میں ہمیں شریک ہونا جائز ہے۔ چنانچہ تھوڑی سی شیرینی آپ نے قبول کی اور باقی درویشوں کو تقسیم کر دی۔

شیخ عبدالرحیم صاحب کی ملاقات اہل اللہ اور مجذوبوں سے

جناب شیخ عبدالرحیم کے اہل اللہ اور مجاذیب سے ملاقات کرنے کے اس قدر واقعات ہیں کہ اگر ہم نیصدی دس کا بھی انتخاب کریں تو بھی حیات ولی کی وسعت ان کے لیے ناکافی ہو تاہم چند ایسے واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں جو خاص دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں۔ اور جن سے شیخ عبدالرحیم صاحب کے خاص فضائل اور عظمت و شوکت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے اور جنہیں خود شیخ صاحب نے اپنی پرزور قلم سے تحریر کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رات کے وقت اکبر آباد کا گشت لگا رہا تھا ایک موقع پر مجذوب درویش میری نظر پڑا جو دنیا کے مجذوبوں کا نام شمار میں لا رہا اور کہہ رہا تھا کہ ملک شام

میں فلاں مجذوب ہے اور روم میں فلاں اس وقت میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش ہندوستانی مجذوبوں کی نسبت کچھ کہتا تو لطف سے خالی نہ ہوتا۔ بمجرد اس خطرہ کے درویش نے ہندوستان کے مجذوبوں کے نام لینے شروع کئے اور بیان کرتے کرتے یہاں تک پہنچا کہ بھیکا مجذوب خوب ہے اور بیرابیم مجذوب ہے اسی اثناء میں مجھے یہ خلش پیدا ہوا کہ اگر ہندوستان کے سالکوں کا ذکر کرے تو مزید اطلاع کا باعث ہو۔ درویش میرے اس خطرہ پر بھی آگاہ ہو گیا اور ایک تند و تیز لہجہ میں کہا کہ خلیفہ ابوالقاسم خاص فضائل و کمالات میں ایسا معزز و ممتاز شخص ہے جس کی نظیر سے سارا اکبر آباد خالی ہے یہ کہہ کر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا تم یہاں کیوں کھڑے ہو، جاؤ اور اپنے کام میں مصروف ہو۔ چنانچہ میں چلا آیا۔

شیخ کا بیان ہے کہ میں سونی پت میں کسی تقریب سے گیا۔ اتفاقاً دل میں آیا کہ منور مجذوب کو دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ میں اس کے مقام پر گیا جب میں وہاں پہنچا ہوں تو وہ سوتا تھا یوں ہی میری حرکت محسوس کی اپنی گدڑی چاروں طرف سے سمیٹ کر اس میں لپٹ گیا۔ اور ہوش و حواس بجا کر کے بیٹھ گیا۔ میں تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور جب دیکھا کہ کوئی بات نہیں کرتا ہے تو خود میں نے کلام کی سلسلہ جنبانی کی اور کہا مجھے تم سے ایک بات دریافت کرنی ہے اگر تم عقل و ہوشیاری کے ساتھ جواب دو تو بہتر ورنہ خیر جواب دیا کہ میں جواب دینے میں تا بہ امکان احتیاط کروں گا۔ میں نے کہا صرف اتنا بتا دو کہ تمہیں ایسی کونسی چیز حاصل ہوئی ہے جس نے تمہاری ساری عقل و تمیز کو کھو دیا ہے اور ہوش و حواس سلب کر لیے ہیں۔ اس نے میری بات سن کر اول تو کچھ سکوت کیا گویا کسی گہرے خیال میں ڈوب گیا۔ لیکن پھر سر اٹھا کر بولا عزیز من! یہ ایک ایسا نازک اور باریک سوال ہے۔ جس کا جواب عبارت کے قالب میں ڈھالنا اور الفاظ کے ساتھ تعبیر کرنا ناممکن ہے مگر ایک مثال کے پیرایہ میں اس کی کیفیت تم پر ظاہر کرتا ہوں۔ سنو! جس چیز نے ہماری عقل و تمیز کو سلب کر کے مجنونوں اور دیوانوں کے زمرہ میں داخل کیا ہے وہ ایک ایسی کیفیت سے تعبیر کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نے مقدار سے زیادہ گرمی پائی اور عرق میں غرق ہو گیا۔ دفعتہً ایک نہایت سرد اور خوش آیندہ ہوا کے جھونکے چلنے شروع ہوئے جن سے اسے راحت کلی حاصل ہوئی بس یہی کیفیت ہم لوگوں پر طاری ہو کر اس درجہ کو پہنچا دیتی ہے میں نے کہا اس سے بہتر کیفیت تو سالکوں

کو حاصل ہوتی ہے مگر پھر بھی ان کی عقل بجا اور ہوش و حواس قائم رہتے ہیں جواب دیا کہ عزیز من! یہ داشت الٰہی ہے جس شخص کو جیسا چاہتے ہیں رکھتے ہیں۔

واجب الاحترام اور معزز شیخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد بزرگوار دور دراز سفر سے مراجعت فرمائے وطن ہوئے لیکن آپ کا قصد تھا کہ شہر میں داخل نہ ہوں اور بالا بالا دوسرے سفر کی جانب عنان توجہ مبذول فرمائیں اس لیے مجھے آپ نے بلا بھیجا۔ میں والد ماجد کی زیارت کے لیے شہر سے باہر گیا۔ اثنائے راہ میں میرا گذر ایک باغ پر ہوا جو نہایت شاداب و پر رونق تھا۔ اور جس کی انتہا سے بڑھی ہوئی زینت اور سرسبزی نے مجھے بے لحاظ اپنی طرف مائل کر لیا۔ میں اس کی خوبصورت روشوں اور لہلہاتے پودوں کی سیر کرتا ہوا ایک ایسے گنجان درخت کے قریب پہنچا جس کی نرم و نازک شاخیں جھوم جھوم کر زمین کا بوسہ لے رہی تھیں ان کی آڑ میں ایک مجذوب مغل صورت بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی غل مچا کر کہا اے عزیز ادھر آ اور تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ میں اس کے پاس جا بیٹھا اور وہ اپنے سلوک و ریاضتوں کی حکائتیں بیان کرنے لگا ازاں بعد بولا تمہارے پاس فلاں قسم کا کھانا ہے قدرے میرے لیے منگاؤ میں نے فوراً اپنے آدمی کو آواز دی اور کھانا اس کے سامنے پیش کیا۔ پھر بولا کہ تمہاری جیب میں اس قدر پیسے ہیں میں صرف ایک پیسہ کا محتاج ہوں کہ حجام کو دے کر سر اور ڈاڑھی درست کراؤں میں نے چند پیسے اس کے سامنے رکھے لیکن اس نے بجز ایک پیسے کے اور کسی چیز کو نگاہ قبول سے نہ دیکھا۔

شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ موضع میرواڑہ میں ایک مجذوب تھا جس کی شہرت تمام اطراف میں پھیلی ہوئی تھی اس کا عام دستور تھا کہ کبھی مسجد میں قدم نہ رکھتا اور جب اُسے دریافت کرتے تو کہتا ہم نجس و ناپاک ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کو اپنے مناسب حال نہیں دیکھتے اسی طرح اس کا یہ بھی جواب تھا کہ وہاں کے زمینداروں کا کھانا نہ کھاتا تھا کہ اس کھانے میں بستگی ہے جب میرا اس موضع میں جانے کا اتفاق ہوا تو میری ملاقات کے لیے مسجد میں آیا اور میرے ہی ساتھ کھانا تناول کیا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو بولا اس عزیز کی وجہ سے میری نجاست جاتی رہی اور تمہارے کھانے سے بستگی دور ہو گئی۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ صوفیہ کے لباس میں مقید رہنا بہر حال تکلف سے خالی نہیں ہے اور اس خیال نے مجھ پر اس درجہ ہجوم کیا کہ میں

نے فوراً وہ لباس اتار پھینکا سپاہیانہ طور پر عمامہ باندھا کمر میں تلوار لگائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا تھوڑا دور چلا تھا کہ ایک مجذوب سامنے سے آکر کہنے لگا کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص چاند کو پیالے سے چھپائے ہرگز نہیں۔ عزیز من! تیرے معبود کی قسم کہ یہ لباس تیری شان کے سزاوار و لائق نہیں اسے اتار ڈال اور لباس صوفیہ زیب بدن کر چنانچہ اس وقت سے میں نے لباس صوفیہ کو بالالتزام اختیار کیا اور اس کے علاوہ کسی اور قسم کا لباس پہننا پسند نہیں کیا۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک نہایت صالح و نیک شخص سکونت رکھتا تھا جو علم و فضل کے علاوہ توکل و قناعت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا اس کے مزاج میں اس درجہ خداداد استغنائی تھی جس نے تمام چیزوں سے اسے بے تعلق و بے پروا کر دیا تھا۔ سعد اللہ خاں کے بعض خواجہ سرا ان سے تحصیل علوم کرتے تھے اور ان ہی کی خدمت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ہر چند کہ سعد اللہ خاں نے کئی دفعہ انہیں بلایا اور ایک دو دفعہ خود بھی ملاقات کے لیے در دولت پر حاضر ہوا لیکن آپ نے اس سے ملنا پسند نہیں کیا۔ اتفاق وقت سے ایک دن میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس زمانہ میں نہایت کم سن تھا اور علم نحو میں کافیہ پڑھا کرتا تھا۔ ایک خواجہ سرا نے بحث منادیٰ کا ایک جزئی مسئلہ مجھ سے دریافت کیا جس کا معقول جواب اس وقت مجھ سے بن نہ پڑا۔ اس سے مجھے نہایت قلق و رنج ہوا۔ اور میں اپنے دل ہی دل میں سخت شرمندہ ہوا۔ لیکن وہ عزیز میری تغیر حالت کو فوراً تاڑ گیا اور میرے حزن و رنج کا سبب معلوم کر کے ایک نہایت برہمی کے لہجہ میں خواجہ سرا کو عتاب کیا اور کہا تو اس لڑکے کو نہیں جانتا کہ کون ہے اور کس قدر قیمتی جوہر اپنے میں مضمر رکھتا ہے۔ عنقریب وہ زمانہ چلا آتا ہے کہ یہی لڑکا جو ہنوز ہلال کی صورت میں نظر آتا ہے فلک پر بدر کامل ہو کر چمکے گا اور ایک عالم کو اپنے علمی نور سے روشن و منور کرے گا کوئی دن جاتا ہے کہ اس بچے کی پاپوش تیرے آقا کے سر پر رکھے جانے سے سخت ننگ و عار کرے گی۔ بڑے بڑے با شان و شوکت حکمران اس کے قدموں کو بوسہ دیں گے اور اس کی قدمبوسی کو ذریعہ فخر سمجھیں گے۔

شیخ کے عام اخلاق و عادات اور فضل و کمال

شیخ عبدالرحیم صاحب کے ان خاص فضائل اور معاملات کو نظر انداز کر کے اب ہم

آپ کے علمی فضائل اور کمال اور عام اخلاق و عادات قلمبند کرتے ہیں۔ کیونکہ انسان کے حالات زندگی میں بھی وہ صاف آئینہ ہے جس میں مختلف ہیئتوں کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ شیخ کے علمی فضل و کمال کا جو بیان مختصراً لکھا جا چکا ہے اس سے زیادہ تشریح و تفصیل کی ہم اس موقع پر ضرورت نہیں سمجھتے لیکن تاہم ان علوم کی نسبت اجمالی طور پر ریمارک کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن میں بزرگ شیخ کو کامل مہارت اور پوری دستگاہ تھی اور جنہیں اپنے خداداد قابلیت اور فطری بخشش کی بدولت اس قدر جلد حاصل کر لیا تھا کہ اس سے جلد تکمیل کے درجہ کو پہنچنا کسی بشر کا کام نہیں ہے۔

صرف و نحو

صرف و نحو جو علوم عربیہ کے عنصر ہیں ان میں شیخ کو اس قدر کمال تھا کہ موجدین فن میں آپ کا شمار ہوتا تھا آپ طلبہ کے درس کے وقت اس خاص فن میں ایسے ایسے نکات اور باریکیاں بیان کرتے تھے جنہیں سن کر بڑے بڑے علامہ اور ماہرین فن دنگ رہ جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ شیخ کا شہرہ اس علم میں یہاں تک ہوا کہ آپ علماً و عملاً مسلم الثبوت استاد تسلیم کئے گئے مجتہدین فن دور دور سے تعلیم کے لیے حاضر ہوتے اور آپ کی شاگردی کو باعثِ فخر جانتے۔

حدیث و فقہ

حدیث و فقہ میں آپ کو وہ کمال تھا جس کی نظیر اس عہد میں موجود نہ تھی علم حدیث کے ماہرین نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب دیا تھا اور فقیہ لوگ فقہ کا دوسرا بازو سمجھتے تھے۔ آپ کو حدیث و فقہ کی ہزاروں جزئیات از بر تھیں اور بہت سی حدیثیں معہ اسناد نوک زبان تھیں آپ کو دیگر مشاغل علمیہ میں التفات تھا لیکن جس قدر علم حدیث میں انہماک و استغراق تھا کسی اور علم میں نہ تھا آپ کی صحبت میں ہمیشہ اپنی علم کا چرچا رہتا اور اس سبب سے ہر وقت آپ کی درس گاہ میں طالبان حدیث کا ایک جم اور مجمع کثیر لگا رہتا جو آپ کے بیانات شافیہ سے اپنی معلومات بڑھانے اور فیض علم سے بہرہ ور اور کامیاب ہو کر جاتے غرضکہ شیخ کی فقہ و حدیث میں اس قدر شہرت تھی کہ بہت تھوڑے عرصہ میں آپ اس فن خاص کے جولانگاہ کے شہسوار مشہور ہو گئے تھے اور ان مقتدر لوگوں کے معتقد علیہ مانے گئے تھے جو خود امام وقت اور مجتہد فن کہلائے جاتے تھے۔

تفسیر

پھر جیسا آپ کو فقہ و حدیث میں کمال تھا ویسے ہی علم تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے وہ الہامی نکات اور باطنی اسرار جو قرآن مجید کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر

بھرے ہوئے ہیں آپ ایسے تبحر کے ساتھ بیان کرتے جسے سن کر بڑے بڑے علامہ
اور ماہرین فن حیرت زدہ ہو جاتے جب آپ قرآن کی تفسیر بیان کرنے لگ جاتے تو
سامعین کو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔ حقیقت میں یہ شیخ صاحب ہی کا بیج ڈالا ہوا
ہے جو اس وقت تک حدیث و تفسیر کا درخت پھلا پھولا اور لہلہاتا نظر آتا ہے اور یہ احسان
ہندوستان پر عموماً اور دہلی پر خصوصاً آپ ہی کا ہے۔ جس کے بار سے اس کا سر اوپر
نہیں اُٹھ سکتا کیوں کہ اس سے پیشتر تمام ہندوستان میں جہل و بدعت کی تاریکی پھیلی ہوئی
تھی اور کوئی شخص حدیث و تفسیر سے واقف نہ تھا۔ ایک فاضل اجل ہمعصر جناب شیخ عبدالرحیم
صاحب کے حالات پر ریویو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے
پہلی ضرورت ہندی مسلمانوں میں علم نبوی کی اشاعت دیکھی واقعی ایک برتر الہامی خیال تھا جو بجلی کی
طرح آپ کے دماغ میں کوندا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب ایک مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی اور
اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس تعلیم نے چند سال میں اپنا قیمتی اثر مسلمانوں پر
ڈالا اور اب جوق جوق طلبہ آپ سے حدیث سیکھنے کے لیے آنے لگے گویا اسی تاریخ
سے مذہب بدعت و شرک کے ساکن سمندر میں ایک تحریک سی پیدا ہونے لگی۔ مگر یہ
خفیف تحریک ایسی نہ تھی کہ ایسے بڑے عظیم الشان میں کچھ معلوم ہوتی اور ایک تموج خیز طوفان
اس میں پیدا ہوتا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب قوانین فطرت کی باریکیوں اور معلوم کو خوب سمجھتے تھے
وہ جانتے تھے کہ معمولی تختہ پر جب تک کہ اسے ہموار نہ کیا جائے اور اس پر ملائی نہ پھیری
جائے کبھی صفائی اور آسانی سے لکھا نہیں جا سکتا اس لیے انہوں نے اپنی کوششوں کو
بظاہر ناکامی کا جامہ پہنے ہوئے دیکھ کر کچھ ہراس نہیں کیا اور ہمیشہ دل میں یقین رکھا کر ہر ناکامیابی
خوش آئیند ہیں کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ مرض ہر طرح برا ہوتا ہے لیکن اس مرض کو مبارک کہنا
چاہیئے جس کا انجام صحت ہو۔

غرضکہ یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تفسیر و احادیث کی اشاعت میں جو سرگرمی اور کوشش
شیخ عبدالرحیم صاحب نے فرمائی اس میں متقدمین و متاخرین میں سے کوئی شخص آپ کا
دعوے دار نہیں ہو سکتا اور اگر دعوے کرے بھی تو اس کا یہ دعوے چل نہیں سکتا۔ بھلا ایسے
شخص کی کون برابری کر سکتا ہے جسے خود فطرت اپنی بانگی اور ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہو اور
ایسی لیاقت و قابلیت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے جو پہلے ہی سے ربانی قابلیتوں اور روحانی

جوہروں سے آراستہ کی گئی ہو۔

اگرچہ شیخ کو علم حدیث و تفسیر کے مشاغل میں زیادہ تر انہماک تھا۔ لیکن باوجود اس مشاغل کے علم ادب اور مناظرہ کا بھی چرچا رہتا تھا۔ ان علوم سے آپ کو غفلت نہ تھی۔

ادب و مناظرہ علم ادب میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا جو اس وقت تک ماہرین فن کو تسلیم ہے آپ کے علمی مناظروں پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدما اور جاہلیت کے شاعروں کے اشعار بکثرت یاد تھے جنہیں سند کے ہر ہر مقام پر بے ساختہ پیش کرتے تھے۔

شاعری شاعری جسے علم ادب کا بہت بڑا جوہر کہنا چاہیئے اس میں بھی شیخ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ لیکن آپ کے اشعار ہمیشہ مبالغہ آمیز باتوں اور فضول و بے ہودہ عبارتوں سے خالی ہوتے اور پند و نصائح کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے ذیل کی رباعی آپ ہی کی موزونی طبیعت کا بدیہی نتیجہ ہے ؎

اے کہ نعمتہائے تو از حد فزوں — شکر نعمتہائے تو از حد بروں
عجز از شکر تو باشد شکر ما — گر بود فضل تو مارا رہنموں

جناب شاہ ولی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد بزرگوار نماز ظہر کے متصل دفعتہً میری طرف متوجہ ہوئے اور برجستہ یہ دو شعر فرمائے رباعی۔

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است — این چنیں فرمودہ آن خیر البشر

یہ رباعی پڑھ کر فرمایا۔ ولی اللہ! دوات قلم لا کر اس رباعی کو قید کتابت میں لے آؤ۔ کیونکہ حق تعالے نے دفعتہً میرے دل میں اس مضمون کو بایں غرض القا فرمایا ہے کہ تمہیں وصیت کروں۔

علمی مجلسیں ان رباعیات سے عمدگی مضامین کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کو نظم پر کس قدر اقتدار تھا۔ اور وہ کس مرتبہ کے شاعر تھے۔ شیخ کی علمی سوسائٹی اور آپ کے مناظرہ کے حالات اس میں شک نہیں کہ متشرعین و متصوفین کی روح و جان ہیں لیکن افسوس ہے کہ آپ کے خاص خاص مناظرے اور علمی بحثیں جس سے آپ کی

جودت طبع ذہانت وسعت نظر اور زور تقریر کا حال معلوم ہو ہمیں کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں البتہ کسی قدر علمی کمالات کے حالات کا آپ کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے جنہیں ہم آگے چل کر جدا عنوان سے بیان کریں گے شیخ کی ذہانت وطباعی میں بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف وہی ایک واقعہ لکھتے ہیں جس کا جناب شاہ ولی اللہ صاحب آپ کے فرزند رشید نے اکثر مقامات میں ذکر کیا ہے۔

ذہانت وطباعی

شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے میرے والد بزرگوار اکبر آباد میں تھے کہ حضرت سید عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ کو سخت اندوہ ورنج ہوا۔ اور کسی عزیز کی صحبت کے طالب ہوئے۔ اسی اثنار میں حضرت خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کے فضائل ومناقب جستہ جستہ آپ کے کان میں پہنچے اور آپ غائبانہ ان کے گرویدہ ہو کر ایک شخص کی ہمراہی میں خلیفہ کی خدمت میں پہنچے دیکھا تو وہ اپنے مکان کی تعمیر میں مشغول تھے اور نازک خیال معمار کو مکان کے مقامات بتا رہے تھے اسی اثنار میں آپ کی زبان مبارک پر یہ بیت جاری ہوئے ؎

ہر کرا ذرہ وجود بود — پیش ہر ذرہ در سجود بود

فقیر کے والد بزرگوار نے فوراً بیت مذکور کا اس طرح اعادہ کیا ؎

ہر کرا ذرہ شہود بود — پیش ہر ذرہ در سجود بود

خلیفہ نے اس بیت کو سنتے ہی شیخ صاحب کی طرف التفات کر کے فرمایا میں نے ایک معتبر ومستند نسخہ میں لفظ وجود ہی لکھا دیکھا ہے شیخ نے کہا آپ بجا فرماتے ہیں۔ لیکن میری نظر سے بھی ایک صحیح نسخہ گذرا ہے جس میں لفظ شہود لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ تھوڑی دیر تک دونوں حضرات میں مناظرہ رہا لیکن باوجود رد وقدح کے مسئلہ متنازعہ فیہ طے نہیں ہوا اسی اثنائے میں خلیفہ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم علوم وفنون کا کافی حصہ رکھتے ہو شیخ نے فرمایا۔ اگر یہ علم راہ حق میں مضر ہے تو میں توبہ کرتا ہوں فرمایا علم بجائے خود کوئی مضر چیز نہیں لیکن دل ودماغ کی خوبی ہے کہ علم مضر اور مہلک بن جاتا ہے اس لیے یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ علم نہ تو ہر شخص کے لیے مضر ہی ہے نہ ہر متنفس کے لیے مفید ونافع ہی۔ ازاں بعد آپ نے استدلالاً یہ بیت پڑھے ؎

علم را بر تن زنانے مارے بود
علم را بر دل زنانے یارے بود

الغرض چونکہ اس مناظرہ کا کوئی تصفیہ نہیں ہوا اس لیے شیخ صاحب خلیفہ کی مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے لیکن دوسرے دن باین خیال کہ عمارت میں مشغول تھے زیادہ تحقیق نہ کر سکے اور بات کی تکمیل نہیں ہوئی پھر تشریف لے گئے جب آپ وہاں پہنچے تو خلیفہ نے بڑے جوش مسرت سے استقبال کیا اور فرمایا کل میں عمارت میں مشغول تھا۔ اس لیے بات ناتمام رہ گئی تھی۔ اب کہئے نسخہ شہود کی کیا توجیہ ہے شیخ نے فرمایا اس کی توجیہ ظاہر ہے کہ جس شخص کی نظر میں حق تعالےٰ کا شہود ذرات عالم میں سما جاتا ہے وہ بالضرور ہر ذرہ کے آگے سربسجود ہوتا ہے لیکن جو شخص جمع کے مرتبہ میں مستغرق رہتا ہے جسے وجود سے تعبیر کرتے ہیں وہ سجدہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ زاں بعد خلیفہ نے فرمایا کہ اچھا جس صحیح نسخہ میں لفظ وجود لکھا ہوا دیکھا گیا ہے اس کی توجیہ کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کچھ عجب نہیں کہ وجود بمعنی وجدان ہو اور یہ وجود شہود کے معنی کے قریب قریب ہے شیخ کی اس علمی تقریر سے بزرگ خلیفہ بے حد خوش ہوئے اور ہمیشہ اعزاز و توقیر سے پیش آتے رہے۔

تفرس و کشف

شیخ کے تفرس و کشف کے حالات کتابوں میں جستہ جستہ مذکور ہیں چنانچہ اس مقام پر بعض واقعات جنہیں مستند و معتبر لوگوں نے شیخ کے حالات میں بیان کیا ہے لکھے جاتے ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ ایوب مراد آبادی واجب الاحترام شیخ کی ملاقات کے لیے آئے اور امتحان کے قصد سے اپنے لوگوں اور اسباب کو کسی دور مقام پر چھوڑ کر تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اتفاق سے اس وقت بزرگ شیخ تیر اندازی کی مشق میں مصروف تھے۔ شیخ ایوب کو دیکھتے ہی آپ نے کمان زمین پر ڈال دی۔ اور جوش مسرت کے ساتھ خیر مقدم ادا کیا معمولی مزاج پرسی کے بعد اہل و عیال کی خیریت دریافت کی شیخ ایوب نے نہایت ادب سے سر جھکا کر عرض کیا کہ کمترین کو اس سے پیشتر قدم بوسی کا اعزاز حاصل نہیں ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ محترم شیخ مجھ سے روشناس ہیں۔ فرمایا تمہارا نام ایوب ہے شیخ ایوب کہتے ہیں کہ واجب الاحترام شیخ کے اس فقرہ نے مجھے اور بھی تعجب اور حیرت میں ڈال دیا اور میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اتنے میں شیخ نے فرمایا کہ تمہیں میری خیر و عافیت دریافت کرنے سے تعجب ہوا ہوگا۔ پھر تمہارا نام لینا اور بھی حیرت و استعجاب کا باعث ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک میرے ایسے ہی خیالات تھے۔ للہ یہ تو فرمائیے کہ آپ نے کس طرح

معلوم کیا کہ میرا نام ایوب ہے۔ فرمایا تمہاری صورت دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی کہ تمہارا نام ایوب ہے۔ ازاں بعد شیخ ایوب نے کہا۔ مجھے اطلاع دیجئے کہ جس کام کے لیے میں لشکر میں جاتا ہوں۔ اس میں کامیاب ہوں گا کہ نہیں فرمایا نہیں۔ شیخ ایوب کہتے ہیں کہ چند مجبوریاں اس قسم کی پیش آئیں جن سے مجھے لشکر میں جانا پڑا اور ہر چند کہ اپنی کامیابیوں میں حدہا کوششیں کیں لیکن سب کی سب بے سود اور رائگاں گئیں۔

ایک ذی وجاہت اور باحشمت وشوکت امیر۔ محمد فاضل کے پڑوس میں سکونت رکھتا تھا جو شاہی طرز کی عمارت بنانا چاہتا تھا جب اس نے سلسلہ تعمیر جاری کرنا چاہا تو حویلی کے ایک موضع میں کجی نکلی امیر چاہتا تھا کہ دو چند یا سہ چند یا جس قیمت پر محمد فاضل راضی ہو جائے قدرے زمین خرید کر اپنی حویلی میں ملحق کرے لیکن محمد فاضل دو چند سہ چند قیمت کو بھی نگاہ قبول سے نہیں دیکھا اور باہمی ردو قدح کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ دونوں میں سخت رنجش و علاوت ہو گئی۔ انتہائی غیظ میں امیر کے منہ سے نکل گیا کہ میں صبح کو بادشاہ سے شکایت کروں گا۔ کہ یہ شاہی زمین ہے جس پر محمد فاضل نے غاصبانہ تصرف کر رکھا ہے غرضنکہ جہاں تک بن پڑے گا اس زمین کو لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ گو لاکھ روپیہ تک خرچ کیوں نہ ہو جائیں۔ جب رات ہوئی۔ تو محمد فاضل شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ نے اُسے متفکر و اداس دیکھ کر اس کا سبب دریافت کیا۔ عرض کیا کہ آج صبح سے میں متفکر ہوں کیونکہ مکان کی ایک زمین کی بابت فلاں امیر سے مناقشہ ہو گیا ہے اور وہ بادشاہ سے شکایت کرنے پر آمادہ ہے۔ شیخ نے فرمایا تم مطمئن رہو۔ اسے بادشاہ سے ملاقات ہی نصیب نہ ہو گی۔ چنانچہ صبح کو جب وہ درباری لباس پہن کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے قصد سے نکلا تو رستہ میں چند شاہی افسروں نے اسے بادشاہ کا پیام دیا کہ فلاں مہم کی انجام دہی میں اسی وقت کوچ کرنا چاہیئے اگرچہ اس امیر نے بہت اصرار کیا کہ میں بالمشافہ رخصت ہونا چاہتا اور بعض ضروری مطالب شہنشاہ سے عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن شاہی افسروں نے اس کی ایک نہ سنی اور جبراً شہر سے باہر نکال دیا۔ اور اتفاق سے اس کا وہیں انتقال ہو گیا۔

شیخ عبدالرحیم صاحب ایک روز شیخ عبدالاحد کے مکان پر گئے انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا جاؤ اور شیخ کے لیے گلاب کا شیشہ لے آؤ۔ شیخ عبدالاحد کے مکان میں گلاب کے دو شیشے دہرے تھے لڑکا چھوٹا شیشہ اُٹھا لایا۔ شیخ

نے مسکرا کر فرمایا برخوردار من! گلاب کا بڑا شیشہ کیوں چھوڑ آئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ جب شیخ عبدالاحد صاحب بیمار پڑے تو جناب والد بزرگوار ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس وقت اتفاق وقت سے فقیر بھی حاضر خدمت تھا شیخ عبدالاحد کے اقربا نے آپ سے استدعا کی کہ مریض کے لیے دعا کیجئے کہ خدا تعالی شفاء عاجل عطا کرے۔ لیکن آپ نے بجز سکوت کے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر شیخ کے اقربا نے مبالغہ کے ساتھ اصرار کیا اور بجز خاموشی کے کوئی جواب نہیں پایا دفعتہً شیخ عبدالاحد نے آپ کا مافی الضمیر دریافت کر کے اقربا کو مبالغہ سے منع کیا اور فرمایا لوگو! اولیاء اللہ کی جناب میں کسی امر کی نسبت مبالغہ کرنا نہ صرف بے ادبی و گستاخی ہی ہے۔ بلکہ سخت ممنوع ہے والد بزرگوار جب اس مجلس سے اٹھے تو فقیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے چونکہ شیخ عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کی زندگی کا یہ اخیر مرحلہ ہی طے ہونے کو باقی ہے اس لیے ایسے وقت میں دعا کرنا بے سود تھا اور میری خاموشی کی بھی یہی وجہ تھی چنانچہ اس کے چند روز بعد شیخ عبدالاحد کا انتقال ہو گیا۔

ایک دفعہ محمد قلی اورنگ زیب کے لشکر میں کسی سمت کو روانہ ہوا تھا۔ چونکہ زمانۂ دراز تک اس کی کوئی خبر عزیز و اقربا کو نہیں ملی۔ اس لیے اس کی اس مفقود الخبری نے بالخصوص اس کے برادر محمد سلطان کو سخت بے چین کر دیا اور جب وہ بہت ہی بے تاب ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ اس گم گشتہ کی خبر دیں شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے توجہ کی اور ہر چند کہ اسے لشکر کے ایک ایک خیمہ میں ڈھونڈا لیکن کہیں سراغ نہ چلا۔ اموات کے زمرہ میں تلاش کیا وہاں بھی پتہ نہ لگا زاں بعد میں لشکر کے ارد گرد غور میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھا معلوم ہوا کہ غسل صحت پا کر شتری رنگ کا لباس زیب تن بدن کئے ہوئے ایک کرسی پر جلوہ آزما ہے اور وطن مالوف میں آنے کا تہیہ کر رہا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے بھائی سے بیان کیا کہ محمد قلی زندہ ہے اور دو تین مہینہ میں آیا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ آیا تو بجنسہٖ یہی قصہ بیان کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ محمد سلطان نے ایک خوبصورت گھوڑا خرید کیا اور میرے والد بزرگوار کو دکھایا۔ آپ نے انہیں خلوت میں طلب کیا اتفاق سے یہ فقیر بھی موجود تھا جب سلطان محمد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا عزیز من! تمہارا گھوڑا ہے تو بہت اچھا لیکن اس کی عمر کم ہے۔ خواجہ

خواجہ محمد سلطان کی بی بی نہایت زبان دراز و بدخو تھی۔ اس کی بدزبانی سے یہ عزیز بہت ہی عاجز تھا۔ شیخ کی یہ تقریر سنکر بولا کاش میری عورت اس گھوڑے کا فدیہ ہو جائے آپ نے مسکرا کر فرمایا گھبراؤ نہیں ایسا ہی ہوگا خدا کی قدرت ابھی تین مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ اس کی عورت مر گئی اور گھوڑا ایسی قیمت پر فروخت ہوا جس میں اُسے خاطر خواہ نفع ہوا۔

شیخ کی حذاقت

شیخ کی حذاقت بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے یوں تو اس معزز اور جلیل القدر خاندان کی حذاقت وجودت ذہن عموماً تمام دنیا کو تسلیم ہے لیکن شیخ عبدالرحیم صاحب کی حذاقت وجودت ذہن کا عام طبقہ کے لوگوں کو خصوصاً دلی اعتراف ہے۔ اعلےٰ درجہ کے ادبیات اور فقہ وحدیث کے نکات و باریکیوں اور منطقی ابحاث کلام کے مشکل مقامات میں آپ کی معلومات انتہائی درجہ پر تھی باوجود ان تمام کمالات کے آپ کے باطنی علم کا نمبر سب سے بڑھا ہوا تھا سچ تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان شیخ کے کمالات پر فخر کرے تو کچھ نازیبا نہیں ہے۔ میں اس مقام پر آپ کی حذاقت کا صرف ایک دو واقعہ لکھتا ہوں جس سے شیخ کے کمالات کا بے چون وچرا معترف ہونا پڑتا ہے۔

عالمگیر چونکہ علم وفضل کا حامی و مددگار تھا اس لیے اس کے دربار کو ماہرین علوم اور مجتہدین فنون سے زیادہ تر رونق تھی اور جیسا کہ خود اعلےٰ درجہ کا فاضل اور بے نظیر عالم تھا۔ ویسے ہی اس کے دربار کے رکن اعظم باکمال تھے جس زمانہ میں کتاب فتاویٰ عالمگیری اُس کے حکم سے مدوّن ہو رہی تھی۔ اور اس کی نظر ثانی کی جا رہی تھی تو اس کا اہتمام شیخ حامد کے سپرد تھا جو مرزا محمد زاہد ہروی کی درسگاہ میں۔ ہمارے معزز و ممتاز شیخ کا ہم سبق تھا۔ شیخ حامد ایک دن جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے پاس آکر کہنے لگے کہ اگر آپ اس کام میں میری مدد کریں گے تو اس کے صلہ میں ایک معقول رقم روزانہ آپ کے لیے مقرر ہو جائے گی لیکن شیخ کے مزاج میں قدرتی طور پر وہ استغنائی تھی کہ آپ نے شیخ حامد کی اس التماس کو رغبت کے کانوں سے نہیں سنا۔ اور نہایت بے توجہی سے ٹال دیا۔ اتفاق سے شیخ کی محترم والدہ کے کان میں اس قصہ کی بھنک پہنچ گئی اور انہوں نے اس شغل کے قبول کر لینے پر یہاں تک اصرار و مبالغہ کیا کہ شیخ بالکل مجبور ہو گئے اور فتاویٰ عالمگیری کی نظر ثانی کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ فتاویٰ عالمگیری کے ایک مقام کی

جانچ پڑتال کر رہے تھے کہ ایک ایسی غامو جہ عبارت آپ کی نظر پڑی جس میں اختلال کلی تھا اور اس اختلال کی وجہ سے مسئلہ کی صورت بگڑ گئی تھی۔ آپ نے فوراً شیخ حامد کو فتاویٰ عالمگیری کے مؤلف کی اس لغزش پر تنبیہ کی اور فرمایا میرے نزدیک یہ عبارت مختل ہے اور اصل مسئلہ یوں معلوم ہوتا ہے لیکن شیخ حامد نے اس پر بالکل توجہ نہیں کی اور مؤلف کتاب کی وسیع و عمیق نظر پر بھروسہ کر کے شیخ کے اس اعتراض کو نگاہ وقعت سے نہیں دیکھا مگر شیخ نے اپنے خیال کی تائید و توثیق کے لیے جب اس مسئلہ کے ماخذ کا تتبع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مختلف عبارتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے چونکہ فتاویٰ عالمگیر کے مؤلف نے نے دونوں عبارتوں کو بلا امتیاز ایک جگہ جمع کر دیا ہے اس وجہ سے صورت اختلال ظاہر ہوتی ہے لہذا شیخ نے کتاب کے حاشیہ پر فوراً ذیل کی عبارت لکھ دی۔ من لم یتفقہ فی الدین قد حنف فیہ هذا غلط وصوابہ کذا اط ان دنوں عالمگیر کو اس کتاب کی تدوین و تصنیف کے بارہ میں بہت کچھ اہتمام تھا اور ملا نظام جیسے فقہ میں مجتہدانہ کمال حاصل تھا روزمرہ ایک دو صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتا تھا۔ چونکہ عالمگیر کو اس علم سے خاص دلچسپی تھی اس لیے وہ فتاویٰ عالمگیری کے ایک ایک مسئلہ کو غور میں ڈوبی ہوئی نظر سے دیکھتا تھا اور کاتبوں کی بعض بعض غلطیاں خود بتا دیتا تھا۔ جب ملا نظام اس مقام پر پہنچا جس پر شیخ نے محشو بیارک کیا تھا تو اتفاق سے اس نے حاشیہ کو متن کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ عالمگیر اس عبارت کے سنتے ہی فوراً کھٹک گیا اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام اس موقع پر نہیں رکتا تو خود ٹوک کر کہا یہ عبارت کیسی ہے ذرا پھر کے پڑھو ملا دوسری دفعہ بھی یونہی پڑھ گیا۔ تب عالمگیر نے اسے تنبیہ کی لیکن ملا نظام کو فی الوقت کوئی جواب دیتے بن نہ پڑا۔ بلکہ بطریق تدافع عرض کیا کہ اس کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل مفصل عرض کروں گا۔ چنانچہ جب ملا نظام شاہی دربار سے واپس آیا تو شیخ حامد کو سخت عتاب کے بعد فرمایا افسوس اس جلد کو میں نے تمہارے بھروسہ پر چھوڑ دیا تھا مگر تم نے ذرا بھی غور نہیں کیا اور مجھے بادشاہ کے سامنے انتہا سے زیادہ خفیف و شرمندہ کرایا۔ شیخ حامد نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا اور جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام قصہ دہرایا آپ نے وہ دونوں کتابیں جو اس مسئلہ کی ماخذ تھیں شیخ حامد کے سامنے دھر دیں اور عبارت کی پریشانی و اختلال ایسے طریق پر واضح کیا جسے سنکر تمام لوگ دنگ رہ گئے اور شیخ کی ذہانت و حذاقت پر عش عش

کرنے لگے اور اسی وجہ سے آپ محسودِ علماء ہو گئے۔

شیخ کی پیشین گوئی

ایک دفعہ محمد فاضل نے اپنے فرزند رشید کو اجمیر بھیجنا چاہا لیکن چونکہ سفر دور دراز اور خطرناک تھا اس لیے خود بھی اس کے ہمراہ جانے کا قصد کیا۔ جب شیخ سے رخصت ہونے گیا تو آپ نے فرمایا تمہارے جانے کی چنداں ضرورت نہیں لڑکا بخیر و عافیت واپس آجائے گا اور رستہ میں کسی طرح کی زحمت و تکلیف نہ پہنچے گی البتہ اجمیر سے لوٹتے وقت دو منزل کے فاصلہ پر وہاں کے ڈاکو قافلہ کو لوٹیں گے لیکن تم مطمئن رہو اس کی مال و جان کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ ہاں لڑکے سے اتنا کہہ دو کہ اس وقت اپنی سواری کو یکسو کر لے جب کہ ڈاکو حملہ آور ہوں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب وہ وقت پہنچا تو شیخ صاحب متوجہ ہوئے اور اس توجہ میں حزن و ملال کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر ہوئے لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا مسافت چند روزہ طے کرنے کے سبب سے کچھ ماندگی عارض ہو گئی ہے چنانچہ جب محمد فاضل کا لڑکا وطن واپس آیا تو اس نے بیان کیا کہ اجمیر سے لوٹتے وقت دو منزل کے فاصلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہم نے اپنی سواری رستہ سے یکطرف کر لی اسی اثنا میں جناب شیخ صاحب کی صورت مبارک حاضر ہوئی۔ ڈاکوؤں نے اگرچہ بڑی بے دردی اور ظلم سے تمام قافلہ کو لوٹ کھسوٹ کر ننگا کر دیا لیکن ہماری سواری ان کی دستبرد اور غارت سے بالکل محفوظ رہی۔

رستم اور اسد اللہ جو عالمگیر کے دو نہایت جنگجو اور کینہ در صوبے تھے۔ باشندگان پہلت کو ہمیشہ ستایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ساکنان پہلت کے ہلاک کرنے کا قصد کیا اور ایک نہایت خونخوار و خونریز فوج سے حملہ کر دیا۔ پہلت کے باشندے سب بے چین و مضطرب ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد الحاح و عاجزی التجا کی شیخ نے فرمایا گھبراؤ نہیں آخر کار تم فتحیاب ہو گے مخالف کی فوج کو شکست فاش ہوگی اور رستم و اسد اللہ عنقریب پا بزنجیر ہو کر بری حالت میں مریں گے۔ چنانچہ مقابلہ کے دن بمضمون آیہ کریمہ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ ساکنانِ پہلت کی فتح ہوئی اور مخالفین نہایت ذلت کے ساتھ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ازاں بعد تھوڑے دن نہ گذرے تھے کہ اورنگ زیب کے دربار میں ایک شکایت آمیز عرضی بایں

مضمون پہنچی کہ رستم و اسد اللہ نے ڈاکہ زنی کا پیشہ اختیار کیا ہے اور خلق اللہ کو اپنی جابرانہ کارروائیوں سے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ اگرچہ عالمگیر ان لوگوں کی طرف سے پہلے ہی بدظن ہو چکا تھا اور بہت سے بُرے خیالات اُس کے دل میں جم گئے تھے لیکن اس شکایت آمیز عرضی اور چند خطوط نے اس کے ظن کو اور بھی مستحکم کر دیا اب اس کا جوش بڑھ گیا۔ اور رستم و اسد اللہ کے قتل پر متوجہ ہو گیا۔ سیاست ملکی کے قانون نے قطعی طور پر اُن کا استیصال کرنا چاہا اور دربار شاہی سے فرمان جاری ہوا۔ کہ رستم و اسد اللہ کو پابزنجیر کر کے حاضر دربار کیا جائے چنانچہ اس طرف کے حاکم نے ان دونوں ظالموں کو قید کر کے روانہ دربار کیا اور یہ دونوں ستمگار بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالے گئے۔

شیخ کی فراست

شیخ صاحب ایک دفعہ اتفاقاً ایک گاؤں میں تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے ایک قریب المرگ مریض کا قارورہ دکھایا جو موت کے تلخ گھونٹ پی رہا تھا۔ آپ نے فوراً نسخہ لکھ کر حوالہ کیا اسی مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی حاضر تھا۔ شیخ کی یہ کیفیت دیکھ کر بولا کہ حضور نے مریض کی بیماری کی تشخیص کی ہے کہ نہیں۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ ایک عورت کا قارورہ تھا جس کا نام یہ ہے اور جس کے اخلاق و عادات اس قسم کے ہیں اور فلاں مرض میں مبتلا ہے۔ مجھے اس کے تمام افعال و احوال ایک ایک کر کے معلوم ہیں طبیب بولا کہ حضرت! یہ مسئلہ طب میں کہاں لکھا ہے فرمایا اسے طب نہیں کہتے بلکہ اس کا نام فراست صادقہ ہے۔

شیخ کے عام اخلاق

شیخ کے علمی فضائل و کمالات کی نسبت جو کچھ ہمیں لکھنا تھا مختصراً لکھ چکے۔ اب آپ کے اخلاق و عادات کا ایک سرسری اور اجمالی خاکہ کھینچتے ہیں۔ شیخ کے حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پرلے درجہ کے مستغنی المزاج تھے یہی وجہ تھی کہ امراء و وزراء سے ملنا پسند نہ کرتے تھے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہونے کو معیوب سمجھتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے اگر کوئی امیر دولت مند آپ کی مجلس میں آ نکلتا تو عام خوش اخلاقی سے پیش آتے اور شریف القوم کی خصوصیت کے ساتھ زیادہ عزت کرتے آپ کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تھے۔ غرور و نخوت ترفع و کم بینی نام تک کو نہ تھی۔ گو آپ کسی بات میں کسی کے محتاج نہ تھے۔ لیکن پھر بھی مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی اور عجز و انکسار تھا۔ ہر ایک شخص کو خواہ وہ کسی قدر و منزلت

کا آدمی ہوتا خوش اخلاقی اور فیاض طبعی سے پیش آتے۔ علمار کی انتہا سے زیادہ تعظیم کرتے درویشوں اور صالحوں سے ان کے مکان پر جا کر ملاقاتیں کرتے اگر کسی کی بیماری کا حال سنتے تو فوراً اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔

طرز معاشرت آپ کا عام طرز معاشرت ہر طرح کی بناوٹ و تکلف سے خالی اور قابل تقلید تھا جو سامنے آیا تناول کر لیا اور جو میسر ہوا پہن لیا اپنے زمانہ کے ہمعصروں سے دوستانہ ملتے تھے اور کبھی کسی کی طرف سے ذرا کدورت نہیں رکھتے تھے۔

فیاضی بزرگانِ دین سے عام قسم کا تعلق تھا۔ اور صوفیائے کرام سے دلی عقیدت مندی تھی۔ خویش و اقارب سے حسن سلوک غربار کی امداد۔ مہمانوں کی خاطر و مدارات عام و خاص میں مشہور تھی اور اس کا چرچا اس قدر پھیل گیا تھا کہ آپ تمام ہندوستان میں روشناس ہو گئے تھے۔ غریبوں اور بیکسوں کے حال پر شفقت کرنے اور در پردہ ان کی خبر گیری کرتے رہنے کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سے بعض واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ کیا زمانہ بچپن اور کیا عالم شباب میں کسی ممنوع فعل کے مرتکب نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ طریقہ محمدیہ کے قدم بقدم چلتے رہے گویا اتباع شریعت آپ کا جبلی خلق تھا۔ رات کا اکثر حصہ تہجد گذاری میں صرف کرتے اور اوقات نماز میں بکثرت نوافل پڑھا کرتے۔ باوجود پابندی شریعت اور ان فضائل کے شیخ زاہد خشک بھی نہ تھے۔ بلکہ ہر بات میں توسط اور میانہ روی کو دوست رکھتے تھے نہ راہبوں کی طرح رہبانیت کے تنگ و تاریک کوچہ میں قدم فرسا تھے نہ مطلق العنانوں جیسے مداہنت و تہاون کی طرف مائل تھے۔

طرز لباس ہمیشہ وہ شریفانہ لباس زیب بدن فرمایا کرتے جس میں کسی طرح کا تکلف کرنا نہ پڑتا۔ نرم و سخت کا اعتبار نہ کرتے بلکہ جس صفت کا میسر ہو جاتا بڑی خوشی کے ساتھ قبول فرماتے۔ لیکن خدا تعالے آپ کو اچھا اور نرم ہی لباس بغیر آپ کے اختیار کے عطا فرمایا کرتا۔ ایک دفعہ آپ ایک فاخرانہ اور قیمتی لباس زیب جسم کئے ہوئے تھے کہ ایک خشک صوفی نے اس میں بحث چھیڑ دی۔ شیخ نے فرمایا کہ میرے لباس کا ایک ایک تار اگرچہ شال در شال اور نہایت قیمتی ہے۔ لیکن حقیقت میں محبت الٰہی کا کمند ہے کیونکہ میری کوشش و سعی کے بغیر خداوندی دربار سے عنایت ہوا ہے اور تیرے

لباس کا ہر ہر تار اگرچہ ایک بڑ موٹا ٹاٹ ہے مگر دراصل وہ ایک نہایت زہر یلا اژدہا ہے۔ کس لیے کہ تو نے اسے اپنی کوشش اور ارادہ سے بہم پہنچایا ہے فی الواقع شیخ کا یہ حکیمانہ قول نہایت ہی قیمتی اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فلاسفر شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار۔

شیخ خود فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے دنیا کو ترک کیا ہے اس وقت تک اپنے لیے نہ تو بازار سے نہ تو کسی قسم کا لباس ہی خرید کیا ہے نہ عمامہ وچوتا ہی بلکہ جب جس چیز کی ضرورت پڑی خدا تعالےٰ نے اپنی قدرت سے فوراً مہیا کر دی۔ الغرض شیخ کے تمام اخلاق وعادات ایسے شائستہ و پسندیدہ تھے جن کی نظیر دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتی تھی۔ اور آپ میں وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک پاکباز دیندار ولی کامل میں ہونا چاہئیں۔ علم وفضل فہم وفراست۔ عزم وثبات۔ سخاوت وشجاعت۔ عقل وتدبیر۔ فکر واصابت رائے۔ عالی دماغی۔ حوصلہ مندی۔ اتقا وپرہیزگاری۔ نفس کشی ووفاشعاری۔ راستبازی وخدا ترسی بے طمعی۔ عاجزی وانکساری۔ حلم وبردباری وغیرہ وغیرہ شریفانہ اخلاق میں سب سے مستثنیٰ وممتاز تھے۔

شیخ کا تعامل

باوجود ایسے عظیم الشان عالم وفاضل ہونے کے تکلف وتعصب مزاج میں نام کو نہ تھا اکثر امور میں تو آپ حنفی مذہب ہی کے مطابق عمل کرتے اور حنفی فقہ کے مسائل پیش نظر رکھتے تھے لیکن بعض وہ مسئلے جنہیں حدیث نبوی یا وجدان کی رو سے دیگر مذاہب میں ترجیح حاصل ہے بغیر تردید وانکار عمل میں لاتے تھے منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ آپ نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح جنازہ کی نماز میں بھی سورۂ فاتحہ ترک نہ کرتے تھے۔ اگرچہ اس عہد میں اس حد فاصل کا نام ونشان تک نہ تھا جو آج ہمارے زمانہ میں حنفی وشافعی اور مالکی وحنبلی کے گروہوں میں دیکھی جاتی ہے بلکہ ہر فرقہ کے علیحدہ پیشوا بلا تامل ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور باہم ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ برتتے تھے کوئی کسی پر طعن وطنز نہ کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک دن شیخ عبدالاحد قدس سرہ نے اس مسئلہ میں بحث چھیڑ دی اور اپنے اسلاف کی ایک متواتر نقل بایں مضمون پیش کی کہ نماز جماعت بالکل اس

درباری جماعت کے مشابہ ہے جو ایک اولوالعزم اور پرشوکت بادشاہ کا درباری ادب اسی امر کا متقاضی ہے کہ تمام لوگ ایک زبان ہو کر اپنی حاجتیں عرض کریں نہ یہ کہ کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ بولے شیخ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے حنفی مذہب کی تائید میں جو کچھ فرمایا ہے محض قیاس ہے اور قیاس بھی مع الفارق کیونکہ حقیقت میں دعا اور خضوع کے ساتھ مناجات کرنا اور نفس کو تہذیب و تزکیہ سے آراستہ کرنا نماز ہے جیسا کہ حدیث نبوی لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام الکتاب اس دعوے پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ خدا تعالےٰ سمیع ہے اگر تمام دنیا جہان کے لوگ ایک میدان میں صف آرا ہوں اور ہر شخص ایک جدا لغت اور نئے الفاظ میں مناجات کرے تو وہ ہر شخص کی علیحدہ علیحدہ مناجات سن سکتا ہے اور ایک شخص کی مناجات دوسرے کی مناجات میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ اس مناظرہ کی ذیل میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے پر آیہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کو استدلالاً پیش کرتے ہیں ان کا یہ استدلال نہایت ضعیف و کمزور ہے کیونکہ غایت مافی الباب یہ ہے کہ آیۂ مذکورہ صرف نماز جہریہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کی تاویلات تفاسیر معتبرہ میں بشرح و بسط مذکور ہیں۔

شیخ کے تصرفات و کرامات اور دعا کی مقبولیت وغیرہ

شیخ کے تصرفات شیخ کے کشف و تفرس کے واقعات اس سے پیشتر کسی قدر اختصار کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے تصرفات و کرامات کے چند واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک باشندہ سہرند کو اولیاء اللہ کے تصرفات کا بالطبع انکار تھا لیکن تاہم ایک عزیز کے سلسلہ میں داخل تھا اور اس سے بیعت کر چکا تھا۔ اتفاقاً عید کے روز محترم و بزرگ شیخ احمد سہرندی کے فرزند رشید شیخ محمد معصوم سے مصافحہ کیا آپ نہایت خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اور معمولی مزاج پرسی کے بعد فرمایا تم کہاں تھے۔ بہت روز کے بعد ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد معصوم کی مہربانی نے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس کا دل خود بخود آپ کی خدمت کی طرف مائل ہو گیا اس کا شوق جوں جوں شیخ محمد معصوم کی خدمت میں بڑھتا جاتا تھا ویسے ویسے اس عزیز کی

خدمت میں قصور و کمی واقع ہوتی جاتی تھی۔ جس سے یہ پیشتر بیعت کر چکا تھا۔ لیکن جب وہ عزیز اس قصہ سے آگاہ ہوا تو غصہ کے مارے جلا اٹھا اور شیخ محمد معصوم کے ہلاک کرنے پر ہمت مقرر کی شیخ نے بھی اس کی مدافعت پر کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی شر خود اسی پر الٹ پڑی اور ہلاک ہو گیا۔ اب یہ شخص اگرچہ پہلے پہل یکسو و یک جہت ہو کر شیخ کی خدمت میں معروف رہا مگر ایک مدت کے بعد شک و اضطراب میں پڑ گیا۔ اور فسخ بیعت کر کے کسی اور درویش کی خدمت میں پہنچا غرضکہ بہت سے درویشوں کی خدمت میں یوں ہی پھرتا رہا اور اپنے جبلی انکار کی وجہ سے کہیں سے متمتع نہیں ہوا۔ شدہ شدہ شیخ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور کہنے لگا یا تو دنیا میں کوئی صاف تصرف ہے ہی نہیں یا ہے تو میری نظر میں نہیں پڑا۔ شیخ نے فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر ایک خاص نظر ڈالی جس سے وہ بے خود ہو گیا اور حالت غیبت میں ایک عجیب و غریب واقعہ نظر پڑا کہ گویا سبز لباس عطا کیا گیا ہے جب ہوش و حواس میں آیا تو شیخ صاحب نے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس نے دل سے اعتراف کیا اور ازاں بعد اہل اللہ کے تصرف و کرامت میں کبھی شک نہیں کیا۔

ایک دفعہ محمد مظفر نامی شخص نے شیخ کو ایک خط لکھا اور ایک شخص کی معرفت روانۂ خدمت کیا اس میں لکھا تھا کہ حامل رقیمہ اولیاء اللہ کی توجہ و تاثیر کا منکر ہے اگر آپ نظر خاص سے اس پر متوجہ ہوں گے تو امید ہے کہ یہ راہِ راست پر آ جائے گا شیخ نے خط کا مطالعہ کرتے ہی ایک سرسری نظر سے اُسے دیکھا فوراً بے ہوش ہو گیا اور غیبت کلی حاصل ہوئی۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنے عقیدہ فاسد سے توبہ کی اور سخت نادم و پشیمان ہوا۔

شیخ کی کرامت

شیخ عبدالاحد سہرندی کی مجلس میں اکثر اوقات علمی چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی۔ اور اہل اللہ کے تصرفات و کرامات کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شخص بول اٹھا کہ اس زمانہ میں میری نظر میں تو کوئی صاحب کرامت گذرا ہے نہیں۔ شیخ عبدالاحد نے اس کے عقیدہ کی درستی کے لیے سات روپے اس کے سامنے رکھے اور فرمایا دیکھو یہ سات روپے میں نے شیخ عبدالرحیم کے نذرانہ کے لیے رکھے ہیں۔ لیکن جب وہ تشریف لائیں گے تو میں صرف پانچ روپے پیش کروں گا۔

اس پر دیکھو وہ کیا کہتے ہیں اس کے بعد شیخ عبدالاحد نے ایک شخص کو شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ انہیں ہمراہ لے آئے چنانچہ جب شیخ تشریف لائے تو پانچ روپے نذر کئے گئے اور ساتھ ہی کہا گیا کہ یہ آپ کا نذرانہ ہے براہ عنایت قبول فرمائیں شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ میرا نذرانہ تو سات روپے ہیں پانچ کیوں دیئے جاتے ہیں چنانچہ شیخ عبدالاحد نے دو روپے اور ان میں شامل کر دیئے۔ زاں بعد شیخ نے ہنسی سے فرمایا کہ اس امتحان کا کفارہ بھی دلوایئے۔ شیخ عبدالاحد نے ان میں دو روپے اور اضافہ کئے۔ اور بمنت عرض کیا کہ اس سے میری غرض آپ کا امتحان نہ لینا تھا بلکہ اس شخص کے عقیدہ کی اصلاح منظور تھی چنانچہ وہ شخص شرمندہ ہو کر چپ ہو رہا اور اہل اللہ کی کرامت کا قائل ہو گیا۔

جب اورنگ زیب دنیا سے کوچ کر گیا اور اس کی اولاد میں باہمی خانہ جنگیاں پھوٹ نکلیں اور محمد اعظم اپنے بھائی محمد معظم پر ایک خونخوار لشکر کے ساتھ اکبر آباد پر حملہ آور ہوا تو بعض لوگوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ ان دونوں میں کسے فتح نصیب ہو گی۔ فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ اکٹھی سات بندوقیں محمد اعظم پر چھپائی ہوئی ہیں بھلا اس صورت میں محمد اعظم کس طرح جانبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس جنگ کا خاتمہ محمد اعظم کے قتل پر ہوا۔ اسی طرح جب معزالدین تخت پر جلوس فرما ہوا اور فرخ سیر نے پورب کی طرف سے خروج کیا تو معزالدین سخت متوحش اور بے چین ہو کر بیسیوں درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور فتح کی بشارت و دعا کی درخواست کی۔ اسی اثنا میں کسی نے شیخ سے بھی نقل کیا معزالدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے فرمایا اس کا یہاں آنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر میں نفس الامری واقعہ بیان کروں گا تو سخت ناخوش و بددل ہو گا۔ اور اگر اس کے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولوں گا تو فقیروں کی شان کے لیے جھوٹ بولنا اور نفس الامری بات کو چھپانا ہرگز زیبا نہیں چنانچہ جب معزالدین اور فرخ سیر کا مقابلہ ہوا تو انجام کار فرخ سیر کو فتح نصیب ہوئی۔

ایک دفعہ شیخ کے بڑے صاحبزادے صلاح الدین کسی مہلک اور خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے اور بیماری نے یہاں تک طول پکڑا کہ زندگی کی امید بالکل منقطع ہو گئی اور شیخ صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا صلاح الدین کی زندگی کی رگ کٹ چکی تو لوگوں کو کفن خرید کر لانے اور قبر تیار کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فوراً میرے دل میں ایک جوش اٹھا اور ایک تنہا گوشہ میں بیٹھ کر دست بدعا ہوا جب میری الحاح و عاجزی

حد سے تجاوز ہو گئی تو ایک فرشتہ حاضر ہوا اور صلاح الدین کے حیات و صحت کی بشارت دی اسی اثناء میں شیخ صلاح الدین کو چھینک آئی اور کروٹ بدل کر کھڑے ہو گئے۔ ایک صاحب صورت شخص روم سے ایران میں اور ایران سے ہندوستان میں آیا جسے عبداللہ چلپی کہہ کر پکارتے تھے اور جس کے عجیب و غریب مشاہدات لوگوں سے محسوس کئے تھے۔ اس کی نسبت ایک یہ بات بھی مشہور تھی کہ پورے چالیس روز بے آب و دانہ حجرہ میں معتکف رہتا ہے لوگ حجرے کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور چالیس دن بعد صحیح سالم نکل آتا ہے یہ بھی سنا جاتا تھا کہ اندھیرے میں بیٹھ کر قرآن مجید لکھتا اکثر ایسا ہوتا کہ زمین میں گھس جاتا اور جہاں چاہتا نکل آتا رفتہ رفتہ لوگوں میں اس کی یہ باتیں مشہور ہو گئیں اور وہ اولیاء اللہ اور کرامتیوں کے زمرہ میں شمار کیا جانے لگا۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اس کے یہ کمالات و فضائل سن کر میرے دل میں بھی اشتیاق ملاقات کی آگ بھڑک اُٹھی اور اس سے ملنے کے لیے روانہ ہوا ان دنوں عبداللہ چلپی بادشاہ سے مخفی ہو کر ایرانیوں کے مکان پر قیام پذیر تھا۔ ابتداءً مجھے ایرانی روافض کا سامنا کرنا پڑا۔ اور متنازعہ فیہ مسائل میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ اگرچہ میں ان جہلاء کو منہ لگانا نہیں چاہتا اور ان سے مناظرہ کرنا خلاف شان سمجھتا تھا۔ لیکن اتفاق سے مجھ میں اور ان میں مناظرہ شروع ہو گیا اور چونکہ میں نے اپنے تئیں ابتداءً سنی ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ دریافت کرنے پر اپنا مذہب خذ ما صفا ودع ما کدر بتلایا تھا۔ اس لیے وہ چنداں تعصب سے پیش نہ آئے۔ مناظرہ شروع ہونے سے پیشتر بارہ مسئلے متعین ہوئے۔ جنہیں میں نے ترتیب وار ایک ایک مسئلہ کر کے بیان کیا اور برہانی و خطابی دلائل سے برابر الزامی جوابات دیتا رہا سب ملزم ہوئے اور کسی کو محل انکار نہیں رہا۔ آخر کار سب متفق ہو کر بول اُٹھے۔ انصاف یہ ہے کہ جس پہلو پر آپ نے ان مسائل کی توضیح کی ہے۔ ہمیں اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو ہے جس کا اثر ہمارے دلوں میں برقی قوت بن کر دوڑ گیا ہے اور ہم ذرا بھی تاب جواب نہیں رکھتے۔ الغرض جب اس مناظرہ کا خاتمہ ہو گیا تو میں نے عبداللہ سے ملاقات کی لیکن سچ پوچھیے تو میری نگاہ عبداللہ کے استقبال کو جس طرح بڑی بیتابی کے شوق سے بڑھی تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر اس سے زیادہ نفرت و بدمزگی کے ساتھ پلٹی۔ کیونکہ میں نے ایک ہی نظر میں معلوم کر لیا کہ وہ اولیاء اللہ کے طریق سے بالکل بے بہرہ

ہے چنانچہ میں نے اس کی تعظیم سے پہلوتہی کی اور نہایت مکدر ہو کر واپس آنے لگا میرے چہرہ کا یہ فوری تغیر دیکھ کر ایک ایرانی بولا یہ کیا وجہ ہے کہ جس شوق وذوق سے آپ عبداللہ عبداللہ کی ملاقات کو تشریف لائے تھے اس سے زیادہ آپ نے اُسے دیکھ کر اعراض و پہلوتہی کی میں نے جواب دیا کہ میں عبداللہ کو ولی خیال کرتا تھا۔ لیکن دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ولی نہیں ہے۔ بلکہ صاحب دعوت ہے۔ عبداللہ نے جب میری یہ تقریر سنی تو کہنے لگا انصاف یہی ہے جو شیخ صاحب فرماتے ہیں زاں بعد عبداللہ نے دعاء سیفی پڑھنی شروع کی اور پڑھتے پڑھتے ایک ایسے موقع پر پہنچا جہاں اگرچہ بلحاظ قواعد نحویہ اعراب میں دو دو وجہ کا احتمال تھا۔ لیکن باعتبار وجدان صرف ایک ہی وجہ متعین تھی اور عبداللہ نے دوسری وجہ کو اختیار کیا تھا۔ اس پر میں بول اُٹھا کہ عبداللہ! تم نے اعراب میں غلطی کی ہے اس کے جواب میں اس نے زور سے کہا کہ نہیں میں نے غلطی نہیں کی۔ بلکہ غلطی پر تم ہو اس باب میں مناظرہ شروع ہو گیا اور دعاء سیفی کے وہ نسخے فراہم کئے گئے جو استادوں سے پہنچے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مختلف استادوں کے بارہ نسخوں میں عبداللہ ہی کے مطابق نکلا۔ لیکن تیرھواں نسخہ جو شیخ احمد جام کے تبرکات میں سے تھا اور جو سب نسخوں سے زیادہ معتبر و مستند تسلیم کیا جاتا تھا۔ بعض امراء کے کتب خانہ سے تلاش کر کے موجود کیا گیا۔ اس میں وہی لکھا تھا جیسا کہ میں کہتا تھا۔ عبداللہ نے اعتراف کیا اور اس تلاش و تتبع پر عش عش کرنے لگا زاں بعد ایرانیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا تم جانتے ہو کہ میں نے اس بارہ میں اس قدر موشگافی اور چھان بین کیوں کی؟ اس وجہ سے کہ جب میں اس مقام پر پہنچتا تھا تو ایک ظلمت خیز تاریکی دیکھتا تھا۔ انجام کار عبداللہ چلپی نے شیخ کی ارادت کا حلقہ کان میں ڈالا اور آپ سے بیعت کر کے طریقۂ قادریہ میں داخل ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ شیخ صاحب اس فقیر کو عجیب وغریب معارف کی تعلیم کیا کرتے تھے ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے حدیث اتقوا فراسۃ المؤمن فانہٗ ینظر بنور اللہ تعالےٰ کی تفصیل و توضیح فرمائی اور اس کی شرح میں دو قصے نقل کئے ایک شیخ رفیع الدین صاحب کی فراست کا قصہ دوسری اپنی فراست کا واقعہ آپ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک فقیر وضع شخص سر سے پاؤں تک برقع میں لپٹا ہوا آیا جو نہایت سوز و گداز سے ہر وقت و ہر لحمہ عاشقانہ اشعار پڑھتا اور گریہ وزاری کیا کرتا تھا۔

مجھ سے بیعت کرنی چاہی۔ اور قیام کے لیے ایک گوشہ کی درخواست کی مگر میں نے اس سے طبعی نفرت اور بے توجہی ظاہر کی جب وہ باہر چلا گیا تو میں نے حاضرین کو متنبہ کیا کہ یہ ایک نہایت زہریلا سانپ ہے تا بہ امکان اس سے محترز و مجتنب رہنا چاہیئے لیکن حاضرین نے میری اس تقریر کو رغبت کے کانوں سے نہیں سنا اور دل ہی انکار کیا۔ مگر تھوڑی مدت نہ گذری تھی کہ وہی شخص عورت کا روپ بھر کر عاقل خاں کے گھر میں خیرات کی تقریب میں گھس گیا (عاقل خاں اس زمانہ میں دہلی کا صوبہ اور عالمگیر ہی دربار کا ایک معزز و ممتاز گورنر تھا) جب وہاں سے پلٹ کر آنے لگا تو دربان نے اس کی ہیئت رفتار کو نگاہ تعجب سے دیکھا اور دل میں یہ خیال کر کے کہ عورتوں کی رفتار سے اس کی رفتار بالکل جدا ہے۔ درپے تجسس ہوا اور جب حقیقت امر واضح ہوا تو گرفتار کر لیا گیا استفسار کے بعد معلوم ہوا کہ کسی شریف عورت کو ورغلا کر بھگا لایا تھا۔ اور اس کی برقع پوشی اور گوشہ نشینی کی علت غائی یہی تھی۔

شیخ کی قبولیت دعا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بارش بند ہوگئی اور قحط سالی کے آثار تمام اطراف چھا گئے عام لوگوں میں ایک طرح کی بے چینی پھیل گئی اور جب بے قراری حد اعتدال سے بڑھ گئی تو شیخ کی خدمت میں رجوع کر کے دعا کے خواستگار ہوئے۔ شیخ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ دعا کا ہنوز خاتمہ بھی نہ ہوا تھا کہ ایک گھرا ابر نمودار ہوا اور خفیف سی ترشح ہونے لگی اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ کثرت بارش بھاری خام اور کچی دیواروں کی پوشش پر موقوف ہے۔ یہی تدبیر ہمارے مکان کی دیواروں کے ڈھانے اور مسمار کرنے سے احتراز کرتی ہے آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ لوگوں نے ایک عاجلانہ حرکت کے ساتھ بانس اور گھانس فراہم کر دی اور شیخ کے مکان کی دیواروں کو گھانس سے پاٹ دیا۔ پھر جو موسلا دھار پانی پڑنا شروع ہوا تو تمام خشک چشمے اور سوکھی نہریں ابل پڑیں۔ اور ایک مدت تک لوگوں کو بارش کی حاجت نہیں رہی۔

شیخ پر لوگوں کا حسد

ادنےٰ سے اعلےٰ درجہ تک کے لوگوں کو یہ بات تسلیم ہے کہ دنیا میں کوئی کیسا ہی صاحب اقبال اور اہل دنیا سے بے تعلق کیوں نہ ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ تمام ملک وقوم کو راضی کر سکے شیخ کے فضل و کمال کا ستارہ

جب عروج پر پہنچا اور آپ کے کشف وکرامات کا چرچا گھر گھر پھیل گیا تو آپ کے اقبال اور اوج حشم کو دیکھ کر بعض لوگ حاسد ودشمن پیدا ہو گئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی خدا کا فضل وکرم ہر وقت آپ کے شامل حال رہا اور کسی دشمن کا مکر وفریب ذرا چل نہ سکا چنانچہ خود شیخ صاحب اس قسم کے چند واقعات اپنی قلم مبارک سے تحریر فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ جب میں ابتدائی زمانہ میں مرحلے طے کر رہا تھا تو اس وقت یہ کیفیت تھی کہ جسے میں نگاہ قبول سے دیکھتا تھا وہ مجھ پر فریفتہ وشیدا ہو جاتا تھا۔ اسی وجہ سے میں کسی کی طرف التفات نہ کرتا تھا اور محمد فاضل کے بالا خانہ پر تنہا جا بیٹھتا تھا جب لوگوں کی آمد ورفت کا وقت ہوتا تو میں ایک چادر سے اپنے تمام جسم کو چھپا لیتا۔ اتفاقاً ایک روز ہدایت اللہ بیگ اس قرابت کی وجہ سے جو ان دونوں میں متحقق تھی آیا اور میرا اس کا سامنا ہو گیا مجھے دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور بیعت کی استدعا کی۔ چونکہ میں نے پہلے سے سن رکھا تھا کہ وہ ایک نقشبندی عزیز کے ساتھ ربط بیعت رکھتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ تمام فقراتن واحد کے منزلے میں ہیں اور جب یہ ہے تو اسی عزیز کا حق مقدم ہے جس سے تم پہلے بیعت کر چکے ہو لیکن جب اس نے انتہا سے زیادہ مبالغہ کیا اور اس کی فریفتگی وشیفتگی حد سے متجاوز ہو گئی تو مجبوراً میں نے اس سے بیعت لے لی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس عزیز کی خدمت میں قصور نہ کرنا اور تا بہ امکان اس جدید بیعت کا اظہار نہ کرنا مگر شدہ شدہ اس عزیز کے کان تک یہ خبر پہنچ گئی۔ غصہ میں جھلا اٹھا اور ہدایت اللہ بیگ کی معرفت مجھے کہلا بھیجا کہ ابھی تمہاری جوانی کا زمانہ ہے اور تم طلب کا درجہ رکھتے ہو نہ ارشاد کا میں نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ فطرت کی بخششیں اور حق تعالے کے عطیئے کبرسنی پر موقوف نہیں ہیں۔ نیز بقول ایک فلسفی کے۔

"بزرگی بعقل است نہ بسال"

فضیلت وبزرگی کا تاج اسی سر پر منحصر نہیں ہے جو عمر میں بڑا ہو۔ جب میرا یہ پیام سنا تو غصے میں سرخ ہو گیا اور دوبارہ کہلا بھیجا کہ میرے انتقام سے غفلت میں نہ رہنا چاہیئے میں نے کہا لایحیق المکر السیئ الا باھلہ ط تم جو کر سکتے ہو کر گذرو انشاء اللہ اس کا وبال تم ہی پر پڑے گا چنانچہ اس نے میری ایذا پر کمر ہمت باندھی اور میں بھی رافعت میں مشغول ہوا نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس عزیز کو ظاہر ہوا کہ سینہ میں خنجر لگا اور جام حیات لبریز ہو

گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ اس نے ہدایت اللہ بیگ کو بلا کر معذرت کی اور نیازمندی ظاہر کر کے کہا یہ تو مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ اب میں کسی طرح جانبر نہیں ہو سکوں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ شیخ میرے ایمان کو تباہ و برباد نہ کر دیں۔ میں نے کہا اگر تم میری ایذا کے درپے نہ ہوتے اور اس بارہ میں پہل نہ کرتے تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی کیوں پہنچتی الحمد اللہ کہ تمہارے ایمان میں کسی قسم کا ضرر رجوع نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی شب کو وہ عزیز عالم آخرت کی طرف کوچ کر گیا۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں ہیں۔ ایک دفعہ میرے اہل محلہ نے مجھ پر جادو کیا ایک رات کو میں جائے ضرور گیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جوگی کا روپ بھرے ہوئے کھڑا ہے۔ میں چند قدم اس کی طرف بڑھا اور پاؤں سے جوتا اتار کر خوب پیٹا فوراً ایک دھواں ظاہر ہوا اور دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا۔ ایک اور مرتبہ مخالفوں نے سحر کر کے اپنا دلی بخار نکالنا چاہا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آگ کا پتلا آتشیں گھوڑے پر سوار اور آتشیں نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے مجھ پر پلا آتا ہے۔ اسی حالت میں میں نے ایک نرسر کا ٹکڑا ہاتھ میں لیا اور قرآن کی کوئی سورت پڑھ کر بیباکانہ اس پر حملہ کیا۔ نرسر کی ضرب کھاتے ہی سوار نیز اس کا گھوڑا و نیزہ پھکا ہوا کوئلہ ہو کر گر پڑا۔ صبح کو مخدومی شیخ ابوالرضا کے سامنے میں اس واقعہ کو بیان کر رہا تھا کہ ایک بلی کا بچہ میرے سامنے سے گذرا جوں ہی میں نے اس پر ہاتھ رکھا فوراً ایک جست کی جست کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خون بہنے لگا اور موت کے گھونٹ پی کر راہ فنا پر گامزن ہوا۔ ایک اور مرتبہ لوگوں نے مجھ پر سحر کیا جس کی وجہ سے سخت بیمار ہو گیا ہر چند کہ علاج کیا گیا اور ازالۂ مرض کی تدبیریں پے درپے کی گئیں لیکن کوئی تدبیر مؤثر نہ پڑی۔ اسی اثناء میں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ کھڑے فرما رہے ہیں کہ تم پر سحر کیا گیا ہے قرآن کی فلاں فلاں آیتیں پڑھو۔ ایک دفعہ حاسدوں نے مجھ پر ایک طوفان اٹھایا اور قاضی کی عدالت میں جا استغاثہ دائر کیا۔ طلبی کے بعد مجھے بھی عدالت میں جانا پڑا خدا کی قدرت کہ گواہوں کے منہ کالے پڑ گئے اور زبانیں گنگ ہو گئیں۔ بھری عدالت میں ان کی دروغگوئی ظاہر ہوئی اور مدعی سخت شرمندہ ہوئے۔ ہر چند کہ قاضی نے ان کی تشہیر کرنی چاہی لیکن نے اصرار کیا کہ ان کے لیے یہی فضیحت و ذلت کافی ہے۔

شیخ کی صحبت کا اثر

اثر صحبت

شیخ کے علمی کمال کا پایہ اس قدر ارفع و اعلےٰ تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت میں دلی عقیدت کے ساتھ صحبت رکھتا تھا اس میں ایک ایسا عجیب و غریب اثر سرایت کر جاتا تھا جس کے نظیر سے بڑے بڑے کاملین کے حلقے خالی ہوتے تھے اور بعض بعض آپ کے صحبت یافتہ ایسے مقتدر و معزز تھے جو خود کاملین وقت اور مجتہدین فن میں شمار کئے جاتے تھے۔ محمد فاضل کی لڑکی جس کا نام شریفہ تھا اور جس نے باوجود صغر سنی کے شیخ کی انعکاسی شعاع کو قبول کر لیا تھا اس پر بہت سے امور منکشف ہو گئے تھے اور اپنے عہد میں ولیہ و صدیقہ کے ممتاز القاب سے پکاری جاتی تھی اس کے کشف کی یہ حالت تھی کہ ایک رات واجب الاحترام شیخ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے محمد فاضل کے مکان کی طرف تشریف لیے جاتے تھے اتفاق سے تسبیح آپ کے ہاتھ سے گر پڑی جب آپ مکان میں تشریف لائے تو شریفہ بولی مجھے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی تسبیح فلاں مقام پر پڑی ہوئی ہے۔

ایک دن شریفہ گھر میں موجود تھی کہ دفعتہً کہنے لگی۔ شیخ ہمارے مکان پر آتے ہیں اور اس وقت آپ کو فلاں کھانے کی طرف رغبت ہے۔ گھر والوں نے شریفہ کا بتایا ہوا کھانا تیار کیا چنانچہ شیخ تشریف لائے اور اسی کھانے کی رغبت ظاہر فرمائی۔ ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ شریفہ اپنے گھر میں بیٹھی تھی اور اتفاق سے شیخ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے شیخ سے متوجہ ہو کر بولی کہ شیخ فتح محمد نے ہمارے مکان کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس وقت شیخ فتح محمد ایک شخص سے باتیں کرنے کھڑے ہو گئے ہیں اور ایسے مقام پر کھڑے ہوئے ہیں کہ خود تو دھوپ میں ہیں اور وہ شخص سایہ میں ازاں بعد بولی کہ شیخ نے بازار سے تین نارنگیاں خرید کی ہیں دو اپنے لڑکوں کے واسطے اور ایک آپ کے لیے پھر کہا کہ اب شیخ کی نیت بدل گئی ہے کیونکہ وہ نارنگیاں تو آپ کے لیے مقرر کی ہیں اور ایک دونوں فرزندوں کے واسطے اس کے بعد کہا اب شیخ ہمارے دروازہ پر آ کھڑے ہوئے ہیں چنانچہ جب شیخ فتح محمد سے یہ تمام باتیں دریافت کی گئیں تو انہوں نے بے کم و کاست ویسی ہی بیان کیں جس طرح شریفہ نے کہا تھا۔

محمد غوث پیتی کا بیان ہے کہ ایک دن شیخ حجرہ میں تنہا سوتے تھے میں آپ کی زیارت کے لیے گیا لیکن آپ کے بعض مخلص و بے ریا معتقدین نے مجھے اندر جانے سے منع کیا اور کہا شیخ آرام میں ہیں اس وقت حجرہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے میں مجبور ہوکر دروازہ پر ٹھہر گیا اسی اثنا میں حجرہ کے اندر سے ایک رونے کی آواز میرے کان میں پہنچی جس نے مجھے سخت بے چین کر دیا اور میں ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ بغیر اجازت حجرہ میں گھس گیا حجرہ کے اندر قدم رکھتے ہی بہت سی غیبی چیزیں مجھ پر منکشف ہو گئیں اور ان دیکھی چیزوں کو نظروں کے سامنے پانے لگا۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فرہاد خاں باشندہ حسین پور شیخ کی زیارت کے قصد سے آرہا ہے الغرض جب میں شیخ کے قریب پہنچا تو آپ نے پاؤں مبارک میری طرف پھیلا دیئے اور میں آہستہ آہستہ پاؤں دبانے میں مشغول ہوا اس وقت میرے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا ایک دوسرا جمال ہوتا ہے جو عوام اشخاص کی نظروں سے مستور و مخفی رہا کرتا ہے وہ جمال کیسا ہوتا ہے اب جو میں آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو شیخ کے چہرہ مبارک سے ایک حجاب آہستہ آہستہ اٹھتا جاتا ہے گویا ایک ابر کا ٹکڑا بدر کامل کے حلقہ سے علیحدہ اور جدا ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پردہ فرق مبارک تک مرتفع ہو گیا تو ایک ایسی آنکھوں میں خیرگی اور چکا چوند پیدا کر دینے والی روشنی ظاہر ہوئی کہ میں بیہوش ہو کر گرنے لگا۔ شیخ صاحب میری یہ حالت دیکھ کر فوراً اُٹھ بیٹھے اور وضو کرنے میں مصروف ہو گئے میں یہ تمام واقعہ عرض کرنے کی غرض سے آپ کے پاس گیا۔ فرمایا بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ فرہاد خاں ابھی آیا چاہتا ہے چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد فرہاد خاں خدمت شیخ میں مشرف و ممتاز ہُوا۔

شیخ کے ملفوظات

چونکہ اب شیخ کے علمی کارناموں کا خاتمہ ہے اس لیے یہاں آپ کے بعض حکیمانہ اقوال اور دلآویز فقرے نقل کیے جاتے ہیں جن سے شیخ کی بیدار مغزی اور فضل و کمال اور مختلف خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار اس فقیر کو مجلس صحبت میں

اکثر اوقات حکمت عملی اور آداب معاملہ کے متعلق بہت کچھ تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ان میں سے جس قدر باتیں فقیر کو محفوظ ہیں معرض بیان میں لاتا ہے۔

۱۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں کبھی کسی قوم کو برائی سے یاد نہ کرو مثلاً یوں نہ کہو کہ اہل یورپ ایسے ہیں اور باشندۂ پنجاب اس قسم کے ہیں۔ افغان ایسے اور مغل ویسے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس قوم کا مجلس میں موجود ہو اور اپنی قوم کی برائی سن کر اس کی حمیت کی رگ حرکت میں آئے اور صحبت درہم برہم ہو جائے۔

۲۔ عام مجلس میں جمہور کے مخالف ہرگز کوئی بات زبان پر نہ لاؤ گو فی نفسہٖ صحیح اور درست ہی کیوں نہ ہو کس لیے کہ عام لوگ جب اسے انکار کے کانوں سے سنیں گے تو ضرور ہی بددل ہوں گے اور صحبت منغص و پریشان ہو جائے گی۔

۳۔ اگر تمہیں کسی شخص کی طرف کوئی ضرورت پڑے تو اول اس کے سامنے ایک شائستہ اور معنی خیز تمہید پیش کرو اور حاجت طلبی میں نہایت سہولت و تدریج سے کام لو یہ نہیں کہ پتھر کی طرح بات کو پھینک مارو اور موقع و محل نہ دیکھ کر بات کو ضائع و برباد کر دو۔

۴۔ مرد کو وہ لباس و عادت اختیار کرنا چاہیئے جو اس کی صفت کمال کا نمونہ ہو مثلاً جو شخص دانشمند ہو اُسے چاہیئے کہ دانشمندوں جیسا لباس زیب جسم کرے۔ اور دانشمندانہ طریقہ سے زندگی بسر کرے اور جو شخص فقیر ہو اُسے فقیرانہ لباس سے تن پوشی کرنا چاہیئے اور فقیرانہ زندگی بسر کرنا مناسب ہے۔

۵۔ جب بزرگ اور معزز لوگوں سے ہمکلام ہو تو پیچدار اور مختصر تقریر نہ کرو بلکہ جہاں تک ہو سکے صاف صاف لفظوں میں توضیح مطلب کرو اور اس کے ساتھ ہی کسی قدر آواز بھی بلند کرو اور اونچی کرو کیونکہ مغلق اور پیچیدہ باتیں بزرگوں کے سامنے پیش کرنا نہایت گستاخی و بے ادبی ہے۔

۶۔ مریض کی عیادت سے بڑا مقصود اس کی رضامندی ہے نہ صرف کیفیت مزاج کی اطلاع۔ یہی کیفیت تعزیت اور سفارش کی سمجھنا چاہیئے پس جو ان تمام باتوں کو بجا لایا اور صاحب معاملہ کو اپنی محنت پر مطلع نہیں کیا گویا اس نے اپنی محنت کو ضائع و برباد کر ڈالا۔

۷۔ جب شیخ صاحب یاروں کو رخصت کرتے تو محل وصیت اور مقام تودیع پر یہ بیت اکثر پڑھا کرتے۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرفست
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

۸۔ جو لوگ قدر و منزلت میں تم سے کم درجہ رکھتے ہیں اگر وہ تمہیں ابتداءً سلام کریں تو اُسے خداوندی نعمتوں سے ایک نعمت شمار کرو اور اس کا شکریہ بجالاؤ اُن سے نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ سے ملاقات کرو اور جوش مسرت کے ساتھ مزاج پرسی کرو کس لیے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ ادنےٰ التفات سے جس کی وقعت و قدر تمہاری نگاہ میں کچھ بھی نہیں ہوتی حد سے زیادہ خوش ہو جاتے اور نظر وقعت سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر تمہاری طرف سے بے التفاتی دیکھتے ہیں تو محزون و غمگین ہو جاتے ہیں ؎

صد ملک دل بہ نیم نگہ میتواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

۹۔ بعض آشنا ذاتی محبت رکھتے ہیں کہ اگر تمہاری محبت تدریجاً ان کے دل میں مستقر ہوتی ہے تو پھر کسی حالت میں کیا خوشی و فراخی کے زمانہ میں اور کیا تنگی و سختی کے وقت میں کبھی ان کے دل سے نہیں جاتی ایسے لوگوں کی محبت بہت غنیمت شمار کرنا اور انہیں پیارے فرزندوں سے بھی عزیز تر رکھنا چاہیئے اور بعض آشنا اس قسم کے ہوتے ہیں جن کی آشنائی کا سبب ظہور فضیلت کا نشان ہوتا ہے اور وہ کسی نہ کسی حاجت کی وجہ سے تمہارے آشنا بن جاتے ہیں تمہیں ہر شخص کو جاننا اور ہر ایک کو اس کی منزلت و قدر میں رکھنا چاہیئے۔ اور کسی پر اس کے مرتبہ سے بڑھ کر اعتماد کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

۱۰۔ عقلاء و حکماء کا کام نہیں ہے کہ کسی کام میں صرف استیفا ہے لذت مقصود ہو بلکہ چاہیئے کہ اس کے ضمن میں دفع حاجت یا اقامت فضیلت یا اداء سنت واقع ہو۔

۱۱۔ بات کرنے رستہ چلنے، نشست و برخاست کرنے میں طاقتوروں کی رسم اور ان کی عادات استعمال میں لاؤ اگرچہ فی نفسہٖ ضعیف و ناتواں کیوں نہ ہو۔ اور اگر اتفاقیہ

کوئی عیب یا خیانت تم سے ظہور میں آئے تو اس کے پوشیدہ کرنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کرو اور تا بہ امکان شرمندہ و خجل نہ ہو بلکہ اپنے تئیں صفت مقابل پر بہ تکلف مستعد و آمادہ کرو تاکہ نفس اس سے خوگیر نہ ہو۔

۱۲۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے مخدومی شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ خدا تعالےٰ کا رستہ کیونکر طے کرنا چاہیئے اور کیمیا کا حقیقت میں وجود ہے کہ نہیں شیخ ابوالرضا محمد نے یہ خط جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے حوالہ کر دیا آپ نے اس کے جواب میں لکھا۔

اذا تروحت الاجساد تجسدت الارواح حصل المقصود ؂

۱۳۔ ایک دفعہ شیخ کے ایک مخلص و بے ریا معتقد نے سوال کیا کہ ابنائے روزگار میں کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیئے فرمایا کن فی الناس کاحد من الناس ط پھر اس نے دریافت کیا کہ حضرت حق تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے۔ فرمایا۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ط

۱۴۔ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے اور ہمراہی لوگ نوبت بہ نوبت بہلی پر سوار ہوتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ان لوگوں سے متوجہ ہو کر فرمایا جو بہلی میں سوار تھے کہ آیہ اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ کون سے سیپارہ میں ہے شیخ بدرالحق فوراً اس رمز کو تاڑ گئے اور بہلی سے نیچے اتر کر کہنے لگے کہ حضرت یعتذرون کا پارہ اس آیت کے بعد ہے۔

۱۵۔ شیخ امان اللہ جب کابل کی طرف متوجہ ہونے لگے تو جناب شیخ صاحب سے رخصت ہونے آئے اور دعا کے مستدعی ہوئے فرمایا جس مقام میں قیام پذیر ہو اہل اللہ کے کھوج میں لگے رہو اور جس سالک و مجذوب سے اس معنی کی بو سونگھو اس کی صحبت کو مغتنم سمجھو۔ چنانچہ شیخ امان اللہ کابل کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے فرمان کے بموجب اولیاء اللہ کی تلاش میں رہے لیکن جب واپس آئے تو شیخ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ بیت باآواز بلند پڑھی ؂

آفاق را گردیده ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

۱۶۔ شیخ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق مسئلہ معیت سے حظ اٹھایا۔ اور اپنے ذوق کے مطابق اس سے حصہ خاص لیا ہے۔ جو گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے علم و قدرت سمع و بصر کے ساتھ سب کو محیط ہے ان کی دلیل یہ ہے ما یکون من نجویٰ ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم الخ ایک فریق کا اس پر اعتقاد ہے کہ ہر فعل و انفعال اور ہر حرکت و صفت جو عالم میں ظہور پذیر ہے سب حق تعالےٰ کی طرف سے ہے اس کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے قل کل من عند اللہ دوسری یہ آیت وما بکم من نعمۃ فمن اللہ اور ایک جماعت ہمہ اوست کی قائل ہے ان کی دلیلیں یہ ہیں کل شئ ھالک الا وجھہ ھو الاول والاخر والظاھر والباطن ط اور ایک فریق حق کو حق میں دیکھتا ہے لیکن اس مقام کی اظہار حقیقت سے عبارت محض قاصر و عاجز ہے۔

۱۷۔ لوگ جانتے ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا ایک نہایت دشوار و سخت بات ہے کیونکہ جس قدر ان کے ساتھ زیادہ سلوک کیا جائے گا ہنوز تھوڑا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ بِرّ والدین بہت ہی سہل و آسان امر ہے کس لیے کہ والدین اپنی اس پہلے درجہ کی شفقت و مہربانی کی وجہ سے جو انہیں قدرتی طور پر اولاد سے ہوتی ہے۔ ادنےٰ درجہ کی دلجوئی سے رضامند ہو جانے اور تھوڑی سی چیز کو بہت شمار کرتے ہیں۔

۱۸۔ جب خدا تعالےٰ کسی کو کوئی کیفیت و حالت عنایت فرمائے تو تا بہ امکان اس کی کافی طور پر نگہداشت کرے اور اس کی نگہداشت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے تئیں کسی چیز میں مشغول نہ کرے اور جس متبرک جگہ سے کہ یہ کیفیت حاصل ہوئی ہے اُسے نہ چھوڑے علیٰ ہذا القیاس جس ہیئت پر نشست رکھتا ہے اسے جہاں تک بن سکے نہ بدلے اور بجز اس کے تمام باتوں کو یک لخت ترک کر بیٹھے جیسا کہ حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

ایں چنیں فنون شیخ نیرزد بہ نیم جو
دل را بدست آر ہمیں مشرب است بس

۱۹۔ ایک مرتبہ تمباکو کی نسبت ذکر چھڑ گیا۔ شیخ نے گو اُس کی حرمت کی توضیح و تفسیر نہیں فرمائی۔ لیکن قباحت و شناعت کے بہت سے شواہد ذکر کئے۔ منجملہ ان کے ایک یہ قصّہ نقل کیا کہ لاہور میں دو عزیز سکونت رکھتے تھے ایک انتہا درجہ کا فاضل اور جامع کمالات تھا۔ نیز علوم وہبی وکسبی میں بھی پورا پورا اقتدار رکھتا تھا۔ لیکن تمباکو سے احتراز نہ کرتا تھا۔ دوسرا اگرچہ محض ان پڑھ اور عامی درویش تھا مگر تمباکو سے ہمیشہ محترز رہتا تھا۔ ایک رات دونوں نے اپنی اپنی جگہ واقعہ میں دیکھا کہ گویا یہ درویش عالی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مقدس میں نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور اس فاضل کو مجلس نبوی میں بیٹھنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی جواب دیا کہ چونکہ یہ شخص تمباکو پیتا ہے اور جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اس سے کراہت رکھتے ہیں اس وجہ سے اس کی شرکت اس مجلس میں پسند نہیں فرماتے جب صبح ہوئی تو اس عامی نے بمقتضائے ہمدردی رات کے واقعہ کی تبلیغ کرنی چاہی لیکن جوں ہی اس فاضل کے گھر میں داخل ہوا دیکھا کہ وہ پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہا رہا ہے اور ایک سخت رنج والم میں بھرا بیٹھا ہے جب اس نے اس رونے اور اندوہ و غم کا سبب دریافت کیا تو وہی مجلس نبوی میں شریک ہونے کی عدم اجازت بیان کی اس نے کہا عزیز من! تمہیں خوش ہونا چاہیئے کیونکہ میں نے اہل مجلس سے اس کا سبب دریافت کر لیا ہے اور وہ تمباکو کا پینا ہے فاضل درویش نے یہ تقریر سنتے ہی حقے اور نے کو چُور چُور کر ڈالا اور حقہ کشی سے توبہ نصوح کر لی۔ آنے والی شب کو پھر دونوں نے ایک ہی ساعت میں خواب دیکھا کہ گویا فاضل آنحضرت کی مجلس میں موجود ہے اور تمام لوگوں سے آگے آنحضرت کے بہت ہی قریب بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نہایت مہربانی کے ساتھ اس کی طرف ملتفت ہیں اور بے حد عنایتیں فرما رہے ہیں۔

۲۰۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے دوستوں میں ایک عزیز گو تمباکو سے احتراز کرتا تھا۔ لیکن مہمانوں کے لیے حقّہ وغیرہ گھر میں رکھتا تھا ایک مرتبہ اُس نے خواب میں

دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کے مکان میں تشریف لائے ہیں۔ لیکن مکان میں داخل ہونے کے بعد ہی ایک نفرت و کراہت کے ساتھ مراجعت فرمائی۔ یہ شخص آنحضرت کی یہ نفرت دیکھ کر آپ کے عقب میں دوڑا اور نفرت و کراہت کا سبب دریافت کیا فرمایا تیرے گھر میں حقہ نے چلم موجود ہے اور ہمیں ان چیزوں سے سخت نفرت ہے۔

۱۷۱۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک خیاط سکونت رکھتا تھا۔ ایک دن میں نے ایک آدمی بھیج کر اُسے بلایا معلوم ہوا کہ وہ دفعتاً مرگیا ہے اور اُس کے متعلقین گریہ و زاری میں مصروف ہیں لوگ غسل و کفن کا انتظام کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے جامع مسجد کی طرف جانے کا اتفاق ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ وہی درزی بازار میں کھڑا باتیں کر رہا ہے مجھے اس وقت نہ صرف تعجب بلکہ تعجب کے ساتھ سخت حیرت ہوئی اور جب اس کا واقعہ سنا تو اور بھی تحیر ہوا اس نے بیان کیا کہ میں اسی محلہ کے ایک تنگ گلی میں چلا جاتا تھا۔ کہ دیکھتا ہوں ڈراؤنی شکل کے دو آدمی نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے میری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں جن کی ہیبت و رعب میرے دل میں اس قدر بیٹھ گیا کہ سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگا ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر میرے اس زور سے طمانچہ مارا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ گویا بظاہر میں مرگیا تھا لوگ مجھے بمشکل گھر لائے اور تجہیز و تکفین کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن میں اسی اثناء میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں پُر شوکت و ہیبت شخص مجھے لیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں بہت سے لوگوں کے جھگھٹے لگے ہوئے تھے اور جن کی شکل و شمائل اور ہیبت و صورت بنی آدم کی صورت سے بالکل علیحدہ اور ممتاز تھی۔ لوگوں کے غول اور جھگھٹے کے بیچ میں ایک نہایت مکلف تخت تھا جس پر ایک سردار بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں شخصوں نے مجھے اس سردار کے سامنے پیش کیا [illegible] سردار نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جسے میں نے بلایا تھا اُسے وہیں پہنچا آؤ جہاں سے لائے ہو وہ لوگ مجھے ہمراہ لے کر واپس آتے ہی تھے کہ عقب سے کسی نے باآواز بلند

پکارا اس شخص کو یہاں لاؤ یہ حقّہ پیتا ہے چنانچہ وہ دونوں شخص مجھے پھر اس رئیس کے سامنے لے گئے اور لوہا آگ میں لال کر کے میرے گھٹنے کو داغ دیا۔ جس کی وجہ سے میں چونک پڑا۔ آنکھ کھول کر دیکھتا ہوں تو عزیز و اقارب مجھے غسل دے کر کفن میں لپیٹنا چاہتے ہیں۔

۲۲۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ صاحب مجھ سے بیان فرمانے لگے کہ سید علیم اللہ نے جو شیخ آدم قدس سرہٗ کے اکابر اصحاب میں ایک نہایت ہی مقتدر اور جلیل القدر شخص ہیں اور جن کے فضل و کمال اور علمی کارناموں کو شہرت عام نے ضرب المثل کے ایسے بلند درجے پر پہنچا دیا ہے کہ قوم کے اکثر معززین ان کے ایک ایک بات کو فخریہ استعمال کرتے ہیں۔ تمباکو کی حرمت میں ایک نہایت پرزور اور جوشیلا رسالہ لکھا اور دو افغانیوں کی معرفت علماء دہلی کے پاس روانہ کیا سب سے پیشتر وہ رسالہ میرے سامنے پیش کیا گیا جس میں آیہ یوم تاتی السماء بدخان مبین ؕ اور ان ہی جیسے اور چند دلائل سے تمباکو کی تحریم میں استدلال کیا گیا تھا۔ میں نے ان دونوں شخصوں کو جواب صاف دے دیا۔ کہ یہ جس قدر استدلالات ہیں۔ نہایت کمزور و ضعیف ہیں۔ ایسی نحیف اور بودے استدلالات سے جو کچھ کام نہیں چلتا ازاں بعد میں نے ان بے سرو پا اور غلط روایتوں کی نہایت تفصیل کے ساتھ تردید کی، اور آیت کی تفسیر میں وہ اقوال پیش کئے جو معتبر و مستند مفسرین نے بیان کئے ہیں اگرچہ میری یہ تمام تقریر دل سوزی اور خیر خواہی سے لبریز تھی۔ لیکن ان دونوں افغانیوں نے رغبت کے کانوں سے نہیں سنی، اور ناخوش ہو کر مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ملا یعقوب کے درس گاہ میں پہنچے جو دہلی کے فضلاء میں اگرچہ ایک مشہور اور مسلم الثبوت فاضل تھا مگر تمباکو پینے کا سخت عادی تھا۔ یہ لوگ جب ان کی مجلس میں پہنچے اور اسے بر سر مجلس حقہ پیتے دیکھا تو انکار و اعتراض سے پیش آئے۔ ملا یعقوب نے کہا کہ میں حقّہ بر سر مجلس اس لیے پیتا ہوں کہ لوگوں کو اس کی اباحت معلوم ہو جائے اور اگر کسی کو حقّہ کے مباح ہونے میں شبہ ہو تو بسم اللہ پیش کرے۔ سید علیم اللہ کے فرستادوں نے نہایت جرأت و بے باکی سے کہا کہ چونکہ اس مسئلہ کا ماخذ موجود ہے اس لیے اس کا فیصلہ بت

آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور یہ اصول روایت و درایت دونوں سے حل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے رسالہ کی چند نقلی روایتیں اور حدیثیں پیش کیں جنہیں ملا یعقوب نے ادنیٰ توجہ کے ساتھ رد کر دیا دونوں مغموم و محزون ہو کر پھر میرے پاس آئے اور مناظرہ کی ساری کیفیت دہرائی۔ میں نے کہا عزیزان من! تمہارا دعوئے تحریم پھر اس پر ان بے وسروپا اور ضعیف روایات سے استدلال کرنا حقیقت میں اسی قابل تھا جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا۔ لیکن اب تم ملا یعقوب کے پاس جاؤ اور آیہ کا شان نزول دریافت کرو جب تم یہ سوال پیش کرو گے تو ملا یعقوب فوراً جواب دے گا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی محترمہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شربت شہد تناول فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت زینب سے رشک کر کے اس بات پر باہم مشورہ کیا کہ آج جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے پاس تشریف لائیں وہ ایک افسوسناک لہجے میں عرض کرے کہ حضور کے منہ مبارک سے گندنے کی بو آتی ہے۔ چنانچہ تمام تر بیبیوں نے متفق ہو کر یہی بات کہی جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا میں نے گندنا تو نہیں کھایا ہے البتہ شہد کا شربت پیا ہے۔ اس پر بیبیوں نے عرض کیا معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی گندنے کے درخت پر بیٹھی ہو گی اس پر آنحضرت نے اپنے حق میں شہد حرام ٹھہرالیا اور یہ آیت نازل ہوئی جب ملا یعقوب آیت کے شان نزول کی بابت یہ تقریر کر چکے تو تم دریافت کرنا کہ آخر اس کی علت کراہت کیا تھی۔ ملا یعقوب بجز اس کے اور کچھ کہہ ہی نہ سکے گا۔ کہ علت کراہت بدبو تھی اس وقت تم پوچھنا کہ حدیث شریف میں جو تواتر آیا ہے کہ تو یہاں علت نہی کون چیز ہے اس کے جواب میں بھی ملا یعقوب یہی کہے گا کہ بو جھے بد اس پر تم بے دھڑک ہو کر پوچھنا کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت خوشبو سے رغبت اور بدبو سے نفرت رکھتے تھے۔ صحیح ہے کہ نہیں اگر صحیح ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمباکو میں بدبو ہے یا نہیں ملا یعقوب اگر اس سے انکار کر جائے اور کہہ

بیٹھے کہ تمباکو میں بدبو نہیں ہے تو تم کہنا کہ جن لوگوں نے مدت العمر تمباکو نہیں پیا ہے ان سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی بو دماغ کو اچھی معلوم ہوتی ہے یا بری اور جب اس میں بوئے بد ہونا ثابت ہوتا ہے تو احتیاط اور اہل ورع و تقوےٰ کے مناسب حال یہی ہے کہ تمباکو پینا ترک کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں شخص ملا یعقوب کے پاس گئے اور تقریر کا سلسلہ اسی اسلوب پر چھیڑا جس طرح کہ واجب الاحترام شیخ نے تعلیم کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملا یعقوب کو ان باتوں کا اعتراف کرنا پڑا فوراً چلم و نے کو چور چور کر ڈالا اور ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔

شیخ کے مکتوبات

شیخ کے ملفوظات اور حکیمانہ مقولے جس قدر نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے آپ کے علم و فضل و بزرگی اور علمی کمالات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے شیخ کے حکیمانہ اقوال اور دل آویز مقولوں کی فہرست اگرچہ ایک نہایت طول طویل فہرست ہے لیکن ہم نے آپ کے صرف انہیں نتیجہ بخش اور حکمت آمیز فقروں کو قابل انتخاب سمجھا ہے۔ جن سے عام لوگ زیادہ متمتع ہو سکتے۔ آپ کے مکتوبات بھی نہایت مفید اور کار آمد ہیں مگر چونکہ وہ بالکل ادبی ہیں اس لیے اردو زبان میں ان کا ترجمہ کرنا تکلف سے خالی نہیں اور نمونے کے طور پر کسی مکتوب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر ناظرین کے سامنے پیش کیا بھی جائے تو افسوس ہے کہ عام لوگ اس سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اس وجہ سے ہم نے انہیں دانستہ انتخاب کے قابل نہیں سمجھا امید ہے کہ معزز ناظرین ہمیں اس بات کا الزام نہ دیں گے کہ ہم نے شیخ کے مکتوبات کیوں نہیں قلمبند کئے۔ علاوہ ازیں آپ کے نصائح خیز وعظ اور عبرت انگیز کلمات کتابوں میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ہم فیصدی پانچ کے انتخاب کی بھی گنجائش نہیں دیکھتے یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے مؤثر وعظ سے قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچنے کی امید ہو سکتی ہے مگر افسوس کہ ہم اس موقع پر اس بابت کچھ بھی نہیں لکھ سکتے وجہ یہ کہ کتاب ضخیم ہوئی جاتی ہے اور ہنوز ہمیں اس کے متعلق بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ چنانچہ ہم شیخ کی ازدواج و اولاد کا ذکر کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔

شیخ کی ازواج

محترم و بزرگ شیخ کے دو نکاح ہوئے تھے اور غالباً پہلا نکاح آپ کے والد بزرگوار جناب شیخ وجیہ الدین صاحب شہید

کے زمانۂ زندگی میں ہوا تھا۔ اگرچہ اس بارہ میں ہماری واقفیت بالکل محدود ہے کہ جس محترم اور ممتاز بی بی سے آپ کا پہلا نکاح ہوا وہ کس خاندان کی چشم و چراغ تھیں اور ان کے والد بزرگوار کا کیا نام تھا۔ لیکن نکاح ثانی کی نسبت یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ وہ جناب مخدومی شیخ محمد قدس سرہٗ کی محترم و معزز صاحبزادی تھیں جیسا کہ خود شیخ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے مرقد منور کی زیارت کے لیے گیا۔ میں ایک اونچے چبوترہ پر کھڑا ہوا تھا جو آپ کے مزار کے بہت ہی متصل تھا کہ دفعتہً خواجہ کی روح پاک ظاہر ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ عنقریب تمہارے ہاں ایک ہونہار لڑکا پیدا ہوگا۔ تم اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا لیکن چونکہ میری بی بی سن ایاس کو پہنچ چکی تھیں اور عادتاً ایسے وقت میں اولاد کا ہونا تعجب تھا اس وجہ سے میں خواجہ کا یہ ارشاد سن کر حیران ہو گیا کبھی تو میں اپنی بی بی کی حالت کو دیکھتا تھا اور کبھی خواجہ کے ارشاد پر غور کرتا تھا آخر میں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اس لڑکے سے خواجہ کی مراد پوتا ہوگا جوں ہی میرے دل میں یہ خیال گذرا خواجہ نے فوراً تاڑ لیا اور فرمایا جو تم نے خیال کیا ہے میری مراد یہ نہیں ہے بلکہ خاص تمہارے صلب سے لڑکا پیدا ہوگا چنانچہ اس کے تھوڑے دنوں بعد میرے دل میں دوسرے نکاح کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ولی اللہ لڑکا پیدا ہوا اگرچہ اول اول یہ واقعہ مجھے بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا اور اسی وجہ سے اس کا نام تمام خاندان میں ولی اللہ مشہور ہو گیا لیکن کچھ زمانہ گذر جانے کے بعد جب مجھے یاد آیا تو میں نے اس کا نام بدل کر قطب الدین احمد رکھا۔

اسی واقعہ کو جناب شاہ ولی اللہ صاحب بہ تبدیلی چند الفاظ اس طرح قلمبند فرماتے ہیں کہ جب میرے والد ماجد زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر چکے تو آپ پر منکشف ہوا کہ ایک اور لڑکا میرے ہاں پیدا ہوگا۔ چنانچہ آپ کے دل میں نکاح ثانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ مخدومی شیخ محمد قدس سرہٗ نے یہ ماجرا معلوم کیا تو بایں وجہ اپنی محترم و عزیز لڑکی کو آپ کے نکاح میں دینا سرمایۂ فخر سمجھا کہ وہ فخر خاندان و قوم کا لڑکا میرے ہی پارہ جگر کے بطن سے پیدا ہو لیکن جب یہ کدخدائی متحقق ہو چکی تو بعض سوختہ جگر نفاق پیشہ لوگوں نے بطریق طعن کہا کہ شیخ کو اس سن و سال میں کدخدائی مناسب نہ تھی۔ شدہ شدہ یہ باتیں آپ کے

کان تک پہنچیں فرمایا ان لوگوں سے کہہ دینا چاہیئے کہ ابھی میری زندگی کا زمانہ بہت کچھ باقی ہے اور کئی فرزند وجود میں آنے والے ہیں۔ چنانچہ اس شادی کے بعد آپ سترہ سال تک زندہ رہے اور دو فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ کے حالات زندگی میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے کہیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کی پہلی بی بی کے بطن سے کے اولاد پیدا ہوئیں لیکن اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحبزادے صلاح الدین نام پیدا ہوئے تھے جو بڑے ہو کر فوت ہو گئے اور جو الولد سر لابیہ کے پورے فوٹو تھے۔ دوسری ممتاز و محبوب بی بی سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے جناب شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ جن کی فرزندی کے انتساب نے نہ صرف جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کو بلکہ تمام خاندان کو دنیا میں روشناس کر دیا ہے اور جن کے فضل و کمال کی شہرت نے اس روشناسی کو اور بھی چمکا دیا ہے بلکہ سچ پوچھیئے تو اس عظیم الشان اور جلیل القدر خاندان کا اعزاز و افتخار ان ہی کے نام سے قائم ہے جو آج تک دونوں کو زندہ کئے ہوئے ہے اور بلحاظ اس پیشین گوئی کے جو ایک موقع پر شیخ عبدالرحیم صاحب نے ایک طولانی دعا کے وقت کی تھی عجب نہیں کہ قیامت تک زندہ رہے اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔

"مجھے الہام ہوا ہے کہ تیرا سلسلہ دنیا میں قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں کبھی انقطاع واقع نہ ہوگا!"

شیخ کے لائف کے متعلق جس قدر ضروری حالات ہمیں اس مقام پر نقل کرنے تھے مختصراً ذکر کر آئے۔ لیکن آپ کے بعض حالات ایسے بھی ہیں جو جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے واقعات سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا اب ہم شیخ کی سوانحعمری آپ کے انتقال اور بعض اسباب انتقال پر ختم کرتے ہیں اور بعض وہ حالات جو اس باب میں تحریر ہونے سے رہ گئے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کی لائف میں معزز ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

شیخ کا انتقال

محترم و بزرگ شیخ نے جس وقت اس ناپائیدار اور بے ثبات دنیا سے عالم باقی

کی طرف کوچ کیا ہے۔ اس وقت زندگی کے ستتر مرحلے طے کر چکے تھے۔

ابتدائے مرض آپ کے ابتدائے مرض کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ پہلے پہل خفیف سی تبخیر ہوئی۔ اسی اثنار میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا اور آپ نے بدستور سابق صیام وقیام کو بڑی جرأت و آزادی کے ساتھ ادا کرنا شروع کیا۔ مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مرض اشتداد پکڑتا گیا یہاں تک کہ اچھی خاصی تپ ہو گئی۔ یہ امر نہ صرف تعجب بلکہ نہایت حیرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ شیخ کی مرض میں اگرچہ شدت بڑھتی جاتی اور کرب و بے چینی المضاعف ہوتی جاتی تھی لیکن آپ کا صیام وقیام پر وہی اہتمام تھا جو حالت تندرستی میں ہر چند کہ قانون شریعت نے افطار کی اجازت پہلے ہی سے دے دی تھی کیونکہ آپ شیخ فانی تھے اور روزہ کی بالکل طاقت نہ رکھتے تھے قطع نظر اس کے مریض بھی تھے مگر آپ کی شب بیداری اور روزمرہ میں کسی قدر بھی فرق نہ پڑھتا تھا جب آپ کے فرزند رشید جناب شاہ ولی اللہ اور دیگر معززان اہل بیت آپ سے دریافت کرتے کہ حضرت باوجود شرعی رخصت کے اس قدر سختیوں اور رنج و تکلیفوں کے جھیلنے کا سبب کیا ہے تو فرماتے کہ روزہ رکھنے کی حالت میں اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کہ میں ضعف کی وجہ سے بے ہوش ہو جاؤں اور چونکہ بے ہوشی کی مجھ میں پہلے ہی سے عادت ہے۔ اس لیے میں ایک خفیف سی تکلیف کے مقابلہ میں عظیم الشان ثواب سے محروم رہنا پسند نہیں کرتا لیکن جب شوال کا مہینہ آیا تو دفعتہً اشتہا ساقط ہو گئی اور انتہا درجہ کا ضعف غالب ہوا مہینہ کے آثار نمودار ہو گئے اور امید زیست بالکل منقطع ہو گئی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ان ایام میں آپ کے پاس ہر وقت حاضر رہتا تھا ایسے نازک اور خطرناک اور نہایت کرب و بے چینی کے وقت میں بھی علی الاتصال آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے۔ استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ۔ مگر پھر چند روز ہی میں آپ کی طبیعت میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا جس سے کسی قدر صحت کی امید ہو گئی۔ اور فی الجملہ مرض میں تخفیف حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ صفر المظفر کے ابتدائی تاریخوں میں پھر مرض نے معاودت کی اور مرض کی بے چینی واضطراب کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ کو کسی پہلو اور کسی کروٹ چین ہی نہ پڑتا تھا اور آناً فاناً آپ کے چہرے پر آثار تغیر نمایاں ہوتے تھے۔

انتقال صبح کی پو پھٹنے سے پہلے آپ پر موت کے آثار نمودار ہوئے۔ لیکن اس

شدت اور کرب کے وقت بھی آپ کی ہمت عالی اس طرف مائل تھی کہ نماز فجر فوت نہ ہو چنانچہ اسی عالم بے ہوشی میں چند مرتبہ آپ نے حاضرین سے دریافت کیا کہ صبح صادق ہو گئی ہے کہ نہیں حاضرین مجلس نے جواب دیا کہ ہوا ہی چاہتی ہے لیکن جب آپ کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے لگا۔ تو آپ نے حاضرین کو ذرا سختی سے جواب دیا کہ اگر ہنوز تمہاری نماز کا وقت نہیں آیا نہ سہی ہماری نماز کا وقت آپہنچا ہے۔ اس وقت آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے مجھے قبلہ رخ کردو چنانچہ لوگوں نے فوراً آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اگرچہ وقت میں شبہ تھا۔ لیکن آپ نے اشاروں سے نماز فجر ادا کی۔ زاں بعد اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہوئے اور اسی حالت میں ودیعت حیات کارکنان قضا کے ہاتھوں سپرد کی۔

بارہویں صفر روز چہار شنبہ ۱۱۳۱ھ ہجری عہد فرخ سیر میں ۷۷ سال کی عمر میں بمقام دہلی فوت ہوئے اور مہندیوں میں دفن کئے گئے۔ آپ کے انتقال کے پچاس روز بعد فرخ سیر گرفتار ہوا اور دہلی میں ایک عام بے چینی اور عظیم الشان تہلکہ پڑ گیا۔ آپ کو فتح چتوڑا کا قصہ اور مسجد جامع دہلی کی تعمیر کا زمانہ اچھی طرح یاد تھا۔

باب دوم

شیخ ابوالرضا محمد

شیخ ابوالرضا محمد۔ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب شہید کے فرزند رشید اور حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔ ابتداء میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی اتالیقی آپ ہی کے سپرد تھی جسے آپ نے نہایت قابلیت اور دلسوزی کے ساتھ ادا کیا۔ شیخ عبدالرحیم صاحب نے جس طرح آپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی اسی طرح عام اخلاق و عادات اور مجلسی کمالات بھی حاصل کئے اگرچہ شیخ عبدالرحیم کی تعلیم پر دیگر ماہرین فن بھی چار سال کی عمر سے مقرر تھے اور آپ کے اطوار و عادات کی عمدہ طور پر نگرانی بھی کرتے تھے۔ لیکن پوری پوری خدمت تربیت شیخ ابوالرضا محمد ہی کے ہاتھ میں تھی اور آپ کو بچپن ہی کے زمانہ سے شیخ عبدالرحیم پر خاص توجہ تھی بمقابلہ شیخ عبدالحکیم اور اس خاندان کے دیگر صاحبزادوں کے جو علمی کمالات شیخ عبدالرحیم صاحب کو حاصل ہوئے سچ پوچھیئے تو اُسی تعلیم و تربیت کا اثر تھا جو شیخ ابوالرضا محمد کے سایۂ عاطفت میں حاصل ہوئی تھی۔

شیخ ابوالرضا محمد کی ولادت طفولیت سن رشد تعلیم

تربیت حلیہ وغیرہ

ولادت شیخ وجیہ الدین شہید کے نامور اور بلند اقبال صاحبزادے شیخ ابوالرضا محمد کا سن ولادت مجھے کسی تذکرہ خاص یا آپ کے زندگی کے حالات و واقعات سے معلوم نہیں[1] ہوا لیکن مستند کتابوں سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ

---

[1] مگر آپ کے واقعات انتقال پر نظر ڈالنے اور ان حالات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے جو

نے محرم کی سترہ تاریخ ۱۱۰۱ھ ہجری میں اس جہان سے رخصت ہو کر سفر آخرت قبول کیا اور یہ بھی تحقیق ہے کہ جس عہد میں ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہ جہان ہندوستان کے وارث تخت و تاج کے اقبال کا ستارہ چمک رہا تھا اور سلطنت کا عروج معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا اس زمانہ میں شیخ ابو الرضا محمد پیدا ہوئے جس زمانہ میں شیخ ابو الرضا پیدا ہوئے اس وقت ان کے والد بزرگوار جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کی معمولی حالت تھی کیونکہ شاہی دربار سے اس وقت تک آپ کو کوئی معزز و ممتاز منصب حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے۔ کہ شیخ ابو الرضا محمد کا زمانہ طفولیت معمولی حالت میں تھا۔ لیکن اس کے چند برس بعد جو زمانہ آیا وہ شیخ ابو الرضا محمد کے حق میں نہایت برکت اور خوشی کا زمانہ تھا کس لیے جب شاہ جہان بادشاہ کا اقبال پہاڑ کی چوٹی کا ڈھلتا ہوا سورج تھا۔ اور اورنگ زیب کی بلند اقبالی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا تھا تو جناب شیخ وجیہ الدین صاحب کو شاہی دربار میں بہت بڑا اعزاز و اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔

تعلیم و تربیت

شیخ ابو الرضا محمد کی تعلیم و تربیت کب شروع ہوئی اور خدمات اتالیقی کن علماء کے حوالہ کی گئی۔ یہ ظاہر کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کسی تذکرہ اور تاریخ سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن تاہم شوارق المعرفہ کے ایک مختصر نوٹ سے اس قدر ضرور پتہ لگتا ہے کہ شیخ ابو الرضا محمد نے تمام ظاہری علوم حافظ بصیر سے حاصل کئے جو عہد شاہجہان میں ایک بڑے نامور اور مشہور فاضل تھے اور جو حقیقت میں جامع علوم و فنون تھے حافظ بصیر کے علاوہ اس زمانہ میں دیگر ماہرین فن اور اہل کمال بھی موجود تھے۔ جن کی علمی روشنی نے شاہجہان آباد کو اس سرے سے لے کر اس سرے تک چمکا دیا تھا۔ ممکن ہے کہ شیخ ابو الرضا محمد نے دیگر مجتہدین فن سے بھی

(بقیہ حاشیہ) آپ کے مرض موت کے متعلق بیان کئے گئے ہیں کہ آپ ۱۰۴۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے کیونکہ آپ کا انتقال محرم کی سترہ تاریخ ۱۱۰۱ھ ہجری میں ہوا اور انتقال کے وقت آپ کی عمر ٹھیک چھپن سال کی تھی حسابی قاعدہ سے جب چھپن سال ۱۱۰۱ھ میں سے تفریق کئے جاتے ہیں تو ۱۰۴۵ھ باقی رہتے ہیں اس لیے آپ کا سن ولادت ٹھیک ۱۰۴۵ھ ہجری ہے ۱۲ واللہ اعلم

علمی سرمایہ حاصل کیا ہو بہر صورت آپ کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی کیونکہ آپ کی حالت زندگی پر جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے ان سے تمام علوم و فنون میں آپ کا اعلیٰ درجہ کا کمال ظاہر ہوتا ہے شوارق المعرفۃ میں لکھا ہے کہ

"شیخ ابوالرضا محمد متعدد علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے اور اسے فطرت کی بخشش و عنایت سمجھنا چاہیئے کہ آپ کا ذہن و حافظہ اس بلا کا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف علوم تحصیل کرتے تھے۔"

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ شیخ ابوالرضا محمد کے تمام علوم و فنون حقیقت میں وہبی علوم تھے اور قدرتاً آپ میں جملہ علمی کمالات پہلے ہی سے موجود تھے۔ لیکن چونکہ آسمانی قوانین تحصیل صوری پر جاری ہیں اس لیے آپ نے بظاہر علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم کی تحصیل کی اور چند روز کے عرصہ میں اہل کمال کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے۔

علوم باطنی الغرض جب آپ ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر چکے اور علوم ظاہر کی تحصیل و تکمیل سے فارغ ہو گئے تو حضرت خواجہ محمد باقی کے فرزند رشید جناب خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمالات باطنی سے فیض یاب ہوئے۔ اول اول اگرچہ آپ بصوابدید والد بزرگوار اس زمانہ کے امراء سے ملتے جلتے تھے اور شاہی دربار سے ایک معزز و ممتاز عہدہ بھی آپ کے نامزد ہو گیا تھا لیکن دفعتہً آپ کی فطری استعداد ظہور پذیر ہوئی اور آپ نے عزلت نشینی۔ تجرید تام۔ توکل کلی۔ ہر حال میں سنت نبوی پر عمل کرنا اختیار کیا اور یک لخت اپنائے دنیا حتےٰ کہ عزیز و اقارب سے بھی ملنا جلنا ترک کر دیا۔

عزلت نشینی ایک مشہور روایت سے ثابت ہوا ہے کہ جب آپ نے تمام دنیاوی تعلقات سے دست برداری کی تو اپنی محترم بی بی سے فرمایا کہ مونس من! جس رستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ ایک نہایت ہی خطرناک اور دشوار گذار رستہ ہے اور اس میں ذرا شک نہیں کہ جو سختیاں اور شدتیں ہمیں اس راہ میں جھیلنی پڑیں گی وہ سخت جگر خراش اور جانگزا ہوں گی پھر باوجود کثرت شدائد و متاعب کے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ چلیں۔ پس اگر تم اس دردناک مصائب اور

المناک مشقتوں کو اختیار کرتی اور لذیذ و مزے دار غذاؤں قیمتی لباس اور فاخر لباس سے پہلو تہی کرنا چاہتی نیز قبائل و عشائر سے قطع تعلق کرنا چاہتی ہو تو ہماری رفاقت میں رہ سکتی ہو ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ ممتاز و محترم بی بی نے آپ کی یہ تقریر سن کر تمام زیورات اور کپڑے جسم سے علیحدہ کر دیئے اور ایک نیلی پیرہن زیب بدن کر کے آپ کی رفاقت کی اور دنیا کی آسائش و راحت اور تجملات پر لات مار کے راہ مولا میں قدم فرسائی شروع کر دی۔

شیخ ابوالرضا محمد نے جب اپنی مونس و غمگسار بی بی کو اس حالت میں بھی اپنا مونس و غمخوار پایا تو خالی ہاتھ والدین کے گھر سے نکلے اور فیروز آباد کی مسجد کے متصل ہی ایک تیرہ و تنگ حجرہ مرتب کر کے سکونت اختیار کی۔ اس زمانہ میں اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ آپ پر تین تین فاقے متواتر گزر جاتے تھے اور اگر کبھی سدرمق میسر بھی ہوتا تھا تو جَو کی روٹی اور چھاچھ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا۔ جو کبھی کبھی محمد جان یا اور کوئی نیاز مند خدمت اقدس میں حاضر کیا کرتا تھا۔ لیکن آپ ہمیشہ نہایت قلیل مقدار اس میں سے تناول کرتے اور باقی فقراء کو علے السویہ تقسیم فرما دیتے۔ آپ کے مکان میں چولہ چکی ہنڈیا وغیرہ کوئی چیز نہ تھی اور نہ آپ نے ان چیزوں کے فراہم کرنے میں کبھی کوشش کی۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد خداتعالیٰ نے بغیر کسی سبب و ذریعہ کے اپنی برکت ظاہر فرمائی اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا دیکھتے دیکھتے ایک نہایت خوشنما اور عالی شان حویلی بڑی شان و شوکت سے آپ کے لیے تیار کی گئی اور معاش میں تمام و کمال توسیع ہوئی۔

شیخ ابوالرضا محمد خود اپنا ایک ابتدائی واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر تھا کہ شیخ تاج سنبھلی کے اصحاب میں سے ایک فقیر آیا جو تجرید و بے اسبابی میں انتہا درجہ کا کمال رکھتا تھا۔ شیخ تاج حضرت خواجہ محمد باقی کے معزز و مقتدر خلیفہ تھے۔ چونکہ اس پر غیبت قوی غالب تھی اس وجہ سے جو بات خواجہ خرد اس سے دریافت کرتے تھے۔ اس کا جواب بہت ہی رک رک کے دیتا تھا اسی اثناء میں خواجہ کی زبان مبارک سے نکلا کہ جو شخص معرفت خدا کا طالب ہو اُسے اس جوانمرد کی صحبت اختیار کرنا چاہیئے خواجہ کی یہ تقریر سُنتے ہی اس فقیر سے اخذ طریقت کرنے اور بیعت

کرنے کی میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ میں اس کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے احتیاطاً اپنے فوری جوش کو دبایا اور استخارہ کر کے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح مبارک کی طرف متوجہ ہوا خواب میں مجھے دکھائی دیا کہ گویا حضرت غوث الاعظم ایک کشتی پر سوار ہوئے دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارہ پر آپ کی پس پشت کھڑا ہوں ایکا ایکی آپ میری طرف متوجہ ہوئے چونکہ آپ کے ایک ایک بال سے شعاعیں بڑی تیزی کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ اس لیے نظروں میں خیرگی اور چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ حضور نے خود مجھے پکارا کہ شیخ ابوالرضا محمد ادھر آؤ۔ یہاں تک پہنچ کر مجھے ذہول ہو گیا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد کیا ہوا لیکن اس قدر اثر میں نے اپنے دل میں ضرور پایا کہ اس فقیر کی محبت میرے دل میں نام کو باقی نہیں رہی اور خود حضرت غوث الاعظم کی جناب سے استفادہ کا دروازہ مفتوح ہوا۔

فرماتے ہیں ایک اور مرتبہ میں نے جناب غوث الاعظم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا سیدمن! میں ایک ایسے شخص سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ جس نے آپ سے اخذ طریقت کیا ہو۔ فرمایئے کہ کون شخص اس بات کے قابل ہے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں عنقریب تمہیں جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سعادت بیعت حاصل ہونے والی ہے۔ چنانچہ مجھے اس موقع کا بہت تھوڑا انتظار کرنا پڑا۔ کہ ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا میں ایک ایسے راستہ پر جا رہا ہوں۔ جہاں کوئی دوسرا آمد و رفت کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن ہاں گذرنے والوں کے قدم کے نشانات برابر محسوس ہوتے ہیں چنانچہ میں انہیں قدموں کے آثار پر رستہ طے کرنے لگا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت فصیح و ملیح شخص جس کی صاف و سنہری پیشانی میں ستارۂ اقبال چمک رہا ہے۔ رستہ کے عین وسط میں بیٹھا ہے اور با شان و شوکت بیٹھا ہے۔ میں نے جب اس سے دریافت کیا تو ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میری طرف چلے آؤ۔ ان کا یہ دل آویز فقرہ سنتے ہی میں نہایت بشاش ہوا اور آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھایا زاں بعد فرمایا اے آہستہ رو میں علی ہوں اور جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس غرض سے بھیجا ہے کہ تمہیں ان کی خدمت میں لے جا حاضر کروں۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

ہمراہی میں دوڑتا چلا یہاں تک کہ جناب رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھ کر اپنا ہاتھ آنحضرت کے دست مبارک میں دے دیا اور فرمایا یارسول اللہ ھذا ید ابی الرضاء محمد جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین سے بیعت لی اور اس وقت میرے دل میں خطرہ گذرا کہ کیا آنحضرت کے بیعت لینے کا یہی طریقہ ہے یا کوئی اور حضرت علی نے اس خطرہ پر فوراً مشرف ہو کر فرمایا کہ تمام اولیاء اللہ کے حق میں اسی طرح وسیلہ بیعت میں ہی ہوتا ہوں زاں بعد اپنے اشتغال واذکار اور اسرار کی تلقین سے سرفراز فرمایا اور خطاب وتوجہ سے عزت افزائی کی اس زمانہ سے میں ذکر قلبی وہیں میں مشغول ہوا۔ اور تمام اشتغال ووظائف مجھ پر نہایت سہل وآسان ہو گئے۔

حلیہ آپ کا قد لمبا بدن چھریرا تھا۔ رنگ میں سرخی وسپیدی کے ساتھ ایک قسم کی ملاحت تھی۔ ڈاڑھی ہلکی اور کسی قدر دراز تھی۔ رخساروں پر اس قدر گوشت کم تھا کہ چہرہ کی تمام باریک رگیں اُبھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور سرخ وسپید رنگ میں سبزی لیے ہوئے رگیں بالکل وہی لطف دکھاتی تھیں جو گل سرخ میں سبز دھاریاں دکھاتی ہیں۔

شیخ ابوالرضا محمد کا فضل وکمال۔ علمی ذوق۔ علوم کی اشاعت مجالس علمیہ وغیرہ

فضل وکمال فضل وکمال کے اعتبار سے شیخ ابوالرضا محمد جس درجے کے آدمی تھے اس کی نظیر سے ہندوستان کی تمام علمی مجلسیں خالی تھیں وہ کونسا علم تھا جس میں آپ کو تجربہ نہ تھا علوم نقلی وعقلی پر آپ کو تمام وکمال عبور تھا اور رسمیہ فنون آپ کے آگے بالکل پانی تھے اگرچہ آپ بیشتر اوقات کلام صوفیہ کے مغلقات حل کرنے اور علم سلوک کی نکات وباریکیوں کے استنباط کرنے میں منہمک رہتے اور روزانہ اوقات اشتغال واذکار میں صرف ہوتے تھے۔

ذوق علمی تاہم یہ تمام منصبی فرائض آپ کے علمی ذوق کے ماتحت رہتے تھے ان اہم

اور فرائض امور کے بعد جس قدر فرصت ملتی تھی وہ علمی مباحث میں صرف ہوتی تھی۔ اوّل اوّل آپ طلبہ کو ہر قسم کے علوم و فنون کا درس دیتے تھے۔ اور مختلف علوم کے شائقین جوق جوق آپ کی خدمت میں تحصیل کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ لیکن آخر میں بجز تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف کے اور کسی علم کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں آپ کی طبیعت تمام علوم رسمیہ سے ہٹ کر صرف قرآن و حدیث ہی کی طرف مائل تھی۔ اور انہی دونوں علموں سے خاص دلچسپی تھی۔

وعظ

یہی وجہ تھی کہ آپ کا ہر وعظ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ آپ کا دستور تھا کہ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے ابتدائً قرآن مجید کی کوئی عبرت خیز آیت پڑھ کر تین حدیثیں نہایت ترتیل اور آہستگی کے ساتھ درد انگیز لہجہ میں ازبر پڑھتے اور اس خوش لہجگی اور دلبرانہ آواز میں پڑھتے کہ لوگ غول کے غول آ آ کے جمع ہوتے اور ہر درجے اور ہر مرتبے کے آدمی جن میں طالب العلم، علمأ، فضلأ، صوفیہ، رئیس، شہزادے وغیرہ ہوتے تھے سب آ آ کے جمع ہو جاتے تھے اور تمام حاضرین ہمہ تن گوش ہو کر آپ کا وعظ سنتے تھے۔ آپ کے لہجہ میں اس بلا کا درد اور اثر تھا کہ قرآنی الفاظ زبان مبارک سے نکلتے ہی سامعین کے دلوں پر ایک چوٹ سی لگ جاتی اور سب کے دل کانپ اُٹھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی بے اختیاری کی حالت میں اس شدت سے گریہ وزاری کرتے تھے کہ سکوت و خاموشی کی پرامن حکومت میں زلزلہ پڑ جاتا تھا۔ الغرض جب تمام سامعین آپ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے تھے تو آپ اس قرآنی آیت اور حدیثوں کا فارسی زبان میں ترجمہ فرماتے جس سے سامعین کے کلیجے ہل جاتے اور اب ہر شخص اور بھی آپ کے وعظ کو رغبت کے کانوں سے سننے کا مشتاق بن جاتا۔ شیخ ابوالرضا محمد صاحب اس کے بعد بہت تھوڑا سکوت کر کے اور پھر اردو زبان میں احادیث کا ترجمہ اور ان کے متعلقات کو اس فصیح و بیانی اور دلکش پیرایہ میں بیان کرتے تھے کہ خدا رسول کی محبت کا جوش سامعین کی رگ رگ میں خون کی طرح دوڑ جاتا اور خدا کے سچے جلال کا پرتو صاف باطنوں کے جلوۂ دل پر پڑ جاتا تھا۔

فصاحت و بلاغت

آپ کی تقریر کا سلسلہ آناً فاناً بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اور تقریر کے وقت کسی موقع پر نہ رکتے تھے سلسلہ کلام میں الفاظ و

معنی کی تکرار نہ ہوتی تھی غیر معتبر اور بے سروپا روایتوں کا تو ذکر ہی کیا تھا جس فن پر آپ بحث شروع کرتے تھے۔ تاوقتیکہ اس سلسلہ کا خاتمہ نہ ہو جاتا تھا۔ دوسری بحث کا پہلو اختیار نہ کرتے تھے اور جب ایک تقریر کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد دوسری گفتگو شروع کرتے تھے تو بعد کی تقریر پہلی تقریر سے زیادہ مؤثر اور دلکش ہوتی یہ سب کچھ تھا لیکن آپ کی تقریر ہر حالت میں حد اعتدال سے تجاوز نہ ہوتی تھی اور ہمیشہ رنگ آمیزی اور مبالغہ سے خالی اور بے رنگ ہوتی تھی۔ سنگدلوں کو نرم دل کر دینا اور عباد وزہاد کے دلوں کا مالک بن جانا۔ یہ شیخ کے نزدیک معمولی بات ہی نہ تھی۔

علمی مجلسیں آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا کہ اس کا اثر ایک عظیم الشان مجلس پر برابر پڑتا تھا۔ اور کسی کو دم مارنے کی جگہ نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک تمثیلی حکایت سے اس کا ثبوت اچھی طرح ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ محمد عاشق نے جو ماہرین فن اور اہل کمالات کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور جن کا علمی تبحر اور فضل و کمال اس عہد کے تمام لوگوں کو تسلیم تھا۔ ملا یعقوب سے بھی تحصیل علوم کی تھی۔ اور جناب شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت سے بھی فیضیاب تھے۔ ان کو مسئلہ توحید میں ایک گونہ تردد تھا۔ جس کی نسبت یہ اکثر ملا یعقوب اور نیز شیخ صاحب سے دریافت کرتے رہتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ملا یعقوب کے جوابات شیخ کی خدمت میں اور شیخ کی گفتگو ملا یعقوب کے پاس دوہرایا کرتے تھے رفتہ رفتہ اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں حضرات میں تحریری مباحثہ شروع ہو گیا۔ اور بہت دنوں تک اس کا سلسلہ ختم نہیں ہوا آخر کار ملا یعقوب نے کہا کہ میں خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بارہ میں بالمشافہ مناظرہ کروں گا اور دو بدو اس مسئلہ کا ابطال کروں گا۔ چنانچہ ایک دن خدمت شیخ میں حاضر ہوئے اور آپ کی زور تقریر کو دیکھ کر بالکل خاموش و ساکت بیٹھے رہے جب مجلس برخاست ہوئی اور ملا یعقوب اٹھ کر باہر آئے تو لوگوں نے اس سکوت کا سبب دریافت کیا کہا جوں ہی میں شیخ کے سامنے گیا۔ میرے تمام علوم مسلوب ہو گئے اور آپ کی تقریر کا مجھ پر ایسا اثر پڑا کہ بات تک منہ سے نہ نکلی۔

ذکاوت اس تمثیلی واقعہ سے جس طرح شیخ کی زور تقریر کا حال معلوم ہوتا ہے اسی طرح آپ کی ذکاوت ذہنی اور وسعت علم کا بھی اچھی طرح ثبوت ہوتا ہے

خلاصہ یہ کہ شیخ ابوالرضا محمد کے علمی فضائل و مراتب کے واقعات و حکایات کتابوں میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا ضبط و انحصار ناممکن نہیں تو قریب قریب محال ضرور ہے۔ طائر خیال بلند پروازان کے مراتب علم اور شان کمال کی بلندی کو پا نہیں سکتا اور قلم کا مسافر اس دشوار گذار اور سنگلاخ گھاٹی میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اگر کسی کو آپ کے علمی کارناموں کے دیکھنے کی خواہش ہو تو کتاب شوارق المعرفۃ کا مطالعہ کرے۔

شیخ ابوالرضا محمد کے اخلاق و عادات

اخلاق شوارق المعرفۃ کے مؤلف نے شیخ ابوالرضا محمد کی قابلیت پر جو مختصر ریویو کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جناب شیخ ابوالرضا محمد نہایت دقیق النظر عالی ہمت۔ بلند حوصلہ۔ قوی العلم۔ فصیح اللسان۔ عظیم الورع۔ وسیع المعرفت۔ شجاع و فیاض شخص تھے۔ آپ کی ذاتی خوبیوں اور عام اخلاق نے تمام لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا آپ کے حسن اخلاق معراج کمال تک پہنچ گئے تھے اور اپنے ہمعصروں میں باعتبار بعض بعض خوبیوں کے سب پر فائق تھے۔ گو آپ کے مزاج میں پرلے درجے کا عجز و انکسار تھا۔

استغنائے مزاجی ہر ایک شخص سے خوش اخلاقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے مگر ساتھ ہی اغنیاء اور دولت مندوں سے دلی نفرت رکھتے تھے۔ عالمگیر جیسے پابند مذہب بادشاہ نے چند مرتبہ درخواست کی۔ کہ اگر اجازت ہو تو در دولت پر حاضر ہو کر سعادت قدم بوسی حاصل کروں۔ لیکن آپ نے اس کی التماس کو نگاہ قبول سے نہ دیکھا اور اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ امراء اور متمول لوگوں کو آپ ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھتے اور کبھی ان کی طرف التفات نہ کرتے اگر وہ تحائف و ہدایا بھیجتے تو آپ کبھی قبول نہ فرماتے البتہ اگر کوئی غریب مسلمان اور مخلص نیاز مند چار پانچ پیسے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کرتا تو اُسے بڑی مسرت اور تازگی کے ساتھ اپنے دست مبارک میں لیتے اور اس کے حق میں دعائے برکت فرماتے آپ کا قاعدہ تھا کہ تھوڑی اور حقیر چیز کو جس خوشی اور رغبت کے ساتھ قبول کرتے کثیر اور قیمتی چیز کو اس خوشی اور تازگی کے ساتھ نہ لیتے۔

جس طرح آپ کو مالداروں سے نفرت تھی اور ان سے میل جول ناپسند تھا۔ اسی طرح آپ ضرورت کے علاوہ کسی مکان پر بطریق ضیافت بھی تشریف لے جانا اچھا نہ جانتے تھے۔ چنانچہ شیخ معظم پھلتی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں شیخ ابوالرضا محمد ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر رہے تھے اس وقت آپ نہایت تنگی و عسرت کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ آپ کو دو دو تین تین روز بغیر کھائے گذر گئے ہیں اور کہیں سے سدرمق تک میسر نہیں ہوا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ پر متواتر تین فاقے گذر گئے اور کھانے کی کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی اس وقت تک آپ کا ایک مخلص نیازمند آیا اور عرض کیا کہ میرے گھر میں کھانا موجود ہے۔ آپ وہاں تک قدم رنجہ فرمایئے اور اس نیازمند کی مہمانی قبول فرما کر عزت افزائی کیجئے آپ اٹھ کر اس کے گھر کی طرف متوجہ ہوئے جب مکان پر پہنچے تو وہ شخص آپ کو مکان کے دروازہ پر کھڑا کر کے اندر گیا کہ مستورات کو یکسو کرے خدا کی شان کہ دروازہ میں ایک چارپائی کھڑی تھی۔ دفعتہً اُسے حرکت ہوئی اور شیخ پر گر پڑی جس سے آپ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ بے ہوش ہو گئے اور چند منٹ تک آپ عالم بے ہوشی ہی میں پڑے رہے لیکن جب ہوش میں آئے تو اُٹھ کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا یہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے ایک تنبیہ تھی کہ بار دیگر امر معاش میں کوشش و تلاش نہ کرنی چاہیئے چنانچہ اس کے بعد پھر کبھی کسی کے مکان پر بطریق ضیافت تشریف نہیں لے گئے۔ اِلّا عندالضرورۃ۔

استقلال

شیخ ابوالرضا محمد کے حالات زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل وقعت اور لائق تقلید ہے وہ آپ کی بے نظیر ثابت قدمی اور عدیم المثال استقلال ہے ہر چند کہ ابتدائے زمانہ میں آپ کو نہایت جگر خراش مصائب اور جانگزا تکالیف جھیلنی پڑیں لیکن کبھی حزن و ملال اور اندوہ و غم کے آثار آپ کے چہرہ پر محسوس نہیں ہوئے بلکہ جس طرح خوشی اور شادمانی کے زمانہ میں آپ شاداں و فرحاں اور خوش حال دیکھے گئے۔ اسی طرح تکالیف و مصائب کے زمانہ میں خوش و خرم دیکھے جاتے تھے۔ شیخ مظفر رہتکی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر ایک ایسے رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس سے میں بے اختیار روتا پھرتا اور ہائے ہائے کے نعرے بلند کرتا تھا۔ جناب شیخ صاحب نے میرے اس مضطربانہ حال پر واقف ہو کر فرمایا عزیز من!

خدائے تعالےٰ نے اپنے طالبوں کی دو قسمیں کی ہیں ایک کی قسمت میں فرحت و شادمانی مقدر کی ہے اور دوسرے کی قسمت میں اندوہ و ملال اور جب یہ داشت ازلی ہے تو پھر ملال و رنج کرنے کے کیا معنی ؟ ۔

تورع و احتیاط ابتداء میں شیخ کا تورع و احتیاط اعتدال سے تجاوز کر گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ کسی کا تحفہ و ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے چنانچہ شیخ مظفر رہتکی کا بیان ہے کہ جب میں رہتک سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو مصری کے کوزے آپ کے لیے لایا کرتا تھا لیکن آپ انہیں نگاہ قبول سے نہ دیکھتے اور فرماتے کہ گاؤں اور قصبوں کے روساو کی بیع و شرا شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی ہے۔ اس وجہ سے میں اس تحفے کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ میں نے اس رسم کو موقوف کر دیا لیکن اب میں بجائے اس کے کہ شیخ کے لیے کوئی ہدیہ و تحفہ لاؤں قدرے مصری آپ کے صاحبزادوں کو برسم ہدیہ دے دیا کرتا تھا۔ جب اس کو ایک دراز زمانہ گذر گیا تو میں ایک دفعہ رہتک سے آیا اور مصری کے دس کوزے شیخ کے بچوں کے پیش کش کئے وہ انہیں لے کر شیخ کی خدمت میں آئے آپ نے اُس میں سے تھوڑی سی مصری لے کر تناول کی زاں بعد ایک دن میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ شیخ مظفر! ہم نے تمہاری لائی ہوئی مصری تناول کی واقعی بات یہ ہے کہ عجیب و غریب چیز تھی یہ کہہ کر فرمانے لگے کہ اب ہم نے تورعات زائدہ کو خدا حافظ کہا اور جس چیز کا ظاہر شرع حکم کرتی ہے اسے عمل میں لاتے ہیں ۔

سنت کی رعایت اسی طرح آپ سنت نبوی کی رعایت و اہتمام میں انتہا سے زیادہ احتیاط کرتے اور کبھی کسی سنت کو ترک نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب مسجد میں تشریف لاتے تو دروازہ پر تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ توقف کرتے اور بایاں قدم جوتے سے نکال کر اس پر رکھ لیتے زاں بعد دایاں قدم مسجد میں داخل کرتے اور اس صورت سے مقصود یہ تھا کہ ذیل کی دونوں حدیثوں پر عمل واقع ہو۔

حدیث اوّل ۔ لیکن الیمنی اولہما تنعل و اٰخرہما تنزع ۔

حدیث دوم ۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن فی شانہ کلہ ۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ میں دینداری اور مذہبی جوش اس درجہ کہ آپ ادنےٰ سی ادنےٰ سنت کو کمال احتیاط و اہتمام سے ادا کیا کرتے تھے ۔ اور سنت نبوی کو

کسی حال میں ترک نہیں کرتے تھے۔

شیخ ابوالرضا محمدؒ کا تصرّف و کشف وغیرہ

کشف شیخ کے کشف و تصرّف کے واقعات اس کثرت سے شوارق المعرفت میں لکھے گئے ہیں جس سے ہم فی صدی دس کا بھی انتخاب نہیں کر سکتے کیونکہ یہ چند مختصر صفحات ان کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے لیکن بحکم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے چند وہ واقعات اس مقام پر درج کیے جاتے ہیں۔ جنہیں مستند و معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے۔ شیخ معظم پہلی نقل کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں استقامی کے کفار نے ایک مقام پر قبضہ کر لیا تھا۔ جن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی افواج دار الخلافہ ہندوستان سے روانہ کی گئی اور ایک نہایت عظیم الشان و خونخوار جنگ واقع ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی مشہور ہو گیا کہ لشکر کفار سے ایک شخص بھی نہیں قتل کیا گیا اور مسلمانوں کی فوج کو انتہا سے زیادہ نقصان پہنچا اس سے خود بادشاہ اور ارکان دولت کو سخت اضطراب ہوا اور عام بے چینی و کرب پھیل گیا۔ شیخ کے بعض رفقا اس بارہ میں دعا کے مستدعی ہوئے چنانچہ آپ نے دعا کی اور فرمایا کہ خداوندی دربار میں میری دعا نے قبولیت کا جامہ پہنا ازاں بعد تھوڑا زمانہ گذرا تھا کہ شیخ نے نہایت جوش مسرت اور تازگی سے فرمایا الحمد اللہ مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور لشکر کفار شکست کھا کر بھاگ گیا۔ آپ کے رفقاء جب مجلس اقدس سے اُٹھے تو شہر کے تمام کوچہ و بازار میں اس خبر کی اشاعت کی اور رفتہ رفتہ اورنگ زیب کے کانوں تک پہنچی۔ جسے وہ سُن کر حیرت زدہ ہو گیا اور کہا یہ معاملہ کیا ہے باوجود کہ تاکید و تشدد کے ہنوز مخبروں نے اس بارہ میں کوئی خبر نہیں دی سخت تعجب ہے کہ لوگوں کو یہ خبر کیونکر معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس نے اس میں تفحص و تجسس شروع کیا اور انجام کار معلوم ہوا کہ شیخ ابوالرضا محمد نے بطریق کشف یہ خبر دی ہے فوراً دربار کے ایک معتمد علیہ کو شیخ کی خدمت میں روانہ کیا اور شیخ نے اُسے جنگ کے مفصل واقعات سے مطلع کیا۔ چند روز کے بعد جب یہ خبر شاہی دربار میں موصول ہوئی تو اس میں شیخ کے بیان میں کچھ بھی تفاوت نہ تھا۔

ایک اور مرتبے کا ذکر ہے کہ آپ کے دل میں آیا کہ ایک البادیز اور مضبوط لباس

تیار کرانا چاہیئے۔ جو ایک دو سال تک کفایت کر سکے اور احتیاط و ورع اور نفی خاطر کے لیے بھی یہی لباس سزاوار و شایان ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک باشندہ کشمیر کو یہ خدمت سپرد کی اور اس نے ایک پشمینی لباس نہایت دبیز و سخت حاضر خدمت کیا جسے شیخ نے بڑی خوشی سے زیب بدن فرمایا اور شبانہ روز پہنے رہے دوسرے روز آپ نماز چاشت میں مصروف تھے تمام مجلس پر خاموشی کی حکومت پھیلی ہوئی تھی اور سکوت خیز چادر اس سرے سے لے کر اس سرے تک تنی ہوئی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ایک نہایت خوش آیندہ تبسم کیا شیخ محمد بہلتی نے قوانین آداب ظاہر کر کے عرض کیا کہ حضرت! اس موقع پر آپ کے تبسم کرنے کا کیا سبب ہے فرمایا حق تعالےٰ نے میرے دل میں القا کیا کہ کیا ہمارے خزانے میں کچھ کمی تھی جو تم نے یہ لباس اختیار کیا ہم ہر حال میں تمہارے کفیل و کارساز ہیں۔ ہم تمہیں دنیا میں بھی ناز و نعمت سے رکھنا چاہیئے ہیں، تم ابھی اس لباس کو اتار ڈالو ہم عنقریب تمہاری شان کے لائق لباس بھیجتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے فوراً موجودہ لباس اتار دیا اور موعودہ لباس کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ شیخ معظم کہتے ہیں ہمیں اس بارہ میں بہت تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا کہ ایک ضعیف عورت نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ شیخ نے میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ دروازہ پر جاؤ اور دیکھو اگر لباس شال در شال اس رنگ ڈھنگ کا ہو اور اس پر اس طرح کے گل بوٹے پڑے ہوئے ہوں تو لے لو اور کہو تیرا نذرانہ مقبول ہے۔ ورنہ واپس کر دو میں دروازہ پر گیا دیکھتا ہوں کہ ایک ضعیف عورت پرانی چادر اوڑھے ہوئے نہایت فصاحت و بلاغت سے بول رہی ہے اور اس کے ہاتھوں میں ایک آراستہ اور مکلف لباس بالکل اسی رنگ ڈھنگ کا ہے جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور شیخ کے اس کشف پر مجھے نہایت تعجب ہوا۔ الغرض شیخ نے وہ خلعت فاخرہ پہنا اور خدا تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا پھر تو آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ ہمیشہ متنعمانہ لباس بغیر قصد و اختیار زیب بدن فرماتے۔ اور شاہانہ پوشاک پہن کر مکان سے نکلتے تھے۔

شیخ مظفر رہتکی کہتے ہیں کہ دوگ داس کے واقعہ میں جب رہتک میں فتنہ و فساد شروع ہوا اور اس کے تمام اطراف و اضلاع تاراج کر ڈالے گئے تو میں اپنے قبائل و عشائر کو ساتھ لے کر دہلی میں آنے لگا اس وقت تمام دہقانی درندوں کی طرح آدمیوں کے

خون کے پیاسے تھے اور وحشیوں جیسے لوگوں پر حملہ آور ہوتے تھے میرے ساتھ باوجود کثرت قبائل اور مستورات کے اسباب و اقمشہ کے بہت سے بوجھ تھے جنہیں میں اس وقت وبال جان سمجھتا تھا۔ لیکن فضل خدا سے ہم تمام راہ میں محفوظ رہے اور امن و امان کے ساتھ وہ دشوار گزار اور سنگلاخ گھاٹیاں طے کر چکے مگر ایک مقام پر دہقانیوں کا ایک وحشی غول ہمارا مزاحم ہوا اور غارت گری کے ارادہ سے ہماری طرف بڑھا میں نے نہایت جرأت کے ساتھ ترکش سے تیر کھینچ کر کمان پر رکھا اور بڑی چیرہ دستی کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ دہقانیوں کا غول فوراً منتشر ہو گیا اور سب مرعوب و خوفزدہ ہو کر خیموں اور چھپروں کے پیچھے جا چھپے مجھے تعجب تھا کہ باوجود اس کثرت کے ان کا اس درجہ مرعوب ہونے اور خوف کھا کر چھپنے کی کیا وجہ ہے۔ لیکن جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ عقدہ تمام و کمال حل ہوا۔ شیخ نے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور فرمایا شیخ مظفر! ہم اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے اور منزل بمنزل تمہاری حفاظت و نگرانی کرتے چلے آتے تھے کیا تم نے انہیں دیکھا تھا کہ جب دہقانیوں نے تم پر حملہ کرنا چاہا اور تم بالکل تنہا تھے اور اس وجہ سے اُن کی تاب مقاومت نہ رکھتے تھے ہم نے انہیں متفرق و پریشان کر دیا اور وہ مرعوب ہو کر جھونپڑیوں کے پیچھے جا چھپے۔

ایک دفعہ باشندگان رہتک کی ایک جماعت کسی تقریب کی وجہ سے دہلی میں آئی اور سب مل کر شیخ کی زیارت کے لیے چلے رستہ میں ایک شخص نے فی البدیہہ کہا کہ حقیقت میں شیخ کے کرامات و تصرفات کے حالات میں نے بہت سنے ہیں اور اس قسم کی حکایات اکثر لوگ نقل کرتے ہیں۔ لیکن میں ان حالات و واقعات کی اسی وقت تصدیق کر سکتا ہوں کہ خود آنکھوں سے دیکھ لوں خیر اور کچھ نہیں تو آج صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ شیخ مجھے خصوصیت کے حلوا روٹی کھلائیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ملاقات کی تو آپ نے اپنی عادت کے موافق ہر ایک شخص کا حال دریافت کیا اور تلطف و مہربانی سے پیش آئے۔ زاں بعد گھر سے حلوا روٹی منگا کر اس شخص کے آگے رکھا جس نے بطریق امتحان رستہ میں اس کی خواہش ظاہر کی تھی اور فرمایا کہ یہ خاص کر اسی کا حصہ ہے اس کے بعد رستہ کی باہمی تقریر بجنسہٖ نقل کی جس سے وہ شخص نہایت شرمندہ و خجل ہوا۔

سید عمر متوطن حصار کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شیخ صاحب ایک خوبصورت رنگی ہوئی چادر سے اپنا جسم چھپائے ہوئے تھے۔ اور ہرن کی خوشنما و دلگیر پوست پر بیٹھے ہوئے وظیفہ میں مصروف تھے اس وقت مجھے آپ کی چادر اور ہرن کی کھال بہت ہی مرغوب اور پسند آئی۔ میرا میلان طبع اس طرف تھا کہ اگر ممکن ہو تو ایسی ہی چادر اور اسی قسم کی ہرن کی کھال بہت ہی مرغوب اور پسند آئی۔ میرا میلان طبع اس طرف تھا کہ اگر ممکن ہو تو ایسی ہی چادر اور اسی قسم کی ہرن کی کھال تلاش کرنا چاہیئے اور بنے تو شیخ سے یادگار کے طور پر یہی لے لینا چاہیئے۔ لیکن پاس آداب کے لحاظ سے میں شیخ سے اس بابت کچھ عرض نہ کر سکا اور ہر چند کہ اس خطرہ کو دل سے دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر وہ رہ رہ کر ابھرتا تھا۔ اتنے میں شیخ صاحب مجلس سے اٹھے اور مجھ سے فرمانے لگے تم ذرا ٹھہرے رہنا مجھے ایک کام ہے آپ پانی کے سقایہ کی طرف تشریف لے گئے اور چادر میں جو شربت کا دھبہ لگا ہوا تھا اپنے ہاتھ سے دھویا ازاں بعد چادر اور ہرن کی کھال دونوں کو تہ کر کے مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد کیا کہ اولیاء اللہ کے سامنے اس قسم کے خطرات کو دل میں راہ دینا نہ چاہیئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد میں ایک دفعہ ایک عورت کا جنازہ لایا گیا اور شیخ سے استدعا کی گئی کہ آپ نماز جنازہ کے امام ہوں۔ فرمایا ہنوز یہ عورت زندہ ہے۔ اور روح نے جسم سے مفارقت نہیں کی ہے اس صورت میں اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ عورت کے ورثہ نے مبالغہ کیا کہ حضرت! یہ عورت یقینی طور پر مر چکی ہے اور تجربہ نے غلطی کی ہے۔ حقیقت میں عورت زندہ ہے انجام کار جب جنازہ نے کو کھول کر دیکھا گیا تو عورت زندہ تھی۔ لوگوں کو تعجب اور تعجب کے ساتھ سخت حیرت ہوئی جنازہ کو اٹھا کر لے گئے اور اس کے ایک روز بعد عورت مر گئی۔ اگرچہ شیخ ابوالرضا محمد کے باطنی تصرف و کشف کی یہ ظاہر مثالیں ہیں۔ لیکن جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سن رشد کے زمانہ سے عہد انتقال تک جو بات بھی آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ بجائے خود ایک سچا کشف اور معجزنما کرامت بہت کچھ ثابت ہوتا ہے لیکن اس سے اعلیٰ درجہ کی مثال ایک وہ عینی واقعہ ہے۔ جسے حافظ عنایت اللہ نے بڑے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تصرفات

حافظ عنایت اللہ کہتے ہیں کہ علمی سوسائٹی کا ایک منتخب اور سند یافتہ شخص جو فضل و کمال میں بہت بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اور فضلاء زمانہ میں امتیاز یہ نظر ان سے دیکھا جاتا تھا مجھ سے ملا حقیقت میں اس کی وسعت نظر اور ذکاوت ذہنی اور زور تقریر اعلےٰ درجہ کی تھی اور اس کے علمی کمالات کا ہر شخص کو اعتراف تھا۔ اس نے خاص کر مناظرہ و مباحثہ کی تعلیم میں زیادہ محنت کی تھی۔ اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ایک خاص علمی سوسائٹی قائم کر رکھی تھی۔ جس کا خود ہی سیکرٹری تھا اور جس میں شب و روز علمی بحثیں بڑے زور شور سے ہوا کرتی تھیں۔ یہ اسی سوسائٹی کی مشق کا نتیجہ تھا کہ اس کی زبان کسی موقعہ و محل پر نہ رکتی تھی اور ہر بات کا برجستہ جواب دیتا تھا۔ الغرض یہ شخص مجھ سے مل کر کہنے لگا۔ کہ اس شہر میں کوئی ایسا عالم و فاضل باقی نہیں رہا جو علمی بحث میں مجھ سے مغلوب نہیں ہوا۔ میں نے کہا اس کی یہ لن ترانی سن کر جواب دیا کہ کبھی تم شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں بھی گئے اور ان کی زیارت سے مشرف ہوئے ہو بولا میں نے سنا ہے کہ عوام کو تفسیر حسینی کا وعظ سناتے ہیں۔ دراصل انہیں کسی طرح کا علم و فضل حاصل نہیں ہے اور علمی فضائل سے محض بے بہرہ ہیں اس کی گستاخی پر مجھے سخت طیش آیا اور غصہ کے لہجہ میں کہا کہ اس سے زیادہ بے ہودہ گوئی مت کر ذرا ان کی مجلس میں جا اور کمال علم کا اندازہ کر چنانچہ جمعہ کے وعظ میں وہ شخص حاضر ہوا اور بحث کا پہلو سوچتا رہا۔ شیخ نے اپنے باطنی اشراق سے اس کی یہ خلجان معلوم کر کے ایک ایسا زبردست تصرف کیا کہ اس کا سارا علم سلب کر لیا۔ حتیٰ کہ صرف و نحو کا ایک قاعدہ تک اس کے حافظہ میں نہیں رہا۔ دوسرے علوم کا تو ذکر کیا ہے اس نے اپنی حالت میں یہ فوری تغیّر و تبدل دیکھ کر معلوم کر لیا کہ یہ شیخ کے تصرف کا اثر ہے فوراً نادم ہوا اور علیٰ رؤس الاشہاد اپنی لن ترانیوں سے توبہ کی اور شیخ کی خدمت میں پلے درجہ کی تضرع و عاجزی پیش کی آپ کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ اور اسے اس کا علم عطا فرما کر اصلی حالت پر لے آئے ازاں بعد اس نے اور بھی عاجزی و نیازمندی ظاہر کی اور سخت عاجزی و انکساری سے پیش آیا۔ شیخ نے فرمایا بیشک میں عالم و فاضل نہیں ہوں۔ اور عوام الناس کو تفسیر حسینی کا وعظ سناتا ہوں۔ آپ کی یہ دل آویز اور تواضع سے بھری ہوئی تقریر سن کر جسے اپنی گستاخی و بے ادبی پر تنبیہ ہوئی اور اب اس نے دوبارہ اظہار نیازمندی کر کے توبہ کی اور کہا کہ میں آپ سے بیعت کرنا

چاہتا ہوں۔ شیخ نے اس کی بیعت قبول نہیں کی۔ اور فرمایا منقش و نگارین الواح کسی کام کی نہیں ہوتیں۔

الحاصل شیخ ابوالرضا محمدؒ کے اس قسم کے واقعات اس درجہ مشہور ہیں کہ کہ تذکرہ مشائخ خاص کر ان کتابوں میں جو اس واجب الاحترام اور معزز خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہیں۔ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسی سلسلے میں صرف ایک اور واقعہ جو سابق کے واقعات سے بھی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

رحمت اللہ کفش دوز کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں شیخ ابوالرضا محمد فیروز آباد کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے اس زمانہ میں میں بھی وہیں موجود تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں درخت کے سایہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا تھا اسی اثناء میں حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ سنا جاتا ہے شیخ بایزید بسطامی بعض اوقات ایک شخص پر نظر خاص ڈالتے تھے اور وہ شیخ کی قوت جذب اور حدت نظر سے مرجاتا تھا آج اس زمانہ میں اگرچہ شیوخ کا غلغلہ آسمان تک پہنچا ہوا ہے اور ہر طرف سے یہی صدا کانوں میں برابر گونج رہی ہے کہ فلاں شیخ اس قدر و منزلت کا ہے اور فلاں اس رتبے کا۔ لیکن کسی میں ان جیسی باطنی قوت نہیں پائی جاتی۔ یہ سن کر شیخ کی غیرت کی رگ حرکت میں آئی اور آپ نے بے اختیاری جوش کے ساتھ فرمایا کہ بے شبہ بایزید بسطامی ارواح کو جذب کر لیتے تھے لیکن انہیں ارواح کو دوبارہ جسموں میں ڈالنے کی قوت نہ تھی۔ میرے دل نے جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے وہ تربیت حاصل کی ہے اور حضور نے مجھے وہ قوت مرحمت فرمائی ہے کہ اگر چاہوں تو کسی کی روح جذب کر لوں اور اس کے ساتھ ہی چاہوں تو واپس کر دوں۔ یہ کہہ کر شیخ نے مجھ پر نظر خاص ڈالی اور بڑی عجلت کے ساتھ میری روح کو جذب کر لیا۔ میں مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس وقت مجھے بجز اس کے اور کسی بات کا شعور نہ تھا کہ اپنے تئیں ایک عمیق اور گہرے دریا میں ڈوبتا دیکھتا تھا۔ جب میری یہ کیفیت ہوئی تو شیخ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ اس نے خود میں ڈوبی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا اور ایک ایک عضو کو ٹٹول کر عرض کیا کہ بالکل مردہ ہے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اسے اسی حالت پر چھوڑ دوں اور چاہو تو دوبارہ اس کے قالب میں روح واپس کر دوں۔ سائل نے لرزتے ہوئے عرض کیا کہ اگر زندہ ہو جائے تو

کمال رحمت وعنایت ہے۔ چنانچہ آپ نے دوبارہ توجہ کی اور میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حضار مجلس شیخ کی یہ قوت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اس واقعہ کو یاد کر کے عشق عشق کرنے لگے۔

شیخ ابوالرضا محمدؒ کے مکتوبات وملفوظات ومسودات وغیرہ

جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی ایک عمدہ اور نہایت تصنیف میں شیخ ابوالرضا محمد کے بہت سے مکتوبات جمع کئے ہیں جو بالخصوص حضرات صوفیہ اور علم سلوک کی سنگلاخ گھاٹیوں کے طے کرنے والوں کے لیے ازبس مفید ہیں اور جن سے شیخ کے علمی کمالات کا ثبوت اچھی طرح ہوتا ہے لیکن چونکہ سب کے سب بالکل ادبی اور عوام کی دلچسپی سے خالی ہیں نیز اول تو ان کا اردو زبان میں ترجمہ کرنا تکلف سے خالی نہیں اور اگر تو نہ کسی مکتوب کا ترجمہ کیا جائے تو افسوس اس سے لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لہذا ہم ان میں سے بعض مکتوب جو نہایت ہی مفید اور سہل ہیں اور جن سے شیخ کی خداداد ذہانت اور زور قلم ثابت ہوتا ہے۔ بطور نمونہ معزز ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں امید ہے کہ شائقین بڑے ذوق شوق سے پڑھیں گے۔

شیخ عبدالاحد کا خط ایک دفعہ شیخ احمد سرہندی کے بلند اقبال اور نامور پوتے شیخ عبدالاحد نے جو اس زمانہ کے مشاہیر مشائخ کے زمرہ میں ایک نہایت معزز وممتاز فاضل شمار کئے جاتے تھے اور جن کا علمی تبحر وکمال بڑے بڑے مشائخ وقت کو تسلیم تھا۔ شیخ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کے اخیر حصہ میں یہ عبارت تحریر تھی۔ ثم المرجو من مکارمکم الشریفۃ ان لا تنسونا من دعواتکم الصالحۃ فی اوقاتکم المرجوۃ فان الامر صعب وفی الطریق تعب ورعب قال علیہ السلام وان امامکم عقبۃ کؤود :۔

کیف الوصول الی سعاد ودونہا

قلل الجبال ودونھن حتوف

الرجل حافیہ ومالی مرکب

والکف صفر والطریق مخوف

عزیز من! مشفق من! آنچہ سخن است درگفت نیاید و آنچہ از غیر حق است چندان گفت را نشاید پس سخن کوتاہ باید والسلام۔

شیخ کا جواب جناب شیخ ابوالرضا محمد صاحب نے شیخ ہوالاحد کے اس خط کا یوں جواب تحریر فرمایا۔

عنایت نامہ و شفقت نامہ رسید رابطہ صداقت و یکتائی استحکام پذیر فت۔

جزاکم اللہ سبحانہ عن اکرامکم و اوصلکم اللہ عز شانہ مرامکم مرقوم بود کیف الوصول الی سعاد ودونہا ؛ قلل الجبال و دونہن حتوف ؛ والرجل حافیۃ ومالی مرکب ؛ والکف صفر والطریق مخوف ؛

انتہی الحق کہ وصول سعاد ہویت ذاتیہ مطلقہ بالاطلاق الحقیقی بسیر مستطیل کہ مبنے بر عبور شواہق۔ جبال اعتبارات محضہ و اضافات وہمیہ صرفیہ عالم خلق وامر است۔ ہم چنیں صعب الحصول است زیرا کہ سالک حقیقت خود را بدان مخوف گردانیدہ است و مشاعر و مدارک خویش بدان منقش ساختہ والا فالحق سبحانہ فی الحقیقۃ من الوجہ الخاص اقرب الی العبد من حبل الورید لاثمہ طریق موصوف لاماموں و لا مخوف لایسع ثمہ رجل حافیۃ ولا مرکب ولا کف صافیۃ ای خالیۃ اذ ممکن لیس لہ ظہور فی الناس فسبحان من احتجب باشراق نورہ واختفی باستغراق ظہورہ ؎

توھمت قد مات ان لیلے تبرقعت ؛ وان لنا فی البین بالمنع اللثما
فلاحت فلا واللہ ما ثم مانع ؛ سوے ان عینے کان من حسنہا اعمی

؎ پردہ برخاست یا پدیدستم ؛ دست با دوست کردہ در آغوش
آن شنا شد حدیث این حل مست ؛ کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

؎ وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی
وکنا حیثما کانوا وکانوا حیثما کنا

رباعی

روزن بتو بودم و ندانستم ؛ شب با تو غنودم و ندانستم
ظن بود بمن کہ من جملہ منم ؛ من جملہ تو بودم و نمیدانستم

نوشتہ بودند کہ "آنچہ سخن حق است در گفت نیاید" ظاہر اداست کہ در گفت نیاید بجہت قصور افہام مستمعین دگرنہ سخن اگر لفظے است عین گفت است و اگر نفسے است فامن عیان الا دلہ بیان!

دوہرہ

کبیرا کا گھر سکھر ہے جہاں سلسلے بیل اگث پانو پیل سواوکون لادے بیل

والسلام علی اہل اللہ الکرام!

ایک اور مرتبہ شیخ عبدالاحد نے آپ کو یہ خط لکھا: الحمد للّٰہ الّذی اوجدنا فوجدناہ واخرجنا من الظلمات الی النور ففرقناہ ارسل الینا بشیراً ونذیراً فتبعناہ. انزل علینا کتاباً مستبیناً فتلوناہ تجلی لنا بجلالہ وجمالہ وعززنا بنوالہ ووصالہ. فہر علی قلال وجودنا فجعلہا دکا. او علی معالم قیودنا فما ابقی منا عیناً ولا اثراً لا عظمتہ. فتحیرنا فمابنا: سقینا خمرتہ فتحلنا بہا عیاناً رأیناہ بعین المکاشفۃ فعشقناہ شاہدنا ببصر المعاینۃ فشغفناہ: عرج بنا من صفاتہ الی حضرۃ ذاتہ وعامل معنا بما یجری لکما لاقۃ وکلماتہ ثم بما لا یعبر بعبارۃ ولا یشار باشارۃ ومن بعد ہذا ما تدق صفاتہ واکتم احیط لدیہ واجل ہذا وانما العطش فباق: ما لم یلتف الساق بالساق ویتم المیثاق ویفنی المساق فیومئذ ینعدم الفراق وعلی ذالک شددنا الوثاق ثم انا یا مولانا نستغفر اللّٰہ علی مقولنا ذالکم وعلی جمیع ضیفنا بوسیلتکم عباد اللّٰہ!

جواب شیخ عبدالاحد کے اس خط کے جواب میں جناب شیخ ابوالرضا محمد نے یوں تحریر فرمایا۔ بقاء العطش دلیل بقاء العطشان ویدل علی بقاء عین المہجور بقاء اثر المہجران فوجدا لفراق علی معالم القیود سغوف وثبوت العطش عند تال الوجود وقوف فکما لا یتصور مع الوقوف علی معالم القیود اطلاق کذالک لا یتصور مع وصال المحبوب فراق فمع بقاء صفات المحدث الحیم. لا یمکن العروج الی صفات المحدث القدیم فضلاً عن العروج الی حضرۃ ذاتہ الواجب الکریم ثم التفاف السباق وانتہاء المساق فی حق بعض موعود

و فی حق بعض موجود قال اللہ تعالیٰ کلا (ای حقا) اذا بلغت التراقی رای اذا بلغت النفس الانسانیۃ اعالی صدرھا یعنی نہایتہا وھی النقطۃ الاخیرۃ من عالم الامر باشتیاقہا الی مشاھدۃ الجمال الالٰہی) وقیل من راق (ای نودی من باطنہا من یرقنی ویشفنی من سم الفراق والم الاشتیاق ؎

لسعت حیۃ الھوی کبدی ؛ فلا طبیب لہا ولا راق
الا الحبیب الذی شغفت بہ ؛ انہ رقیتی وتریاقی

وظن انہ الفراق رای وظن المتعطش الی بقاء بحبیب ان ما تنزل بہ من القلق والاضطراب سبب الفراق عن جمیع ما سوے المحبوب) والتفت الساق بالساق (ای لہ اجتمعت ساق عالم الاکوان مع ساق عالم الرحمٰن یعنی یشاھدھما جمیعًا وھٰذا ھو مقام المشاھدۃ) الی ربک یومئذ المساق (ای یوم اذ کان کذا یساق الی صرف العالم الالٰہی فیسقی ثم بالماء الزلال فلا عطش لاحل الجمال فلا یبقی عین ولا اثر ولیس ثمہ مخبر ولا خبر ویسعد بالسعادۃ السرمدیۃ ولا یطرد بعد الاصطفاء من الحضرۃ الالٰہیۃ ؎

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب
نہ بیم فراق است ونہ تشویش رقیب

مرزا محمد سہرندی کا جواب | مرزا محمد سہرندی نے ایک دفعہ شیخ کی خدمت میں بہ طریق اشارت ذیل کے الفاظ لکھے کہ "بلیلہ اسہال برائے حصول حال بکار بردہ آخر الامر دستے اسہال بحال روئے نداوہ" جس کا جواب آپ نے اس طرز پر تحریر فرمایا "بخاطر فاطر در داوند کہ برخوردار خجستہ ماثر صفراوی مزاج است حارپابس کہ سلوک طریق حق را دن خور آمد اما بسبب بعضے مسموعات رسمیہ ومقالیات فاسدہ عقلیہ اخلاط سوداویہ غیر طبعیہ کہ سالک را از وصول بمنزل مقصود باز دارد غالب آمدہ حکیم حاذق نبود تشخیص مرض ننمود بجائے ہلیلہ اسود ہلیلہ اصفر بداد حفظ صفرا نکرد ومعاونت سودا نمود کار برعکس افتاد حال المزاج انجامید وحاذقان طریقت وماہران حقیقت بحکمت نظری وعملی باشربہ حارہ بابسہ بتوفیق اللہ تعالےٰ تبدیل مزاج کنند چہ حق تعالےٰ ظاہر است کہ ہیچ ظاہری حجاب وے نیست و او باطن است کہ بجز وے چیزے در باطن نیست قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی مناجاۃ

اللّٰھم انت الظاھر لا ظاھر فوقک و انت الباطن لا باطن دونک ؎

تو ھمت قدما ان لیلی تبرقعت ٭ وان لنا فی البین ما یمنع اللثما

فلاحت فلا واللّٰہ ما ثم مانع ٭ سوی ان عینی کان من حسنھا اعمی

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کحالان حقیقت کحل عنایت در چشم کشند و نابینایان را چشم بخشند انی ابری الاکمہ والابرص کحل عنایت جز بلسان طیور نسخہ نکنند فھم من فھم ومن لم یفھم لم یفھم بینوسیم واللّٰہ الھادی! کحل عنایت مرکب است از دو جز و ترقیق و تشحیق۔ ترقیق آنست کہ قلم اعلیٰ بحروف عالیات بشگاف دو زبان شد ظاہر الوجود باطن الوجود۔ باطن بدو راہ رفت امر و خلق پدید آمد اجناس متنوعہ بہرکس بخشید ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم

مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

و تسحیق آن باشد کہ ادانی در اقاصی و اسافل در اعالی تحیق کنند و در چشم کشند بروق شہود بدرخشند و اراضی قلوب بنور جمال مطلق منور گردد واشرقت الارض بنور ربھا۔ و صاعقہ سطوت احدیہ ذات ہستی طالب را در عالم نیستی بروسر کل شیء ھالک الا وجھہ۔ بظہور پیوند د و این ہنگام ہر کس از مرزائی خود آگاہی یابد۔ محمد مرزا۔ مرزا محمد گردد۔

ایک اور مکتوب ایک اور خط میں شیخ نے اپنے پر زور قلم سے مرزا موصوف کو یہ مضمون تحریر کیا۔ ھوالحی القیوم یا مرزائی دیا جلالی تطلب وحدانیتی وانت تشرک انانیتک بانانیتی۔ ان ھذا الاشرک جلی۔ لاشرک خفی۔ افلا تخاف من عزتی ولا تستحی من فردانیتی۔ یا موھوم انت الموھوم۔ وانا المعلوم۔ انا النور۔ وانت الظھور انا الحق!

والحقیقۃ وانت المجاز والطریقۃ ان کنت ترید ان تکون ممجدا موحدا فارفع الموھوم وانت المعدوم۔ وقل بقلبک السلیم و بسرک القدیم بلا عیب ولا ریب فی کل زمان وفی کل مکان۔ لا ھو الا انا ولا انا الا ھو فاذا رفعت البین وصلت بالعین فان شککت فیہ فانت معلول وان ارتبت فانت معزول وان تبلت بایمانک و ایقانک فانت مقبول فلا تکونن

من المسترین المردودین - اجبت سوالک برحمتی ولاکن لا تغفل عن عظمتی وعلیک ان لا تظهر ما القیت علیک عند المرجومین لا مرجوم الا العاطل - ولا مرحوم الا الواصل ان نهمت کلامی فعلیک رحمتی وسلامی ؛

ایک اور خط | دوسری مرتبہ آپ نے باین مضمون خط لکھا :-

بسم اللہ الواحد الاحد قال لی الحق والملک المطلق یا فردی ورضائی بعزتی وبہائی کنت احد اولم یکن شیء و اراد ان اکون شیئاً سوائی اظهرت بذاتی من ذاتی شیونا فی وصفاتی وظهر الخلق والخلیفۃ و انا الحق والحقیقۃ وانا الذات لکل شیء و انا الحیوٰۃ لکل حی فالخلق کلهم قدری والخلیفۃ کلها امری من اراد بقائی فلیراقب جلائی دنیفکو بنکر لاهوتی ولا جبروتی ولا ملکوتی وهولا هو الا هو من فهم کلامی فعلیہ رحمتی وسلامی ؛

شیخ عبدالحفیظ کے نام | شیخ عبدالحفیظ کو جو آپ کے خواص اصحاب میں ایک معزز و ممتاز دوست تھے اور جن کی رعایت شیخ کو ہمیشہ ملحوظ نظر رہتی تھی - ایک مرتبہ یوں تحریر فرمایا - بفهم کہ از دریائے نور نورانی حبابے اکثر بشتابی واز یں جناب رو بتابی خود را دریا ایمان نور یابی واین فہم را بقصد و توجہ دل برخود نگاہ داری کہ قصد و توجہ را در استبقاء حالات قلبیہ اثر تمام است - چون قصد شکستہ گردد وخطرۂ غیر راہ یابد فی الحال بخیال یا زشتابد با ضدادہا دوران نور اسم ذات با اسم متکلم درجائے تنہا و تاریک بدل حاضر فی الغدو والاصال علی التوالی والاتصال بگوید بحدیکہ از خود از ہمہ بے خبر شود وروزن دل کشادہ گردد - ارواح جملہ فرشتگان وپیغمبران را در بیداری بیند وفوائد عظیم از ایشان گیرد - ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوا الفضل العظیم ؁

چشم دل چون باز شد معشوق را در خویش دید   عین دریا گشت چون بیدار شد چشم حباب

دوسرا خط شیخ عبدالحفیظ کے نام | اس کے بعد شیخ عبدالحفیظ نے اس حدیث قدسی کے معنی دریافت کئے جو قصہ معراج میں وارد ہوئی ہے - اور لکھا کہ اس جملہ (قف یا محمد فان اللہ یصلی) کی توضیح ارشاد

کیجئے آپ نے برداشتہ قلم بہ مضمون تحریر فرمایا۔ بخاطر فاتر در داد ند کہ چون آن سیمرغ قاف معرفت بر ہوائے عالم خلق و امر پرواز نمود بسر حد نقطۂ اخیرہ عالم کون و مکان رسیدہ ہوائے دل کشائے عالم قدس حضرت الٰہی در نظر آمد از بس علو ہمت کہ داشت خواست کہ دراں عالم تیز طیران نماید خطاب مستطاب در رسید کہ قف یا محمد یعنی علی النقطۃ الاخیرۃ من عالم الامر فانھا حد العبودیۃ مع مشاھدۃ الربوبیۃ فان اللّٰہ یصلی ای یرید ان یرحمک علی العٰلمین بالنبوۃ والرسالۃ ویجب ان یقف الرسول فی ھٰذا البرزخ حتیٰ یستفیض المعارف والاحکام من الحضرۃ الالٰھیۃ ویفیض علی عالم خلقہ وامرہ وقیامک بمرادی اجلب رحمتی علیک من قیامک بمراد نفسک اُرید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید فانی فی الوصول عبید نفسی وفی الھجران مولی للموالی!

وانسب بعلو ہمت حضرت علیہ وعلیٰ اٰلہ الصلوٰۃ والسلام آنست کہ بعد از طیران در ہوائے عالم الٰہی دریں برزخ باز آوردہ خطاب فرمودہ باشند و معانی دیگر مستبعد کہ فراخور مذاق مقلدان بعضے صوفیان متاخر اند۔

دوبارہ شیخ صاحب نے حدیث مذکورۂ بالا کی یہ تفسیر لکھ کر شیخ عبدالحفیظ کو روانہ کی۔ کہ چون آن شہباز از ہوائے کثرت اسمائے و صفات الٰہیہ در گذشتہ بقصوی برزخیہ کبریٰ کہ اول مراتب تعینات است و بحیثیت محمدیہ مسماۃ است دم گرفت کہ بعالم حقیقت ذات مجرد پرواز نماید خطاب رسید کہ قف یا محمد علی ھذا البرزخیۃ الکبریٰ التی ھی منتھیٰ مقامات العارفین فان اللّٰہ یصلی ای یرحم علی کمل عبادہ فی ھٰذا المرتبۃ العلیا والمنزلۃ الزلفیٰ او یرحم علی عبادہ بالامر بالوقوف فان التشوق الی طلب ماوراءھا تضییع الوقت وطلب لما لا یمکن تحصیلہ او المعنی فان اللّٰہ یصلی ای یعبد نفسہ یعنی یثنی علی کمالاتہ الذاتیۃ ویتوجہ الیھا غنی عن العٰلمین لامجال الی جد فی شق عزتہ وحرم نفسہ ؎

تعالی العشق عن ھمم الرجال ؛ وعن وصف التفرق والوصال
متیٰ ماجل شیء عن خیال ؛ یجل عن الاحاطۃ والمثال

یہاں تک مولانا شیخ ابوالرضا محمد صاحب کے خطوط جس قدر مجھے لکھے تھے۔

نقل کر چکا۔ اگرچہ میرے پاس شیخ کے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ تھا اور اس قسم کا سرمایہ بہت کچھ موجود تھا۔ جو مجھے اس بارہ میں کافی مدد دے سکتا تھا۔ مگر میں نے انہیں اس درجہ سے نظر انداز کر دیا کہ عام لوگوں کی دلچسپی سے خالی تھے۔ صرف وہی بعض خطوط قلمبند کئے گئے جو معزز ناظرین کی دلچسپی کے باعث تھے۔ شیخ کے وہ تمام خطوط جو آپ نے مختلف مشائخ صوفیہ اور علماء و فضلا کی طرف لکھے ہیں۔ جناب مولٰینا شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک جگہ جمع کر دیئے ہوئے ١٣١٥ھ ہجری میں کتابی صورت میں طبع بھی ہو چکے ہیں شائقین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد میں شیخ کے مسودات میں سے بعض وہ باتیں بعینہٖ قید کتابت میں لانا چاہتا ہوں جو نہایت ہی مفید اور قابل انتخاب ہیں اور جن سے آپ کی عملی زندگی کا اقتدار اور علم و فضل کا اس جاہ و جلال اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

شیخ کے بعض مسودات

(١) آپ رسالہ اصول الولایۃ میں آیہ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی تحت فرماتے ہیں کہ فرائض ولایت کبریٰ شش است چہار شرط بترتیب نص۔ اول ایمان بتصدیق دل و اقرار زبان دوم تقوےٰ باکتساب مامورات واجتناب محظورات سوم طلب شیخ طریقت کہ وسیلہ عبارت ازاں ست راہ وصول بدست از وعیان است چہارم جہاد بارشاد در افنا و انا نیت واثبات ہویت و دو رکن ازاں است و ولایت کبرے ہمیں است۔

اسی رسالہ میں آپ یہ بھی لکھتے ہیں۔ چون مرید صادق در خلوت در آید اول ہمگی از ملک خود بر آید۔ غسل کامل نماید مصلے و جامہ پاک باید تا خدمت پاکی را شاید روے بخدا آرد دو رکعت بہ نیت توبہ گذارد و نجات خود را ادائے حقوق خلق و خالق بیند۔ بتضرع و زاری در موضع خلوت نشیند بتکبیر تحریمہ جمعہ و جماعت در یابد بعد از خلوت نشاید از ہمراہ عذر نماید چپ و راست نظر نکند از نظر خلق پرہیز د و از لذت نفس گریزد در آمد و شد غفلت نورزد۔ خلوت کہ چنیں نباشد۔ ہیچ نیرزد۔ کار بذکر و مراقبہ و دوام طہارت وانکسار محکم گیرد و نزدیک کسل خود را از نماز نفل و تلاوت و درود و استغفار خالی نپذیرد واگر ملال یابد بتجدید وضو شتابد اگر غلبہ بود بخواب رود تا نفس حدیث نگوید و براہ معصیت نپوید ثلث لیل و نہار خواب باید تا جسد را اضطراب نیاید۔ شش ساعت در شب و

دوساعت در روز در هر دو جانب بقدر درازی و کوتاهی روز و شب کم و زیاده کند و نقصان
از ثلث بتدریج حاصل کند پیش از غروب آفتاب بکمال طهارت بر مصلے رو بقبله بذکر و مراقبه
انتظار نماز مغرب کشد و میان مغرب و عشا بذکر و مراقبه و نماز مواصله نماید که در تنویر
قلب تاثیر تمام دارد و چون صبح طلوع نماید این چهار دعا بخواند اللّٰهم یا رب انت الله عالم
وانا عبد جاهل اسئالك ان ترزقني علما نافعا حتی اعبد بعلمك والا هلكت . یا رب
انت اله غنی وانا عبد فقیر اسئالك ان تحفظني حتی لا اسال من سوالك كفاف الدنیا
والا هلكت . یا رب انت اله قوی انا عبد ضعیف اسالك ان تعینني حتی اغلب الشیطان
بقوتك والا هلكت یا رب انت اله قادر وانا عبد عاجز اسئلك ان تجعلني جابرا علی نفس حتی
اقهرها بقدرتك والا هلكت !
پس دو رکعت سنت در خانه گذارد و پیغمبر گفت صلے الله علیه وسلم هر که میان سنت و
فرض فجر چهل و یک بار بخواند یا حی یا قیوم یا حنان یا منان بدیع السموات والارض یا ذوالجلال
والاکرام لا اله الا انت اسئالك ان تحي قلبي بنور معرفتك یا الله یا الله یا الله اگر همه دلها
بمیرند دلش نمیرد و ایمان بسلامت برد - چون بمقصد جماعت از خانه برآید گوید بسم الله
وبالله والی الله والتكلان علی الله ولا حول ولا قوة الا بالله ! چون بدر
مسجد رسد گوید اللهم عبدك ببابك وذنبك ببابك توجه الیك عن سوالك یستغفرك
ویطلب نوالك ان لم تفتح باب فضلك فلي باب سوی بابك پاے راست در مسجد نهد گوید بسم الله و
الحمد لله والصلوة والسلام علی رسول الله ط و چون در آید بگوید اعوذ بالله العظیم والقدرة
وبوجه الكریم وسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم ط از شر شیطان در امان باشد
چون اندرون مسجد رود سلام گوید و اگر کسی نباشد یا مشغول بنماز باشد بگوید السلام علینا
وعلی عباد الله الصالحین ! بعد از ادائے جماعت بجائے خود رو بقبله نشسته بذکر و
مراقبه بجد تمام اشتغال نماید که خواب درین وقت سخت مکروه است اگر خواب غلبه نماید ذکر
گویان بایستادن و نشستن دفع نماید - تا چون آفتاب یک دو نیزه بلند گردد دو رکعت به
نیت شکر ادا نماید - پس ازان هر جا که جمعیت خاطر باید در مسجد یا در خلوت بذکر مراقبه اشتغال
نماید تا ربع روز آنگاه چهار رکعت نماز چاشت گزارد و اگر تعلیم و تعلم یا کارے ضروری
داشته باشد - بقدر حاجت بکار خود مشغول گردد والا بتجدید وضو بذکر و مراقبه بنشیند را

اگر خوردنی موجود باشد بخود و در وقت خوردن بزبان ذاکر بدل نیک حاضر باشد بعد ازاں بہ تجدید وضو بذکر در قیلولہ رود چنانکہ بیداری پیش از زوال آفتاب غنیمت شمرد تا در وقت زوال آفتاب بطہارت کاملہ رو بقبلہ بر سجادہ ذاکر و مراقب نشستہ باشد چون آفتاب برگردد۔ چہار رکعت صلوٰۃ زوال ادا نماید۔ بعد از ادائے نماز ظہر اگر امرے ضروری از زیارت وعیادت و تعلیم عیال و پرسش احوال شان داشتہ باشد بقدر ضرورت اشتغال نماید و شتاب از نزد ایشان برخیزد و استغفار کند حسنات الابرار سیات المقربین۔ پس ازاں تکمیل طہارت تہیۂ نماز عصر کند و میان عصر و مغرب بذکر و مراقبہ مواصلت نماید ؎

عمر برف است و آفتاب تموز — اند کی ماند خواجہ غرہ ہنوز

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است — تعلیم کن دگرت بدین دسترس است

گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگو — در خانہ اگر کس ست یکحرف بس است

شیخ ممدوح کی ان دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شب و روز طاعت خداوندی میں غرق رہتے تھے اور ان منصبی فرائض اور اہم معاملات میں جو وقت دم لینے کو ملتا تھا وہ مذاکرہ علمیہ میں صرف ہوتا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو عملی زندگی احکام شریعت کے دائرہ میں بسر کرنے کا خیال بدرجہ غایت رہتا تھا اور آپ کون کون افعال کو جائز اور کن کن باتوں کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ محترم و بزرگ شیخ کے حالات زندگی پڑھنے والے خود بخود اس بات کی بخوبی جانچ کر سکتے ہیں کہ عہد طفولیت سے لے کر زمانہ انتقال تک جس شخص کی زندگی بالکل آسمانی شریعت کی پابندی اور نبی معصوم کے احکام کی متابعت میں گذری۔ وہ شیخ ابوالرضا محمد۔ جناب شیخ وجیہ الدین کے فرزند رشید اور مولانا شیخ عبدالرحیم صاحب کے برادر کلاں تھے۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے عبارات مذکورہ سے شیخ کی انشاپردازی اور زور قلم کا کمال بھی بخوبی واضح ہوتا ہے۔ آپ نے ان طولانی مضامین اور غیر محدود مباحث کو جن کے لیے صدہا اجزا سیاہ کئے گئے ہیں اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ نہایت مختصر اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ پھر اس پر عبارت کا طرز جیسا دلکش اور موثر ہے اظہر من الشمس ہے سالے کہ نکوست

از بہارش پیداست۔

علاوہ ازیں شیخ کے مسودات میں ہمیں بعض وہ عبارتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں جو تصوفی تحقیقات میں اعلےٰ درجہ کا نمونہ ہیں اور صوفیائے کرام کی موجودہ اور آیندہ نسلوں کے واسطے ایسی ہی ضروری اور لازمی ہیں۔ جیسے جسم کے لیے روح یا آنکھوں کے واسطے نور چنانچہ بطور نمونہ چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ الفناء فقدان لوازم البشریۃ اما ذہولا عن علمها او علما بانعدامها او حالا حقیقیا وللفناء تسع مراتب الاولیٰ الذہول و ہو عبارۃ عن عدم شعور العبد بنفسہ عند الاستغراق فی ذکر الحق لاہل الحجاب او عند بروز انوار الجمال لاہل الکشف۔ الثانیۃ[٢] الذہاب وہو فناء العبد عن افعالہ بشہود افعال الحق کالقلم بید الکاتب وقد یطلق علی الترقی! الثالثۃ[٣] السلب وہو عبارۃ عن فناء صفات الخلق بظہور صفات الحق۔ الرابع[٤] الاصطلام وہو فناء العبد عن ذاتہ بوجود ذات الحق۔ الخامسۃ[٥] الانعدام وہو فناء العبد عن فناءہ فلا یبقی عندہ شعور بانہ فانی السادسۃ[٦] السحق وہو زوال الحس من نفس العبد متقبل الصفات الالٰہیۃ من غیر تامل کما تقبل صفات نفسہ فہو اول مقامات التحقیق باللہ السابعۃ[٧] المحق وہو زوال الحصر والحد من جسمانیۃ العبد وروحانیتہ۔ الثامنۃ[٨] الطمس وہو ذہاب احکام البشریۃ من طبیعۃ وعادۃ فظاہرہ وباطنہ فلا یغیرہ الجوع المفرط والسہر الدائم وغیرہا التاسعۃ[٩] المحو وہو کمال الزوال بمباشرۃ آثار الخلیفۃ بظہور آثار الحقیقۃ فالمراتب الخمس الاول مخصوصۃ باہل الفناء والاربعۃ الاخرۃ باہل البقاء والبقاء صفۃ الٰہیۃ یتصف بہا العبد بعد فناءہ عن نفسہ۔

محترم شیخ کے ایک مسودہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بھی ہمیں نظر پڑ گئی ہے چونکہ نہایت دلچسپ ہے اور ایک نرالے ڈھنگ کی تفسیر ہے۔ قطع نظر اس کے دلکش اور مؤثر بھی ہے اس لیے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الباء متعلقۃ بمقدر عام ہو الوجود الاسم ہو تجلی الذات بصفۃ من الصفات واللہ علم لذات واجب الوجود الموجود بنفسہ المستجمع بجمیع صفات الکمال المتقدس عن جمیع جہات النقصان والرحمٰن الرحیم ہو اسمان من الرحمۃ بمعنی التفضل والاحسان والاول باعتبار الفیض الاقدس الذی یحصل بہ الصور العلمیۃ المسماۃ بالحقائق والماہیات مع استعدادہا والثانی باعتبار الفیض المقدس

الذی یحصل بہ تلک الماھیات فی الخارج مع لوازمھا وتوابعھا والمعنی بیاض الحقائق والماھیات فی الحضرۃ العلمیۃ اولا ونقیض الوجود علیھا فی الخارج ثانیا انھما صفتان لاسم اذ مبدلان منہ او بیانان لہ او خبران لمقدر عائد الیہ او مفعولان لاعنی بیانا لہ ولیسا بمتعلقین بالجلالۃ لانہ لیس الذات الرحمٰن الرحیم سواھا والمعنی ان وجود کل شئ بظہور ذات الواجب تعالیٰ فی حضرت الغیب ــــ و الشہادۃ ھ

اس دلچسپ اور لطیف تفسیر سے واجب الاعتصام مفسر کا جس درجہ علمی تبحر ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی نظیر بہت مشکل سے مل سکتی ہے۔ جو لوگ آپ کے حالات زندگی پڑھیں گے اور آپ کے مکتوبات و مسودات بامعانِ نظر دیکھیں گے۔ انہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ کس قدر و منزلت کے شخص تھے۔ اور آپ کا علمی کمال کس درجہ پر پہنچ گیا تھا۔

آں را کہ عیاں است چہ حاجت بہ بیان است

شیخ کے ملفوظات

ہم مولٰنا شیخ ابوالرضا محمد صاحب کے علمی حالات اور بعض خطوط و مسودات کے مؤثر و دلکش مضامین نقل کر چکے۔ اب آپ کے کچھ حکیمانہ اقوال اور عبرت و نصیحت میں ڈوبے ہوئے مقولے لکھتے ہیں جن سے آپ کے فضل و علم کی شان معلوم ہوتی اور علمی تبحر اور بھی ثابت ہوتا ہے۔

حضرت مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں جناب شیخ ابوالرضا محمد کے بیشمار دل آویز مقولے جمع کئے ہیں۔ اگرچہ ایک نہایت مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن تصوف و نصائح سے لبریز ہے۔ جس مقام کو پڑھو یہی معلوم ہوتا ہے کہ معنی خیز مضامین کا دریا نہایت زور و شور سے لہریں لے رہا ہے۔ الفاظ کی بندش عبارت کی چستی اس غضب کی ہے۔ جسے دیکھ کر بڑے بڑے فاضل دنگ رہ جاتے ہیں اس کی عبارت سے جس قدر بزرگ شیخ کا فاضلانہ اور عالمانہ پن برستا ہے اسی قدر مطالب کی خوبی اور عمدگی آپ کے علو شان اور بے نظیر تبحر کو ثابت کرتی ہے ۔ ہم اس مقام پر اُسی رسالہ میں سے چند مفید اور نصائح سے بھرے ہوئے مقولے

انتخاب کر کے اپنی ناچیز تالیف میں درج کرتا ہوں ۔

۱۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ایمان کی ایک معلوم و معین حد ہے کہ جب وہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو پھر کبھی اس کا زوال نہیں ہوتا ۔ اسی طرح اعمال کے لیے بھی ایک مقرر حد ہے کہ جب وہاں عروج کر جاتے ہیں تو پھر مردود نہیں ہوتے ۔ ایمان کی ادنےٰ درجہ کی حد یہ ہے کہ ایماندار کے سینے میں ایک محسوس نور ظاہر ہو جائے جس کی روشنی اور چمک سے اس پر اس کے باطنی آثار اچھی طرح نمودار ہو جائیں اس وقت آپ نے ارشاد کیا کہ میں نے ایک رات اپنے سینے میں ایک نور دیکھا جو چراغ کی طرح دہک رہا تھا اور جس کی روشنی میں مجھے گھر کے تمام اطراف اور اثاثِ بیت اچھی طرح نظر پڑتے تھے ۔ اسی اثناء میں خدا تعالےٰ نے مجھ پر الہام فرمایا، کہ ادنےٰ درجہ کا ایمان جو میری جناب میں مقبول ہے اسی نور کے مانند ہے جسے میں ایماندار سے سلب نہیں کرتا ۔ اس کے ذیل میں جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ کی مراد نورِ ایمان سے طہارت و طاعت کا نور ہے جیسا کہ میں نے حسبِ موقع بیان کیا ہے ۔"

۲۔ آدمی قبیح و ناشائستہ صفات ترک کر دینے اور اخلاق کو مہذب و آراستہ کرنے کی وجہ سے گو فرشتہ ہی کیوں نہ بن جائے لیکن پھر بھی ولایت خاصہ کے کمال کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی کمال نہیں ہے وجہ یہ کہ خدا تعالےٰ فرشتوں کی حکایت نقل فرماتا ہے کہ وما منا الا لہ مقام معلوم اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ کے مقامات معلوم المقادیر ہیں اور صاحب ولایت خاصہ کا مرتبہ جو تجلی ذات کے شرف سے معزز و ممتاز ہو چکا ہے اور کوئی حد اور انتہا نہیں رکھتا البتہ ایسا شخص خداوندی عنائیتوں کا مورد اور خوارق و کرامات کا مصدر ضرور ہوتا ہے کیونکہ کرامت کا صدور اوصاف ذمیمہ کے ترک کر دینے اور انوار طاعات سے معمور ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یہ سب کچھ ہے ۔ لیکن شخص موصوف حقیقت میں طریقہ ولایت میں داخل نہیں ہے کیونکہ ہنوز خودداری اور تن آرائشی میں مصروف ہے ۔ اور جب یہ ہے تو اولیاء اللہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا ۔

۴ - تمام ریاضات میں عمدہ اور بہتر ریاضت یہ ہے کہ آدمی دائمی توجہ کے ساتھ کھانے پینے میں درمیانی راہ اور متوسط درجہ اختیار کرے افراط تفریط سے ہمیشہ مجتنب و محترز رہے۔

۵ - جب حضور دل میں مضبوطی اور استحکامی کے ساتھ جگہ کر لیتا ہے تو پھر کسی چیز کی طرف ملتفت ہونے اور باتیں کرنے سے زوال پذیر نہیں ہوتا البتہ خاص دوقیق علوم کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے کے سبب سے خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن جسے ملکہ حضور ویسا ہی ذہن نشین ہو جاتا ہے جیسے آنکھ میں بینائی تو اب کوئی چیز بھی اس کے لیے حاجب نہیں ہو سکتی۔

۶ - اہل سنت اور معتزلہ و شیعہ جو دیدار الٰہی میں نزاع کرتے ہیں تو یہ صرف لفظی نزاع ہے کیونکہ معتزلہ و شیعہ اس وجہ سے انکار کرتے ہیں رویتہ خداوندی جہت کا تقاضا کرتی ہے اور خدا تعالےٰ جہت سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ انکشاف اتم برفع حجب کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ دیدار الٰہی بے کیف و جہت ہوگا اور یہی عین انکشاف اتم ہے۔

۷ - جو چیز عام لوگوں کو قیامت کے دن نصیب ہوگی وہ اولیاء اللہ کو دنیا میں میسر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دنیا ہی میں خداوندی دیدار سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی ذات مقدس اشکال سے منزہ دیکھتے ہیں۔ پھر اس بارہ میں وہ مختلف المقامات ہوتے ہیں بعضوں کو صرف ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بجلی کہ ادھر سے کوند کر ادھر چلی گئی اور بعضوں کو اس سے کسی قدر زائد لیکن جو حضرات کاملین ہیں اور ان کا رتبہ ولایت معراج کمال کو پہنچ گیا ہے۔ وہ ہمیشہ دیدار الٰہی میں محو رہتے ہیں جیسا کہ حضرت امیر المومنین جناب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لم اعبد ربا لم ارہ؁

۸ - اولیاء اللہ کے سلسلے اور ان کے طریقہ میں داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس پاک و برتر نفوس قوم کی ریاضیات پر عمل ہو اور اس کے باجاہ وجلال اور نتھرے ہوئے مشارب کو قبول کرے جو شخص ان باتوں کو پیش نظر نہ رکھے اور ان رنگوں میں رنگین نہ ہو اُسے اس برگزیدہ اور معزز و مقتدر قوم کے سلسلہ میں داخل نہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ بظاہر کسی ولی سے ارتباط کیوں نہ پیدا کیا ہو۔

۹۔ ہمارے عرفاء زمانہ کو ذاتی تجلی میسّر نہیں ہے ورنہ اپنے اور اپنی اولاد و اقارب کی حصول اغراض کے لیے سلاطین کے محتاج نہ ہوتے۔

۱۰۔ عارف کو اس بارہ میں جرأت کرنا نہایت ہی نامناسب ہے کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنا گرویدہ بنائے۔ اور اپنے طریقہ کی طرف مائل کر کے اس کی اس توجہ میں شورش ڈال دے جو شیخ اول سے حاصل ہے اگر کوئی شخص باصرار پیش آئے اور اس کے طریقہ میں داخل ہونا چاہیئے۔ تو اس وقت بھی اُسے یہی مناسب ہے کہ اُس کے شیخ کے حوالہ کر دے اور اپنے سلسلہ میں داخل نہ کرے البتہ اگر اس کے شیخ نے سفرِ آخرت قبول کر لیا ہو یا کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہو تو مضائقہ ہے۔

۱۱۔ جس کو ذوق مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے پھر وہ کسی معصیت سے زائل نہیں ہوتا۔

۱۲۔ ولی۔ دنیا میں آگ سے جلایا جانا اور تلوار سے مار ڈالا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے عناصر روح پر غالب ہو جاتے ہیں اور نشاء آخرویہ میں اس کے برعکس حالت پیش آتی ہے لیکن یہ انہیں اہل کمال کو نصیب ہوتی ہے جن سے حجب امکانیہ اٹھ جاتے ہیں۔

۱۳۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ایک فاضل نے کسی صوفی سے دریافت کیا۔ کہ صوفیائے کرام اس قدر ریاضات و مجاہدات کی سختیاں اور تکلیفیں کیوں جھیلتے ہیں۔ جواب دیا کہ اگر تجھے اس بات کی اُمید دلائی جائے کہ فلاں شخص مشقت کی برداشت کرے گا تو حکومت کی باگ تیرے ہاتھ میں دی جائے گی۔ یا بادشاہ کی گردن تیرے آگے جھک جائے گی تو اس وقت تو یہ تمام مشقتیں اور مصیبتیں گوارا کرے گا کہ نہیں وہ بولا کہ نہ صرف یہی بلکہ جس کو ان باتوں کا متوقع کیا جائے گا نہایت خوشی اور ذوق شوق سے بڑی بڑی سختیاں جھیلنے کو تیار ہو جائے گا۔ اس پر صوفی نے کہا کہ ہماری ان جانفرسا ریاضات اور جگر تراش مجاہدات کی یہی وجہ ہے کہ خداتعالےٰ اپنی عظمت و جبروت اور پورے جاہ و جلال کے ساتھ ہمارے خانۂ دل میں جلوہ فرما ہوتا ہے۔

۱۴۔ ایک دفعہ جملہ اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور! آپ کے پیش نظر تھا۔ جس کی تفسیر و توضیح آپ نے یوں فرمائی کہ اصحاب قبور سے مدد چاہنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے حالات یاد کرکے عبرت پذیر ہو کیونکہ مردوں کے حالات یاد کرنے سے اور ان سے عبرت حاصل کرنے سے دنیاوی امور کے تعلقات کی رگ کٹ جاتی اور فکر معاش مضمحل ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ حدیث ان الدنیا اشبح من جیفۃ منتنۃ کی تفسیر میں فرمایا کہ دنیا انسان کو خدا تعالے کی طرف متوجہ ہونے سے مانع آتی ہے۔ کیونکہ انسان کا دلی تعلق اس کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے بخلاف مردار کے کہ اس میں یہ صفت پائی نہیں جاتی اس لیے دنیا مردار سے زیادہ قبیح شنیع ٹھہری۔

۱۶۔ فرماتے تھے مخالفت شریعت کوئی بات منہ سے نکالنا کذب فی الاقوال ہے اور شریعت کے برخلاف کوئی کام کرنا کذب فی الافعال اسی طرح ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متلون ہونا کذب فی الاحوال ہے۔

۱۷۔ آپ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ اہل شہود حسین اور خوبصورت عورتیں اور بے ڈاڑھی مونچھ کے نازک اندام لڑکوں کی طرف بالکل التفات نہیں کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر ان لوگوں سے تجاوز ہو کر منتہائے حقیقی پر پڑتی ہے البتہ جو لوگ نعمت عظمےٰ سے محروم و محجوب ہوتے ہیں وہ خوبصورت عورت کی طرف مائل ہوتے اور بدصورت عورت سے اعراض کرتے ہیں۔ لیکن عارف کے نزدیک دونوں مساوی حکم رکھتی ہیں اسی طرح اہل شہود راگ سننے سے متلذذ نہیں ہوتے کیونکہ راگ کی صرف اسی قدر کائنات ہوتی ہے کہ گویئے کے منہ سے نکل کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے اور اس اولوالعزم اور خوش نصیب قوم کے ذوق شوق کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

۱۸۔ عارف کامل کبھی انجام اور خاتمہ پر نظر نہیں ڈالتا کیونکہ یہ اس کے حق میں نقصان صریح ہے اگر ہزار مرتبہ بھی دل کے بجھا دینے والی ندا سنتا ہے کہ ہم نے تجھے بدبخت اور شقی کیا ہے یا یہ خوشخبری کان میں پہنچتی ہے کہ تیرا خاتمہ بخیر ہے۔ بہر تقدیر وہ ان دونوں باتوں کی طرف التفات و توجہ نہیں کرتا ہے اور

اس عاجل نفع کو جو اُسے نقد وقت حاصل ہے۔ یعنی جمال محبوب کا مطالعہ بجائے آجل کے حصول میں نہیں چھوڑتا ہے۔

۱۹۔ اہل شہود۔ سانپ۔ بچھو اور شیر چیتے اور چوروں ڈاکوؤں سے کبھی خائف نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر نے امتحان کی غرض سے اپنے نفوس کو اُن خطرناک اور دہشت انگیز مقامات میں ڈال دیا ہے جو درندوں اور زہریلے جانوروں کے بن کہے جاتے تھے اور جہاں آب ودانہ کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ لیکن اس پر بھی جب ان کے دلوں میں کسی قسم کا خوف وخطر پیدا نہیں ہوا تو معلوم کر لیا کہ اب ہم میں کمال پیدا ہو گیا ہے اور ہماری عملی زندگی ایک بڑے عروج پر پہنچ گئی ہے۔

۲۰۔ خالد بن سنان کا جو یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے انتقال کے وقت لوگوں کو تاکیدی حکم کیا تھا کہ مجھے چالیس روز کے بعد قبر سے نکال لینا تاکہ میں عالم برزخ کے تمام احوال تم پر ظاہر کردوں اور جو چیزیں وہاں موجود ہیں۔ ان کی ٹھیک ٹھیک خبر دوں" اس کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص عالم دنیا سے سفر کر کے عالم برزخ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کا بدن ناسوتی کے ساتھ جو تجزی وتبعیض اور خرق والتیام کے قابل ہے دنیا میں معاودت کرنا ناممکن ہے، لیکن جسم مثالی کے ساتھ جو تجزی اور خرق والتیام کے قابل نہیں، رجوع کرنا جائز ہے جیسے حضرت جبرائیل دحیہ کلبی کی صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اسی طرح انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام کی مقدس وپاک روحیں اجسام مثالیہ میں متشکل ہوتی ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ نفوس کاملہ تاوقتیکہ دنیا میں موجود ہیں۔ مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکتے اور خدا کی طرف سے انہیں وہ قوت عنایت ہوتی ہے کہ جو شکل وصورت چاہیں اختیار نہیں کر سکتے پس خالد بن سنان کی مراد یہی تھی کہ میں بدن مثالی کے ساتھ دنیا میں رجوع کروں گا نہ جسم عنصری کے ساتھ۔

یہاں تک میں نے شیخ ابوالرضا محمد صاحب کے ملفوظات نقل کئے جن سے آپ کا کمال علم اور تبحر ناظرین سوانح کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو گا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے عالمانہ مقولے کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ جن کے درج کتاب کرنے

سے مجھے تطویل کا خوف ہے۔ ناظرین کتاب شوارق المعرفۃ کی سیر کریں اور آپ کے دل آویز اقوال اور حکیمانہ مقولوں سے لطف اٹھائیں۔ اب میں اس باب کو آپ کے حالات انتقال پر ختم کرتا اور معزز ناظرین کو چوتھے باب کی حیرت انگیز سین کی سیر کراتا ہوں:۔

شیخ کا انتقال

شیخ محمد ظفر رہتکی کا بیان ہے کہ جناب شیخ صاحب ابتدائی زمانہ میں اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس ساٹھ سال کے درمیان ہوگی اور ان دونوں عددوں کے مابین ہماری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک جائے گا۔ چنانچہ جب آپ نے اپنی عمر کے پچاس مرحلے طے کر کے قدم رکھا تو مجھے شیخ کا وہ ارشاد یاد آیا اور ہمیشہ یہی خطرہ پیش نظر رہا۔ لیکن اتفاق وقت سے جب آپ پچپن سال کی عمر کو پہنچے تو مجھے ایک ایسی تقریب پیش آئی جس کی وجہ سے مجبوراً رہتک جانا پڑا۔ رخصتانہ ملاقات کے وقت میں نے شیخ سے اس بارہ میں دریافت کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو میں اس سفر کو ملتوی کر کے کسی اور زمانہ کے لیے اٹھا رکھوں آپ نے ایک خوش آیندہ تبسم اور نہایت ہی دلگیر مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور اس امر کے اظہار کرنے سے اعراض فرمایا ازاں بعد ارشاد کیا کہ نہیں تمہیں وطن ضرور جانا چاہیے اور اس بات کا بالکل خیال کرنا نہیں چاہیئے گویا یہ آخری کلمات تھے۔ جو محترم و بزرگ شیخ کی زبان مبارک سے نکل کر میرے کانوں میں پہنچے۔ جب مجھے وطن میں شیخ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اپنی بدقسمتی اور محرومی پر سخت افسوس ہوا اور ذیل کا شعر ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ میری زبان پر جاری ہو گیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

الغرض گلشن شاعر جو شیخ کے انتقال کے وقت آپ کی مجلس میں موجود تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اور انتقال کی کیفیت دریافت کی اس نے نہایت سوز و گداز کے

ساتھ بیان کیا کہ جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب ہوا اور آپ زندگی کے تمام مرحلے طے کر چکے تو شیخ عبدالاحد ایک دن آپ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا۔ جب شیخ عبدالاحد اور ان کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت آپ اپنی عادت کے برخلاف چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور تمام اصحاب فرش زمین پر سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اس وقت مجلس کا عجب عالم تھا چاروں طرف سکوت و خاموشی کی حکومت چھیلی ہوئی تھی اور حاضرین مجلس عالمت بے خودی میں محو تھے۔ شیخ نے مولانا عبدالاحد کو دیکھتے ہی ایک خوش آئندہ تبسم کیا اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کر کے اسی چارپائی پر اپنے برابر بیٹھا لیا جس پر خود تشریف رکھتے تھے اگرچہ ایک عرصہ تک یہی صحبت رہی مگر باہم کسی قسم کی گفتگو اور کلمہ و کلام نہیں ہوا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا دل تمام تعلقات سے وارستہ ہو گیا تھا اور ایک بیخودی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اور اسی بے خودی اور فرط رسیدگی کی وجہ سے آپ مکالمہ میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ تھوڑی دیر یہی حالت رہی ازاں بعد آپ چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چونکہ آپ کے اہل خانہ شیخ عبدالاحد صاحب سے قریبی رشتہ داری رکھتے تھے اس لیے شیخ کو اپنے ساتھ گھر میں لے گئے اور اسی اسلوب کے ساتھ بے گفت و شنید تھوڑے سے عرصہ تک صحبت رہی۔ اسی اثنا میں آفتاب مغربی گھاٹیوں میں ڈوبک کر غروب ہو گیا اور مؤذن نے اذان مغرب دی۔ اس وقت شیخ فخر عالم نے جو بزرگ شیخ کے فرزند رشید تھے اور عمر میں سب سے بڑے علم و فضل میں سب سے افضل تھے۔ عرض کیا کہ جناب! اذان ہو گئی ہے باہر تشریف لے چلیے۔ شیخ نے اوپر کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ بابا! کیا ابھی تک اندر و باہر میں فرق و امتیاز باقی ہے یہ کہہ کر آپ اٹھے اور مسجد میں پہنچ کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس صحبت کے منقضی ہونے کے بعد شیخ عبدالاحد صاحب نے فرمایا کہ محترم شیخ گویا اسی ہیئت پر بیٹھنے کے ساتھ مامور ہیں اور گویا آپ کے انتقال کا زمانہ قریب ہی آپہنچا ہے اور رفیق اعلیٰ کی طلب آپ پر بہمہ وجوہ غالب آگئی ہے چنانچہ اس کے بہت تھوڑے سے عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

شیخ کے اصحاب کی ایک جماعت نے جو ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہتی تھی

آپ کے واقعات انتقال کی بابت یوں تحریر کیا ہے کہ ابتداء میں آپ کو کچھ یوں ہی
کسل و تکان عارض ہوا۔ اسی اثناء میں آپ نے متواتر تین روز تک کھانے کی طرف
رغبت نہیں کی کہ نہ کسی سے زیادہ بات کی بلکہ آپ کے دل مبارک میں انتہا درجہ کی
بے تعلقی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ کسی شخص اور کسی چیز کی طرف مطلق التفات و توجہ نہیں کی۔ جب
تین روز اسی طرح کی عام بے چینی پھیل گئی اور نہایت کرب و اضطراب واقع ہوا اس وقت بھی
آپ کسی پر ملتفت نہیں ہوئے۔ لیکن جب نماز عصر کا وقت ہوا۔ اور آپ نے مسجد میں آنا چاہا
تو گھر کے لوگوں کو رخصت کیا اور چند الوداعی کلمے زبان مبارک پر جاری ہوئے جن سے ایک
نہایت غم ناک اثر آپ کے متعلقین پر پڑا۔ حاضرین جلسہ کا اس وقت برا حال تھا اور سب
زار و قطار رو رہے تھے۔ الغرض شیخ گھر والوں سے رخصت ہو کر اور صبر و استقلال
کی فہمائش کر کے مسجد میں تشریف لائے اور بہت ہی عاجزی و انکسار کے ساتھ نماز ادا کی۔
نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مقامات حضرت خواجہ نقشبند طلب فرمائے اور
تھوڑے کہیں کہیں سے پڑھے۔ اسی اثناء میں ایک مخلص و بے ریا معتقد نے
پان حاضر کئے اور آپ نے ایک دو ٹکڑے تناول فرمائے اور نہایت فرحاں و شاداں اس
تکیہ پر سہارا دے کر بیٹھ گئے جو آپ کے پہلو میں لگا ہوا تھا۔ تکیے پر سہارا دیتے ہی آپ
کی روح بدن سے مفارقت کر گئی اور شیخ نے سفر آخرت قبول کیا۔

جس وقت شیخ کی روح جسم عنصری سے مفارقت کرنے لگی۔ اور آپ نے معلوم کیا کہ
اب سفر کا آخری وقت ہے تو جناب مخدومنا سیدنا حضرت شیخ عبدالرحیم کی طرف دست مبارک
سے اشارہ کیا کہ گویا آپ انہیں اپنے پاس بلانا چاہتے تھے اتفاق سے اس وقت شیخ
عبدالرحیم گھر میں موجود تھے۔ ادھر بعض حاضرین مجلس تو جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی تلاش
میں گئے اور ادھر بعض یاروں نے بایں خیال کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی ہے آپ کو گودی میں
اٹھا کر گھر کے دروازے پر پہنچا دیا۔ اتنے میں جناب شیخ عبدالرحیم صاحب تشریف لے آئے
اور دیکھا تو روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔ آپ کے پرنم آنکھوں سے فوراً آنسو ڈبڈبا آئے اور
کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا شیخ عبدالرحیم صاحب کی یہ کیفیت دیکھ کر تمام
حاضرین نے اس زور سے کلمہ اللہ جاری کہا کہ ساری مسجد گونج اٹھی اور گھر میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔
شیخ کے انتقال کا نہ صرف آپ کے متعلقین اور معتقدین ہی کو افسوس ہوا بلکہ تمام ملک و قوم کو انتہا

سے زیادہ رنج وافسوس تھا ساری دہلی آپ کے واقعات وحالات سن کر غم کے آنسو بہاتی تھی اور یاد کر کے بے قرار ہوتی تھی۔ خاص کر جو لوگ آپ کے دلدادہ اور آپ کی فیض صحبت سے عروج کمال پر پہنچ گئے تھے اور بہت ہی بے چین اور مضطرب تھے اور ایک مدت کے بعد بھی ہنوز یہ واقعات ان کے دلوں میں تازہ تھے۔

انتقال کی تاریخ شیخ کا انتقال ۱۷ر تاریخ محرم سنہ ۱۱۳۱ ہجری میں ہوا آپ کے بعض مخلصوں نے فی البدیہہ آپ کی وفات "آفتاب حقیقت" بحساب ابجد نکالی ہے

رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل اعلی الفردوس مثواہ آمین ٥

شیخ کی عمر کا ٹھیک اندازہ بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ آپ کی ولادت کے سنہ و تاریخ کا پتہ باوجودیکہ تحقیقات کے کہیں سے دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ مختلف تذکروں سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت عبدالوالمظفر محمد شاہ جہاں بادشاہ میں ہوئی۔

اسی طرح شیخ کی اولاد کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ میں نے اس بارہ میں جس قدر کوشش کی ہندی مورخوں کی بے توجہی سے انتا ہی ناکامیاب رہا۔ متعدد کتابوں کے پڑھنے اور مختلف تذکروں کے دیکھنے سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ شیخ ابوالرضا محمد کے ایک صاحبزادے نہایت برگزیدہ اور ستودہ صفات شخص تھے جو شیخ فخر العالم کے ساتھ شہرت رکھتے تھے اس دنیا کے مشہور ونامور عالم کا اس وقت انتقال ہوا جب جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے عمر کے چودہ مرحلے طے کر کے پندرھویں میں قدم رکھا تھا۔ لیکن میرا صرف اس قدر کہنا بھی کافی نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ شیخ کی اور بھی اولاد ہو جو مورخوں کی بے توجہی یا معمولی واقعات کے لحاظ سے نظر انداز کی گئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ کی اولاد کا کسی مقام پر تذکرہ ہو اور تتبع کے وقت میری نظر قصور کر گئی ہو۔ بہر حال خواہ اسے میری قصور نظر پر محمول کیا جائے یا ہندی تذکروں کے مؤلفوں کی بے توجہی خیال کی جائے۔ میں اس کہنے سے کبھی خوف نہ کروں گا۔ کہ مجھے شیخ کی اولاد کی بابت کچھ معلوم نہیں کہ کس قدر تھی اور کس کس نام سے شہرت رکھتی تھی۔

چوتھا حصہ

عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ رح

تمہید معزز ناظرین! حیات ولی کے تین حصے ختم ہو چکے جن میں آپ نے شاہ صاحب موصوف کے عظیم الشان اور جلیل القدر خاندان کے ممتاز و منتخب حضرات کے حالات زندگی کی اچھی طرح سیر کی اور ان کی سوانح عمریاں شوق دے کے پڑھیں۔ اب چوتھے حصے کا آغاز ہے۔ جس میں ہم اس اولوالعزم اور قابل انتخاب خاندان کے چشم و چراغ یعنے عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی لائف بیان کریں گے۔ یہ وہ نامور و بلند اقبال اور مشہور شخص ہیں۔ جنہوں نے اپنے علمی تبحر اور فضل و کمال کی وجہ سے اس معزز و بزرگ خاندان کو ساری دنیا میں روشناس کر دیا ہے۔ اور جن کے نام کا امتیازی پھریرا ہندوستان سے لے کر عرب تک بڑے زور شور سے اڑ رہا ہے۔

شاہ صاحب کے علمی تبحر اور فضل و کمال کی جہاں تک سچی تعریف کی جائے وہ بہت کم ہے کیونکہ اس محترم خاندان میں ایسے حضرات بہت کم گذرے ہیں جن میں وہ تمام کمالات ہوتے جو تنہا آپ کی ذات والا صفات میں پائے جاتے تھے۔ جس شخص نے اپنے خاندان کے گذشتہ لوگوں کے اعزاز و اقتدار قائم رکھے بلکہ ان پر ایک نئی جلا پیدا کر کے اور بھی چمکا دیا۔ اور جس نے اپنی آیندہ نسلوں کی کامیابی کے واسطے ایک ایسا بیج بویا جو بعد ازاں ان کی ان تھک کوششوں سے پھلا پھولا اور لہلہایا وہ یہی شاہ صاحب ہیں۔ آپ کی خداداد قابلیت اور حسن لیاقت کا اندازہ صرف اسی سے نہیں ہو سکتا کہ خود بہت بڑے فاضل اور عالم اور خواص و عوام کے مقتدا و معتقد علیہ تھے اور پبلک سے اجتہاد و امامت کا معزز خطاب حاصل کر چکے تھے۔ بلکہ اپنی اولاد اور ملک و قوم کو عروج پر پہنچا دیا تھا جو آج تک دونوں کو زندہ کئے ہوئے ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ ممتاز خاندان جس کی نسبت میں چند جملے تحریر کر چکا ہوں

اور جس کے مفصل حالات آپ پہلے دوسرے تیسرے حصے میں پڑھ چکے ہیں اپنی خاص نوعیت کے اور خاص فضائل اور عام نفع رسانی میں ہندوستان میں لاثانی اور بے نظیر تھا اور علم وفضل اور شہرت عام کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ نیز اس کا ہر ایک ممبر آسمان علم کا مہر جہاں تاب تھا۔ لیکن حقیقت میں شاہ ولی اللہ صاحب نے علمی کمالات میں جو اقتدار و اعزاز حاصل کیا وہ اس خاندان کے لیے بہت بڑا ذریعہ افتخار تھا۔ اور اگر سچ پوچھیے تو اس خاندان کو سب سے زیادہ جس شخص نے تاریخ میں بقائے دوام کا اعزاز بخشا ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی ہیں بلکہ میرا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس خاندان کو علمی حیثیت سے جو فضیلت و ترجیح دوسرے علمی خاندانوں پر حاصل ہے وہ آپ ہی کے طفیل سے حاصل ہوئی ہے۔ اور یہ لکھنا واقعہ نفس الامری ہے کہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب بلحاظ شہرت عام اور دیگر فضائل کے الولد سر لابیہ کے پورے فوٹو تھے۔ اور نہ صرف فوٹو ہی تھے بلکہ اُسے جلا اور چمکا دینے والے تھے۔

چونکہ شاہ صاحب کے مراتب علم اور شان کمال کا انحصار کرنا مشکل اور سخت مشکل ہے۔ اس لیے نہایت مختصر الفاظ میں آپ کی تعریف یہ ہے۔ کہ علم حدیث و تفسیر کی ترویج و اشاعت میں آپ پہلے شخص ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان میں ان مقدس علوم کو رواج دیا اور طالبان علم کو ندائے عام دی اپنے فیضان سے دنیا کو سیراب کیا۔ اور اسلامی علوم کے باریک و دقیق مسائل کو دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ آپ ہی کا فیض عام ہے۔ جس سے آج تک حدیث و تفسیر کا چراغ روشن ہے۔

شاہ صاحب کے حالات پر سرسری نظر

معزز ناظرین! قبل اس کے کہ میں جناب خاتم المحدثین امام المفسرین فاضل اجل عالم باعمل عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی تاریخی زندگی کے مفصل حالات و واقعات جدا جدا عنوان سے بیان کروں اور آپ کے اخلاق و عادات پر تفصیل کے ساتھ ریویو کروں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت مختصر اور اجمالی طور پر آپ کے علمی مذاق اور فضل و کمال کا خاکہ کھینچوں اور اس کے ساتھ سرسری طور پر آپ کی اس خداداد شہرت کا ذکر کروں جو قریب قریب کل ہندوستان اور عرب دونوں میں آج تک پھیلی ہوئی ہے۔

جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایشیائی دنیا بالخصوص دنیائے اسلام کے مشرقی حصّوں خاص کر اسلامی قوموں میں ایسے نامور اور باجاہ و جلال اور ذی عظمت و شان بزرگ ہو گذرے ہیں جن کا نام نامی ایسا نہیں ہے جس سے کوئی شخص آگاہ نہ ہو۔ ہندوستان کے عام طبقات میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا اسلامی طبقہ ہوگا جو آپ کے مبارک نام اور آپ کے مقتدر و معزز خاندان سے ناواقف ہوگا۔ خاص دہلی اور اس کے اطراف و اضلاع میں کوئی ایسا گھر نہیں جس کے بچہ بچہ کی زبان پر آپ کا نام نہایت عظمت و وقار اور اعزاز و احترام کے ساتھ جاری نہ ہوگا۔

یہ بات نہ صرف تعجب بلکہ سخت حیرت سے دیکھی جاتی ہے کہ عام طور پر اسلام کی مختلف شاخوں کے تمام موافق و مخالف فرقے حتیٰ کہ مخالفین اسلام بھی اس عزیز الوجود اور خلیق و رحمدل خداپرست و برگزیدہ ولی کے فضائل و کمالات کے بدل معترف ہیں کہ حقیقت میں یہ پاکباز اور خدا کا پیارا بندہ علمی حیثیت اور مذہبی تقدس کے لحاظ سے اپنے زمانہ کا فرد اور فضل و کمال کے جولانگاہ کا پورا شہسوار ہے قیافہ شناس نظریں آپ کی دل فریب طفلانہ حرکتوں سے پہلی ہی خوب سمجھ گئی تھیں کہ اس شریف و نجیب خاندان کے بانیوں کی ڈالی ہوئی بنیادیں اس مبارک بچے ہی ان تھک کوششوں سے ایک زمانہ میں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی۔ اور آئندہ نسلوں کے عروج و استحکام کا سبب بھی یہی بچہ ہوگا۔

اس مقدس بزرگوار کے علم و فضل کی نسبت علمائے مورخین نے جیسے جیسے وزنی اور قیمتی ریویو کئے ہیں۔ اور اس کی خداداد قابلیت پر متفقہ الفاظ میں قابل وقعت اور پرزور ریمارک کئے ہیں حقیقت میں وہ اس کے مراتب کمال اور علمی تبحر کے واسطے اعلےٰ درجہ کے سارٹیفکٹ ہیں جن سے اس کی شان و عظمت اور اعزاز و اقتدار کا کافی ثبوت ملتا ہے جو آج تک علماء کے دل میں باقی ہے اور گو اُسے سفر آخرت کئے ہوئے زمانہ دراز گذر چکا ہے۔ لیکن اس کی عظمت و جبروت اور جاہ و جلال کے آثار ہنوز تازہ ہیں۔

ایک قابل مصنف کا ریویو

سیر الاخبار کے مؤلف نے شاہ صاحب کی لیاقت پر جو ایک مختصر ریمارک کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اپنے زمانہ کے تمام علماء پر کھلی اور واضح فضیلت

رکھتے تھے۔ دنیا کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو علمی کمالات اور اخلاقی فضائل میں آپ کا دعوے دار ہوتا اور بفرض محال اگر کسی صفت میں کوئی شریک ہو بھی تو یہ دعوے ہرگز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کہ باطنی تصرف میں بھی آپ سے افضل ہوا ہو۔ حقیقت میں آپ جامع معقول و منقول اور حاوی فروع و اصول تھے۔ حقائق و معارف سے پوری آگاہی و واقفیت رکھتے تھے اور تصوفانہ تحقیقات میں بھی آپ کو کمال دستگاہ حاصل تھی۔ مریدوں کی پرنور اور عقیدت مندانہ بصارت سے لبریز آنکھیں آپ کے جمال کی تابانی و درخشانی سے ہر وقت روشن و منور رہتی تھیں۔ اور عقیدت کیش علماء اور سلیم الطبع فضلاء کا جمگھٹا ہمیشہ آپ کے درس گاہ میں لگا رہتا تھا۔
آپ حدیث و تفسیر و فقہ کے علوم کے درس و تدریس میں ہمیشہ مستغرق رہتے تھے۔ اور اس میں نہایت عزت و وقعت کے ساتھ شہرت و ناموری پیدا کر لی تھی۔ آپ نہ صرف علم و عمل کے لحاظ سے فرید عصر اور یگانۂ روزگار تھے بلکہ مجتہدین فن اور ماہرین کمال کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے اور ایک انتہا درجہ کے جید محدث تھے۔ معمولی تعلیم کے بعد آپ کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی نے صرف اپنے وقت کے علماء پر قناعت کرنا پسند نہیں کیا بلکہ ہمت و استقلال کے شاہین بلند پرواز نے سفر کے لیے بال و پر کھولے اور صرف احادیث کی سند حاصل کرنے کے لیے عربستان تشریف لے گئے۔ حرمین محترمین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایک معتد بہ زمانہ تک وہاں قیام کیا حضرت شیخ ابوطاہر مدنی وغیرہ مشائخ حرمین محترمین سے سند حدیث حاصل کی اور خرقہ صوفیہ زیب تن فرمایا۔ نئے خیالات کے لوگوں سے مباحثے کئے۔ اور مختلف عقائد کے اصول و فروع کے اصلی پہلوؤں پر دقیق اور غور میں ڈوبی ہوئی نظریں دوڑائیں کیونکہ عرب اس وقت مختلف عقائد و مذاہب کا بازیگاہ بنا ہوا تھا۔
جب آپ کو اس صورت سے کچھ دن عرب میں گذر چکے اور دلی مقاصد کی پورے طور پر تکمیل ہو گئی تو اب وہاں سے وطن مالوف کی طرف مراجعت کرنے کا قصد کیا۔ اور دو ڈھائی سال کے عرصہ میں ہندوستان کی طرف رجوع ہوئے۔ یہاں آ کر پرانی دہلی میں اپنے قدیم مکان میں سکونت اختیار کی اور علمی اشغال میں مصروف ہوئے۔ شہر کے عموماً باشندے خاص کر اطراف و جوانب کے نامی گرامی فضلاء خدمت اقدس میں حاضر

ہو کر سند حدیث حاصل کرتے اور آپ کے پُراثر وعظ اور عبرت انگیز نصائح کی دولت سے گودیاں لبریز کر کے جاتے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی بڑے پایہ کے شخص تھے۔ اس عہد میں سب سے زیادہ جس چیز نے آپ کو تمام دنیا میں مشہور کر دیا تھا وہ آپ کے علمی کارنامے اور حدیث و تفسیر کا درس تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صفحات تواریخ کو آج تک آپ کے نام نامی سے زینت حاصل ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ علم حدیث میں جس اولیت کا تمغہ اس زمانہ کے مؤرخوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لیے تجویز کیا ہے اس کے مستحق جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ کیونکہ علم حدیث کی عمارت کے بانی اگرچہ جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے۔ لیکن جنھوں نے اس عمارت کا نقشہ تیار کیا اور پھر اشاعت و رواج کے مرقعوں سے اس کی درو دیوار کو سجایا۔ وہ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ڈالی ہوئی بنیادیں آپ ہی کی اَن تھک کوششوں سے بلند ہوئیں کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب جیسا محدث، مفسر فقیہ ہندوستان کو اپنی آغوش میں پالنا بہت کم نصیب ہوا ہوگا۔ بلکہ آپ جیسا طباع خوش فہم، نکتہ سنج دقیقہ رس کوئی دوسرا پیدا ہی نہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابوالطیب شاہ صاحب کے حالات پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مقدس اور پاک نفس (یعنی جناب شاہ ولی اللہ صاحب) کا عزیز وجود اگر گذشتہ زمانہ میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کا پیشوا اور مقتدا مانا جاتا۔ بلکہ ان کا سرتاج بنایا جاتا۔ اور امام الائمہ کا معزز اور قیمتی خطاب پاتا۔"

ایک اور فاضل مؤرخ مختصر الفاظ میں یہ پُرزور ریمارک کرتا ہے کہ

"اگر میں نہایت راستی اور انصاف سے جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت اپنی رائے ظاہر کروں تو بلاتامل اس بات کا ضرور اعتراف کروں گا کہ میں نے زمانہ موجودہ میں تو کیا متقدمین کے زمرہ میں بھی اس رنگ ڈھنگ کا فاضل نہیں دیکھا۔ اور نہ میں کسی کو ایسا متبحر اور دقیق نظر وسیع خیالات پاتا ہوں جو تمام علوم و فنون کا جامع ہو اور ہر علم و فن میں عمدہ طور پر

دلچسپی رکھتا اور بحث کرسکتا ہو۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک ایک فنی ہوتا ہے اور ایک ہی علم سے وہ اپنی نظر کو وسعت دیتا اور اس میں تبحر حاصل کرتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دو فن تک اُس کا شاہینِ کمال بلند پروازی کرسکتا ہے۔ لیکن یہ نہ صرف تعجب بلکہ حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب ہر فن میں طاق اور بے مثل فاضل تسلیم تھے"۔

ان کے علاوہ اور بہت سے علماء مؤرخین کے ایسے پر زور اور وزنی ریمارک میری زیر نظر ہیں جن سے شاہ صاحب کا بے نظیر علمی تبحر اور لاثانی جُودت طبع اور ذہنی ذکاوت اور شان فضل و کمال کا عروج ثابت ہوتا ہے۔ لیکن میں انہیں تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو انشاء اللہ آگے چل کر کسی موقع پر جدا عنوان سے بیان کروں گا۔

شاہ صاحب کی عظمت و وقعت

شاہ صاحب کی علماء وقت کے دلوں میں کس قدر وقعت تھی۔ یہ ایک ایسا وسیع مضمون ہے جس کی تفصیل و توضیح کا یہ موقع نہیں ہے۔ ناظرین آگے چل کر آپ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرکے خود اس کا اندازہ کرلیں گے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ میں وہ عظمت و بزرگی اور اعزاز و اقتدار پایا تھا جس کی وجہ سے علماء وقت نے آپ کو خاتم المحدثین امام المفسرین کے نہایت معزز و مقتدر اور باوقعت القاب دیئے تھے۔ علاوہ ازیں آپ کا جو مرتبہ و عظمت ان کے دلوں میں موجود تھی وہ ایک ایسے اعلےٰ وارفع درجہ کی تھی جس کا کسی طرح پورا اور کافی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ بڑے بڑے علماء فضلاء جنہوں نے خود امام وقت اور مجتہدین فن کا تمغہ پبلک سے حاصل کیا تھا اور جو معتقد علیہ عوام و خواص تسلیم کئے جاتے تھے۔ نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے خداداد تبحر اور علمی برکتوں سے بہرہ اندوز ہوکر آپ کی ذاتی قابلیتوں اور فطری لیاقتوں اور بلند ہمتی و ذوق علمی کا بدل اعتراف کرتے۔ اور جب خواص کی عقیدت و خلوص کی یہ کیفیت تھی تو عوام اہل اسلام کی عقیدت کا اندازہ اس سے کہیں زیادہ ہوگا۔

منصبی فرائض شاہ صاحب کی تاریخی زندگی میں جو سب سے زیادہ قابل وقعت اور لائق تقلید بات ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے منصبی فرائض کو ایسی آزادی اور جوانمردی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ جس کی نظیر ایشیائی دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی آپ قریباً رات دن کے اکثر حصوں میں کتاب وسنت اور علوم دینیہ کے مطالعہ اور درس تدریس میں ڈوبے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا تمام بیش قیمت وقت حدیث وقرآن کے رواج دینے احکام طریقت کے شائع کرنے علمی اشغال کے پھیلانے میں صرف ہوتا تھا۔ شوقین اور جفاکش طلبہ آپ کی علمی فیاضیوں کی بے مثل ولاجواب شہرت سن سن کر دور دراز ملکوں سے سنگلاخ اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کر کے جوق جوق آتے تھے اور علمی برکتوں سے گودیاں بھر بھر کر جاتے تھے رات دن میں کوئی ایسا وقت بمشکل ملتا جس میں در دولت پر علماء فضلاء کے حلقوں کی گرم بازاری نہیں ہوتی اور طلبہ کا ہجوم ان کی رونق کو دوبالا نہ کرتا تمام دن اہل علم کا ایک تانتا سا بندھا رہتا اور درس گاہ میں فضلاء کے جمگھٹے لگے رہتے ایک طرف سائلوں اور مستفتیوں کا جم غفیر صف آرا رہتا اور ایک طرف طالب العلموں کی جماعت گردن جھکائے بیٹھی رہتی۔ ادھر آپ طلبہ کو درس دیتے ادھر سائلوں کی حاجتیں پوری کرتے۔ ہر شخص یکے بعد دیگرے اپنا استفتا پیش کرنا شروع کرتا اور اسی وقت جواب کا طالب ہوتا۔ آپ کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ فوراً پیش شدہ مسئلہ کو جانچ لیا کرتے اور بلا تامل جواب شافی دیتے جس تبحر اور لیاقت کے ساتھ آپ ہر مسئلہ میں تقریر کرتے وہ ایسی معمولی تقریر نہیں ہوتی تھی جس سے لوگوں کو استعجاب اور استعجاب کے ساتھ حیرت نہ ہوتی۔

بعض وقت سائلوں کا ہجوم اور طلبہ کی کثرت پھر ان کا بے معنی شوروغل اس درجہ تک پہنچ جاتا کہ ایک نازک دماغ شخص چاہے جس قدر حلیم وبردبار کیوں نہ ہو کبھی ممکن نہیں کہ اس کا تحمل کر سکے۔ لیکن چونکہ شاہ صاحب کا مزاج قدرتاً حلیم اور رحیمانہ واقع ہوا تھا۔ اور انسانی ہمدردی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ اس لیے آپ ان کے اس ہجوم اور شوروغل کا تحمل بڑی خوشی کے ساتھ کرتے اور ہر ایک شخص کو خواہ وہ کسی رتبہ کا آدمی ہوتا نہایت متانت وسنجیدگی اور منکسر المزاجی کے ساتھ جواب دیتے اور شافی جواب دیتے۔

اخلاق وعادات آپ کے اخلاق وعادات نہایت عام و وسیع تھے۔ اس وجہ سے ہر شخص خواہ وہ کسی درجہ کا ہوتا ہر وقت آپ سے بلا تامل مل سکتا اور اس کے لیے وسیلۂ تعارف عزت وجاہ کی سفارش کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی آپ کی طرز معاشرت میں جو چیز سب سے زیادہ پسندیدہ اور قابل تعریف بات ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور نازک مزاجی کے فضول شان وشوکت اور نمائش کا نام نہ تھا۔ جب آپ بازار میں نکلتے تو ایک معمولی حیثیت سے نکلتے آپ جس درجہ اور رتبہ کے آدمی تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی ہمراہی میں کم از کم دو تین خدمت گار ہر وقت ضرور رہنے چاہیئے تھے۔ لیکن چونکہ غرور و نخوت تکبر و توقع اور کم بینی آپ میں نام کو نہ تھی اس لیے بازار میں تشریف لے جاتے وقت آپ کے ساتھ ایک آدھ آدمی بھی نہ ہوتا تھا۔ باوجود اس درجے کے اور عالمانہ تزک واحتشام کے آپ کے مزاج میں انتہا درجہ کا عجز وانکسار تھا۔ عام طرز معاشرت تکلف اور بناوٹ سے بالکل خالی خالی تھی۔

اوقات کی پابندی آپ کا اکثر وقت تو علوم دینیہ کی درس وتدریس اور فرائض منصبی کی تکمیل وادائیگی میں صرف ہوتا تھا۔ جیسا کہ میں مختصراً اوپر بیان کر آیا ہوں اور تھوڑا حصہ مراقبہ ومکاشفہ اور احکام طریقت کی تعلیم وتلقین اور علم سلوک کی باریک وغامض مسائل کے حل کرتے ہیں اس سے زیادہ خوش قسمتی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ روز ازل سے جس طرح آپ کو شریعت کا حصہ ملا تھا اسی طرح علم طریقت کا مبارک تاج ہی آپ کے سر پر رکھا گیا۔ جیسا علم حدیث وتفسیر آپ کے آگے پانی تھا۔ ویسا ہی آپ کی ضمیری وروحانی جوہر اپنے میں ممتاز بہت کی گہری تہ رکھتے تھے۔ اور ربانی قابلیتوں کا پرتو آپ کے جلۂ دل میں کامل طور پر پڑ چکا تھا۔ چنانچہ آپ کے باطنی علوم اور روحانی فیوض کا ذکر آپ کے تفصیلی حالات میں کسی قدر بسط وشرح کے ساتھ کروں گا۔

علمی ترقی یہ آپ ہی کی مقدس ومبارک ذات کا فیض تھا کہ نہ صرف دہلی بلکہ اس کے اطراف ومضافات میں دینی علوم اور رسمی فنون کا ایک عظیم الشان سمندر بڑے زور شور سے لہریں لے رہا تھا اور حدیث وتفسیر کا نہایت چمکدار اور نکھرا

ہوا چشمہ انتہا کی پیاری اور دلگیر ادا کے ساتھ ابل کر بہہ رہا تھا جس میں سے صد ہا خوشگوار اور تازگی بخش نہریں کٹ کٹ کر دور تک بھی چلی گئی تھیں اور جنھوں نے اپنی انتہا سے زیادہ شادابی اور خنکی کے اثر سے ایک عالم کو سرسبز اور لہلہار رکھا تھا قریب قریب ہندوستان کا اکثر حصہ علوم وفنون کے ان لہلہاتے درختوں کے خنک اور راحت دہ سائے سے آسائش گزین تھا۔ جن کے بھینی بھینی اور عطر آمیز جھونکوں نے ایک عالم کے دل ودماغ کو معطر کر دیا تھا۔ جس طرف نظر اٹھتی تھی۔ اور جہاں تک کام کرتی تھی علمی ہی پودے لہلہاتے نظر پڑتے تھے جو دیکھنے والوں کو بڑے وثوق واعتبار سے امیدیں دلاتے تھے کہ عنقریب ایک وہ تاباں ودرخشاں زمانہ آنے والا ہے جس میں ایک عالم اس سرے سے لے کر اس سرے تک ان ہی نونہال اور ہونہار پودوں کے نشاط انگیز سائے میں بیٹھ کر آسائش ونشاط کا کافی حصہ لے گا۔ اور ان کے پھل پھولوں سے گودیاں بھر بھر کر لے جائے گا۔

شاہ صاحب جیسے فاضل وعلامہ تھے۔ ویسے ہی محنتی اور جفاکش بھی تھے۔ نفس کشی کے لیے محنت وریاضت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اور نفس امارہ کو احکام خداوندی کا پورا پورا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا تھا یہی وجہ تھی کہ نیکوکاری۔ تقویٰ وپرہیزگاری۔ طاعت الٰہی۔ خداداد خلق۔ بے مثل تواضع نیک نیتی۔ وفا شعاری۔ خدا ترسی۔ یہ سب باتیں بوجہ احسن آپ میں پیدا ہو گئی تھیں۔ گویا قدرت کے پیارے اور نازک ہاتھوں نے اوصاف جمیلہ اور احاسن جلیلہ کی جو قیمتی قبا آپ کے موزون قامت کے لیے قطع کی تھی۔ وہ دوسرے قد پر بمشکل موزوں اور ٹھیک آ سکتی تھی۔ قطع نظر اس کے آپ کے معجز نما کرامات اور روحانی کشف وجذبات کے چرچے تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر خاص وعام کی زبان زد تھے آپ کا ہنس مکھ چہرہ اس حسن اخلاق اور شائستہ عادات کا پتہ دیتا تھا جو پہلے ہی سے فطرت کی بخششوں سے آپ کو عطا ہوئے تھے۔

غرضکہ شاہ صاحب اپنے زمانہ میں ایک ایسے مسلم الثبوت اور فخر روزگار محدث تھے جو تمام مروجہ فنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ علم حدیث وتفسیر کے جولانگاہ کے پورے شہسوار تھے اور حنفی فقہ کے دوسرے بازو سمجھے جاتے تھے۔ عوام وخواص کے مرجع اور علماء فضلاء کے معتقد علیہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ کی جودت

طبع۔ رسائی ذہن۔ بلند خیالی۔ دقیق النظری۔ حوصلہ مندی ایسی ہی بے نظیر تھی۔ قوت اجتہاد تبلیغ علم کتاب وسنت کی فہم معانی میں مہارت ہی وسیع تھی۔ زہد و تقوٰے کے علاوہ جوانمردی۔ خوش اخلاقی۔ منکسر المزاج۔ تورع۔ احتیاط پہلے درجہ کے تھے غرضکہ جو بات تھی بالکل انوکھی تھی جو وصف تھا نرالا تھا۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپ کا حافظہ ایسا بے مثل اور یادداشت اس بلا کی تھی کہ سالہا سال کی سنی سنائی بات اس متانت اور بے تکلفی کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ سننے والے عش عش کرنے لگ جاتے تھے۔

یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ شاہ صاحب نے دولت علم کے علاوہ ثروت و تمول کا بھی حصہ لیا تھا اور تمول کے ساتھ وہ زیور بھی تھا جو مال و دولت کے لیے نہ صرف زیب و زینت ہے بلکہ اعلےٰ درجہ کی ترقی و عروج کا ذریعہ ہے یعنی آپ کی طبیعت نہایت سخی اور فیاض واقع ہوئی تھی۔ فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ رحمانہ و فیاضانہ برتاؤ اور سلوک کے علاوہ طلبہ کی معیشت کے سامان ہمیشہ مہیا رکھتے اور خاص رعایت و مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا ان سے سلوک ہوتے لیکن یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ باوجود تمول و دولت مندی کے خود ایسے سادے اور معمولی طریقے سے زندگی بسر کرتے کہ ایک خوشحال شخص سے نہایت مشکل اور بعید از قیاس ہے آپ کے خاصے میں اکثر اوقات خشک روٹی اور کبھی کبھی بقولات ہوتے۔

جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت طفولیت تعلیم تربیت سن رشد وغیرہ

شاہ ولی اللہ کی ولادت پر علماء و عرفاء کے مبشرات

شاہ صاحب کے واقعات ولادت پر ریویو کرتے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان مبشرات کو مختصراً قلم بند کروں جو آپ کی ولادت سے قبل صلحاء و علماء کی ایک جماعت نے آپ کی نسبت دیکھے اور جن کی بابت خود جناب شاہ صاحب اپنی ایک تالیف میں یوں ریمارک کرتے ہیں کہ

"ہنوز میں پیدا نہیں ہوا تھا کہ حضرات والدین اور عرفاء کے ایک گروہ

نے میرے حق میں بہت سے مبشرات معلوم کئے چنانچہ بعض اعزہ واخوان اور اجلہ خلان نے ان واقعات نیز میری تاریخ زندگی کے پورے حالات کو نہایت تفصیل کے ساتھ ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے۔ جس کا نام قول جلی رکھا ہے جزاہ اللہ خیرا لجزاء واحسن الیہ والی اسلافہ واعقابہ وادخلہ الی مایتمناہ من دینہ ودُنیاہ"

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حیات ولی کی تالیف کے زمانہ میں میں نے انتھک کوششیں کیں کہ کسی طرح یہ نسخہ دستیاب ہو جائے اور بعض دوستوں کی خدمت میں خطوط بھی لکھے لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کی کسی علمی سوسائٹی میں سراغ نہیں لگا۔ لہٰذا مجبوری و یاس کی حالت میں خود شاہ صاحب کی تالیفات اور دیگر فارسی وعربی کی بسیط کتابیں بنظر انتخاب دیکھنا شروع کیں ان تمام کتابوں میں جہاں کہیں شاہ صاحب کی سوانح عمری کے متعلق کوئی ذکر دیکھا گیا یا کوئی خاص واقعہ نظر پڑ گیا۔ منتخب کر کے ترتیب کا لباس پہنایا گیا۔

الغرض مجھے ان مبشرات وواقعات کا تو پتا لگا نہیں جنہیں قول جلی کے مؤلف نے جمع کیا ہے لیکن رسالہ بوارق المعرفۃ سے جو جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے حالات وواقعات میں تصنیف کیا گیا ہے۔ چند مبشرات انتخاب کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک دفعہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے مزار مقدس کی زیارت کرنے کا اتفاق ہوا دفعتہً ان کی روح مبارک نے مجھ پر ظاہر ہو کر فرمایا کہ شیخ عبدالرحیم! عنقریب تمہارے ہاں ایک فرزند رشید پیدا ہوگا۔ تم اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ لیکن چونکہ میری بی بی سن شتاب کے تمام مرحلے طے کر کے زمانہ ایاس تک پہنچ چکی تھیں۔ اور اس عمر میں عادتاً ولادت کا تحقق نہیں ہوتا اس لیے مجھے گمان ہوا کہ شاید خواجہ کی مراد یہ ہے کہ جب تمہارے ہاں پوتا پیدا ہوگا۔ تو اس کا قطب الدین احمد نام رکھنا۔ لیکن خواجہ نے میرے اس اندرونی خطرہ پر فوراً مشرف ہو کر فرمایا کہ نہیں میری یہ مراد نہیں ہے بلکہ جس لڑکے کی نسبت میں نے تمہیں بشارت دی ہے وہ تمہارے ہی

صلب سے پیدا ہوگا چنانچہ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد مجھے نکاح ثانی کا داعیہ پیدا ہوا اور نکاح کے تھوڑے عرصہ کے بعد ولی اللہ پیدا ہوئے اگرچہ اول اول مجھے یہ واقعہ بالکل نسیًا منسیًا ہو گیا اور اسی وجہ سے میں نے انہیں ولی اللہ کے نام سے شہرت دی۔ لیکن جب وہ واقعہ یاد آیا تو میں نے ان کا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

بوارق المعرفۃ میں لکھا ہے کہ جب جناب شیخ عبدالرحیم صاحب زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر چکے تو انہیں الہام ہوا کہ تقدیر الٰہی اس پر جاری ہوئی ہے کہ ایک بلند اقبال اور ہونہار لڑکا اور پیدا ہوگا جس کی شہرت کا ستارہ اوج عروج پر پہنچ کر شہاب ثاقب کی طرح چمکے گا اور جس کے اقبال اور کمال علم کا آفتاب پوری ترقی کر کے نصف النہار کے مرکز پر پہنچ جائے گا۔ اسی اثناء میں آپ کے خاص خاص اصحاب اور بزرگان وقت نے بھی بایں مضمون بشارت دی کہ پیدا ہونے والا لڑکا بڑا صاحب اقبال اور نامور ہوگا۔ اس کی شان علم اور مراتب کمال کا انحصار ارباب زمانہ کو مشکل ہوگا اور وہ علوم و فنون میں فرزانہ روزگار اور اپنے عہد میں ایک نہایت دانش مند و طباع اور ضرب المثل شخص ہوگا اس کے سامنے وارث تخت و تاج کی گردن جھک جائے گی۔ اور عوام و خواص کا مذہبی پیشوا تسلیم کیا جائے گا۔ چنانچہ ان مبشرات کو سن کر شیخ عبدالرحیم صاحب نے دوسرے نکاح کا ارادہ کیا۔ حضرت شیخ محمد نے جب یہ ماجرا سنا تو اپنی جگر پارہ کو بنت شیخ کے نکاح میں دے دیا کیونکہ آپ کو اس بارہ میں زیادہ اعتنا تھا بلکہ بے حد حریص و راغب تھے کہ یہ ہونہار اور بلند اقبال لڑکا میری ہی جگر پارہ کے بطن سے پیدا ہو۔

ہنوز شاہ ولی اللہ صاحب پیدا نہیں ہوئے تھے کہ ایک رات جناب شیخ عبدالرحیم آپ کے والد بزرگوار نماز تہجد میں مصروف تھے اور آپ کی والدہ محترمہ بھی اسی جگہ تہجد کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ جب شیخ صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہوئے آپ نہایت عجز و انکساری سے دعا کر رہے تھے اور والدہ مکرمہ پیچھے کھڑی آمین کہہ رہی تھیں اسی اثناء میں ان دونوں حضرات کے درمیان دو ہاتھ ظاہر ہوئے جن کی نسبت محترم شیخ نے فرمایا کہ یہ دونوں ہاتھ

ہمارے اس فرزند کے پاس جو عنقریب عرصۂ وجود میں قدم رکھے گا اور اپنے نور علم سے تمام دنیا کو چمکا دے گا۔ اس وقت وہ بھی ہمارے ساتھ دعا میں شریک ہے اور با عجز و انکسار آمین کہہ رہا ہے۔ خود جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد فقیر پیدا ہوا اور ساتویں سال میں قدم رکھا تھا کہ والدین کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہوا اور اسی وضع سے دونوں ہاتھ حضرات والدین کے درمیان اٹھائے۔ اس پر جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا هٰذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلها ربی حقا:

ابھی مولانا شاہ ولی اللہ والدہ محترمہ کے بطن مبارک ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک دفعہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی موجودگی میں ایک سائلہ آئی آپ نے روٹی کے دو حصّہ کر کے ایک اُسے دیا اور ایک رکھ دیا لیکن جوں ہی سائلہ دروازہ تک پہنچی شیخ صاحب نے اُسے دوبارہ بلایا اور بقیہ حصّہ بھی عنایت کر دیا اور جب وہ چلنے لگی تو پھر آواز دی اور جس قدر روٹی گھر میں موجود تھی سب دے دی۔ اس کے بعد گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پیٹ والا بچہ بار بار کہہ رہا ہے کہ جتنی روٹی گھر میں ہے سب اس محتاج و مسکین کو راہ خدا میں دے دو۔

ولادت

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ ہجری چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت جناب مخدومی شیخ محمد کی عصمت مآب اور محترمہ صاحبزادی کے باجاہ و جلال بطن سے پیدا ہوئے۔ بعض اختر شناسوں نے فوراً اپنی صناعت کا ڈھانچ کھڑا کیا اور اچھی طرح غور کر کے یہ حکم لگایا کہ یہ وہی بلند اقبال اور ہونہار لڑکا ہے جس کی قسمت میں روز ازل سے فاضل عصر اور مجتہد وقت ہونا لکھا تھا اور جس کی فرزندی کا انتساب نہ صرف شیخ عبدالرحیم صاحب کو بلکہ خاندان کے ہر ایک معزز ممبر کو ساری دنیا میں مشہور و روشناس کر دے گا اور جس کے نام کا امتیازی جھنڈا عرب و عجم دونوں میں گڑ جائے گا۔

بعض اسلامی مؤرخوں کا یہ ریمارک نہایت صحیح ہے کہ اگر اس خاندان میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب پیدا نہ ہوتے تو یہ خاندان کبھی اس درجہ تاریخی شہرت حاصل نہ کرتا اور کیا عجب کہ گمنامی کے دائرہ میں محدود و مستقر رہتا۔ اس جلیل القدر خاندان میں یہ بزرگی و شرف روز ازل سے آپ ہی کے حصّہ میں تھا کہ اپنی بے دھڑک جرأت سے

نہایت صاف اور واضح طور پر علوم نبویہ کی اشاعت احکام دین کی توسیع اور کھلم کھلا عام لوگوں کو قرآن مجید کی تلقین کریں۔

طفولیت

شاہ صاحب کے بچپن کا زمانہ دراصل آپ کے آیندہ سوانحعمری کا ایک صاف اور مجلی آئینہ تھا۔ آپ کی فراخ پیشانی ابتداہی سے اُس عالمانہ تزک و احتشام کا صاف پتہ دیتی تھی جو آپ کو زمانہ آیندہ میں حاصل ہونے والا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس میں ایک خاص قسم کی بزرگانہ متانت کا چمکارا ایک ایسی درخشانی دکھاتا تھا۔ جسے مبصرین اور قیافہ شناس لوگ دیکھ کر کہتے تھے کہ عنقریب ایک وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں یہ ہلال تمام ملک میں چودھویں رات کا چاند بن کر چمکے گا۔ ہندی یہ مثل کہ پوت کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں حقیقت میں بہت صحیح ہے آپ کے بچپن کی حرکتیں ہی کچھ ایسی دلکش اور پراثر تھیں اور طفلانہ نظروں میں اس بلا کا جذب و کشش تھا جس نے سارے خاندان کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ دیکھنے والے آپ کے جلال خیز نظارہ سے اس بڑے نصیبہ کی فال لیتے جو آنے والے زمانہ میں آپ کو حاصل ہوا۔

واقعی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کے بچپن کا زمانہ کچھ ایسا حیرت افزا زمانہ تھا جس کی نظیر دوسری ہونہار بچوں میں پائی جانے کی ہرگز امید نہیں ہوسکتی۔ فطرت نے آپ کی بھولی صورت میں وہ دلگیر اور محبوبانہ ادائیں کوٹ کوٹ کر بھردی تھیں۔ جنھوں نے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب جیسے مستغنی مزاج کو آپ کا فریفتہ و شیدا بنا دیا تھا۔ رحیم الطبع بزرگ شیخ اپنے ہونہار اور بلند اقبال فرزند سے بے حد محبت رکھتے اور اس کی سلامت روی اور خوش آیندہ حرکات سے محظوظ ہوتے تھے اور ہمیشہ اس کی راحت و آسائش کو اپنے آرام و چین پر ترجیح دیتے تھے جوں جوں شاہ صاحب عمر میں ترقی کرتے جاتے اور زندگی کے مرحلے طے کرتے جاتے تھے۔ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی آپ پر توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر خود شاہ ولی اللہ صاحب اپنے پرزور قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ

"مجھ پر سب سے بڑی نعمت خداوندی جس کے مقابلہ میں تمام نعمتیں ہیچ ہیں یہ ہے کہ جناب والد بزرگوار اس فقیر سے ہمیشہ راضی رہے بچپن کے زمانہ سے آخر عمر تک جو مہربانیاں مجھ پر مبذول رہیں ان میں سے کما حقہ

ایک کو بھی بیان نہیں کر سکتا میرے لیے اس سے زیادہ اور کیا فخر کا باعث ہو سکتا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہونے لگا تو مجھے سینہ سے لگا کر بیعت و ارشاد کی اجازت عامہ دی اور کلمہ یدہ کیدی مکررسہ کرر کر دیا۔ خاص تحصیل علوم اور لڑکپن کے زمانہ میں جس قدر حضرت کی توجہ خاص مجھ پر مبذول تھی۔ اس قدر توجہ میں کسی باپ میں اپنے فرزند کی نسبت نہیں دیکھا اور میں نے اپنی عمر میں کوئی ایسا باپ اور کوئی استاد، کوئی مرشد نہیں پایا جس نے اپنے فرزند و تلمیذ کی نسبت شفقت و مہربانی کے وہ دقائق مرعی رکھے ہوں جو حضرت والد نے اس فقیر کی نسبت رکھے۔ اللھم اغفر لی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرًا وجازھما بکل شفقۃ ورحمۃ ونعمۃ بھما علی مائۃ الف اضعافھا انک قریب مجیب ط

شاہ صاحب کا زمانہ طفولیت اور بچپن کی سکوت خیز صورت ایک قیافہ شناس اور تجربہ کار نظر کے لیے ایک عظیم الشان واقعہ کی پیشین گوئی کرتی تھی جو شخص غور میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے آپ کے طفلانہ حرکات کو دیکھتا تھا اُسے فطرت کے وہ عجیب و غریب اور حیرت فزا نمونے آپ کی پیشانی میں جلوہ گر نظر آتے تھے جو روز ازل سے آپ کی ذات والا صفات میں ودیعت رکھے گئے تھے اور یہ اسی فطری نور کا سچا پرتو تھا جس نے بہت جلد آپ کے ظاہر و باطن کو تاباں اور چمکدار کر دیا۔ اگرچہ ابھی آپ کی عمر مشکل سے تین چار سال کی ہوگی کہ اخلاقی اور تمدنی ترقی میں سرگرم ہو گئے اسی کم سنی اور نوعمری کے زمانہ میں آپ کو ایک ایسا وحشت آمیز تفکر لاحق رہتا تھا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جاتے تھے مسکینی غریبی کم گوئی آہستگی سے بات کرنا گردن جھکا کر جواب دینا اور ہر بات پر بجا و درست کہنا یہ تمام صفتیں جو عمومًا بچوں میں بہت کم دیکھی جاتی ہیں محترم و بزرگ شاہ صاحب میں موجود تھیں۔ خلاصہ یہ کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی ابتدائی زندگی بالکل غیر معمولی اور ایک ایسی نرالی طرز ادا کی تھی جو دنیا کے بچوں میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔

تربیت

جس زمانہ میں اس فخر خاندان اور فرید عصر کی ولادت ہوئی اس وقت جناب شیخ عبدالرحیم صاحب گو اعلیٰ درجہ کے دولت مند اور صاحب اقتدار نہ تھے لیکن پھر بھی متوسط درجہ کی حالت رکھتے تھے۔ گورنمنٹ قلعہ کی طرف سے کسی

قسم کی امداد تھی نہ بادشاہ وقت کی جانب سے کسی طرح کا کوئی وظیفہ مقرر تھا صرف توکل پر گذران اور ہر وقت خدا پر نظر تھی اس کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ ہمیشہ خوشحال رہتے اور ضرورت کے وقت غیبی سامان مہیا پاتے چنانچہ اس وقت بھی وہ تمام سامان مہیا تھے جو ایک خوش نصیب بچہ کی پرورش کے واسطے ہونے ضروری ہیں اس لیے شاہ ولی اللہ صاحب کی بڑے اہتمام سے پرورش ہوئی اور عمر کا ابتدائی حصّہ اعلےٰ درجہ کی تربیت کے ساتھ جو تعلیم کا دوسرا جزو ہے ختم ہو گیا۔

تعلیم

جب اس فرزانہ روزگار نے عمر کے ابتدائی مرحلے طے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھا تو قرآن مجید کے پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا گیا چونکہ آپ فطری طور پر علم سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور روز ازل سے آپ کے ضمیری جوہر ربانی قابلیتوں سے آراستہ اور درخشاں ہو چکے تھے۔ لہذا آپ نے ساتویں سال قرآن مجید ختم کر لیا اور اسی چھوٹی سی عمر میں مذہبی ارکان و فرائض تدریجاً حاصل کر لیے۔ چنانچہ اسی سال میں جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے آپ کو نماز پر کھڑا کیا اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا۔ چونکہ شاہ صاحب میں تہذیب اخلاق کا مادہ نیچرل تھا۔ اس لیے نشست و برخاست کے آداب اور گفتگو کرنے کے طریقے خود بخود اسی کم سنی میں حاصل ہو گئے تھے آپ کا عام قاعدہ تھا کہ جب بڑی عمر والے سے گفتگو کرتے خواہ وہ کسی رتبہ اور درجہ کا آدمی ہوتا ہمیشہ گردن جھکا کے آنکھیں نیچے کر کے کرتے اور جب کوئی بات دریافت کی جاتی تو نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیتے البتہ ہمعصروں سے دل کھول کر باتیں کرتے۔ لیکن ان کے ساتھ بھی تہذیب و شائستگی کے درجہ سے تجاوز نہ کرتے اور خلاف ادب کبھی کوئی بات نہ کرتے۔ زندگی کے سات مرحلے ہنوز طے نہیں کئے تھے کہ فارسی کی درسی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں اور چند ہی روز میں تمام کتابیں نکال لیں کیونکہ یہ علم آپ کے سامنے بالکل پانی تھا چونکہ طبیعت کو علوم سے قدرتی طور پر مناسبت تھی۔ چند ہی روز میں اشاروں پر دوڑنے لگے اور آخر ایک سال کے عرصہ میں اُسے عروج کمال پر پہنچا دیا۔ فارسی کی درسی کتابوں سے فارغ ہونے کے بعد صرف و نحو کے مختصر رسالے دیکھنے شروع کئے اور ان پر بھی بہت جلد عبور کر گئے۔ عمر کا دسواں سال شروع تھا کہ آپ شرح ملا پڑھتے تھے گویا دو ڈھائی سال کے عرصہ

میں صرف ونحو کی تمام کتابیں نکال لیں تھیں اور دس سال کی عمر میں صرف ونحو پر آپ کو اس درجہ اقتدار ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے صرفی و نحوی جو کتاب کے کیڑے کہلائے جاتے تھے اور جنہوں نے ان علوم میں نہایت عزت ووقعت کے ساتھ شہرت و ناموری کے تمغے حاصل کئے تھے آپ سے مسائل صرفیہ و نحویہ میں گفتگو کرتے جھجکتے تھے اور جس وقت آپ ان کی باریکیاں بیان کرتے اور مطالب کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ آپ کی حذاقت و ذہانت پر عش عش کرنے لگتے اور آپ کے زور سمندر کی باگیں ہزاروں کوششوں کے بعد بھی نہ رک سکتے۔

اس کے بعد شاہ صاحب کو معقول کی کتابیں شروع کرائی گئیں۔ یہاں پہلے ہی خداداد طبیعت پائی تھی۔ جودت ذہن اور ذکاوت طبع سے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا اور اس قدر جلد کمال حاصل کر لیا کہ اس سے جلد تکمیل پانا ممکن ہی نہ تھا۔ کمال بھی اس درجہ کا کہ علم منطق میں کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے سامنے زبان کھول سکتا۔ بڑے بڑے تجربہ کار منطقی آپ کے تبحر کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے اور انہیں کسی مسئلہ کے دریافت کرنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ یہ بات تعجب سے دیکھی جاتی ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب ایک ہی زمانہ میں متعدد علوم کی تحصیل کرتے تھے اور ایک علم کا کمال دوسرے کے کمال کو مانع نہ ہوتا تھا۔ اور یہ اس ذہن و حافظہ کی قوت کا اثر تھا جو فطرت کی خاص بخشش و عطیہ تھے۔ غرضکہ تیرہ سال کی عمر میں شاہ صاحب نے ان تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا تھا یہی سبب تھا کہ آپ اس چھوٹی سی عمر میں فنون مذکورہ میں ارباب کمال کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے تھے۔

شاہ صاحب کا ازدواج

چودھویں سال میں قدم رکھا تھا کہ آپ کے والد ماجد نے شادی کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ اس سلسلہ کے پورا کرنے میں نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ عجلت و شتابی کی اگرچہ آپ کے سمدھیانے کے لوگوں نے سامان کے نہ فراہم ہونے کا عذر پیش کیا اور تھوڑے دنوں کی مہلت چاہی لیکن جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے انہیں صاف طور پر لکھ دیا کہ میں جو اس بارہ میں جلدی کرتا ہوں اس کا ایک خاص سبب ہے جو عنقریب آپ لوگوں پر ہویدا ہو جائیگا بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کار خیر میں ذرا توقف نہ کریں اور جس طرح ممکن ہو

صاحبزادی کی شادی میں عجلت سے کام لیں۔ اسباب مہیا نہ ہونے کا تو کوئی عذر نہیں ہے اور وہ بمقابلہ اس مصلحت و حکمت کے جو اس جلدی میں مضمر و مخفی ہے کوئی وقعت نہیں رکھتا چنانچہ وہ اس خط کے پہنچنے کے بعد راضی ہو گئے اور اپنی لڑکی کو جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے نکاح میں دے دیا۔

شاہ صاحب کا نکاح ہوتے ہی آپ کی خوشدامن نے سفرِ آخرت قبول کیا۔ اور اتفاق سے اس کے چند ہی روز بعد خوشدامن کی والدہ انتقال کر گئیں۔ جس سے خود شاہ صاحب اور آپ کی محترم بی بی کو انتہا درجہ کا ملال ہوا ابھی اس رنج و اندوہ سے فرصت نہ ملی تھی کہ شیخ فخر العالم۔ جناب شیخ ابوالرضا محمد صاحب کے فرزند رشید انتقال کر گئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ مکرمہ یعنی آپ کے برادر کلاں شیخ صلاح الدین کی حقیقی والدہ فوت ہو گئیں۔ زاں بعد خود جناب شیخ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوئے اور سخت ضعیف و ناتواں ہو گئے۔ انتقال کے وقت آپ کو کوئی ایسا قوی عارضہ نہ تھا لیکن متواتر صدمات اور ضعف و ناتوانی نے انہیں بالکل علیل کر دیا تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ بھی انتقال کر گئے۔

یہ تھا وہ مخفی بھید جس کی وجہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے اپنے بلند اقبال صاحبزادے کی شادی میں عجلت کی تھی۔ آپ کا وہ راز سربستہ اس وقت عام و خاص پر کھلا اور انہوں نے معلوم کر لیا کہ درحقیقت اگر اس وقت اس شادی کی تقریب انجام کو نہ پہنچتی تو ممکن نہ تھا کہ سالہا سال کے گذر جانے کے بعد بھی قوت سے فعل میں آتی۔ اس دو ڈھائی سال کے اندر اندر جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو ایسے جانفرسا حوادثات پیش آئے جن سے آپ بہت ہی مضمحل ہو گئے اور آپ کا تمام اطمینان و جمعیت پریشانی و بے اطمینانی سے بدل گیا۔ اس وقت اگرچہ آپ کی طبیعت کے مخالف دنیاوی تعلقات نے چاروں طرف سے اپنا بھیانک اور خوفناک چہرہ ابھار کر دکھلایا اور آپ کی جمعیت خاطر میں انتشار ڈالا مگر سچ پوچھیئے تو شاہ صاحب نے بڑے ہی استقلال اور جوانمردی سے کام لیا آپ نے کسی بات کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور تمام تعلقات سے منہ موڑ کر اپنی اسی ایک دھن میں محو رہے۔

گو علمی ذوق سے آپ کا دماغ پہلے ہی سے گونج رہا تھا اور اس کی صدائیں بچپن ہی کے زمانہ سے متواتر کانوں میں پہنچ چکی تھیں مگر پھر بھی اس وقت تزوج نیز ان جگر خراش اور جانفرا حوادث کے وسیع تعلقات کی طول طویل لین ڈوری آگے بڑھی چلی جاتی تھی۔ اور بار بار علمی ترقی کی سدِّ راہ بننا چاہتی تھی۔ لیکن اس پر بھی آپ کو یہی کرید چلی جاتی تھی کہ مجھے تحصیل علوم اور اس کی تکمیل میں سرگرم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اب آپ کے خیالات سب طرف سے پھر پھرا کر اس طرف رجوع ہوئے کہ جہاں تک بن پڑے تفسیر و حدیث کے علوم میں ترقی کرنا اور انہیں باقاعدہ حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ آپ بخوبی سمجھتے تھے کہ تاوقتیکہ حدیث میں کمال حاصل نہ ہوگا علوم کی تکمیل ناممکن ہے اسلامی علوم جن میں کمال کی ضرورت تھی وہ بچپن ہی میں حاصل ہو چکے تھے اب خاص خاص علوم کی مشق کا زمانہ تھا۔ چنانچہ اس وقت آپ کی طبیعت تفسیر پر مائل تھی اور اسی علم سے خاص دلچسپی تھی۔

علم حدیث

جب آپ نے عمر کے چودہ مرحلے طے کر کے پندرھویں میں قدم رکھا تو علاوہ دیگر علوم کی تکمیل کے تفسیر بیضاوی کا ایک بڑا حصہ والد بزرگوار سے پڑھ لیا اور اب آپ نے ان تمام متعارف فنون کو عروج پر پہنچا دیا جو ان شہروں میں رائج اور علماء و فضلاء کے درس میں داخل تھے۔ اسی سال میں والد بزرگوار سے بیعت کی۔ اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے معمولی اوراد و وظائف میں مشغول ہوئے اور بحیثیت توجہ و تلقین تعلیم و آداب طریقت۔ خرقۂ صوفیہ میں ارتباط درست کیا۔ علم تصوف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے غوامض اور دقیق و باریک مسائل کے حل کرنے کی طرف آپ کی طبیعت متوجہ ہو گئی اور نہایت قلیل مدت میں اس علم میں بھی اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی۔ اور ایسے ایسے نکات اور باریکیاں اس خاص فن میں پیدا کیں جس کے سیکھنے کی بڑے بڑے علامہ مشائخ آرزو کرتے تھے۔ بالآخر جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فن میں نہایت تبحر کے ساتھ وہ وہ قیمتی اور آبدار موتی تالیف و تصنیف کے سلسلہ میں پروئے جن سے علوم تصوف کی معلومات کی شعاعیں نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھیں جیسا کہ معزز ناظرین کو آپ کے تصنیفات کے حالات پڑھ کر اس بات کا خود علم ہو جائے گا جو اسی حصہ میں جدا عنوان سے قلمبند کی جائیں گی۔ جس طرح جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے اپنے والد بزرگوار جناب شیخ وجیہ الدین شہید کے سایۂ عاطفت میں

پرورش پائی تھی اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے باطنی فیض سے معزز و ممتاز ہوئے تھے، اسی طرح جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی آغوش محبت میں پرورش پائی شیخ عبدالرحیم جیسے مجتہدین فن اور اہل کمال پانچ برس کی عمر سے آپ کی تعلیم پر مقرر تھے۔ اور عام اخلاق و عادات کی بھی نگرانی کرتے تھے اگرچہ باقاعدہ تعلیم اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ آپ نو سال کے تھے۔ لیکن شیخ صاحب کی خاص توجہ شاہ صاحب پر زمانہ طفولیت ہی سے تھی یہی وجہ تھی جو علمی کمالات اور باطنی فیوض شاہ ولی اللہ صاحب کو حاصل تھے۔ ان کی نظیر سے شیخ صلاح الدین (شاہ صاحب کے بڑے علاتی بھائی) اور شاہ اہل اللہ صاحب (آپ کے عینی) خالی تھے۔ بمقابلہ ان دونوں حضرات کے شاہ ولی اللہ صاحب کو جو کچھ حاصل ہوا وہ حقیقت میں شیخ عبدالرحیم صاحب کی آغوش تربیت میں پلنے کا صدقہ اور آپ کی سرپرستی کا بدیہی نتیجہ تھا۔ جس کا ثبوت خود شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات ہیں۔ جیسا کہ ہم کچھ تو اوپر بیان کر آئے ہیں اور کچھ آئندہ حسب موقع ذکر کریں گے۔

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب چودہ سال کی عمر میں علوم متعارفہ سے فارغ التحصیل ہو گئے اور علم سلوک کا کافی حصہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ اسی سال میں آپ کے والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب نے آپ کے سر پر فضیلت کا عمامہ رکھا۔ اور درس کی عام اجازت دی۔ اور اس مبارک تقریب میں ایک امیرانہ جلسہ قائم کیا۔ عام و خاص کو دعوت دی اور وافر کھانا تیار کیا۔ تمام شہر کے مشائخ۔ قضاۃ۔ فقہاء حاضر ہوئے اور سب کی موجودگی میں جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے اپنے بلند اقبال اور فخر خاندان و قوم فرزند کو علوم متعارفہ اور سلوک و تصوف کے درس کی اجازت دی اور دستار بندی کی رسم ادا کر کے آپ کی عمر و علم کی ترقی کی دعا مانگی۔ مجلس میں جس قدر علماء و فقہاء و مشائخین موجود تھے۔ سب نے متفقہ الفاظ میں اس زور سے شیخ صاحب کو مبارک دی کہ ساری مجلس گونج اٹھی۔ اس وقت شیخ عبدالرحیم صاحب کی خوشی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ آپ بار بار اپنے لائق اور ہونہار فرزند کے چہرہ کو دیکھتے اور بے انتہا خوش ہوتے تھے۔

حقیقت میں بوڑھے والد کے لیے اس سے زیادہ اور کیا خوشی و فخر کا باعث ہو سکتا ہے کہ اس کی نوجوان اولاد اس کی زندگی میں ایک ایسی قابلیت پیدا کرے جس پر

اُس زمانہ کے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو فخر و ناز ہو چونکہ جناب شیخ عبدالرحیم صاحب خود مجتہد فن اور باطنی فیض سے مالامال تھے اس وجہ سے وہ اپنے فرزند رشید کے قدر و منزلت کو خوب جانتے تھے اور انہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ عنقریب ایک وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں اس کی اقبال کا سورج تمام دنیا میں اپنی روشنی پھیلائے گا اور اس کی علمی فیاضیاں اہل دنیا کو مالامال کر دیں گی۔ اس مقام پر ہم ان کتابوں کی مختصر فہرست دینا چاہتے ہیں جو اس چھوٹی سی عمر میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار سے سبقاً سبقاً پڑھیں جن سے آپ کی خداداد ذہانت اور حذاقت و طباعی بہت کچھ ثابت ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس فہرست کا ذکر خود شاہ صاحب نے اپنی ایک قیمتی تصنیف میں کیا ہے اس لیے میں اُسے آپ ہی کی زبان مبارک سے ادا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنی زندگی کے چودہ مرحلے طے کر کے پندرھویں میں قدم رکھا تو والد بزرگوار کی انتہادرجہ کی شفقت و مہربانی کی وجہ سے تمام متعلقہ فنون حاصل کر چکا تھا۔ ہر فن کے ابتدائی مختصرات کے علاوہ جو کتابیں میں نے والد بزرگوار سے سبقاً سبقاً پڑھی ہیں اُن کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ علم حدیث میں۔	مشکوۃ شریف تمام وکمال۔ لیکن چند روز کی بیماری اور کسل کی وجہ سے تھوڑا سا حصہ فوت ہو گیا تھا۔ یعنی کتاب البیع سے کتاب الادب تک والد بزرگوار سے نہیں پڑھ سکا۔
	صحیح بخاری اول سے کتاب الطہارۃ تک یا اس سے کچھ کم و بیش خود والد بزرگوار سے سماعت کی اور کچھ اپنی زبان سے پڑھی۔ شمائل النبی یہ کتاب اول سے آخر تک طالب العلموں کے ایک بڑے حلقہ میں پڑھی گو اس کتاب میں چند اور فاضل بھی شریک تھے مگر قرات میری ہی تھی۔
۲۔ علم تفسیر میں۔	تفسیر بیضاوی کا ایک بڑا حصہ تو میں نے والد بزرگوار سے سبقاً سبقاً پڑھا اور باقی کا آپ کے ارشاد کے بموجب خود مطالعہ کیا۔
	تفسیر مدارک کا بھی کچھ حصہ آپ کو سنایا اور باقی کا خود

		مطالعہ کیا۔
۳۔	علم فقہ میں۔	شرح وقایہ بتمامہ۔ ہدایہ کی دونوں جلدیں آپ سے پڑھیں۔ لیکن تھوڑا سا حصہ قصداً چھوڑ دیا گیا۔
۴۔	اصول فقہ میں۔	حسامی۔ توضیح وتلویح۔
۵۔	علم منطق میں۔	شرح عقائد کامل شرح خیالی کا ایک حصہ شرح مواقف کا ایک حصہ۔
۷۔	علم سلوک میں۔	عوارف کا بڑا حصہ اور کچھ رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔
۸۔	علم حقائق میں۔	شرح رباعیات مولانا جامی لوائح۔ مقدمہ شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔
۹۔	خواص اسماء وآیات میں۔	والد بزرگوار کا ترتیب دیا ہوا مجموعہ وغیرہ۔
۱۰۔	علم طب میں۔	موجز القانون۔
۱۱۔	علم حکمت میں۔	شرح ہدایہ حکمت وغیرہ۔
۱۲۔	علم نحو میں۔	کافیہ۔ شرح ملا جامی۔
۱۳۔	علم معانی میں۔	مطول کا بہت بڑا حصہ۔ اور مختصر معانی اس مقام تک جہاں تک ملازادہ حاشیہ ہے۔
۱۴۔	علم ہندسہ و حساب میں۔	بعض مختصر رسائل۔

اس فہرست کے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں یہ کتابیں پڑھ چکا تو اب میرا ذہن اس درجہ فراخ اور نظر ایسی وسیع ہو گئی کہ ہر فن کے دقیق و غامض مسئلے ادنےٰ توجہ کے ساتھ حل ہونے لگے۔ اور علوم کے مقامات مشکلہ بالکل پانی ہو گئے اسی اثناء میں چند مرتبے مدرسہ قرآن میں گیا جو خاص والد بزرگوار کا درس گاہ تھا اور جس کی بنیادیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے ڈالی تھیں چونکہ آپ کو مجھ سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ اس لیے چند روز تک آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ مجھے پڑھایا اور وہ ربانی اسرار اور الہامی نکات۔ جو قرآن کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے

ہیں۔ اُن پر تنبیہ کی حقیقت میں یہ اسی فیض کا تھا۔ جو تمام علوم میں مجھے دفعتہً کمال حاصل ہو گیا۔

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی لیاقت اور پولیٹیکل قابلیت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت سخت حیرت ہوتی ہے۔ تمام اسلامی علوم اور دینی کتابوں کو اس چھوٹی سی عمر میں پانی کر کے پی جانا اگرچہ سرسری نظر میں آپ کی ذکاوت ذہنی اور طباعی و حذاقت کی بہت بڑی دلیل ہے لیکن عمیق نظریں خوب سمجھتی ہیں کہ یہ فطرت کی خاص بخششیں ہیں جو پاک و برتر نفوس کو مرحمت ہوتی ہیں۔ آپ کا خمیر ہی کچھ ایسا قابل بنا تھا جس پر ربانی قابلیتوں اور خداوندی تجلیات کا پورا عکس پڑتا تھا اور جو قوت الہامی نکات اور ربانی اسرار کے فہم میں ید طولیٰ رکھتی ہے۔ اس کا جوش آناً فاناً روشن دماغ میں پیدا ہوتا رہتا تھا۔

اس پر بھی علمی ترقی کے سین ہمیشہ شاہ صاحب کے پیش رہتے تھے۔ آپ نے اجازت و سند حاصل کرنے کے بعد بغیر اُستاد کے کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور نہایت سخت محنتیں کرنے لگے آپ کتب بینی میں اس درجہ مستغرق تھے کہ رنج و راحت شب و روز مشاغل علمیہ میں بالکل محسوس نہ ہوتے تھے۔ ایک سال کی سخت محنت سے تمام پڑھے ہوئے علوم از سر نو دیکھ ڈالے اور اس محویت اور استغراق کے ساتھ کہ بقدر ضرورت کچھ کھا لیتے یا تھوڑا سا آرام فرما لیتے ورنہ رات دن بجز کتب بینی کے دوسرا کام نہ تھا۔ جب مباحث علمیہ میں اس دلچسپی کے ساتھ شاہ صاحب نے تھوڑا زمانہ گزارا اور عمر کے سترھویں سال میں قدم رکھا تو آپ کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ نے سفر آخرت قبول کیا اور یہی زمانہ آپ کے تکمیل علوم کا تھا۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے کتب دینیہ و عقلیہ کا درس دینا شروع کیا اور اب آپ کا ہر علم میں شہرہ ہو گیا۔ علماً و عملاً مسلم الثبوت اُستاد مان لیے گئے اور عوام و خاص کے معتقد علیہ تسلیم ہوئے اس عہد کے بڑے بڑے استاد اور ماہرین فن آپ کی شاگردی کو فخر جانتے اور دور دور سے تعلیم کے لیے حاضر ہو کر شاہ صاحب کے فیضان سے مستفیض ہو کر حظ وافر اُٹھاتے۔ تقریباً بارہ سال تک علوم کی درس میں مصروف رہے اور علم نبوی کی اس درجہ اشاعت کی کہ اس کا ذوق شوق سرگرم طبیعتوں میں حد سے زیادہ بڑھ

گیا۔ اکثر علمی سوسائٹیوں میں اصول حدیث کا ذکر چھڑ گیا اور طالب العلموں کے ہر ہر طبقے میں اس پر زور شور سے بحثیں ہونے لگیں اس زمانہ میں تفسیر و حدیث میں روز افزوں ترقی تھی اور علوم فلسفہ و منطق کا بازار سرد تھا۔ غرضکہ شاہ صاحب کا یہ زمانہ ہر طرح سے قابل مبارک باد تھا۔ علوم فقہ اور معانی و بلاغت کو جس قابلیت اور دل سوزی سے آپ نے رواج دیا وہ بہر صورت آپ کا فرض منصبی سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن و حدیث کی اشاعت و تشہیر میں جو آپ نے کوشش کی ہے اس کے احسان سے ہندوستان کبھی سر نہیں اُٹھا سکتا۔

ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث کی بنیاد ڈالی اور اسی وجہ سے اسلامی مؤرخوں نے آپ کے لیے اولیت کا تمغہ تجویز کیا۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں چاروں طرف جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے علم نبوی کو بالکل بھلا دیا تھا اور ان میں اسلام برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث و قرآن کی ترویج و اشاعت میں اگرچہ انتہا سے زیادہ کوشش کی لیکن آپ اس خرابی و تاریکی کو دور نہ کر سکے جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں جم گئی تھی اور انجام کار آپ کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔

لیکن چونکہ ہندوستان کی قسمت میں اسلامی علوم سے کچھ نہ کچھ دلچسپی لینی پہلے ہی روز سے لکھی ہوئی تھی اس لیے جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد خدا تعالےٰ نے اس عمارت کا ایک اور سرپرست اٹھا کھڑا کیا جس کی بنیادیں جناب شیخ عبدالحق دہلوی کے ہاتھوں نے ڈالی تھیں یعنی قدرت نے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کو پیدا کیا۔ شیخ صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا جس میں علم نبوی کی تعلیم دینی شروع کی اگرچہ اس تعلیم کا اثر مسلمانوں پر یہ پڑا کہ دور دراز شہروں سے جوق جوق طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے آنے لگے اور لوگوں میں ایک طرح کی تحریک بھی پیدا ہو گئی لیکن وہ تحریک ایسی نہ تھی جو ایک عظیم الشان دریا میں تموج پیدا کرتی ہر چند کہ شیخ صاحب نے اس بارہ میں پہلے درجہ کی کوشش کی لیکن چونکہ ابھی ہندوستان کو چند روز اور

پستی کی حالت میں رہتا تھا اس لیے شیخ صاحب اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے اور دل کی آرزو دل ہی میں لے کر عالم بقا کو تشریف لے گئے۔

جب ہندوستان کے اقبال دیاوری کا ستارہ چمکا تو فطرت نے جولانگاہ حدیث کے شہسوار کو پیدا کیا یعنی جناب شاہ ولی اللہ صاحب اس سرزمین میں ظاہر ہوئے جن کے علم و فضل کی صدائیں ہندوستانی حدود سے نکل کر عرب و عجم میں پہنچیں اور جن کی ربانی مقبولیت تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئی۔ چونکہ آپ علم و عمل دونوں میں خاص طور پر مشہور تھے اور آپ کا علمی کمال اعلےٰ درجہ کی وقعت کے ساتھ لوگوں کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ لہذا اطراف عالم کے لوگ بے اختیارانہ جوش کے ساتھ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اور آپ کی درس و تدریس کا بازار ہر وقت گرم رہتا تھا آپ نے بڑی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ علم نبوی کی اشاعت میں کوشش کی اور اپنی انتھک کوششوں سے علم نبوی کو اس قدر رواج دیا کہ اب جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ڈالی ہوئی بنیادیں آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں۔

اس لحاظ سے اگر ہم اس اولیت کے تمغہ کا جو جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لیے تجویز کیا گیا ہے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو مستحق قرار دیں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ جس قدر حدیث کی اشاعت آپ کے زمانہ میں ہوئی اس کا ننانویں حصہ نے بھی سابق کے زمانہ میں اشاعت نہیں پائی تھی۔

ایک فاضل مؤرخ کا یہ مختصر ریمارک قابل نوٹ ہے کہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک فاضل اجل عالم تھے۔ اور ایسے عالم جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کرے گا اور جن پر تاریخی روشنی ہمیشہ چمکے گی انصاف یہ ہے کہ اگر آپ کا وجود باوجود نہ ہوتا تو ہندوستان میں جو علمی فیاضیاں اس وقت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں ہرگز نظر نہ آتیں بلکہ خاص خاص محدود حلقوں میں دیکھی جاتیں۔ یوں تو آپ ہر فن میں طاق تھے اور ہر قسم کے علوم کا درس دیتے تھے لیکن آپ کا علم آپ کا علم حدیث و تفسیر خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے شاہ صاحب زمانہ عروج سے پیشتر علم حدیث کی حالت نہایت پستی اور تاریکی میں تھی۔ خال خال ہی لوگ اس شریف علم سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن ہندوستان کی اقبال یاری سے جب آپ کے علم کا چشمہ نمودار ہوا تو خاص اس فن کی بہت بڑی ترقی ہوئی اور تمام ہندوستان

حدیث وتفسیر سے بھر گیا۔ علماء کے ہر حلقہ میں حدیث کا چرچا ہونے لگا اور طلبہ کے زبان پر ہر استدلال کے موقع پر حدیث کے مقدس الفاظ آنے لگے۔ حقیقت میں ہندوستان پر شاہ صاحب کا یہ ایسا گراں بار احسان ہے جس سے وہ سر اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح یہ علمی عروج واقبال شاہ صاحب کے نام سے شروع ہوا اسی طرح اس کا زوال وادبار آپ کی معزز اولاد کے بعد ہندوستان کے نام پر ختم ہوگیا۔ شاہ صاحب کی واجب الاحترام اولاد دنیا سے کیا اُٹھی کہ علمی جاہ وجلال کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اب اس جلیل القدر خاندان میں کوئی ایسا باثر شخص باقی نہیں رہا جس سے اس کا نام زندہ رہتا۔

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے۔ طلبہ کو درس دینا شروع کیا اور پورے بارہ سال تک اس میں استغراق ومحویت کے ساتھ مصروف رہے۔ جس کی نظیر کہیں مل نہیں سکتی۔ آپ کی خداداد قابلیت اور محنت کشی کی شہرت نے شوقین طلبہ کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا جو دور دراز ملکوں کی سنگلاخ اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرکے آتے اور آپ کے درسگاہ میں داخل ہونے کو سرمایۂ ناز وفخر سمجھتے تھے۔

شاہ صاحب ہر ایک طالب العلم کے ساتھ خواہ وہ کسی رتبہ کا ہوتا عام اخلاق اور فیاضی سے پیش آتے اور سب کے ساتھ رحیمانہ وشریفانہ برتاؤ کرتے قطع نظر اس کے کہ انہیں نہایت محنت وجفاکشی اور دل سوزی سے تعلیم دیتے۔ ان کے ضروری اور لابدی حوائج کے رفع کرنے میں انتہا سے زیادہ ساعی ہوتے بلکہ بعض محنتی اور قابل طلبہ کو اپنی ذات خاص سے امداد دیتے اور بہت ہی تسلی ودلجوئی سے انہیں خوش رکھتے۔ آپ کے مدرسہ کی شہرت پکڑنے اور در دولت پر ہر وقت طلبہ کے جمگھٹے لگے رہنے کی یہ ایک اور بھی وجہ تھی۔

اگرچہ اس بارہ سال کے عرصہ میں آپ کی علمی مشق معراج کمال پر پہنچ گئی تھی۔ اور دینی وعقلی معلومات میں حیرت ناک ترقی پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن ابھی تک طبیعت مبارک میں وہی کرید چلی جاتی تھی جو آغاز عمر میں تھی یعنی جہاں تک ممکن ہو علم نبوی کی تحصیل وتکمیل میں ترقی کرنا چاہیئے اور اس علم کو ایک ایسے عروج پر پہنچادینا چاہیئے جس سے زیادہ ممکن نہ ہو چنانچہ اس

خیال کا سلسلہ آپ کے دل میں روز بروز بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اور آپ اپنی آرزو پر کامیاب ہونے کی ہر پہلو کو دیکھ رہے تھے۔ ایک دن آپ نے اس بڑھتے ہوئے تمدن پر غور میں نظر ڈالی اور فتوحات اسلام کی وسیع و فراخ دنیا کے پر فضا و خوش منظر سین زیر نظر رکھے غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شاہد و مقصود بجز عرب کے اور کسی سرزمین سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس اب مجھے عرب میں چلنا اور وہاں کے مشائخ سے روایت حدیث کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور آپ نے دفعتہً سامان سفر مہیا کر کے اس طرف توجہ مبذول فرمائی۔ آپ کے اس سفر مبارک کی اصل غرض یہی تھی جو ہم نے بیان کی۔ اگرچہ بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب دہلی

لہ ایک فاضل ہمعصر جناب شاہ صاحب کے سفر عرب کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں برپا ہو گیا اور یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی اب بھلا کبھی قبضہ میں نہ آئیں گے اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس خیال نے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیونکر قتل کیا جاوے ان کٹ ملاؤں نے جن کا اثر بہت کچھ شہر کے بدوضع لوگوں، اکھاڑوں پٹھے بازوں پر پھیلا ہوا تھا۔ چند بدمعاش بھیج گئے اور اب وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے ہمارا فاضل ان کے غیر خوش آئند مشورے سے بالکل ناواقف تھا اس محب رسول کا خیال مسلمانوں کی طرف مائل تھا اس لیے اسے چنداں ملاؤں کی سازش کی پرواہ نہ تھی نہ یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی وقت باعث مضرت ہوں گے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے اور آپ گویا محمدیوں کی جماعت کے امام تھے ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازوں پر غل و شور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں اور لوگ کچھ غیر معمولی شیر کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کھٹکا ضرور تھا۔ کہ شہر کے ملا نے کبھی نہ کبھی کچھ آفت برپا کریں گے۔ اب آپ نے اس کا ظہور ہوتے ہوئے دیکھا۔ آناً فاناً میں یہ خبر آپ کے ساتھیوں کو جو آپ کے پاس بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ اب وہ سٹ پٹائے کیونکہ ان کی تعداد بہ نسبت مفسدوں کے بہت کم تھی وہ پانچ چھ سے زیادہ

مولویوں کو جناب شاہ ولی اللہ صاحب سے رنجش بڑھ گئی اور وہ آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے تو آپ نے ان کی اس رنج و غصہ کی آگ فرو کرنے اور اس رنجش کو دبانے کی غرض سے سفر عرب اختیار کیا۔ لیکن جس مبتدا کی یہ خبر ہے خود شاہ صاحب کے بیان سے بے اصل اور غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ

"جب میرے والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو میں تقریباً بارہ سال کتب دینیہ و عقلیہ کے درس میں محو رہا اور ہر علم و عمل کو غور میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے دیکھا۔

(بقیہ حاشیہ) نہ تھے اور مفسدوں کی تعداد سو سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی یہ مفسد گو پورے عزم سے آئے تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مسجد میں گھس کے شاہ صاحب کو شہید کر سکتے۔ جب شاہ صاحب کو تحقیق معلوم ہو گیا کہ میرے قتل کے لیے نرغہ کر کے آئے ہیں انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم جان بچا کے چلے جاؤ اور مجھے ان منافقوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو۔ لیکن ان کی حمیت اسلامی نے یہ گوارا نہیں کیا اور وہ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے کہ جب تک جان میں جان باقی ہے آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب جن کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی سی لکڑی تھی اللہ اکبر کہہ کے اٹھے اور کھاری باؤلی والے دروازے کی طرف چلے دونوں دروازوں سے سمٹ کے منافقوں نے اس دروازہ کو روک لیا اور بآواز بلند کہا دیکھو ولی اللہ نکل نہ جائے۔ شاہ صاحب نے یہ آواز سن کے نہایت دلیری اور متانت سے یہ سوال کیا کہ میں نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے۔ جس سے تم میری جان کے دشمن ہو گئے ہو اور میرے قتل پر آمادہ معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو نے قرآن کا ترجمہ کر کے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری وقعت کو کھو دیا۔ دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑتا جاتا ہے اور ہمارے معتقد کم ہوتے جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا صدمہ تو نے نہ صرف ہمیں پہنچایا بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کو پہنچایا ہماری اولاد کی آئندہ زمانہ میں اتنی بھی وقعت نہ رہے گی۔ جتنی اب ہماری ہے اس پر شاہ صاحب نے یہ جواب دیا کہ خدا کی نعمت تم خاص کرنا چاہتے تھے میں نے عام کر دی۔ کچھ دیر تک یہ رد و بدل ہوتی رہی آخر شاہ صاحب نے مع ساتھیوں کے جو آپ کو حلقہ کئے ہوئے تھے دروازہ کی طرف قدم بڑھایا۔ کٹ ملا سینہ تان تان کے اکھڑے ہوئے کہ ہم نہ جانے دیں گے۔ اس پر شاہ صاحب کے ایک ساتھی نے تلوار کا وار کرنا چاہا۔ بدمعاش جو سب ہتھیاروں سے

اسی اثنار میں اکثر اوقات جناب والد ماجد کی قبر مبارک پر جاکر متوجہ ہوتا اور رات کی دلفریب چاندنی میں پہروں بیٹھا رہتا۔ ان دنوں میں توحید و جذب کی راہ میرے لیے وسیع ہو گئی اور وجدانیہ علوم فوج فوج نازل ہونے لگے۔ ائمہ اربعہ کی مذہبی کتابیں اور ان کے اصول ہمیشہ میرے پیش نظر تھے اور جن حدیثوں سے انہوں نے اپنے مذہبی قواعد کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے استدلال کیا ہے وہ بھی مجھ سے غائب نہ تھیں آخرکار نور غیبی کی تائید سے مجھے فقہائے محدثین کی روش بھلی معلوم ہوئی اور انہیں کے مسلک کو میں نے اختیار کر لیا۔ ان بارہ سال کے گذر جانے کے بعد دفعتہً حرمین محترمین کی زیارت کا شوق مجھے پیدا ہوا اور مشائخ عرب سے علم حدیث کی سند لینے کا خیال آیا چنانچہ میں نے فوراً سامان سفر تیار کیا اور جہاں تک جلد ممکن ہو سکا عرب کی طرف متوجہ ہو گیا۔"

(بقیہ حاشیہ) آراستہ تھے محمدیوں کو آمادہ دیکھ کر جھجکے اور اب ان کے ہوش پران ہوئے وہ بدمعاش اکھاڑے کے پہلوان خانہ جنگیوں میں زیادہ طور رکھتے تھے بھلا وہ ایسی قلیل جماعت کی برہنہ تلواروں کے آگے کیونکر قائم رہ سکتے تھے جو سچے دل سے اسلام پر جان دینے کو تیار تھے۔ اس وقت شاہ صاحب کو جلال آگیا تھا اور ابراہیمی صفا خون آپ کی رگوں میں زور زور سے حرکت کرنے لگا تھا۔ آپ نے اپنے غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے کل بدمعاش اور منافق کٹ ملا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور کسی کی یہ ہمت نہ پڑی کہ کوئی حملہ شاہ صاحب پر کرتا۔ حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے ؎

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ سنا تو انہیں بہت رنج ہوا رنج کے سوا بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے قلعہ میں ان کی اتنی وقعت نہ تھی جتنی کہ ان کے علم و فضل کی ہونی چاہیئے جو اثر شاہ ولی اللہ صاحب کا مدینہ مکہ اور نجد پر تھا افسوس کہ وہ دہلی میں نہ تھا ہاں کسی ڈوم اور کسبی کی سفارش بہت چل جاتی تھی اور بیچارے شاہ صاحب کی کوئی نہ سنتا تھا۔ اسی شب تمام کنبے کے ممبر جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے یہ صاف معلوم ہو گیا تھا۔ کہ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے دہلی کے جنگجو مولویوں سے جان بچانے اور پیچھا چھڑانے کی غرض سے سفر عرب اختیار نہیں کیا بلکہ صرف حدیث کی تکمیل اور مذہبی غرض سے سبکدوشی حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کیا جیسا کہ آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اخیر ۱۱۴۳ھ میں خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو کر اور کامل ایک سال تک مکہ معظمہ کی مجاورت، مدینہ طیبہ کی زیارت سے معزز و ممتاز ہو کر شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ اور دیگر مشہور و نامور مشائخ عرب سے روایت حدیث حاصل کی اسی اثناء میں آپ چند روز جناب سید البشر علیہ افضل الصلوات واتم التحیات کے روضہ منورہ کے مجاور رہے اور انتہا سے زیادہ فیض حاصل کیا۔ اکثر اوقات چاندنی راتوں کی دلگیر روشنی میں آپ وہاں مراقب رہے۔ اس دلکش و دلفریب وقت کے اعتبار سے اگرچہ آپ کو کچھ مدد پہنچی ہوگی۔ لیکن زیادہ تر جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض نے آپ کے دل کو نہایت مجلے اور صاف کر دیا تھا اب حرمین شریفین کے بڑے بڑے زبردست علماء و فضلا سے ملے اور نئے نئے مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور ہر طبقہ کے مشائخ سے استفادہ لیا۔

شاہ صاحب کے اس مابین سفر میں کوئی خاص واقعہ بجز اس کے قابل تذکرہ نہیں ہے کہ آپ نے کن کن علماء سے استفادہ حاصل کیا اور وہ کس قدر و منزلت کے لوگ تھے چنانچہ میں اس مقام پر ان حضرات کے اسماء گرامی قلم بند کرنا چاہتا ہوں جن سے شاہ صاحب نے تکمیل حدیث کے علاوہ خرقہ صوفیہ زیب بدن فرمایا اور ساتھ اس بات کا بھی مختصر طور پر خاکہ کھینچنا چاہتا ہوں کہ کس فاضل سے آپ نے کس چیز کی سند حاصل کی اور وہ آپ کے ساتھ کس وقعت و عظمت سے پیش آیا۔

(بقیہ حاشیہ) شاہ ولی اللہ صاحب کے کٹر ملا نے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔ اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے کہ وہ شاہ صاحب کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہر دہلی سے نکال دیں۔ قصہ مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سفر عرب اختیار کیا اور منافقان اسلام کو دانت پیستا ہوا اور ہاتھ سے ہاتھ ملتے ہوئے چھوڑا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب جب حج مبرور کے ارکان فرضیت کے بارے سبکدوش ہوئے اور جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے فیض و شرف حاصل کر چکے تو شیخ محمد وفد اللہ[1] ابن شیخ محمد بن محمد سلیمان المغربی کی خدمت میں پہنچے جنھوں نے بڑی جوش مسرت کے ساتھ اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور بہت عزت سے بٹھایا۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد آپ کا حال دریافت کیا۔

---

[1] جناب شیخ محمد وفد اللہ بن محمد بن سلیمان المغربی ایک بڑے معزز اور ممتاز شخص تھے۔ قطع نظر مجتہد فن اور فرزانہ روزگار ہونے کے اپنے والد بزرگوار کی تعلیم و تربیت کے ایک عمدہ نمونے تھے۔ حرمین محترمین کے بڑے بڑے مشائخ و علماء آپ کی انتہا سے زیادہ عزت کرتے اور آپ کی شاگردی کو سرمایہ فخر و ناز سمجھتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں ایک ایسے مسلم الثبوت محدث تھے جن کی نظیر کہیں مل نہ سکتی تھی۔ شیخ محمد وفد اللہ کے والد بزرگوار علم حدیث میں وہ پایہ رکھتے تھے کہ تمام اہل حرمین کے استاد کہلائے جاتے تھے اور شیخ الحدیث کا معزز و مقتدر خطاب پبلک سے حاصل کیا تھا۔ شیخ محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر حدیث میں تھی اور آپ خصوصیت کے ساتھ علم نبوی میں زیادہ منہمک رہتے تھے۔ لیکن حقیقت میں تمام علوم و فنون کو جامع تھے اور تفسیر و فقہ ادب میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ اہل حرمین آپ کے فضل و کمال کی بڑی عزت کرتے تھے اور یا حافظ الحدیث یا شیخ الحدیث کہہ کر پکارتے تھے۔ شیخ محمد دولت علم کے علاوہ صاحب ثروت اور مالدار بھی تھے۔ اور چونکہ خود علوم کے جوہری تھے اس لیے اس کی انتہا سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اسلام بول میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک شخص کو نسخہ تعویذیہ فروخت کرتے دیکھا علم کی روشناسی اور حرص نے آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ تین ہزار رائج الوقت سکے دے کر اسے خرید لیا اور پھر بھی مفت خیال کیا۔ انتقال کے وقت تک تعویذ بازو بنا کر رکھا اور کبھی علیحدہ نہیں کیا۔ ایک مرتبہ مسجد الحرام میں پانی کا ایسا سیلاب آیا جس سے تمام حرم کے باشندوں پر غرق ہو جانے کا خوف غالب ہو گیا۔ شیخ محمد نے اپنے مال و دولت اور اہل و عیال کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی اور اس متبرک نسخہ کو سر پر رکھ کر طوائف میں مشغول ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب جس زمانہ میں شیخ محمد وفد اللہ کی علمی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور سند حدیث حاصل کر رہے تھے تو آپ اس نسخہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے بلکہ اس میں سے کچھ پڑھا بھی تھا۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

شاہ صاحب نے شیخ محمد وفد اللہ کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ میں آپ سے سند حدیث لینا چاہتا ہوں اور اسی لیے ہندوستان سے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ شیخ وفد اللہ نے بخوشی اس بات کو منظور کیا اور ایک خاص وقت آپ کے لیے مقرر کر دیا۔ چنانچہ آپ نے شیخ موصوف کے درسگاہ میں آمد و رفت شروع کی اور مؤطا ابن یحییٰ اول سے آخر تک بہت تھوڑے عرصہ میں سنا دی اور اس کے بعد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی۔

(بقیہ حاشیہ) شیخ محمد جس طرح علم شریعت کو جامع تھے ویسے ہی طریقت کے رموز و اسرار سے بھی بخوبی واقف تھے۔ آپ نے شیخ ابو مدین مغربی کی خدمت سے خرقہ حاصل کیا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے کتب حدیث کی تصحیح کی بنیاد حرمین میں آپ ہی نے ڈالی اور شیخ وفد اللہ نے اس بنیاد پر اس قدر عمارت بلند کی کہ چند روز میں آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ شیخ تاج الدین قلعی جو اس عہد میں ایک فاضل اجل عالم تسلیم کیے جاتے تھے اور جو تمام اہل عرب کے مقتدا و پیشوا تھے بیان کرتے ہیں کہ شیخ محمد جس طرح علم روایت میں کمال رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ نے صناعات عجیبہ اور علوم غریبہ کو بھی عروج پر پہنچا دیا تھا۔ حدیث و تفسیر کے علاوہ انشاء پردازی اور فصاحت و بلاغت میں خاص امتیاز رکھتے تھے علم ادب اور شاعری میں ضرب المثل تھے ثروت و دولت کا کافی حصہ خدا کی طرف سے عنایت ہوا تھا اور اس تمول کے لیے وہ زیور بھی تھا جو مال کے لیے زیب و زینت ہے یعنی آپ اعلیٰ درجہ کے فیاض و سخی تھے غرضکہ دینی و دنیاوی اقتدار کے لیے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فیاض ازل نے آپ سے دریغ رکھی ہو حقیقت یہ ہے کہ آپ خداوندی ارشاد زادہ فی العلم والجسم کے ایک ایسے صاف و شفاف فوٹو تھے۔ جس میں یہ دونوں تصویریں ہر وقت نظر آتی تھیں۔ چونکہ شیخ محمد جامع علوم و فنون اور ہر صفت کے ساتھ موصوف تھے۔ اس لیے آپ کا ذاتی کمال وطن مالوف سے یہاں کھینچ لایا تھا کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے علاوہ اظہار کمالات کے لیے کوئی دوسرا شہر اہل علم کے لیے نہ تھا۔ لیکن جس زمانہ میں شیخ محمد کے علوم معراج کمال پر پہنچے اور شہرت کے سورج نے اپنی روشنی تمام خطہ عرب میں پھیلا دی تو حاسدوں کے کینہ و عداوت کی رگ حرکت میں آئی اور انہوں نے جھوٹی شکایتیں شاہ اسلام کو تحریر کیں۔ ۱۲ منہ

شیخ ابوطاہر

اس کے بعد شاہ صاحب۔ جناب شیخ ابوطاہر[1] محمد بن ابراہیم کردی مدنی کی خدمت میں پہنچے اور احادیث صحاح سنانا شروع کیں۔ ایک دن صحیح بخاری کی اثنائے قرارت میں احادیث و فقہ کی مختلف و متضاد روایات میں بحث چھڑ گئی اور شاہ صاحب نے بڑی حذاقت و دلیری سے اس اختلاف کی روایات میں جو

---

[1] جناب شیخ ابوطاہر عمر کے ابتدائی زمانہ سے تحصیل علوم میں راغب تھے اور علمی سوسائٹیوں علماء کی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوتے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے فراغ کے بعد جب آپ میں علمی قابلیت پیدا ہوگئی اس وقت سے آپ کے والد بزرگوار نے اس گراں بہا جوہر کی قدردانی شروع کردی اپنا خرقہ اس فرزند رشید کے جسم پر آراستہ کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ بہت سے بزرگوں سے ان کے لیے اجازت اور خرقہ حاصل کیا جن میں ایک بزرگ شیخ محمد بن سلیمان مغربی ہیں۔ شیخ ابوطاہر نے کتب عربیہ کی تحصیل سید احمد ادریس مغربی سے کی جو اپنے زمانہ کے سیبویہ کہلائے جاتے تھے اور جو علوم عربیہ میں اجتہاد کا مرتبہ رکھتے تھے۔ قطع نظر اس کے اتقا و پرہیزگاری میں حد سے زیادہ مشہور تھے۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سید احمد ادریس کے ایک تلمیذ نے مسجد نبوی کی محراب میں سورۂ تبت پڑھی اور جب نماز سے فارغ ہوکر سید کے پاس آیا تو آپ نے اس پر انتہا سے زیادہ عتاب کرکے فرمایا لا، الا تقرأ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ ذکر فیھا عمہ بما ذکر فان اللہ یخاطب رسولہ بما شاء ولیس ذالک حق لنا یعنی میں تجھے اب ہرگز نہ دیکھوں کہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہو کر ایسی سورت پڑھے جس میں آپ کے چچا کی نکوہش و مذمت بیان کی گئی ہو۔ خدا تعالےٰ اپنے پیغمبر کو جس چیز کے ساتھ چاہے خطاب کرسکتا ہے۔ لیکن ہمارا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ ہم ایسا کریں۔ شیخ ابوطاہر نے فقہ شافعی شیخ علی طولونی مصری سے پڑھی تھی۔ اور معقول کی کتابیں نجم ہاشمی سے جو روم کے متبحر علماء میں مشہور فاضل تھا۔ علم حدیث کی تمام کتابیں اپنے والد سے پڑھی تھیں بعدہٗ تکمیل علوم اور اجازت و سند کے حاصل کرنے کے لیے اول شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا۔ پھر شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کے پاس پہنچے۔ شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی اول سے آخر تک پڑھی اور امام احمد کی مسند دو مہینے سے کم مدت میں سنی۔ ان حضرات کے علاوہ بہت سے ان فضلاء سے بھی

کہیں کہیں اختلاف واقع ہے اس کی بڑی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جمعیت کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تھی اور فرط جمعیت سے یہ صورت اختلاف پیدا ہو گئی تھی ایک اور موقع پر صوفیہ کے حالات میں بحث شروع ہو گئی اور ان باتوں کا سلسلہ یہاں تک بڑھا چلا گیا کہ شیخ ابوطاہر صاحب کے درس کا وقت فوت ہو گیا آخر کار یہ مسئلہ پیش ہوا کہ بعض حضرات صوفیہ اپنے ہم مشربوں کے کلام کی تردید کرتے ہیں اور یہ تردید ان کے پیردوں میں نفوذ کی جاتی ہے اس پر شیخ ابوطاہر بولے کہ میں صوفیہ کے انکار سے بے حد خائف رہتا ہوں ہر چند کہ میری بعض اسلاف

(بقیہ حاشیہ) سماعت حدیث کی جو حرمین شریفین کی زیارت کے لیے وقتاً فوقتاً تشریف لائے مثلاً شیخ عبداللہ لاہوری جو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تمام کتابوں کی روایت شیخ عبداللہ اللبیب سے کرتے ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تمام کتب اسی واسطہ سے مولانا عبدالحکیم سے روایت کرتے ہیں اور شیخ سعید کوکنی اس فاضل اجل اور علامہ عصر سے شیخ ابوطاہر نے بعض کتب عربیہ اور فتح الباری مصنفہ شیخ ابن حجر عسقلانی کا چوتھا حصہ پڑھا۔ غرضکہ شیخ ابوطاہر علمی فضل وکمال کے علاوہ سلف صالح کی تمام اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔ ورع واجتہاد میں نہایت بلند رتبہ رکھتے تھے۔ فصاحت وبلاغت میں ضرب المثل اور نہایت مشہور تھے حدیث وفقہ کی جزئیات اور استنباط مسائل پر آپ کی نظر نہایت غائر تھی اور یہی وجہ تھی کہ عرب کے تمام باشندے آپ کی بہت عزت کرتے اور ہر شخص اپنی آنکھوں پر جگہ دیتا تھا باوجود انہماک علم اور استغراق فن کے جب تک کتب کا تتبع نہ کر لیتے کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے رقیق القلب اس درجہ تھے کہ جب احادیث رقاق پڑھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر لاتے اور پہروں زار و قطار رویا کرتے۔ اکثر اوقات طاعت الٰہی اور درس علوم میں مشغول رہتے اور بقیہ وقت کشف ومراقبہ میں صرف ہوتا تھا۔ آپ کا عام طرزِ معاشرت اور لباس وغیرہ تکلف و بناوٹ سے بری تھا۔ انتہا درجہ کا عجز وانکسار تھا اپنے خدام اور تلامذہ کے ساتھ متواضعانہ اخلاق سے پیش آتے اور اگر کسی سے کسی معاملہ میں غلطی ہو جاتی تو نہایت نرمی اور آہستگی سے متنبہ کرتے کبھی کسی پر غصہ نہ کرتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک مختصر آرٹیکل اس مقام پر قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں کہ

"میں نے علماء حرمین کے اکثر حضرات سے ملاقات کی ہے اور اکثر فضلاء کی

بھی ایسے ہو گذرے ہیں جنہوں نے اپنے ہم مشربوں کے ساتھ ایسا برتاؤ روا جائز رکھا لیکن مجھ میں ان کی طعن آمیز تردید نے ذرا بھی اثر نہیں کیا بلکہ میں ان کے ساتھ ایسا ہی اعتقاد رکھتا ہوں جیسا اپنے اسلاف کے ساتھ اور ان کی طرف سے کسی طرح کی گراں خاطری اپنے میں نہیں پاتا پھر کلیۃً یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرات صوفیہ کی باہمی رد و قدح ان کے پیرووں میں بھی نفوذ کر جاتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر شیخ ابو طاہر نے ایک تمثیلی حکایت بیان کرنا شروع کی۔ فرمانے لگے کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد بزرگوار کے ساتھ ہمیشہ مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ شیخ یحییٰ بعض اوقات ادب کا پہلو چھوڑ کر طعن آمیز کلام سے تردید کر بیٹھتے تھے جس سے سننے والوں کو سخت رنج ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ جب انہوں نے دنیا سے کوچ کر کے سفر آخرت قبول کیا اور زمانہ دراز کے بعد ان کی لاش قبر سے نکالی گئی تو بالکل صحیح سالم نکلے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی ابھی سوئے ہیں اس حکایت کے نقل کرنے سے میری صرف اتنی ہی غرض ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ کسی شخص پر اس وجہ سے طعن کرنا کہ وہ بعض عرفا کا منکر تھا ہرگز جائز نہیں ہے۔

شاہ صاحب کا بیان ہے کہ اس کے بعد جناب شیخ ابو طاہر نے فرمایا کہ اس بارہ میں شیخ محی الدین بن عربی کی ایک عجیب و غریب وصیت ہے۔ جو آپ نے اپنے معتقدوں کے سامنے ایک نہایت ہی باا‌ثر طریقے سے بیان فرمائی۔ زاں بعد آپ نے فتوحات کا نسخہ کتب خانہ سے طلب کیا اور جو خاص مصنف کے قلم سے لکھا ہوا تھا اور اس میں سے باب الوصیت کا مبحث پڑھنا شروع کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ) خدمت میں حاضر ہوا ہوں لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے کہ مکارم اخلاق کے ساتھ جامع علوم ہو بجز شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی فی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کی فراست و درایت حقیقت میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جسے میں نے اپنی تالیفات کے بعض مختلف مقامات میں ذکر کیا ہے"

الغرض جناب شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ العزیز نے ۱۱۴۵ھ رمضان کے مہینے میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ۱۲ منہ

شیخ محی الدین بن عربی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص کی طرف سے اس لیے عداوت ہو گئی تھی کہ وہ شیخ ابو مدین کو ایسی ناگوار اور طعن آمیز باتوں سے یاد کرتا تھا جو ان کی شان کے قابل نہ تھیں اور چونکہ میں ان سے دلی عقیدت مندی رکھتا تھا۔ اس لیے مجھ پر اس کی یہ باتیں اور بھی برا اثر ڈالتی تھیں اور بہت سے برے خیالات اس کی طرف سے میرے دل میں جم گئے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا آپ فرما رہے ہیں کہ محی الدین! تم فلاں شخص سے کیوں عداوت رکھتے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ ابو مدین جیسے بزرگ و مقتدر شخص کو برا کہتا ہے اور میں ان کا معتقد ہوں فرمایا کیا وہ خدا اور رسول کو دوست نہیں رکھتا۔ میں نے کہا جی ہاں خدا و رسول کو تو دوست رکھتا ہے فرمایا تو تم اس وجہ سے کہ وہ ابو مدین سے رکھتا ہے اس سے کس لیے عداوت رکھتے ہو اور خدا رسول کی محبت رکھنے کی وجہ سے اُسے کیوں نہیں دوست رکھتے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے ان برے خیالات سے توبہ کی اور اس کے مکان پر معذرت کے لیے گیا اور اپنے ساتھ ایک قیمتی چادر لیتا گیا جسے نہایت فرزانگی اور سلیقہ شعاری سے اس کے سامنے پیش کیا اور راضی کر کے دریافت کیا کہ آپ ابو مدین سے اس درجہ بیزار کیوں ہیں۔ میرے اس سوال کا انہوں نے ایک ایسا جواب دیا جس کی بنا صرف لاعلمی پر تھی۔ چنانچہ میں نے نہایت پُر اثر لفظوں میں تقریر کی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو بالکل مٹا دیا اس پر انہوں نے شیخ ابو مدین کو برا کہنے سے توبہ کی اور جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت و فیض کا یہ بدیہی نتیجہ پیدا ہوا کہ وہ بھی میری طرح شیخ کے بدل معتقد ہو گئے۔

الحاصل جناب شاہ ولی اللہ صاحب چند روز تک شیخ ابو طاہر کی خدمت میں رہے اور اسی قسم کے تذکرے بڑے زور سے ہوتے رہے شیخ ابو طاہر جس عزت و وقعت کے ساتھ آپ سے پیش آئے اس کا اظہار صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ ان سے رخصت ہو کر وطن مالوف کی طرف مراجعت کرنے لگے تو ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ یہ بیت زبان پر لائے۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یودینی لو بعکم

جوں ہی شاہ صاحب کی زبان مبارک سے رخصتانہ الفاظ نکلے اور اس شعر کی آواز شیخ صاحب کے کانوں میں پہنچی تو آپ کے چہرہ پر حزن وملال کے آثار چھا گئے اور پرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہنے لگیں۔ آپ زاروقطار روتے جاتے تھے اور بطریق مشایعت شاہ صاحب کے ہمراہ آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے۔ شیخ ابوطاہر صاحب نے علاوہ سند احادیث کے اپنا خرقہ بھی عنایت فرمایا اور خود دست مبارک سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے زیب جسم کیا جو حقیقت میں تمام صوفیوں کے خرقوں کو جامع وحاوی تھا اور چلتے وقت بہت سی باطنی فیوض تلقین کئے۔ چونکہ شیخ ابوطاہر صاحب علمی کمالات کے جوہری اور قدردان تھے اس لیے آپ نے شاہ صاحب کی قابلیت کا خوب اندازہ کر لیا تھا اور آپ کے ضمیری جوہروں اور ربانی لیاقتوں کو اچھی طرح پرکھ لیا تھا یہی وجہ تھی کہ رخصت کے وقت آپ نے ان باطنی رموز و اسرار کا آپ پر انکشاف کر دیا جو ابھی تک آپ کے سینہ کے خزانہ میں ایک زمانہ دراز سے محفوظ چلے آتے تھے۔

حقیقت میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب جس رتبہ کے شخص تھے اس سے کچھ وہی عمیق و غمیض نظریں واقف تھیں جو روز ازل سے ربانی اسرار سے سرمہ آلود ہو چکی تھیں۔ عام نظریں اس قابل ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ وہ اس عظمت و جبروت اور جاہ و جلال دیکھ سکیں اگرچہ اس جلیل القدر اور عظیم الشان خاندان میں بہت سے لوگ ایسے قابل ہو گذرے ہیں جو فضل و کمال میں اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ شاہ صاحب جیسا صاحب کمال اس خاندان میں دوسرا نہیں ہوا ایک فلسفی اور قومی شاعر کا یہ شعر ہماری تحریر کے حسب حال ہے ؎

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب شیخ تاج الدین قلعی حنفی میں بھی حاضر ہوئے ہیں اور سند احادیث حاصل کی ہے چنانچہ آپ اپنی قلم مبارک سے تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں شیخ تاج الدین کی مجلس درس میں صحیح بخاری کا درس ہوتا تھا میں دو تین روز تک

---

(۱) شیخ تاج الدین قاضی عبدالمحسن کے فرزند رشید ہیں بہت سے مشائخ کی صحبت میں علم حدیث

متصل حاضر ہوا اور بخاری شریف کی سماعت کے علاوہ ازیں کتب صحاح ستہ کے بعض بعض مشکل مقامات اور موطا امام مالک اور مسند دارمی اور کتاب الآثار اور امام محمد اور موطا امام محمد کی بھی سماعت کی جس وقت آپ نے ان تمام کتابوں کی اجازت جملہ اہل مجلس

(بقیہ حاشیہ) حاصل کیا اور درسیہ علوم تمامہا اخذ کئے اور ہر ایک سے اجازت پائی آپ ہنوز خورد سال ہی تھے کہ آپ کے والد بزرگوار قاضی عبد المحسن نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے واسطے اجازت حاصل کر لی تھی۔ اہل مکہ اُن کی بہت بڑی عزت کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک سے امامت اور افتا کا معزز خطاب حاصل کر لیا تھا تمام عربستان میں مفتی مکہ مشہور تھے اور فقہ حنفی کے دوسرے بازو سمجھے جاتے تھے۔ جب شیخ تاج الدین ابتدائی تعلیم و تربیت سے فارغ ہوئے تو شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اس زمانہ میں شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی درسگاہ میں سنن نسائی کا درس ہو رہا تھا۔ جب یہ کتاب ختم ہوئی تو شیخ مغربی نے تمام حاضرین مجلس کو اجازت دے دی جس میں شیخ تاج الدین بھی شامل تھے۔ لیکن شیخ تاج الدین نے حدیث کی اکثر کتابیں شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے پڑھیں اور صحیح بخاری و صحیح مسلم شیخ حسن عجیمی سے اور جب ان حضرات سے استفادہ حاصل کر چکے تو اب شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں پہنچے اور ایک مدت تک اُن کی صحبت میں رہ کر علم کی باریکیاں دریافت کیں علم فقہ میں ان ہی سے حظ کامل اُٹھایا۔ اور اس علم خاص میں شیخ تاج الدین کو ان کی شاگردی کا بہت بڑا فخر حاصل ہے شیخ صالح زنجانی کے علاوہ شیخ احمد نخلی اور شیخ احمد قطان بھی ان کے اُستاد ہیں جن کی صحبت میں سالہا سال تک شیخ تاج الدین فیض یاب رہے ہیں اور اجازت و سند حاصل کی ہے شیخ احمد قطان سے درس کا طریقہ سیکھا اور ان کے انتقال کے بعد کعبہ کے سایہ تلے مالکی مصلیٰ پر بیٹھ کر شیخ احمد کے قائم مقام درس دینا شروع کیا۔ چنانچہ شیخ تاج الدین اس واقعہ کی نسبت خود اپنی قلم سے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ

"جب میرے استاد شیخ احمد قطان کا انتقال ہو گیا تو میرے اور تمام مشائخ نے جن میں شیخ عبداللہ بصری اور شیخ احمد نخلی بھی تھے مجھ پر زور ڈالا کہ میں شیخ احمد قطان کی جگہ بیٹھ کر طلبہ کو درس دوں اور شیخ کی عادت کے مطابق قراءۃ حدیث کروں لیکن مجھ سے اس عظیم الشان منصب پر دلیری نہیں ہو سکتی تھی۔ اور باوجود ایسے

کو دی تھی فقیر بھی اس جماعت میں داخل تھا۔ ہرچند کہ اور لوگوں کے زمرہ میں مجھے اجازت حدیث حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن مولانا تاج الدین نے مجھے خصوصیت کے ساتھ علیحدہ اجازت دی اور زبانی اجازت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تحریری اجازت عنایت فرمائی۔ جن ایام میں شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ ایک عجیب و غریب حکایت بیان فرماتے تھے۔ چونکہ وہ حکایت لطف و دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس لیے میں اس مقام پر اس کا درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ) جلیل القدر اکابر اور مشہور فاضل کے مجھ سے اس خدمت کی ادائیگی بہت ہی دشوار و مشکل معلوم ہوتی تھی لہٰذا میں نے اس خدمت کو قبول نہیں کیا اور اپنے مشائخ بزرگوار کو جواب صاف دے دیا کہ آپ لوگوں کے ہوتے مجھ سے یہ کبھی بن نہ آئے گا کہ اس عظیم القدر پر جرأت کروں لیکن ان حضرات نے میری اس التماس کو نگاہ قبول سے نہیں دیکھا اور میرے انکار پر اس قدر اصرار و مبالغہ کیا جس سے میں بالکل مجبور ہو گیا۔ انجام ہو گیا۔ انجام کار میں نے شیخ حسن عجمی کو جو اس زمانہ میں طائف کی سمت میں مقیم تھے یہ تمام کیفیت لکھ بھیجی جس کے جواب میں انہوں نے مزید تاکید کے ساتھ کہلا بھیجا کہ بہرحال اپنے مشائخ کے فرمان کو رغبت کے کانوں سے سننا اور نگاہ قبول سے دیکھنا چاہیئے الغرض جب میں سب طرف سے مجبور ہو گیا تو مشائخ مذکورین کی فرمان پر گردن تسلیم خم کر دی اور اپنے عزیزوں کے اشارے کے مطابق شیخ احمد قطان کے مقام پر بیٹھ کر صحیح بخاری پڑھانا شروع کی اور جس مقام تک شیخ نے انتہا کی تھی میں نے اسی جگہ سے بخاری کا آغاز کیا جب۔ بخاری شریف ختم ہوئی تو مجلس میں تمام علماء و مشائخ حاضر تھے۔ سب نے میرے حق میں دعا کی اور میں نے ان کی قدردانی کا شکریہ ادا کیا۔"

شیخ تاج الدین کے اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ جامع جمیع صفات کمال اور حاوی جملہ علوم و فنون تھے کیونکہ اگر آپ فی نفسہٖ ایسے نہ ہوتے تو اس قدر مشائخ کبار اور اجلہ اعلام میں درس دینے کی آپ کو جسارت نہ ہوتی نیز ان اولوالعزم اور فرید عصر حضرات کا اس جلیل القدر منصب پر شیخ تاج الدین کو مامور کرنا خود اس پر دلیل ہے کہ وہ ایک ایسے گراں مایہ جوہر تھے جس کی قیمت و قدر سے بھی علم کے جوہری خوب واقف تھے۔ شیخ تاج الدین کو جناب شیخ ابراہیم کردی مدنی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے آپ نے حدیث و فقہ کی تمام علوم کی اجازت

شیخ تاج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہوا اور مرض نے اس قدر طول کھینچا کہ ضعف و ناتوانی تمام اعضاء پر غالب ہو گئی اور اب مجھے حس و حرکت کرنے کی بھی تاب و طاقت نہیں رہی۔ اسی اثناء میں میں نے ایک شب کو عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دروازہ سے آیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس بیمار کی شفا کے لیے مرغیاں پکائی جائیں اور ان پر سارا قرآن پڑھا جائے جب یہ مریض ان مرغیوں کو کھائے گا تو اس کا تمام مرض جاتا رہے گا اور بالکل شفا حاصل کرے گا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ خواب کے بموجب عمل درآمد کرنا چاہیئے لیکن اس پر بھی میں نے اس قدر توقف کیا کہ آج شب کو اور معلوم

(بقیہ حاشیہ) انہیں دی اور علمی فضیلت کی دستار اپنے ہاتھ سے باندھی۔

الحاصل شیخ تاج الدین بڑے پائے کے شخص تھے اور متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے تفسیر۔ حدیث۔ فقہ سیر ایام العرب کے حافظ تھے اور ادب ان کا ادنے سا علم تھا خدا تعالےٰ نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف علوم کا درس دیتے تھے علمی ذوق و شوق خدا نے بچپن سے دیا تھا جس کی تکمیل میں آپ ہمیشہ مصروف رہے اور آخر کار اُسے کمال عروج پر پہنچا دیا۔ فن ادب میں آپ کو کمال دستگاہ تھی۔ فصاحت و بلاغت کے متعلق آپ بڑے بڑے شعراء کو غلطیاں بتا دیتے تھے کہ یہاں یوں ہونا چاہیئے اور وہ فوراً انہیں تسلیم کر لیتے تھے۔

شیخ تاج الدین میں وہ تمام خصلتیں اور فضائل مجتمع تھے جو ایک پاک باز اور دیندار عالم میں ہونا چاہئیں عام اخلاق و عادات عزم و ثبات بلند حوصلگی۔ دقیق نظری میں تمام مشائخ و علماء میں ایک مستثنٰے اور تمام عالم تھے عالمانہ تزک و احتشام اور فاضلانہ شان و شوکت اور علم و فضل کی سرپرستی نے شیخ تاج الدین کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا آپ کی علمی برکتوں کی ندا نے عام دلوں میں وہ ذوق و شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے تھے کہ زمانہ کے جملہ اہل کمال آپ کے درس مجلس میں کھنچے چلے آتے تھے جیسے خود قابل طبایع فضیلت مآب تھے ویسے ہی آپ کے تلامذہ بھی جودت ذہن اور خداداد قابلیت میں ممتاز تھے۔ پھر باوجود ایسے عالم فاضل ہونے کے تکلف و بناوٹ مزاج میں نام کو نہ تھا مذہبی عقائد میں بڑے مستحکم تھے علاوہ فرق

کرلینا چاہیئے اور کل اس کے مطابق تعمیل کرنی مناسب ہے چنانچہ شب آئندہ کو جب میں مرض کی بے چینی میں کروٹیں لیتے لیتے سو گیا تو دیکھتا ہوں کہ گویا امام بخاری علیہ الرحمۃ میرے گھر میں تشریف لائے ہیں اور اپنے دست مبارک سے دیگ درست کر رہے ہیں۔ آپ نے دیگ کے نیچے آگ جلائی اور مرغیوں کا نہایت عمدہ اور صاف گوشت دیگ میں ڈالا صبح سے شام تک برابر سالن پکتا رہا اور جب خوب پک کر تیار ہو گیا تو امام بخاری نے ایک بڑے سے شفاف قاب میں میرے آگے لاکر رکھا اور فرمایا کہ ہم نے اس پر سارا قرآن پڑھا ہے۔ تم اسے کھاؤ خدا کے فضل وکرم سے شفا پاؤ گے چنانچہ میں نے اس میں سے کچھ تناول کیا۔ کھاتے ہی مرض میں فوری افاقہ محسوس ہوا اور تھوڑی دیر میں اس مرض کا مجھ میں نام و نشان تک باقی نہیں رہا عادت کے موافق جب صبح کو بیدار ہوا تو اپنے تئیں بالکل صحیح و تندرست اور چاق و توانا پایا۔ میں نے اپنے دل میں جو بشاشت و سرور اس واقعہ سے پایا کہ حضرت امام بخاری رح نے اس فقیر کے حال پر اس درجہ عنایت و مہربانی فرمائی ہے وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو ازالۂ مرض اور دفعیہ بیماری سے پایا جاتا تھا۔

جن علماء حرمین سے جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بالمشافہ اجازت حدیث حاصل کی اور علم حدیث کی مختلف کتابیں سنی سنائیں میں ان کی مختصر فہرست مع اجمالی حالات کے بیان کر چکا اب مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی عنوان کے ذیل میں ان مشائخ صوفیہ اور علماء محدثین کے حالات و واقعات کا بھی سرسری طور پر خاکہ کھینچوں جن کے واسطے سے انہیں اور ان کے ذریعہ سے جناب شاہ صاحب تک خرقہ صوفیہ اور اسناد حدیث کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک نہایت وسیع

(بقیہ حاشیہ) نماز کے سو رکعتیں روزانہ پڑھنے کا دستور تھا اور بجز بیماری یا نہایت قوی عذر کے کبھی جماعت ترک نہیں ہوئی۔ بزرگان دین سے خاص تعلق رکھتے تھے اور اثناء وعظ میں سخت رقت ہوتی تھی صوفیائے کرام اکثر اوقات آپ کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے مکان پر خود جاتے تھے سنہ ۱۱۳۲ھ میں آپ نے سفر آخرت قبول کیا اور اپنے انتقال کے بعد دنیا میں ایک نہایت محسوس یادگار چھوڑ گئے ۱۲ منہ

اور طول طویل مضمون ہے جس کی تفصیل کے لیے کئی جزو درکار ہیں۔ مگر چونکہ میں حیات ولی کو زیادہ طول دینا اور خارج البحث واقعات درج کر کے بڑھانا نہیں چاہتا اس لیے نہایت اختصار کے ساتھ چند منتخب مشائخ کا حال علیحدہ علیحدہ عنوانوں سے ذکر کرتا ہوں۔

شیخ احمد شناوی

شیخ احمد۔ علی کے فرزند رشید اور عبد القدوس بن عباس شناوی کے بلند اقبال پوتے ہیں آپ کے آباء بزرگوار اولیاء کبار اور بڑے جاہ وجلال کے لوگ تھے۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے جو ایک مختصر ریمارک آپ کے علم وفضل کی نسبت کیا ہے وہ حقیقت میں آپ کے لیے ایک اعلےٰ درجہ کا سارٹیفکیٹ ہو سکتا ہے شعراوی لکھتے ہیں کہ شیخ احمد شناوی علم شریعت وحقیقت کو جامع تھے علم حدیث شمس رملی اور اپنے والد بزرگوار سے پڑھا تھا۔ اور سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حدیثیں روایت کیں اور اپنے والد علی سے خرقہ صوفیہ زیب بدن فرمایا اس کے بعد سید صبغۃ اللہ کی صحبت سے ہمیشہ فیض یاب رہے اور آخر کار ان کے دست مبارک سے خرقہ پہنا اور ان کی فیض صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچے۔ اور ایک ممتاز و مستثنیٰ خلیفہ قرار دیئے گئے شیخ احمد کے لیے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ لو کان الشعراوی حیا ماوسعہ الا اتباعی یعنی اگر شعراوی بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجز میری اتباع کے اور کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن شیخ احمد شناوی اپنے حجرہ میں سوتے تھے۔ دیکھتے ہیں کہ حجرہ کی دیوار پر ایک گرگٹ چلا جاتا ہے شرع کے قانون کے موافق آپ نے اُسے مار ڈالنا چاہا۔ لیکن شہود وحدت نے فوراً ہی آپ کے اس ارادہ کو مضمحل کر دیا۔ دوسری مرتبہ آپ نے پھر اس کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اب بھی شہود وحدت نے آپ کے اس داعیہ کو شکست دی غرضکہ آپ ان دونوں خطروں کے مابین متردد ومتحیر تھے انجام کار امتثال شرع کا ارادہ غالب ہوا اور آپ نے ایک پتھر اُٹھا کر گرگٹ کی طرف پھینکا نشانہ نے خطا کی اور گرگٹ پتھر کی زد سے بچ کر بھاگ گیا یہ

دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور جوشِ مسرت میں زبانِ مبارک سے نکلا الحمد للّٰہ الذی جمع بین الامرین ؏ یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دونوں باتوں پر عمل کرا دیا۔

اس حکایت کے عقب میں شیخ احمد قشاشی نے (جو جناب شیخ احمد شناوی کے فرزند معنوی اور ممتاز خلیفہ ہیں اور جن کے حالات آیندہ بیان ہوں گے) فرمایا کہ اگر میں ایسے مقام پر ہوتا تو فوراً توقف و تردد نہ کرتا اور گرگٹ کے سر کو فوراً پتھر سے کچل ڈالتا۔

شیخ احمد شناوی نے بہت سے پُر مغز اور عاقلانہ مقولے تحریر ہیں۔ منجملہ ان کے بطور مشتے نمونہ از خروارے یہ ہیں عہدنا یحفظ و ان لم یحفظ ؏ متاخرین اہل حرمین کے عرف میں قبول بیعت کو اخذ عہد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس بنا پر شیخ احمد شناوی کے اس حکیمانہ مقولے کے یہ معنی ہوئے کہ مشائخ صوفیہ میں سے جو میری بیعت قبول کرتا ہے اس طریقہ کی تمام مشائخ کی برکت حالت زندگی اور حالت موت میں اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہ بھی آپ ہی کا پُر مغز فقرہ ہے کہ لا یدخل النار من رآنی ورای من رآنی الی یوم القیامۃ! "یعنی جس شخص نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا وہ کبھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا"۔

آپ کا انتقال ۱۰۲۸ھ ہجری میں ہوا اور موضع بقیع میں دفن ہوئے۔

شیخ احمد قشاشی

شیخ احمد قشاشی

شیخ احمد قشاشی شیخ محمد کے فرزند اور شیخ یونس قشاشی کے پوتے ہیں جو عبد النبی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ شیخ یونس کو عبد النبی کا لقب پبلک نے اس وجہ سے دیا تھا کہ آپ آدمیوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے اور جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھواتے اور قشاشی کے ساتھ نامزد ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے تئیں مخفی اور پوشیدہ رکھنے کی غرض سے قشاشہ فروشی کیا کرتے تھے یعنی دوات پرانی قلمیں اور پرانی جوتیاں وغیرہ کم قیمت چیزیں فروخت کیا کرتے تھے کیونکہ قشاشہ کم قیمت اور پرانے اسباب کو

کہتے ہیں شیخ احمد قشاشی علم شریعت اور حقیقت میں امام وقت اور مجتہد عصر تھے جب حقائق سخن میں ذکر چھڑ جاتا تو آپ ہر بات کو آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے مدلل و مبرہن کرتے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی صحبت اٹھائی اور اپنے والد بزرگوار سے خرقہ زیب جسم کیا لیکن حقیقت میں آپ کے کمال نے شیخ احمد شناوی کے ہاتھ پر عروج پایا اور یہی وجہ تھی کہ شیخ احمد قشاشی اپنے تئیں شیخ احمد شناوی کی طرف منسوب کرتے اور اس انتساب کو ذریعہ فخر سمجھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ صوفیہ کی تلاش میں دور و دراز ملکوں کا سفر کیا اور ایک عرصہ دراز تک سیاحت میں معروف رہے لیکن لوٹتے وقت جب جدہ میں پہنچے تو انہیں ایک واقعہ میں معلوم کرایا گیا کہ شیخ احمد شناوی تکمیل کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں ان کے ذاتی کمالات معراج کمال پر ترقی کر گئے ہیں اور باطنی علوم کا ستارہ بڑے جاہ و جلال کے ساتھ چمک رہا ہے۔ لیکن چونکہ کوئی معنوی فرزند نہیں رکھتے ہیں اس لیے تمہیں اپنے فرزندی کے انتساب سے مشہور کرنا چاہتے ہیں اب تم جاؤ اور ان کی خدمت میں چند روزہ زندگی بسر کرو چنانچہ شیخ احمد قشاشی اسی وقت جدہ سے روانہ ہو گئے اور بہت جلد شناوی کی خدمت میں پہنچے۔ شناوی نے انہیں دیکھتے ہی ایک نہایت مسرت اور تازگی کے لہجہ میں کہا مرحبا لمن جاء یقتبس منا علومنا!

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی نے اپنے دست مبارک سے ان کے جسم کو خرقہ سے آراستہ کیا اور اپنی ہمشیرہ عزیزہ کو ان کے نکاح میں دیا ہے۔ شیخ احمد قشاشی نے معلوم کر لیا کہ اب میری وحدت وجود کی معرفت درست ہو گئی ہے کیونکہ شیخ محی الدین بن عربی کی ہمشیرہ عزیزہ اسی سے تعبیر ہو سکتی ہے۔ ذیل کی عبارت خاص شیخ قشاشی کی خط مبارک سے لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا علمی تبحر اور لیاقت و قابلیت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ الذی یتحقق وجد انہ ان یختم الخاصۃ مرتبۃ الھیئۃ ینزل بہا کل واحد لہا حسب وقتہ وزمانہ غیر منقطعۃ ابد الاباد الی ان لا یبقی علی وجہ الارض من یقول اللہ اللہ لعدم خلو المراتب الالھیۃ عن القائمین بہا حتی یصیر القائم بہا بعض الحافظ بمرتبۃ العدد فیما قبلہ وبعدہ بانفاسہ

تتم المصالح وتقتضی الحاجات لو انهم الف الف فی عدیه هم عادوا الی الواحد فرد بلا حمد وقد تحققنا بذالک حقا ونزلنا کامنازلہ صدقا فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ولمن راتہ من مشائخ من اھل الخمسة امنا کورة سند امتصلا منا الیہم من غیر انقطاع باذن اللہ تعالیٰ الخمسة انفس سادسہم کلبہم لا رجما بالغیب انتہیٰ ؎

شیخ قشاشی کی مجلس میں جب مقامات کا ذکر چھڑتا تو آپ فرماتے نحن لا مقام لنا لانا من اھل یثرب وقال اللہ تعالیٰ یا اھل یثرب لا مقام لکم یعنی ہمارے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم باشندۂ یثرب ہیں اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اے یثرب کے باشندو! تمہارے واسطے کوئی مقام نہیں ہے گویا آپ اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

شیخ ابراہیم کردی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قشاشی نے اپنی مجلس میں ذیل کی حدیث کا ذکر کیا کہ ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد ومحمد ان ثلثة! شیخ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہی میں سمجھ گیا کہ خدا تعالےٰ مجھے تین فرزند عطا کرے گا جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہو گا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے خیال ہوا کہ اگر ایسا ہوا تو ایک دوسرے سے کس نوعیت کے ساتھ مستثنیٰ وممتاز ہو گا۔ شیخ قشاشی نے اپنے باطنی اشراق سے فوراً میرا خیال تاڑ لیا اور فرمایا تکنی احدھم ابا سعید والثانی ابا الحسن والثانی اباطاھر یعنی تم ایک کی کنیت ابوسعید دوسرے کی ابوالحسن تیسرے کی ابوطاہر رکھنا۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد یہی صورت متحقق ہوئی۔

شیخ قشاشی کے عادات واخلاق بالکل سادہ اور بناوٹ سے بری تھے آپ کا طرز معاشرت نہ تو فقہائے زمانہ کے طور پر تھا نہ زاہدان خشک کی وضع پر بلکہ توسط اور بے تکلفی کے طریقہ پر تھا جو عین سنت کا منشا ہے۔ آپ امراء کے مکان پر جانا ہمیشہ معیوب جانتے تھے۔ ہاں اگر وہ خود در دولت پر حاضر ہوتے تو نہایت خوش خوئی اور عام اخلاق سے پیش آتے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے قدر ومنزلت کے مطابق برتاؤ کرتے پھر کریم قوم کا اور بھی خصوصیت کے ساتھ اکرام واعزاز کرتے اور امر معروف کی تبلیغ نہایت نرمی ودلجوئی کے ساتھ انجام کو پہنچاتے جو لوگ آپ کی

زیارت کا اعزاز حاصل کرتے انہیں نصیحت سے خالی نہ رکھتے۔

شیخ عیسے مغربی کا قول ہے ماخرجت من عند القشاشی قط الا و الدنیا فی عینی احقر من کل حقیر و نفسی اذل من کل ذلیل و لو تکرر دخولی علیہ مرات ط یعنی میں جب قشاشی کی مجلس کو چھوڑ کر باہر آیا تو میری آنکھ میں دنیا ہر حقیر چیز سے زیادہ حقیر معلوم ہوئی اور میں نے اپنے نفس کو ہر ذلیل چیز سے زیادہ ذلیل دیکھا اگرچہ میں ایک دن میں چند مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا مگر وہاں سے نکلتے وقت میری یہی کیفیت ہوئی

شیخ احمد قشاشی نے جس وقت دنیا سے منہ موڑ کر سفر آخرت قبول کیا ہے تو اس وقت ۱۰۷۱ھ ذیحجہ کی انیسویں تاریخ تھی۔

سید عبدالرحمان ادریسی مشہور بہ محجوب

سید عبدالرحمن ادریسی

آپ کی ولادت موضع کنا ئرمیں ہوئی جو بلاد مغرب میں ایک نہایت معمور اور پر فضا مقام ہے جب یہ زندگی کے ابتدائی مرحلے طے کر چکے تو بلاد مغرب اور مصر و روم و شام میں مدتوں تک سیر و سیاحت اور تعلیم علوم میں زندگی بسر کی کیونکہ ان دنوں میں پرائیویٹ درسگاہوں کے علاوہ بڑے بڑے مدرسے ان ہی شہروں میں قائم تھے بعد ازاں حرمین میں آگئے اور سالہا سال تک مجاور رہے لیکن پھر لوگوں کی زبانی یہ جملہ سن کر کہ

یعنی ملک یمن میں اولیاء اللہ اس قدر پیدا ہوتے ہیں جس قدر زمین میں گھاس اُگتے ہیں" اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے یمن میں تشریف لے گئے اور وہاں رنگین صحبتیں اور عجیب و غریب وقائع پیش آئے جب ایک مدت تک یمن میں زندگی بسر کر چکے اور مختلف اولیاء اللہ کی صحبتوں سے فیض یاب ہو چکے تو پھر مکہ میں چلے آئے۔ اور اب سے یہیں رہنا اختیار کیا جمہور اہل مکہ آپ سے مستفید ہوئے اور بہت لوگوں نے خرقہ صوفیہ حاصل کیا اکثر مکہ کے باشندے آپ کی کرامات اور باطنی تصرفات کے بے شمار دلچسپ واقعات بیان کرتے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے شیخ زین العابدین شافعی مفتی مدینہ اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ کے شریف کو کوئی سخت ضرورت پیش آئی چونکہ

اس زمانہ میں سید عبدالرحمٰن مجوب کا ستارہ شہرت اوج عروج پر چمک رہا تھا۔ اور اقبال و کمال کا آفتاب پوری ترقی پر پہنچ گیا تھا۔ اس لیے اس نے آپ کی طرف رجوع کی اور ہمت و دعا کی استدعا پیش کی سید نے تھوڑی دیر جیب تفکر میں سر ڈالا ازاں بعد فرمایا کہ مکہ کے محلوں میں سے فلاں مشہور محلہ میں ایک اس قسم کا گھر ہے شریف مکہ وہاں جائیے اور بقدر ضرورت مال لے کر باقی نہایت احتیاط سے چھوڑ دے چنانچہ لوگ فی الحال اس محلہ میں پہنچے اور بزرگ سید کے بتائے ہوئے مکان میں داخل ہوتے دیکھتے ہیں کہ اشرفیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں گویا سارا مکان سونے سے پٹا پڑا ہوا ہے شریف مکہ نے اس میں سے صرف بیس ہزار اشرفیاں لے لیں اور باقی صندوقوں میں بند کر کے مہر لگادی۔ سید عبدالرحمٰن نے شریف مکہ کو اجازت دی کہ ان اشرفیوں کو بلا تامل اپنی ضرورتوں میں صرف کرے۔ لیکن اس کے بعد شریف مکہ کی نیت بدل گئی اور اس نے باقی دولت کو بھی تصرف میں لانا چاہا مگر پھر تو نہ اس گھر ہی کا پتہ پایا نہ مال و دولت ہی کا سراغ چلا اس سے خود شریف مکہ اور اس کے اعوان و انصار سخت حیرت زدہ ہوئے اور سید سے دریافت کیا کہ اس میں کیا بھید تھا فرمایا ایرانیوں میں ایک متمول اور صاحب ثروت شخص اپنے شہر میں مر گیا تھا۔ اور اس کا کوئی جائز وارث نہ تھا میں نے تصرف کیا اور اس کا گھر مکہ میں کھینچ لیا اسی میں سے تمہیں بیس ہزار اشرفیاں ہاتھ لگیں اور حاجت رفع ہونے کے بعد وہ مکان پھر اپنی جگہ چلا گیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید عبدالرحمٰن مجوب۔ سید احمد بن علوان کی مرقد انور کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں متنبہ کیا کہ سید عبدالرحمٰن میری زیارت کو آتے ہیں تو کل فلاں مقام پر ان کا استقبال کیجیو اور انتہا سے زیادہ تعظیم و تکریم بجا لائیو۔ چنانچہ خادم اپنے آقا کا یہ اشارہ پاتے ہی شہر کے باہر استقبال کے لیے گیا۔ لیکن باوجود تلاش و تحقیق کے سید عبدالرحمٰن مجوب کا کہیں پتا نہیں چلا انجام کار یاوس و ناامید ہو کر لوٹ آیا یہاں آکر دیکھتا ہے کہ محترم سید قبر کے قبہ میں تشریف رکھتے ہیں چونکہ قبہ کے کواڑ بند تھے اور کنجی خادم کے پاس تھی اس لیے اُسے تعجب اور تعجب کے ساتھ سخت حیرت ہوئی۔

قطع نظر اس کے سید عبدالرحمٰن مجوب حفظ حدیث اور کثرت روایات میں

ماہرین فن کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ معرفت رجال انتخاب اسناد اور حفظ اصول میں اجتہاد کا مرتبہ رکھتے اور نقل اخبار اور ضبط آثار میں انتہا درجہ کی قابلیت رکھتے تھے۔ پھر صرف حدیث و آثار ہی کے عالم نہ تھے بلکہ علم سیر اور ادب میں بھی کماحقہ مہارت رکھتے تھے۔ فصاحت و بلاغت اور خوش بیانی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ علماء مصر و شام سے مختلف علوم حاصل کئے تھے اور مکہ کے باشندوں کی گودیاں اپنے فیض سے بھر دی تھیں۔

الغرض جس طرح سید عبدالرحمٰن کمالات باطنہ سے موصوف تھے اسی طرح کمالات ظاہرہ بھی بدرجہ کمال رکھتے تھے آپ کی سخاوت و فیاضی تمام عرب میں مشہور تھی صبح سے شام تک آپ کے دستر خوان پر ایک جم غفیر آمد و شد کرتا تھا اور آپ ہر شخص کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی اور عام اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ممالک اسلام سے نہایت قیمتی اور وزنی ہدایا آتے اور آپ فوراً فقراء پر صرف کرتے۔ تقریباً دو سو غلاموں کے سر پر آزادی کا تاج رکھا۔ اور ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا آپ کی نیک خلقی اور شیریں گفتاری کا یہ بدیہی نتیجہ تھا کہ جو شخص آپ کے پاس نشست کرتا مدت العمر تک مفارقت دوست نہیں رکھتا۔ آپ اس درجہ عاقل اور قوی الفطانتہ تھے کہ جو شخص ایک مرتبہ آپ سے ملاقات کرتا اگر چہ موسم حج ہی میں کرتا اسے جب دیکھتے فوراً پہچان لیتے جو لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے ہر ایک کو اس کی استعداد کے موافق وجوہ خیر کے دلائل پیش کرتے اور ورد و تلاوت اور استغفار کا حکم فرماتے۔ لیکن جس میں قابلیت و استعداد کا مادہ ملاحظہ کرتے اسے کلام صوفیہ کا مطالعہ کرنے اور ان سے اعتقاد ظاہر کرنے کا ارشاد فرماتے خاص کر شیخ ابن عربی قدس سرہ کی جانب رغبت دلاتے۔

شمس الدین محمد بن علاء بابلی

شمس الدین محمد بن علاء بابلی

یہ بزرگوار حافظ حدیث تھے اور علوم حدیث میں اعلیٰ درجہ کا تبحر رکھتے تھے اپنے زمانہ میں مصر و حرمین کے استاد مشہور تھے اور مشاہیر محدثین میں سگنے جاتے تھے۔ ان کے نورانی چہرہ پر

عظمت وجلال برستا تھا اور اس شان وشوکت سے چلتے تھے جس سے دیکھنے والوں پر عظمت نما ہیبت طاری ہوتی تھی۔ طرز معاشرت نہایت عمدہ اور پاکیزہ تھا۔ جودت فہم عقل و دانائی فراست وفطانت دیانت وصیانت میں عدیم المثال اور تواضع وخوش خلقی میں ضرب المثل تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ابتدائی عمر میں شب قدر کی برکت حاصل کی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب وغریب آثار محسوس کر کے جناب الٰہی میں دعا کی تھی کہ خداوندا مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہم پلہ کر دے۔ خدا تعالےٰ نے شمس الدین کی دعا کو سن لیا اور انہیں علمی تبحر میں شیخ ابن حجر کے ہم پلہ کر دیا۔ صحیح بخاری اور مؤطا اور حدیث کی تمام کتابیں سالم سے پڑھیں اور سنن حدیث کے پھلے پھولے باغ میں ایک نئی تازگی بخشی۔

شمس الدین بابلی کی طبیعت کو علم حدیث سے ایک خاص مناسبت تھی۔ اس لیے انہیں اس شریف علم میں ایک نئی طرح کی لذت حاصل ہوتی تھی۔ تمام وقت حدیث کی نقل و تحریر میں صرف کر دیتے اور اسناد و حدیث کو ضبط کرتے رہتے تھے۔ حدیث میں اس درجہ محویت اور استغراق پیدا ہو گیا تھا کہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ایک جزو حدیث کا اپنے پاس رکھتے اور ہر وقت اس کے مطالعہ میں غرق رہتے۔ شیخ عیسےٰ مغربی نے آپ کی تمام مرویات اور اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے جس کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر متاخرین کے لیے کوئی اصل اور سند ہے تو بجز اس کے اور کوئی نہیں۔

آپ نے تالیف وتصنیف کی غایت وسبب میں ایک نہایت ہی قیمتی آرٹیکل دیا ہے جسے میں اس مقام پر بجنسہٖ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

لا یؤلف احد تالیفا الا فی احد اقسام سبعة اما ان[1] یؤلف فی شئ لم یسبق الیه احد او شئ[2] ناقص یتممه او شئ[3] مغلق یشرحه او[4] طویل یختصره دون ان یخل من معانیه بشئ او[5] شئ مختلط یرتبه او شئ[6] اخطاء فیه مصنف قبله او شئ[7] متفرق یجمعه والا کان اضاعة الوقت ؛

یعنی تالیف کی غایت ذیل کے سات وجوہ واسباب میں سے ایک وجہ اور سبب ہونا چاہیے۔ ورنہ تضیع وقت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ایک یہ کہ کوئی ایسی چیز

تالیف و ترتیب کے قالب میں ڈھالے جس کی طرف کسی کا ذہن اس سے پیشتر دوڑا نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کوئی بات ناقص ہو جس کی اسے تکمیل منظور ہو۔ تیسرے یہ کہ کوئی شے مغلق ہو اور یہ اس کی تشریح و توضیح کے درپے ہو۔ چوتھے یہ کہ وہ زیادہ طول طویل ہو جسے یہ مختصر پیرایہ میں لانا چاہتا ہو۔ لیکن معانی کے حل اور مطالب کی تفسیر کی طرف مائل نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ کوئی چیز مختلط اور غیر ممتاز ہو اور یہ اُسے ترتیب سے آراستہ کرنا چاہتا۔ چھٹے یہ کہ اس میں پیشتر سے مصنف نے غلطی کی ہو جس کے اظہار میں اس نے قلم اٹھایا ہو۔ ساتویں یہ کہ وہ پریشان و پراگندہ بیان ہو۔ جسے یہ ایک جگہ جمع کرنا چاہتا ہو۔ شمس الدین بابلی کو خدا تعالےٰ نے وہ عظمت و جلال اور بزرگی و فضیلت عنایت کی تھی کہ سلاطین یورپ اور شرفاء عرب اور امراء مصر و شام کی گردنیں آپ کے آگے جھکتیں تھیں اور وہ کمال اقتدار و اعزاز کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپ کے در دولت پر حاضر ہونے کو اپنا فخر سمجھتے اور قدمبوسی کو سعادت ابدی خیال کرتے تھے بادشاہان عرب اور شرفاء مکہ کو جب کوئی مہم پیش آتی تو آپ سے ہمت و دعا کے طالب ہوتے اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

حدیث کی درس اور اشاعت کے علاوہ آپ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور تدبر معانی اور نہایت غور و خوض کے ساتھ ایک معین حصّہ کی روزانہ قرأت کرتے۔ آپ نے ۱۰۷۷ھ ہجری میں دنیا ناپائدار سے سفر کیا اور جنت الفردوس میں خداوندی مہمانی قبول کی۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی یہ مشہور فاضل مغرب میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پایا قرآن مجید اور علوم متعارفہ کے چند متون یہیں کے علماء و فضلاء سے پڑھے جب عمر کے پندرہ مرحلے طے کر چکے تو جزائر میں پہنچے۔ اور سجلماسی کی صحبت میں دس سال سے زیادہ رہے اس صحبت میں آپ کو اکثر علوم میں تبحر حاصل ہو گیا اور ہر علم و فن میں تھوڑی شہرت حاصل کر لی ازاں بعد علماء قسطنطنیہ اور فضلاء مصر و حرمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشاہیر محدثین سے روائتیں کیں اس کے

بعد آپ نے مکہ میں توطن اختیار کر لیا۔

شیخ عیسیٰ کی تصنیفات سے ایک معجم ہے بمقالید الاسانید ہے جو نہایت ہی قیمتی اور وزنی کتاب ہے اور جس کی نظیر دنیا میں بمشکل مل سکتی ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے شیخ کی لیاقت وقابلیت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم حدیث میں کس درجہ کا پایا رکھتے تھے اور علم حدیث کو کس عروج پر پہنچا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اہل حرمین نے آپ کو اپنا امام و مقتدا تسلیم کر لیا تھا۔ اور شیخ الوقت کا معزز و وزنی خطاب دیا تھا۔ آپ کی درسگاہ میں عراق ومصر اور شام وغیرہ کے لوگ ہمیشہ حاضر ہوتے اور آپ کے تبحر وسعت نظر خداداد حافظہ پر عش عش کرتے۔

سید عمر نے جو شیخ عیسےٰ کی نسبت مختصر الفاظ میں ریمارک کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک ایسے درجے کے شخص تھے جن کے فضل و کمال میں کوئی شخص اس وقت برابری کا دعوےٰ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں یعنی جو شخص

کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کی ولایت میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا اُسے شیخ عیسےٰ کو دیکھنا چاہیئے اسی طرح سید محمد بن علوی آپ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ

شیخ عیسےٰ جس طرح علمی فضائل میں ضرب المثل اور مشہور تھے۔ اسی طرح عادات واخلاق میں بھی بے نظیر تھے آپ میں جس قدر نیکیاں اور خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے شخص کو اس زمانہ میں نصیب نہیں ہوئیں۔ کوئی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی اور حضور جماعت پر مداومت ومواظبت رہی کثرت طواف صیام نہار قیام شب میں پلے درجہ کے حریص تھے۔ باوجود اس عالمانہ تزک واحتشام کے تکلف و تعصب نام کو نہ تھا۔ اخلاق میں جو وسعت اور عموم تھا آج اس کی نظیر سے تمام علماء وفضلاء کے حلقے خالی ہیں۔ تمام امور میں متوسط اور درمیانی راہ تھی آپ کو ننگ و ناموس میں اس درجہ مبالغہ تھا نہ تساہل۔ علاوہ ان تمام باتوں کے آپ نے بہت سے مشائخ کبار سے ارتباط پیدا کر لیا تھا۔ لیکن انجام کار طریقۂ شاذلیہ اختیار کر لیا اور آخر عمر تک اسی طریقہ کی طرف طبیعت کا

میلان رہا۔

شیخ عیسٰے نے فقہ حنفی کے مطابق ایک مسند بھی تالیف کی تھی۔ جس میں فقہی روایات کی تائید میں متصل حدیثیں بیان کی ہیں اور جس سے ان لوگوں کے زعم کا بطلان بخوبی واضح ہوتا ہے جو اس بات کے مدعی ہیں کہ حدیث متصل کا سلسلہ آج بالکل منقطع ہو گیا ہے۔ آپ نے سنہ ۱۰۸۰ھ میں دنیا سے انتقال کیا اور روضۂ رضوان میں تشریف لے گئے۔

شیخ ابراہیم کردی مدنی قدس سرہٗ

یہ بزرگوار علاوہ مذہبی تقدس کے دنیاوی شان و شوکت بھی بہت کچھ رکھتے تھے بڑے بڑے مشہور فاضل فن حدیث میں آپ کے شاگرد تھے اور فقہ شافعی میں بھی پہلے درجہ کا کمال حاصل تھا علمائے حرمین شریفین میں پیشوائے مذہبی تسلیم کیے گئے تھے اور مصر و شام کے فضلاء امام وقت اور مقتدائے عصر کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ علم حدیث و عربیت میں ید طولےٰ رکھتے اور آپ کے فنون رسمیہ معراج کمال پر ترقی کر گئے تھے۔ ہر فن میں بیش قیمت اور وزنی تصانیف رکھتے تھے۔ اسی لیاقت اور پولٹیکل قابلیت کا یہ بدیہی نتیجہ تھا۔ کہ اس عہد کے بچہ بچہ کی زبان پر نہایت وقعت و عظمت کے ساتھ آپ کا نام جاری تھا اور علماء و فضلاء کے حلقوں میں آپ کی انتہا سے زیادہ مدح سرائی کی جاتی تھی۔

اپنے والد بزرگوار کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں آپ نے علم کی تحصیل کی اور اپنے ہی بلاد میں تمام علوم سے فراغت کر لی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حج کے قصد سے سفر اختیار کیا۔ اور دو سال کے قریب شہر بغداد میں سکونت رکھی جو اس وقت مختلف علوم کا مرکز تھا اور جہاں ہر قسم کے اہل و کمال اور علماء و فضلاء اور مشائخ موجود تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ شیخ ابراہیم دو سال تک یہاں ٹھہرے کیونکہ اس زمانہ میں بجز اس شہر کے اکتساب کمالات کے لیے کوئی اور موقع اہل علم کے حق میں نہ تھا جس زمانہ تک آپ بغداد میں فروکش رہے اس عہد میں اکثر اوقات سید عبدالقادر قدس سرہٗ کی مزار اقدس پر متوجہ ہوتے رہے اور یہیں سے

آپ کو اس راہ کا ذوق شوق پیدا ہوا۔

دو سال کے بعد بغداد کو خدا حافظ کہا اور ملک شام میں چار سال تک سکونت پذیر رہے۔ ازاں بعد مصر پر گذرتے ہوئے حرمین میں تشریف لاتے اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی۔ شیخ ابراہیم کو شیخ قشاشی سے اور قشاشی کو ان سے ایک خصوصیت عجیب پیدا ہو گئی اور شیخ ابراہیم نے بہت تھوڑے عرصہ میں انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا خرقہ صوفیہ حاصل کیا اور حدیثیں روایت کیں اور ان کی صحبت میں کمالات علمیہ پر ترقی کی۔ عربی اور کردی زبان کے علاوہ فارسی اور ترکی بھی خوب جانتے تھے۔ اور ان زبانوں میں ایسی سہولت اور بے تکلفی کے ساتھ تقریر کرتے تھے جسے سن کر زبان داں لوگ حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔

شیخ ابراہیم علمی تبحر اور فضل و کمال میں اعلے درجہ کی شہرت رکھتے تھے۔ اور فہم و فراست زہد و تواضع صبر و حلم میں ضرب المثل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں آپ ملک شام میں مقیم تھے ایک دن شیخ محی الدین بن عربی کے روضہ متبرکہ کی طرف اس نیت سے متوجہ ہوئے کہ اس وقت سفر کا عزم بہتر ہے کہ نہیں آپ واقعہ میں دیکھتے ہیں کہ جناب شیخ محی الدین ان کے جوتے کی غبار کو جھاڑ رہے ہیں۔ شیخ ابراہیم نے معلوم کر لیا کہ آپ اقامت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ دولت عثمانیہ کے وارث تخت و تاج کا اتالیق جسے اس طرف کے لوگ خوجہ کے نام سے پکارتے تھے ایک دفعہ مدینہ طیبہ کی زیارت کو آیا اور بڑے شان و شوکت سے آیا۔ جب شیخ ابراہیم کے عظمت و جبروت کا شہرہ سنا تو علماء و مشائخ نیز ارکان دولت عثمانیہ کے جم غفیر کو ہمراہ لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ملاقات کے بعد شیخ سے عرض کیا کہ میں نے ملک شام میں ایک آشکارا بدعت دیکھی جس کے مٹانے اور قلع و قمع کرنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ کیا بدعت تھی جواب دیا کہ لوگ مسجدوں میں ذکر جہر کرتے تھے۔ میں نے اس کی ممانعت کر دی شیخ نے نہایت بے خوفی سے ایک بدیہانہ لہجہ میں یہ آیت پڑھی ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا۔ شیخ کی اس بے دھڑک تقریر نے خوجہ کے چہرہ میں ایک فوری تغیر

پیدا کر دیا۔ اور اُسے آپ کی اس بے خوف گفتگو سے سخت ملال ہوا فقہ حنفی کی بعض نقلیں اور روایتیں جو فتاوی قاضی خاں وغیرہ سے مستنبط کی گئی تھیں جیب میں سے نکال کر شیخ کے ہاتھ میں دے دیں اور کہا انہیں ملاحظہ کیجئے۔ شیخ کی زبان بڑے بڑے مناظروں میں کبھی نہیں رکتی تھی۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اگر تم صرف تقلید کی بنا پر گفتگو کرتے ہو تو میرا خطاب تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میں ایک اور شخص کا مقلد ہوں اور تم کسی اور شخص کے تمہارے استدلال و حجت سے میں ملزم نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تحقیق کی رو سے اس مسئلہ کی تنقیح و توضیح چاہتے ہو تو بسم اللہ بندہ حاضر ہے۔ شیخ کے اس پر مغز اور عاقلانہ جواب سے خوجہ شرمندہ ہو کر چپ رہا اور نہایت منغص و مکدر ہو کر مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ نے اسی زمانہ میں ایک بڑے زور کا رسالہ تحریر کیا جس کا نام حافظہ رکھا اور جس میں خوجہ کے شبہات و شکوک کے قاطع جواب ذکر فرمائے۔ شیخ کے جن عزیزوں نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھا تھا شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ خوجہ دولت عثمانیہ کا ایک معزز و ممتاز شخص ہے اور اس کی دربار عالیہ میں بہت بڑی عزت ہوتی ہے خود شہنشاہ روم اس کی تعظیم دیتا اور کمال قدردانی سے اپنے برابر تخت پر جگہ دیتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ قاضی القضاۃ کے درجہ پر ممتاز ہے وارث تخت و تاج کی اتالیقی کا معزز منصب رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے رد میں اس قدر مبالغہ کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ شیخ نے اپنے دوستوں کی یہ دلسوزی سے بھری ہوئی تقریر سن کر فرمایا کہ یہ سب کچھ صحیح ہے مگر میں آزادی اور حق گوئی کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ دوں گا۔ گو اس میں مجھے کسی قسم کا دنیاوی صدمہ ہی کیوں نہ پہنچے۔

مثل مشہور ہے کہ سچ کو آنچ نہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کلمۃ الحق یعلو ولا یعلیٰ!

چونکہ شیخ صاحب کو صرف احقاق حق منظور تھا اور اس کے علاوہ کوئی غرض و تعصب پیش نظر نہ تھی خود خوجہ اور اس کے احباب نے اس رسالہ کو دیکھ کر ایک بات بھی منہ سے نہیں نکالی اور شیخ کے زور تحریر علمی تبحر سے حیرت زدہ ہو گئے اور آپ کی خداداد فہم و فراست پر عش عش کرنے لگے اس وقت یہ مشہور قول بالکل صحت کے درجہ کو پہنچ گیا کہ حق کو کسی جگہ زوال نہیں ہوتا گو چند روز کے لیے جھوٹ چمک اُٹھتا ہے اور ظاہر بینوں کو نظر پڑتا ہے کہ اس چمک میں سچائی و راستی کی جھلک نمودار ہے۔ لیکن

انہیں بعد کو خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ ناحق کو فنا اور حق کو بقا ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ قرآن مقدس کے ایک مقام پر یوں ارشاد فرماتا ہے کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔

شیخ ابوطاہر یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلی ایک دفعہ بڑی شان و شوکت سے حرمین میں آئے اور شیخ ابراہیم صاحب سے بڑی تپاک سے ملاقات کی ازاں بعد روم کی جانب روانہ ہوئے شاہ روم کا وزیر السلطنت جو باوجود حکومت کی شان و شوکت کے پیشوائے مذہبی تسلیم کیا جاتا اور حدیث و فقہ میں اعلےٰ درجہ کی قابلیت رکھتا تھا۔ شیخ ابراہیم صاحب کا سخت معتقد تھا یہ جس طرح حدیث و فقہ میں بے نظیر تھا۔ اسی طرح ادب و عقائد میں بھی کمال رکھتا تھا اور اسی قابلیت کا یہ نتیجہ تھا کہ معمولی عہدہ سے وزارت اعظم کے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ جب شیخ یحییٰ شاذلی وزیر السلطنۃ سے ملاقات کرنے گئے تو اس نے کہا کیف وجدت شیخنا ابراھیم! یعنی تو نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسا پایا بد قسمت یحییٰ نے جواب دیا وجدتہ مجسما! یحیےٰ کا یہ دل آزار جواب سن کر وزیر السلطنۃ غصہ میں بھڑک اٹھا اور نہایت تحقیر و توہین کے بعد مجلس سے نکال دیا اس واقعہ کے بعد شیخ یحییٰ شاذلی کو جناب شیخ ابراہیم سے رنج بڑھ گیا اور ان کے ایذا کے قصد سے پھر حرمین میں آنا چاہا۔ لوگوں نے یہ قصہ شیخ سے نقل کیا اور کہا کہ وہ آپ کے ہلاکت کے درپے ہے اسی ارادہ سے دوبارہ حرمین میں آنا چاہا۔ لوگوں نے یہ قصہ شیخ سے نقل کیا اور کہا کہ وہ آپ کے ہلاکت کے درپے ہے۔ اسی ارادہ سے دوبارہ حرمین میں آتا ہے۔ بزرگ شیخ نے نہایت استقلال کے لہجہ میں فرمایا کہ یحبسہ حابس الفیل ! یعنی جس نے اصحاب فیل کو دنیا سے مٹا دیا اور اپنے مقدس گھر میں آنے سے روک دیا وہی اس کی بھی مزاحمت کرے گا۔ چنانچہ جب شیخ یحیےٰ شاذلی طور کے متصل پہنچا تو دفعۃً بیمار پڑ گیا۔ اور چند روز مبتلا رہ کر وفات کر گیا۔

شیخ ابراہیم کے اخلاق نہایت عام اور وسیع تھے اور طرز معاشرت بہت ہی اچھا تھا کھانے اور لباس میں تکلف اور بناوٹ کو مطلق دخل نہ تھا۔ البتہ بڑے عمامے اور لمبی آستینوں سے نفرت رکھتے تھے۔ نخوت تمرفع۔ کم بینی نام کو نہ تھی۔ مروت و

سخاوت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خوش خلقی کی عادت آپ کی طبیعت ثانی ہو گئی تھی۔ عاجز دستمند شکستہ حال و غریب الدیار لوگوں کے ساتھ سلوک سے پیش آتے تھے خدا پرستی، حلم، تواضع اور بے ریا سخاوت میں اس زمانہ میں کوئی آپ کا دعوے دار نہ تھا۔ عفو، ترحم اور خاکساری اعتدال سے بڑھ کر تھی ایک مؤرخ آپ کی فیاضی اور بے ریا سخاوت پر یوں ریمارک کرتا ہے کہ کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ !

"علماء و طلبہ اور ندماء میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو شیخ کی سخاوت عام سے محروم رہا ہو حقیقت میں شیخ ان کے حق میں ابر رحمت تھے جس کی ہمیشہ فیاضی کی بارش ہوا کرتی تھی"

عبداللہ عیاشی نے مختصر لفظوں میں آپ کی مجلس کی یہ تعریف کی ہے کہ کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ ! یعنی شیخ ابراہیم کی مجلس جنت کے باغوں میں سے ایک پھلا پھولا اور تازگی بخش باغ تھا۔

جب آپ مسائل حکمت کی تقریر کرتے قرآن کے تحت میں حقائق صوفیہ بیان کیا کرتے اور کلام صوفیہ کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے ۔ لو کان الفلاسفۃ قاربوا عشوا علی الحق ولم یھتدوا الیہ ! آپ کا انتقال ۱۰۸۲ھ میں ہوا۔ چنانچہ ایک فرید عصر اور ادیب زمانہ نے آپ کی تاریخ وفات ان جملوں سے نکالی ہے۔

شیخ حسن عجمی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگوار شیخ الحدیث اور جامع فنون تھے جودت فہم ذہانت و طباعی فصاحت و بلاغت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ایک زمانہ تک شیخ عیسیٰ مغربی سے تحصیل علوم کی اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا شیخ عیسیٰ مغربی کے علاوہ اور بہت سے ماہرین فن اور ائمہ وقت کے خدمت میں رہے۔ شیخ احمد قشاشی۔ شیخ محمد بن العلاء بابلی شیخ زین العابدین ابن عبدالقادر طبری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں اور صحبت سے مستفید ہوئے۔ علم حدیث و فقہ اور مغازی و سیر میں بہت بڑی قابلیت رکھتے تھے آپ کا ذہن و حافظہ ایسا وسیع تھا جس کی تعریف شیخ زین العابدین جیسے علامہ اور فرزانۂ روزگار

نے نہایت وزنی الفاظ میں کیا کرتے تھے جو شافعیہ کے مفتی اور ان کے ایک نہایت معزز و مقتدر امام تھے۔

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری وغیرہ سے ملاقات کی تھی اور دعوت اسماء میں انتہا سے زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ حنفی المذہب تھے اور تمام باتوں میں فقہ حنفی پر عمل کرتے تھے۔ لیکن سفر کی حالت میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھا کرتے تھے اور اقتدا کی صورت میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ آپ ہم لوگوں کو تاکیدی حکم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں پر تنگی جائز نہ رکھو اور بعض ان رخصتی مسائل کا حکم کرو جن کی اجازت علماء حنفیہ نے دی ہے تاکہ وہ نہایت سہولت و آسانی کے ساتھ نماز ادا کر سکیں۔

شیخ ابوطاہر یہ بھی ذکر کیا کرتے تھے کہ لم یکن سیدی حسن العجمی بجمیل وکانت فی عینہ ھنۃ وکان مع ذالک اذا اقرأ الحدیث یری علی وجھہ الانوار وصار کاجمل من یری فی الدنیا وذالک من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبدا الحدیث!

یعنی میرے استاد شیخ حسن عجمی کا منات حسن کے لب لباب اور چنداں خوبصورت نہ تھے بلکہ ان کی آنکھ میں ایک عیب بھی تھا لیکن یہ نہ صرف تعجب بلکہ حیرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ جب آپ حدیث پڑھنا شروع کرتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا چہرہ پر انوار برس رہے ہیں اور اس وقت دنیا بھر سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے تھے غالباً یہ اس حدیث کا اثر معلوم ہوتا ہے جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے کہ نضر اللہ عبدا سمع مقالتی و دعاء! یعنے خدا تعالےٰ اس بندہ کے چہرہ کو تر و تازہ رکھے جو میری حدیث کو سنتا اور یاد رکھتا ہے۔

شیخ حسن عجمی نے ایک رسالہ بھی تالیف کیا ہے جس میں اپنی تمام اسانید کو ضبط کر دیا ہے اور جس سے آپ کے علمی تبحر کی قوت اور خداداد قابلیت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر صحاح ستہ میں سے ایک کتاب بطریق سرد[1] ختم کرتے

---

[1] واضح ہو کہ علماء حرمین کے نزدیک کتب حدیث کے درس کے تین طریقے ہیں ایک طریق سرد اور وہ

تھے۔ اہل مدینہ آپ سے حدیثیں روایت کرتے تھے اور مجلس درس میں شیخ ابوطاہر قاری ہوتے تھے۔ اگر کوئی دوسرا شخص قرارت کرتا تو آپ اس سے خوش نہ ہوتے۔

(بقیہ حاشیہ) یہ ہے کہ شیخ خواہ سامع ہو یا قاری کتاب کی تلاوت اس طرح کرے کہ اثنارِ قرارت میں نہ تو مباحث لغویہ کا ذکر چھیڑے نہ مسائل فقہیہ کو متفرع کرے۔ اسمارِ رجال کی تحقیقات کرے نہ کلمات غریبہ کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہو دوسرے۔ دوسرا طریق۔ بحث و حل ہے وہ یہ کہ ایک حدیث کی تلاوت کے بعد شیخ ہر لفظ غریب اور مشکل ترکیب اور قبل الورود اور ظاہر الورود و سوال اور منصوص علیہا مسائل پر توقف کرے اور ان تمام باتوں کو متوسط تقریر سے حل کرے جب ایک حدیث کے متعلق یہ تمام مراتب طے ہو لیں تو آگے بڑھے اور دوسری حدیث پڑھنے کے بعد ان تمام امور کی رعایت کرے وعلی ہذا القیاس تیسرا طریق امعان و تعمق ہے اور وہ یہ ہے کہ شیخ ہر ہر کلمہ کے مناسبات و متعلقات اور ما اداہا علیہا کو بڑی بسط و شرح کے ساتھ بیان کرے مثلاً کسی غریب کلمہ اور مشکل ترکیب کے توضیح میں قدیم زمانہ کے شعراء کے کلام سے شواہدات پیش کرے ان کے استعمال کے مواقع و محال عمدہ طور پر ذکر کرے۔ اسمارِ رجال کی تحقیق میں اس قوم کے حالات اور اخلاق و عادات بالتفصیل بیان کرے۔ اور مسائل فقہیہ کی منصوص علیہا مسائل پر تفریع کرے اور ہر مسئلہ کی تخریج کی طرف بالتصریح اشارہ کرے اور ادنےٰ مناسبت کی وجہ سے عجیب و غریب قصے اور نادر و عبرت آمیز حکایتیں نقل کرے علماء حرمین محترمین میں یہ تینوں طریقے رائج ہیں اور محدثین کے گروہ میں یہ تمام مراتب دیکھے جاتے ہیں۔ شیخ حسن عجمی اور شیخ احمد قطان اور شیخ ابوطاہر وغیرہ کا مختار و پسندیدہ طریقہ سرد ہی ہے۔ لیکن نہ مبتدین اور عام لوگوں کے لیے بلکہ خاص متبحرین اور منتہیوں کی نسبت تاکہ سماع حدیث اور سلسلہ روایت جلد حاصل ہو اور باقی مباحث کا شروح حدیث میں مطالعہ کریں کیونکہ آج حدیث کا ضبط اور اس کا مدار علیہ شروع حدیث ہی ہیں۔ پھر اس مقام پر یہ بھی جاننا ضروریات سے ہے کہ محدث کے فرائض منصبی کیا ہیں۔ جب کوئی محدث حدیث پڑھانے میں مشغول ہو تو اول رجال سند کے ناموں کی تصحیح اور ان کے معرفت و ثوق کے بعد حالات و واقعات کی توضیح کرے پھر مختلف المعنی نیز ان حدیثوں کی تاویل میں مشغول ہو جن میں بلحاظ معنے چند احتمالوں کی گنجائش ہو ازاں بعد فروع فقہیہ اور اختلاف مذاہب فقہا اور مختلف روایات میں توفیق و تطبیق اور امعان و تعمق سے بعض حدیثوں

غرض کہ شیخ حسن عجمی اپنی خداداد قابلیت اور علم اخلاق کی وجہ سے تمام علماء حرمین محترمین میں عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور اہل مکہ ان کی بڑی تعظیم و توقیر سے پیش آتے تھے۔ دنیاوی اعزاز اور مذہبی تقدس میں اس سے بڑھ کر اور کیا درجہ ہو سکتا ہے کہ ایک مقدس و متبرک مقام کے متولیوں نے آپ کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کیا تھا اور امامت کا وزنی و قیمتی تاج آپ کے سر پر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے شرفاء عرب اور سلاطین عجم کی گردنیں آپ کے سامنے جھک جاتی تھیں۔

شیخ حسن عجمی کی بے مثل تواضع

یہ جاہ جلال اور عظمت و جبروت کے سین ہمیشہ شیخ حسن عجمی کے پیش نظر تھے لیکن باوجود اس شان و شوکت کے آپ کے مزاج میں غایت درجہ کا عجز و انکسار اور بے نظیر حلم و وقار تھا آپ اپنے مشائخ کی سنت خصوصیت کے ساتھ انتہا درجہ کی تواضع برتتے تھے۔ اور ان کی مراعات خاطر اور اعزاز و اقتدار میں پلے درجہ کی کوشش کرتے تھے جس زمانہ میں آپ کے عروج و ترقی کا ستارہ شہاب ثاقب بن کر خوب زور شور سے چمک رہا تھا اس وقت آپ نے اور بھی عجز و خاکساری اختیار کی تھی اور ادنے آدمیوں سے تواضع اور انکسار کے ساتھ پیش آتے تھے۔

شیخ حسن کا اپنے مشائخ کی نسبت احترام

مشائخ کے اعزاز و احترام کا یہ حال تھا کہ آپ ان کے سامنے گردن جھکائے بیٹھے رہتے تھے اور بجز کسی سخت ضرورت کے گفتگو کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ شیخ عیسےٰ مغربی کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اکثر علماء حرمین مجلس میں موجود تھے اور لوگ اپنے شبہات و شکوک

(بقیہ حاشیہ) کو بعض پر ترجیح وغیرہ کا اچھی طرح بیان کرے اس امت مرحومہ کے اوائل علماء اگرچہ ان امور کی طرف مشغول نہیں ہوتے تھے لیکن اب فقیہ اور متکلمین بہت کچھ خوض و غور کرتے ہیں۔ مگر ان کی یہ بحث اور خوض و فکر بالکل بے سود ہے کیونکہ آج تمام فنون کی شرحیں موجود ہیں اور مغلق حدیثوں کے حواشی بڑی آب و تاب کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں اور جب یہ ہے تو اب امور مذکورہ بالا کی نہایت چنداں ضروری نہیں رہی واللہ اعلم ۱۲ منہ

نمبر وار پیش کر رہے تھے۔ شیخ حسن عجمی نے بھی جسارت کر کے دریافت کیا کہ یاسیدی اذا کان للانسان شیخ فهل له ان یدخل علی شیخ آخر! یعنی اے سید جب آدمی کا ایک شیخ ہو تو کیا اُسے جائز ہے کہ دوسرے شیخ کا معتقد بن جائے۔ شیخ عیسےٰ مغربی نے جواب دیا کہ الاب واحد والاعمام شتیٰ! شیخ حسن عجمی کو یہ جواب سن کر دوبارہ دریافت کرنے اور اس جملہ کی تشریح کرانے کی جرأت نہ پڑی اور آپ بڑی خاموشی کے ساتھ سب کی باتیں سنتے رہے۔ حقیقت میں اہل مجلس کے لیے شیخ عیسیٰ مغربی کا جواب ایک پہیلی تھی جس کا بوجھنا سخت مشکل تھا۔ اکثر اہل مجلس نے چاہا کہ اس معمے کو حل کریں لیکن کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اس طلسم کی پردہ کشائی کرے انجام کار مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر اپنے مقاموں پر واپس جانے لگے۔ اس وقت اکثر مشائخ شیخ حسن عجمی کے پاس آئے اور اس معمے کو حل کرنا چاہا آپ نے بہت ہی مختصر لفظوں میں اس جملہ کی یوں تفسیر کی کہ شیخ اول کی قدر و منزلت جس کی وجہ سے انسان نے بیضہ بشریت سے خروج کر کے ملک اعلےٰ میں قدم رکھا ہے یہ نسبت اور مشائخ کے بہت کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ہمیشہ نیکی و بھلائی سے پیش آنا چاہیئے جس طرح اپنے حقیقی والد کے ساتھ پیش آتا ہے اور دوسرے مشائخ کے ساتھ وہ معاملہ برتتے جو اعمام کے ساتھ برتنا چاہیئے۔

شیخ حسن عجمی آخر عمر میں مکہ چلے آئے تھے اور یہیں توطن اختیار کر لیا تھا۔ طائف میں ایک مدت تک گوشہ نشین رہے اور اسی مقام پر انتقال فرمایا حضرت ابن عباس کی تربت کے متصل مدفون ہوئے۔ جس وقت آپ نے دنیا سے منہ موڑ کر سفر آخرت قبول کیا ہے اس وقت سنہ ۱۱۱۳ ہجری کا شروع تھا۔

شیخ احمد نخلی رحمتہ اللہ علیہ

آپ علم ظاہر و باطن دونوں کو جامع تھے اور بہت سے مشائخ طریقت اور علماء شریعت کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن محجوب سید محمد رومی۔ سید عبداللہ سقاف اور میر کلان بن میر کلان بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقہ صوفیہ زیب تن فرمایا محمد بن العلاء البابلی اور شیخ عیسےٰ مغربی کے علاوہ اور بہت سے ائمہ اور فضلاء

عصر سے حدیثیں روایت کیں۔ سماع بخاری اور مؤطا میں تسلسل روایت حاصل کیا۔ ابتدائے نشوونما کے زمانہ سے صلاحیت و دیانت اور علم و علماء کی محبت اور ان کے التزام صحبت اور مشائخ صوفیہ کے اعتقاد اور ان کے اعمال و اشغال سے متصف تھے۔ اکثر مشائخ حرمین کی صحبت میں زمانہ دراز تک مستفید رہے اور حرمین میں آمد و رشد کرنے والوں سے فیض یاب ہوئے۔ غرضکہ یہ بزرگوار مکہ معظمہ کے اعیان دولت اور روساء شہر میں ایک نہایت معزز و ممتاز شخص شمار کیے جاتے تھے اور برکت و استجابت دعوات میں مشہور و معروف تھے۔

شیخ عبدالرحمن نخلی فرزند شیخ احمد نخلی روایت کرتے ہیں کہ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ شیخ احمد نخلی کے والد کے ہاں کوئی فرزند زندہ نہ رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اندوہ و رنج میں گرفتار رہتے تھے اور کسی بات میں مزہ نہ آتا تھا لیکن جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو انہوں نے اکثر اہل اللہ سے مولود مسعود کی ترقی عمر کی استدعا کی اور استمداد و طلب ہمت میں انتہا سے زیادہ کوشش کی۔ شیخ احمد جب کسی قدر بڑے ہوئے تو ان کے والد بزرگوار ہمیشہ جمعہ کے روز شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ شیخ تاج رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ احمد سے دلی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ جب شیخ احمد آپ کی خدمت میں پہنچتے تو آپ انہیں اپنی آغوش محبت میں لے کر دست شفقت سر پر بار بار پھیرتے اور اپنے متبرک انفاس سے مالا مال کر کے واپس کرتے۔ اتفاق سے ایک روز شیخ احمد جوں ہی شیخ تاج کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی نظر مبارک ان کے چہرہ پڑی تو آپ دریائے تامل میں محو ہو گئے زاں بعد اس غلام سے کہلا بھیجا جو شیخ احمد کے ساتھ ہمراہ ہوتا تھا کہ ھذا الطفل لیس مثلک مثل ھو افضل واسعد منک غیر انہ لیس لہ من العمر الا الشیٔ القلیل۔ یعنی یہ ہونہار اور بلند اقبال لڑکا تم جیسا نہیں ہے بلکہ تم سے افضل اور زیادہ بختاور ہے لیکن مجھے سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی عمر بہت تھوڑی ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اب اس کی عمر طبعی ہو چکی ہے اور عنقریب خزاں کا وقت آیا چاہتا ہے جب غلام شیخ احمد کے والد بزرگوار کے پاس پہنچا اور حقیقت حال کا انکشاف کیا تو انہیں سخت رنج ہوا اور اسی وقت غلام سے فرمایا کہ تو بھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے یہ

التماس کرکہ یا سیدی انی اعطیت عمر ھذا الطفل وانی استشفع بک فی ھذا الامر!
یعنی اے سید میں اپنی عمر بخوشی اس لڑکے کو دیتا اور آپ کو
اس بارہ میں شفیع قرار دیتا ہوں۔ شیخ تاج نے جب یہ پیام سنا تو مراقبہ میں مشغول ہوئے
اور ایک ساعت کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ تمہاری نیت مقبول
ہوئی اور خدا تعالے نے میری دعا سن لی اب تمہیں صرف تین مہینے کی مہلت ہے۔ اس
مدت میں سفر آخرت کے لیے مستعد تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ شیخ احمد کے والد بزرگوار اسی
مدت میں عالم فانی سے انتقال کر گئے اور شیخ احمد نے زندگی کے نوّے مرحلے طے
کر کے سفر آخرت قبول کیا۔

شیخ عبدالرحمن ولد شیخ احمد نخلی نقل کرتے ہیں کہ معاملہ بیع وشرا اور داد وستد میں
میں اپنے والد بزرگوار کا وکیل تھا اور تمام دنیاوی معاملات ان کی طرف سے میں ہی کیا کرتا
تھا۔ لیکن جب شیخ کی عمر طبعی کا خاتمہ ہونے کو ہوا اور انتہا درجہ کا ضعف غالب آیا تو
مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا شیخ کی حیات کا پیمانہ دفعتہً لبریز ہو کر چھلک پڑے اور آپ
کے تمام قرضوں کا بار میرے گردن پر رہے اس لیے میں ایک دن شیخ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور قرض خواہوں کے مطالبہ کی شکایت پیش کی۔ اور عرض کیا مجھے خوف
ہے کہ اچانک کوئی حادثہ پیدا ہوا اور تمام دیون میرے ذمہ باقی رہ جائیں اور میرے
عزیز وقریب اس وکالت کا اعتبار نہ کریں۔ شیخ نے ایک نہایت خوش آیندہ تبسم
کے ساتھ فرمایا کہ برخوردار من تم اس خدشہ کو اپنے دل میں راہ نہ دو۔ مجھے کامل امید ہے
کہ تا وقتیکہ میں اپنے تمام قرضوں سے سبکدوشی حاصل نہ کر لوں اور میرے سارے دیون
ادا نہ ہو جائیں دنیا سے رخصت نہ ہوں میرا خیال ہے کہ جس رات کو کوئی قرضہ میرے
ذمہ باقی نہیں رہے گا وہی رات میری زندگی کی اخیر شب ہوگی۔ اور اسی رات میں میرا جام
حیات لبریز ہو کر چھلک جائے گا۔ شیخ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ اس کے بعد
جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو تمام قرضوں کی ادائیگی دفعتہً کر دی گئی اور جس
رات آپ کے ذمہ کسی کا قرض باقی نہیں رہا وہ ہی آپ کی عمر کی آخری شب تھی۔

شیخ احمد نخلی فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ۔ جناب شیخ علیئے بن کنعان
خلوتی تھے۔ جب انہوں نے مجھے طریقہ خلوتیہ کی اجازت دی تو مجھے مکہ معظمہ میں

علی رُوس الاشہاد اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اس طریقہ کے تمام پیروؤں سے میرے لیے خلافت کا معزز لقب حاصل کیا تا کہ تمام خلوتی میرے پاس جمع رہیں۔ اور نماز تہجد کے بعد ان اوراد و وظائف میں مشغول رہیں جو اس فرقہ میں رائج ہیں۔ شیخ عیسےٰ کی ان بے اندازہ مہربانیوں اور گراں بہا عنایتوں سے مجھے بے حد خوش ہونا چاہیئے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد میں ہمیشہ متردد رہا اور مجھ پر ایک بیماری غم کا لشکر ٹوٹ پڑا۔ کیونکہ ابتدا سے میرا میلان طبع طریقہ نقشبندیہ کی طرف تھا اور اسی طریقہ کو میں دوست رکھتا تھا مجھے اس وقت سب سے بڑی اور سخت مشکل کا سامنا یہ تھا کہ شیخ کی مخالفت نہ کر سکتا تھا اور ان کے خلاف ارشاد کسی کام کرنے کی مجال نہ تھی۔ آخر کار میں نے مجبور ہو کر جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب توجہ کی اور اسی سال روضہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوا۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پیشتر میں نے جناب نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ خلفاء اربعہ کی مختصر سی جماعت کو ساتھ لیے ہوئے زیارت عثمانیہ میں تشریف لائے ہیں میں یہ دیکھ کر اس طرف دوڑا اور آپ کے نیز خلفاء کرام کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور بالترتیب ہر خلیفہ کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ جناب رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک جدید سجادہ کی طرف جو آپ کے قبر شریف کے سرہانے اور صف اول کے محاذات میں بچھا ہوا تھا لائے اور فرمایا هٰذه سجادة الشيخ تاج اجلس عليها ط یعنی یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے تمہیں اس پر بیٹھنا چاہیئے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو معلوم کیا کہ اس سے اشارہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف ہے گویا آپ اسی طریقہ کی اجازت دیتے ہیں۔

شیخ عبداللہ بن سالم البصری ثم المکی!

شیخ عبداللہ بن سالم البصری

اس فاضل اجل عالم بے بدل نے کتب حدیث کی اشاعت و توسیع میں جس مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کی اس کے بار احسان سے علماء دنیا کو سر اٹھانے کی جگہ نہیں ہے سچ یہ ہے کہ علم حدیث کے مردہ قالب میں شیخ عبداللہ ہی نے ایک نئی اور تازہ روح پھونکی ہے۔ مسند امام احمد کا کامل نسخہ دائرہ گمنامی میں روپوش ہو گیا تھا اور قریب

تھا کہ سطح زمین پر کوئی کامل نسخہ دستیاب نہ ہو سکے مگر شیخ نے اپنی عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی سے مصر و عراق اور شام وغیرہ کے علمی خزانوں سے اس کے متفرق اور پراگندہ اجزاء جمع کئے اور سب کو ملا کر ایک نسخہ مرتب کیا ازاں بعد اول سے آخر تک ایک غائر نظر ڈالی اور صحیح کر کے اسے اصل قرار دیا اسی طرح کتب سماع ستہ کے مختلف اور متعدد نسخے جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کیا اور بڑی محنت و جانفشانی سے صحیح کر کے طالبانِ فن میں شائع کیا نسخہ نبویہ اپنی قلم سے لکھا اور اصل سے بہتر لکھا ۔ صحیح بخاری کی ایک نہایت مبسوط اور جامع شرح تصنیف کی اور اس کا نام ضیاء الساری رکھا اور اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں موجود ہے ایک عرصہ ہوا کہ یہ شرح مطبوع بھی ہو چکی ہے اور اکثر طلبہ کے پاس دیکھی جاتی ہے ضیاء الساری کے دیکھنے سے شیخ عبداللہ کی لیاقت اور پولٹیکل قابلیت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے ۔

میں نے خود اس شرح کو دیکھا ہے اور اکثر مقامات پڑھے ہیں حقیقت میں جو باریکیاں اور نکات اس خاص فن میں آپ نے بیان کئے ہیں ان کی نظیر سے بخاری کی دوسری شروح بالکل خالی ہیں علم حدیث کے غوامض و دقائق کے علاوہ مسائل فقہیہ کی ایسی تنقیح و توضیح کی ہے جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی ۔ جو لوگ کتاب و سنت سے خاص دلچسپی رکھتے اور جن کی معلومات علوم حدیث میں بہت وسیع ہے وہ ضیاء الساری کو دیکھ کر فوراً یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ حقیقت میں شیخ عبداللہ فن حدیث کا ایسا علامہ ہے جس کی مثال اس عہد میں اور کوئی نہیں پائی جاتی ۔ ایک اندازہ کرنے والا دماغ اور جانچنے والی عقل شیخ کی اس تصنیف کو دیکھ کر بلا تامل کہہ سکتی ہے کہ بے شک آپ علم حدیث کے جولانگاہ کے شہسوار ہیں اور اس فن میں وہ وسعت نظر اور علمی تبحر رکھتے ہیں جو ایک مجتہد اور ماہر فن کے لئے ضروری ہے ۔

لیکن نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ شیخ اس شرح کو ضعف پیری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے اور آپ کی زندگی میں اس کی تکمیل نہیں ہوئی ۔ اگر یہ شرح شیخ کی قلم سے پوری اور کامل ہو جاتی تو ایک بے نظیر اور لاثانی شرح ہوتی اور اس کے مقابلہ میں بخاری کی کسی دوسری شرح کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے اپنی تمام عمر روایات کتب حدیث میں صرف کی اور اسی بحث و تنقیح میں ہمیشہ مشغول و معروف رہے اور واقعی بات

یہ ہے کہ اس متاخر زمانہ میں ایک آپ ہی حافظ حدیث اور ضابط[1] روایت تھے۔

آپ بچپن کے زمانہ سے تحصیل علوم کی طرف راغب اور علماء فضلاء کی صحبت کو مغتنم سمجھتے تھے اتقاء و پرہیزگاری اور ورع و صلاح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے ہر روز قرآن مجید کے دس سپارے پڑھنا آپ کا دستور تھا اور وہ بھی سرسری طور سے نہیں بلکہ امعان و تدبر سے لیکن جب بڑھاپے کا ضعف آپ کا غالب ہوا تو طاقت کے مطابق تلاوت میں معروف رہنے لگے غرضکہ کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں آپ درس یا تلاوت یا نماز و عبادت میں مصروف نہ ہوتے ہوں۔

---

[1] ضبط حدیث کے طریقے امت مرحومہ میں تین حال پر گذرے ہیں پہلا حال یہ تھا کہ صحابہ اور تابعین کے عہد مبارک میں لوگ حدیثیں زبانی یاد کرتے تھے اور اس وقت ضبط حدیث صرف جودت ذہن اور قوت حافظہ پر موقوف تھا دوسرا حال یہ تھا کہ تبع تابعین اور اوائل محدثین کے زمانہ سے طبقہ سابقہ اور ثامنہ تک لوگ حدیثوں کو لکھتے تھے۔ اس وقت ضبط حدیث تبیین خط اور نقاط حرکات سکنات تصویر حروف اصول صحیحہ سے مقابلے وغیرہ پر منحصر تھا تیسرا حال یہ تھا کہ حفاظ حدیث نے علم الرجال اور الفاظ مشکلہ و غریبہ کے ضبط میں بڑی بڑی مبسوط اور مشرح کتابیں تصنیف کیں اور مفصل شرحیں لکھیں اور ان میں ان مسائل سے تعرض کیا جو علوم حدیث کے عنصر سمجھے جاتے ہیں پس اب ضبط حدیث کا صرف ایک یہ طریقہ باقی رہ گیا کہ واقف حدیث مبسوط تصانیف و شروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق حدیثیں روایت کرے یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل حدیث نے اہل تساہل برتا اور حفظ و نقل کو چھوڑ کر صرف خط پر اکتفا کیا گیا اس لیے ان میں اجازت مجردہ وغیرہ کا رواج جاری ہوا۔
بخلاف طبقات سابقہ کے کہ اُن میں یہ طریقہ مروج نہ تھا خلاصہ یہ کہ ضبط کا یہ
طریقہ شیخ عبداللہ بصری کے نزدیک کمال کی ایک بہت بڑی اور اعلےٰ
درجہ کی شاخ تھی اور اس سلسلہ کے باقی رہنے کے
آپ ہی باعث تھے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی
مدنی رحمۃ اللہ اور بہت سے علماء محدثین نے
آپ سے اس طریقہ کو حاصل کیا اور جناب مولانا
شاہ ولی اللہ صاحب کے بدولت یہ
طریقہ ہندوستان میں پھیلا ۱۲

شیخ عبداللہ کے واجب التعظیم والد شیخ سالم اگرچہ شریف کے دربار میں ایک معزز و ممتاز عہدہ پر مامور تھے اور بے شمار دولت و حشمت رکھتے تھے اور اپنے فرزند رشید کی بہت کچھ خدمت کرتے تھے لیکن شیخ عبداللہ ہمیشہ فقیرانہ حالت میں زندگی بسر کیا کرتے اور اسی حالت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ آپ نے کعبہ معظمہ کے جوف میں دو مرتبہ صحیح بخاری ختم کی ایک دفعہ اس وقت جب لوگ کعبہ کی ترمیم میں مصروف تھے دوسری مرتبہ اس زمانہ میں جب کعبہ کے دروازہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ مسند امام احمد بن حنبل کی تصحیح و جمع کے بعد مسجد نبوی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سرہانے بیٹھ کر درس دیا اور چھٹے روز ختم کر دی جب آپ حدیث کی قرأت کرتے تو تمام علماء حرمین اور مشائخ صوفیہ مجلس میں موجود ہوتے اور جب تک پڑھتے سب گردنیں جھکائے خاموشی کے ساتھ سنتے حدیث پڑھتے وقت لوگوں کو معلوم ہوتا کہ گویا آپ وحی اتر رہی ہے۔

شیخ نے طول طویل عمر پائی اور سب مرضیات الٰہی میں صرف کی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان زیادہ ضعیف اور بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاء و حواس ایک ایک کر کے جواب دیتے جاتے اور دن بدن قویٰ مضمحل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب شیخ عبداللہ صاحب باوجود اس ضعف و بڑھاپے کے بالکل ویسی توانا و تندرست تھے جیسے عالم شباب میں آپ کے عقل و فراست۔ جودت و ذہن حفظ و ضبط صحت حواس میں سرمو تفاوت نہ آیا تھا البتہ قوت سامعہ میں کچھ فتور پیدا ہو گیا تھا۔ آخر عمر میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے صحاح کی چھوٹی کتابیں نہایت تعمق و تدبیر کے ساتھ پڑھیں اور اکثر اہل مکہ نے سماع حدیث کی۔ آپ نے رجب کی چودھویں تاریخ ۱۱۳۴ھ میں انتقال کیا اور دنیا میں ایک جیتا جاگتا اثر چھوڑا۔

یہ مشائخ صوفیہ اور علماء محدثین وہ ہیں جن کے بعض حضرات سے جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے حرمین محترمین میں بالمشافہ حدیثیں روایت کیں اور سند و اجازت حاصل کی خرقہ صوفیہ زیب بدن فرمایا اور بعض وہ ہیں جن کے واسطہ سے آپ تک اسناد حدیث اور خرقہ صوفیہ کا سلسلہ پہنچا۔ اس مابین سفر میں شاہ صاحب کا کوئی اور ایسا واقعہ قابل ذکر نہیں ہے جو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔ لہٰذا اب ہم جناب شاہ صاحب

کے اس مقدس و مبارک سفر کے حالات ختم کرتا ہوں کیونکہ تاریخ کے صفحات پر آگے اندھیرا چھایا ہوا ہے جو چند واقعات قلمبند ہو چکے ہیں۔ معزز ناظرین ان ہی کو غنیمت جانیں اب آپ کے واپسی سفر کے حالات نہایت مختصر الفاظ میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کے واپسی سفر کے واقعات

واپسی سفر کے حالات

جب جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علماء حرمین محترمین سے استناد حدیث حاصل کر چکے اور مشائخ صوفیہ سے فیض صحبت اٹھا چکے تو اخیر ۱۱۴۴ھ ہجری میں دوبارہ ارکان حج ادا کیے اور ابتداء ۱۱۴۵ھ میں وطن مالوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ اسی سنہ کی چودھویں رجب جمعہ کے دن صحت و سلامتی کے ساتھ دہلی میں رونق افروز ہوئے اور اپنے خاص مکان میں سکونت اختیار کی۔ شہر کے عموماً باشندے اور نامی گرامی فضلاء خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور مراسم تپاک سے سب سے ملاقاتیں کیں۔ عام ملاقاتوں اور سفر کی کسل و کاہلی کے اتر جانے کے بعد آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں قدم رکھا اور علم حدیث کے درس میں مشغول ہوئے۔ سینکڑوں طالبان حدیث ایک ایک وقت میں علم حدیث پڑھتے اور اجازت و سند حاصل کر کے واپس چلے جاتے۔

غرضکہ شاہ صاحب اس شان و شوکت سے ایک زمانہ تک علم حدیث کی درس و تدریس کرتے رہے اور اس کا استغراق و محویت کے ساتھ کہ ہر دن کے بہت تھوڑے حصہ میں وعظ و افتاء اور فصل خصومات میں معروف رہتے اور باقی اوقات درس طلبہ اور تکمیل تلامذہ میں صرف کرتے۔ ملنے جلنے والوں اور باہر سے آمد و رفت کرنے والوں کو رات دن میں کوئی ایسا موقع بہت ہی مشکل سے ملتا جس میں آپ ان باتوں سے خالی نظر آتے۔ اب آپ کے علمی تبحر کا ستارہ اور بھی چمک گیا تھا اور حدیث کے اصل جاہ و جلال کا گھر یہی ایک جلیل القدر خاندان تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس وقت جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی ڈالی ہوئی بنیادیں آسمان تک پہنچ گئی تھیں اور شاہ صاحب کی کوششوں سے یہ بیت العلم عجیب شان و شوکت اور سج دھج سے آراستہ ہو گیا تھا۔ صاحب اتحاف جناب

شاہ ولی اللہ صاحب کے علم و فضل اور اشاعت حدیث کی نہایت باوقعت اور وزنی لفظوں میں تعریف کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ ایک اعلےٰ درجہ کا ریویو ہے جسے وہ اس تقریر سے ادا کرتے ہیں کہ

"جناب شاہ صاحب کا علوم متداولہ میں وہ پایہ تھا۔ جس کا شمہ بھی بیان کرنے سے انسانی طاقت محض عاجز ہے آپ فنون عقلیہ میں وہ دستگاہ رکھتے تھے جس کا عشر عشیر بھی دوسروں کو نصیب نہ تھا۔ قطع نظر ان تمام علوم کے حدیث میں اپنے تمام ہمعصروں سے امتیاز یہ قوت رکھتے تھے اور اس علم میں مقتدائے وقت اور فرید عصر شمار کیے جاتے تھے آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا کہ موافق و مخالف پر اس کا اثر برابر پڑتا تھا۔ ابتدائی زمانہ سے اگرچہ آپ کے فضل و کمال کے جھنڈے ایک عالم میں گڑ چکے تھے اور آپ کے نام کا امتیازی پھریرا ہندوستان سے نے کر عرب و عجم تک برابر اڑ رہا تھا۔ لیکن جب آپ عرب کے مقدس و مبارک سفر سے واپس تشریف لائے اور علم حدیث کی اور بھی اشاعت دی تو اب آپ اپنی عام مقبولیت کے سبب سے واقعی ہر دلعزیز ہو گئے اور اعزاز و اقتدار کا آفتاب پوری تابانی کے ساتھ چمکنے لگا۔ حقیقت میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا درسگاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھا اس مقدس اور شریف علم کی خدمت جس قدر آپ سے وجود پذیر ہوئی واقعی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی شخص اس کا دعوے دار نہیں بن سکتا۔ عمل بالحدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر زمین اور ناقابل زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے ڈالا اور آپ نے اپنی اَن تھک کوششوں سے اسے یہاں تک سینچا کہ چند ہی روز میں اس کا ایک پودا اگا اور سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور اس کے پھل پھول سے لوگ گودیاں بھر بھر کے لے جانے لگے اُسے ہندوستان کی بڑی خوش نصیبی کہنا چاہیئے کہ جہاں علم حدیث کا نام نشان تک زبان پر نہ لیا جاتا تھا آج اس کے گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں علم حدیث کے آوازے

سنے جاتے ہیں۔"

شاہ صاحب کے عام اخلاق وعادات وغیرہ

عام اخلاق وعادات وغیرہ

جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے ابتدائی حالات اور زمانہ کم سنی کے واقعات ہم پہلے کسی قدر بسط کے ساتھ بیان کر آئے ہیں یہاں انہیں دوبارہ بیان کر کے اپنے تذکرہ کو طول دینا نہیں چاہتے مختصراً یہ ہے کہ آپ کا بچپن بالکل انوکھا اور نرالا تھا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ نو عمری کے زمانہ میں بچے اپنی ناز بردار والدین سے طرح طرح کی طفلانہ ضدیں اور موقع بیان کیا کرتے ہیں مگر ناظرین کو تعجب ہوگا جب یہ بیان کیا جائے گا کہ شاہ صاحب نے کم سنی کے زمانہ میں کبھی کسی چیز کی ہٹ نہیں کی نہ کبھی کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے اوپر والوں کو آپ کی شکایت کرنے یا گھڑنے کا موقع ملا آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ اپنے سے بڑی عمر والے شخص سے سر اٹھا کر کبھی بات نہیں کی اور اگر کسی نے کچھ پوچھا تو نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ نیچی گردن کر کے جواب دیا۔ والد سے کبھی نظریں ملا کر بات نہیں کی۔ سامنے پاؤں پھیلا کر کبھی نہیں بیٹھے۔ بات کی تو خوشامدانہ تبسم کے ساتھ اور کسی چیز کی خواہش ظاہر کی تو عاجزانہ تہذیب کے ساتھ آپ بچپن کے زمانہ میں وہ دانشمندانہ اور بھاری بھرکم پنے کی باتیں کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کے دل ایک بے اختیاری کے ساتھ آپ کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔

شاہ صاحب کا بچپن

شاہ صاحب کا بچپن معمولی کھلنڈرے بچوں کی طرح نہیں تھا آپ اپنے ہمعمر بچوں کے ساتھ کبھی گھر سے باہر نہیں کھیلے نہ سیر نہ تفریح میں اپنا وقت ضائع کیا۔ ہمیشہ ایک دہشت آمیز تفکر آپ پر طاری رہتا اور اسی میں صبح سے شام تک معروف رہتے ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کے عزیز و قریب کسی باغ میں سیر کے لیے گئے اور شاہ صاحب کو بھی ہمراہ لیتے گئے جب آپ وہاں سے واپس آئے تو آپ کے والد بزرگوار نے اپنے پاس بلایا اور دست شفقت سر پر پھیر کر فرمایا فرزند من! تم نے آج رات دن میں کیا چیز حاصل کی دیکھو ہم نے اتنی دیر میں اس قدر درود پڑھے جوں ہی شاہ صاحب نے والد بزرگوار کی زبان مبارک سے

یہ لفظ سنتے شرمندگی کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور سیر و تفریح سے توبۂ نصوح کی اور اس کے بعد پھر کبھی گھر سے باہر نہیں نکلے۔

آپ کے مزاج میں سادگی اس درجہ تھی کہ والدین سے کبھی کسی بات کی خواہش ظاہر نہیں کی جو کھانا ملا نہایت مسرت و خوشی سے کھا لیا جو کپڑا میسر ہوا پہن لیا۔ آپ کے لب کبھی اس جملہ سے آشنا ہی نہیں ہوئے کہ کپڑا یہ مجھے ناپسند ہے اور اس قسم کا کھانا مرغوب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ جب ہم شاہ صاحب کے ابتدائی زمانہ کے واقعات پر سرسری نظر ڈالتے اور آپ کی طفلانہ حرکات کا اجمالی خاکہ کھینچتے ہیں تو ہمیں ایک نہایت ہی دلگیر اور جاہ و جلال سے بھرا ہوا سین نظر آتا ہے واقعی بات یہ ہے کہ فطرت جس شخص کو اپنی بانگی اور ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کا خمیر پہلے ہی سے کچھ ایسا قابل بنا ہے جس پر تجلیات ربانی کا بخوبی عکس پڑتا ہے شاہ صاحب اس وقت تک گو کسی شرعی قانون کی پابندی پر مجبور نہ تھے نہ کسی دینی بات کا ہنوز کوئی سبق پڑھا تھا لیکن پھر بھی اس ہونہار بلند اقبال خوش قسمت کی ایک بات قانون شرع کے مخالف نہ تھی۔ حال کے مورخوں نے شاہ صاحب کے بچپن کے جو واقعات قلمبند کئے ہیں اگرچہ وہ بظاہر مبالغہ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں شاہ صاحب کا بچپن نہایت حیرت انگیز تھا۔ جس قدر لوگوں نے آپ کے اوصاف حمیدہ میں لکھا ہے اس میں کچھ بھی مبالغہ اور عبارت آرائی نہیں ہے بلکہ آپ کے نفس الامری اور اصلی واقعات ہیں۔

یہی وہ باتیں تھیں جنہوں نے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب جیسے مستغنی المزاج کو اپنا گرویدہ و فریفتہ کر لیا تھا۔ رحیم الطبع شیخ اپنے اس ہونہار اور بلند اقبال فرزند سے نہایت ہی محبت رکھتے اور انتہا سے زیادہ مہربانیوں سے پیش آتے تھے چنانچہ خود جناب شاہ ولی اللہ صاحب اپنے قلم مبارک لکھتے ہیں کہ

"میرے والد بزرگوار اپنی تمام اولاد میں مجھ سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور اکثر اوقات خلوت و جلوت میں اس فقیر کی طرف التفات خاص فرماتے تھے۔ جب مجھے دیکھتے بے حد خوش ہوتے اور تلطف آمیز لہجہ میں دلجوئی کرتے ابھی میں صغیر سن ہی تھا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ فرزند من! میرے دل میں بے اختیار یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ ایک ہی دفعہ

تمام علوم و فنون تمہارے دل میں ڈال دوں اور اسی کے ساتھ ایک ایسا جوش پیدا ہوتا ہے جسے میں بہت مشکل سے بٹھا سکتا ہوں اس کے بعد جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بمقابلہ اور بھائیوں کے جو خدا تعالےٰ نے اس فقیر کو علمی کمالات کا زیادہ سرمایہ عطا کیا وہ حقیقت میں جناب والد بزرگوار کے سایہ عاطفت اور آغوش تربیت میں پلنے کا صدقہ اور آپ کے نفس مبارک کا اثر ہے ورنہ اس فقیر نے تحصیل علوم میں چنداں محنت و جانکاہی نہیں کی۔

عالم شباب شاہ صاحب کے بچپن کا زمانہ جیسا پیارا اور دلفریب تھا ویسا ہی جوانی کا عالم نہایت ہی مبارک اور خوش آئندہ تھا۔ اکثر آدمی شباب کی ترنگ میں کج خلق اور مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں لیکن یہ نیک نہاد کریم الطبع نوجوان اس وقت بھی خلق مجسم تھا جس کے عام اخلاق اور ذاتی خوبیوں نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا اور جس کی شریفانہ چال اور مہذبانہ طرز و روش نے تمام لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت شاہ صاحب کی فراخ اور نصیبہ ور پیشانی میں خلق عظیم کا قیمتی جوہر اس طرح دہک رہا تھا جیسے فانوس میں شمع یا قمقمہ میں چراغ آپ کی خوش خلقی تکلف اور بناوٹ کی رنگ سے رنگین نہ تھی جو لوگوں کے پرچانے یا امراء و رؤساء کے خوش کرنے کے لیے استعمال میں لائی جاتی بلکہ فطری اور قدرتی تھی یہی وجہ تھی یہ حالت اور ہر موقع پر ایک ہی رنگ میں نظر آتی تھی۔

شیخوخت آپ کی کہولت کا زمانہ عجیب و غریب زمانہ تھا جو بچپن اور جوانی کے دونوں زمانوں سے زیادہ مبارک اور خوش آئندہ تھا جو قوت ہمدردت اور علامت روی اس وقت تھی وہی اب بھی ہے بلکہ تجربہ کی شان و شوکت اور پختہ کاری کی سرپرستی نے اس وقت اسے اور بھی چمکا دیا ہے جو عجز و انکساری اور متواضعانہ اخلاق عالم شباب میں تھی۔ وہی اس بڑھاپے کی حالت میں موجود ہیں جیسی درس و تدریس کی گرم بازاری پہلے تھی وہی اب بھی باقی ہے زہد و اتقاء خدا پرستی و طاعت گذاری میں جو اس وقت مستعدی و سرگرمی تھی وہی اس کمزوری اور ضعف کے وقت بھی ہے۔ غرض کہ شاہ صاحب کے تینوں زمانہ کے حالات زندگی دنیا سے بالکل اعجوبہ اور جہان سے نرالے تھے اور آپ کا یہ زمانہ ہر طرح سے قابل مبارکباد تھا۔

فضل و کمال فضل و کمال اور علمی حیثیت سے جناب شاہ صاحب جس قدر منزلت کے

شخص تھے اگرچہ اس کی نظیر آج باوجود تلاش و تجسس کے کہیں نہیں ملتی لیکن حدیث و فقہ کے لحاظ سے علماء وقت نے آپ کو مجتہدین فن کے دوسرے درجہ میں جگہ دی ہے چنانچہ ایک فاضل مؤرخ آپ کی فضل و کمال کی نسبت اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے کہ

"جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تفسیر و ادب میں ہے لیکن آپ حدیث و فقہ میں بھی درجہ اجتہاد رکھتے اور مجتہدین فن میں شمار کئے جاتے تھے"

حقیقت میں شاہ صاحب کی زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر اور باعث بقائے دوام ہے وہ آپ کے علمی کارنامے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ حال کی تاریخوں میں جستہ جستہ مذکور ہیں اگر ہم آپ کی زندگی کے تمام علمی کارناموں اور واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ اگر فی صدی دو کا بھی انتخاب کیا جائے تو بھی حیات ولی کی وسعت ان کے لیے کافی نہیں ہو سکتی لہٰذا ہم ان واقعات کو قلم انداز کرتے اور صرف وہ حالات معزز ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جو آپ کی لائف کے معزز اور مختلف آرا کا مختصر انتخاب یا سچا فوٹو ہے۔

علماء مؤرخین نے جناب شاہ صاحب کو علم حدیث و فقہ کے اعتبار سے مجتہدین فن کے بعد دوسرے درجہ میں جگہ دی ہے ورنہ وہ کونسا علم تھا جس میں شاہ صاحب کو تبحر نہ تھا۔ کلام و ادب جو عربیت کا بہت بڑا جوہر ہے اس میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ جو آج تک ماہرین فن کو تسلیم ہے آپ کے علمی مناظروں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین شعراء کے اشعار بکثرت یاد تھے جو سند کے ہر ہر موقع پر برجستہ پیش کرتے تھے مذہبی اور متداولہ علوم کے انتساب کو الگ کر دیا جائے تو بھی ادیبوں اور متکلمین کی فہرست میں آپ کا نام نہایت روشن اور جلی حرفوں میں نظر آتا ہے۔ غرضکہ شاہ صاحب کی ہمہ دانی نہایت حیرت انگیز ہے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، کلام، تاریخ، منطق، معانی وغیرہ میں آپ کا شمار مجتہدین فن میں ہوتا تھا اور اس کے سوا اور بھی بہت سے علوم تھے۔ جن میں آپ کی نظر نہایت وسیع اور غائر تھی علم لغت میں آپ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا اور اس فن خاص میں جو درجہ متقدمین میں صاحب قاموس کو تھا وہی رتبہ متاخرین میں شاہ صاحب کو تھا۔

حدیث و تفسیر اور دیگر مذہبی علوم کی ترقی دینے میں اگرچہ بعض مؤرخوں نے جناب شاہ صاحب کا نمبر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نیچے رکھا ہے لیکن ہم سابق میں لکھ آئے ہیں کہ شاہ صاحب اس قابل ہیں کہ اس فہرست میں آپ کا نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے لکھا جائے کیونکہ جس زمانہ میں علم حدیث و تفسیر کا بیج ہندوستان میں ڈالا گیا اور اصول تفسیر و حدیث کی بنیاد قائم کی گئی اس وقت بجز خال خال لوگوں کے اور سب لوگ ان علوم سے ناآشنا تھے۔ لیکن جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی ان تھک کوششوں اور سرگرمیوں سے ان علوم کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ڈالی ہوئی بنیادیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور پھر یہ شوق ملک میں عام ہو گیا تفسیر و حدیث کا چرچا گھر گھر پھیل گیا اور ہر طبقے کے لوگوں کی زبانوں پر قال اللہ و قال الرسول جاری ہو گیا۔

ایک قابل تاریخ نویس کا ریمارک چنانچہ ایک تذکرہ نویس فاضل جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے فضل و کمال اور علمی تبحر پر ریمارک کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"ہندوستان میں اس وقت تک فقر، تصوف اور معقولات کا بہت رواج تھا اور قرآن و حدیث کا چرچا کم، گیارھویں صدی ہجری میں صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک ایسے بزرگوار شخص تھے جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے کی اور ان کی کتابیں بھی ایسی مقبول ہوئیں کہ اب تک نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں مگر ان کے بعد اس سلسلہ میں کچھ ترقی نہیں ہوئی عام و خاص پیر پرستی اور مادہ تقلید میں مقید اور صدہا قسم کے توہمات میں گرفتار تھے کہ اس اثناء میں خدا تعالے نے شرک اور بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج کے واسطے شاہ ولی اللہ کو اٹھا کھڑا کیا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی اشاعت میں خوب کوشش کی اور قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا اب تک تفاسیر پر منحصر تھا اور علماء اس کو اپنا حصہ سمجھے بیٹھے تھے آپ نے قرآن کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں

کو کلام الٰہی کا سمجھنا آسان ہو گیا باوجودیکہ اس ترجمہ کی عمر ڈیڑھ سو برس سے زائد ہو گئی ہے اور اشاعت علوم و فنون خصوصاً ترجمہ کا دریا ترقی کی لہریں مار رہا ہے مگر اس ترجمہ پر کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی یہ ترجمہ قرآن مجید کے بین السطور میں تحریر ہو کر مرات و کرات ہندوستان کے متعدد مطابع میں چھپ چکا ہے اور ہندوستان سے لے کر کوہ ہمالیہ تک مقبول خلائق ہے علوم خمسہ قرآنیہ اور تاویل قطعات اور رموز قصص انبیاء میں فوز الکبیر شرقاً غرباً فتح الخبیر اور تاویل الاحادیث ایسے عمدہ اور مختصر رسالے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ سے شائقین کو مستغنی کر دیا اور مسائل فقہیہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی تحقیقات مذاہب صحابہ و تابعین اور اقوال جماعہ فقہاء محدثین سے کر کے فقہ حدیث کی بنیاد از سر نو قائم کی اور اسرار حدیث و مصالح احکام کو ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ ان سے پیشتر کے مصنفین کو یہ بات کم تر نصیب ہوئی ہے کتاب حجۃ اللہ البالغہ ان کے اس کمال پر شاہد بین ہے رسالہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں اس امر کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ تامہ کی موجودگی میں اقوال فقہائے متقشفین اور استبداد مقلدین کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح عقائد تصوف اور سلوک میں محققانہ تقریریں کی ہیں اور خیالات عالیہ کو طلبہ کی سہولت اور مسائل کی تبیین میں عبارات کا مختصرہ اور اشارات لطیفہ کے ذریعہ سے اس طرح ادا کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں دوسرے مصنف کو کم میسر ہوا۔

ہندوستان میں شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج میں ان کے پوتے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس تعریف کے مستحق ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے دونوں بزرگوں کی تصانیف کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے تمام اصول اپنے دادا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریرات سے ماخوذ ہیں فرق صرف اس قدر

ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مناسب حال نرم گفتگو کرنے تھے اور سہل گیری سے کام لیتے تھے اور یہ مثل شمشیر برہنہ کے میدان میں نکل کر اپنی چمک دکھاتے تھے۔

علمی اشاعت

الغرض قرآن وحدیث کے علاوہ قریب قریب یہی حال ہر علم وفن کا تھا اور چونکہ جناب شاہ صاحب خود مجتہد فن اور اہل کمال تھے۔ اس وجہ سے علماء اور طالبین فن کی حد سے زیادہ قدر کرتے تھے اور اپنی عام فیاضی سے ان کے حوصلے بڑھاتے تھے جس کا بدیہی اثر یہ تھا کہ علمی اشاعت کا ذوق شوق سرگرم طبیعتوں میں انتہا سے زیادہ بڑھ گیا تھا اور طلبہ مذہبی علوم کی اشاعت میں نہایت استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف تھے اس عہد میں ممالک اسلامیہ میں جس قدر علمی فضل وکمال کا رواج تھا وہ صرف شاہ صاحب ہی کی سرپرستی کا نتیجہ تھا اس لحاظ سے اگر ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ آپ کے عہد زندگی پر فخر کریں تو نازیبا نہیں ہے۔

علمی فیاضی

جناب شاہ صاحب کی علمی فیاضی بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے سینکڑوں طلبہ جو تحصیل علوم کی غرض سے آپ کی درس گاہ میں داخل ہوتے ان کی خورد ونوش اور ضروری حاجات کا انتظام اپنی ذات خاص سے کرتے مدرسہ رحیمیہ جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے ڈالی تھی گورنمنٹ قلعہ کی طرف سے اس کی مطلق سرپرستی نہیں کی گئی تھی۔ نہ شاہ صاحب ہی کا کوئی وظیفہ اور امدادی رقم سلاطین وقت سے مقرر تھی لیکن بقول ایک فلسفی شاعر کے ؎

"خدا خود میر سامانست ارباب توکل را"

آپ کے پاس وہ غیبی سامان مہیا تھا جس کی وجہ سے کسی امداد اور وظیفہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی شہرت عالمگیر تھی۔ ہندوستان اور عرب وعجم کے اکثر لوگ آپ کے نام سے واقف تھے اکثر طلبہ ریگستان کی کڑی منزلیں اور پہاڑوں کی سنگلاخ اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کر کے آتے اور علمی دولت سے گودیاں بھر بھر کر لوٹ جاتے جو مسافر اور مہمان ملاقات کی غرض سے آتے شاہ صاحب اپنی عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی سے ان کی مہمان نوازی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ بالخصوص بزرگان دین کے ساتھ قطع نظر ہمدردی اور خدمت کے نہایت ارادت مندی اور جوش محبت سے

پیش آتے۔

طباعی

طباعی اور ذہانت میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب ضرب المثل تھے جس کا ادنےٰ ثبوت یہ ہے کہ آپ طالب العلمی کی حالت میں متعدد علوم کی تحصیل کرتے تھے چنانچہ ایک فاضل مؤرخ لکھتا ہے کہ

"جناب شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر، حدیث، فقہ، مغازی کے حافظ تھے اور ادب و کلام ان کا ادنےٰ سا غلام تھا۔ فقہ، حدیث، تفسیر، معانی بیان، اصول، عقائد، تصوف، منطق، کلام، فلسفہ کی درسی کتابیں اور طب ہیئت، حساب کے چند مختصر رسالے اپنے والد بزرگوار جناب شیخ عبدالرحیم صاحب سے پڑھے خدا تعالےٰ نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان علوم کی تحصیل کرتے تھے آپ کے تحصیل علوم کی سند جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے ذریعہ سے زاہدبن اسلم ہردی کے طریق پر محقق دوانی تک پہنچتی ہے کتب حدیث آپ نے دو مرتبہ پڑھیں پہلی دفعہ ہندوستان میں مولانا محمد افضل معروف بحاجی سیالکوٹی سے اور پھر ۱۱۴۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پہنچ کر شیخ ابوطاہر مدنی سے جو اپنے وقت کے ایک بڑے مشہور محدث تھے تجدید اجازت کی آپ کے طبع سلیم اور ذہن رسا پر شیخ ابوطاہر مدنی فخر کیا کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنی کی سند اس سے حاصل کرتا ہوں۔"

فہم و فراست

معاملہ فہمی اور ادق مسائل کے حل کرنے میں جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا ذہن رسا بڑے بڑے ماہرین فن اور ائمہ وقت کے ہم پایہ تھا اہم مطالب اور دقیق و پیچیدہ مسائل کو گنے ہوئے منٹوں میں حل کر دیتا آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی جو اہم اور پیچیدہ معاملہ کسی دانشمند اور فقیہ سے طے نہ ہو سکتا تھا۔ آپ فوراً اُسے پانی کر دیتے تھے۔

شاہ صاحب کی دانش مندی کا ایک حیرت انگیز واقعہ

شاہ صاحب کی فہم و فراست کی بہت سی روائیتیں مشہور ہیں

لیکن میں اس موقع پر صرف ایک روایت نقل کرتا ہوں جس سے آپ کی معاملہ فہمی اور تصفیہ مقدمات میں مجتہدانہ کمال بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کہیں سے ایک فتوٰے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں آیا جسے ہندوستان اور دیگر بلاد کے مشہور و نامور علماء نے واپس کر دیا تھا۔ کیونکہ زیادہ پیچیدگی کے سبب سے اس کا نفس مطلب بالکل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ شیخ عبدالرحیم صاحب کے طلبہ کے حلقے میں ایک نہایت مستعد اور ذکی طالب علم تھا جو حدیث و فقہ اور دیگر تمام علوم کی کتابیں نکال چکا تھا اور جس کی ذہانت و طباعی تمام لوگوں میں مشہور تھی۔ خود شیخ عبدالرحیم صاحب اس کی طبع سلیم اور ذہن رسا کی تعریف کیا کرتے اور تمام منتہی طلبہ کے حلقے میں ممتاز و مستثنےٰ جانتے تھے الغرض شیخ صاحب نے اس فتوٰے کو اس طالب العلم کے سپرد کیا اور فرمایا کہ یہ فتوٰی تمہارے سپرد کیا جاتا ہے احکام شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرو اور ایسا فیصلہ لکھو کہ فریقین میں سے کسی کو شکایت کا موقع باقی نہ رہے اور باہمی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہو جائے چنانچہ وہ طالب العلم فتوٰی لے گیا اور کامل ایک مہینے تک برابر اس پر غور کرتا رہا۔ لیکن ہنوز کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ انجام کار مجبوری شیخ صاحب کو اطلاع دی کہ یہ معاملہ ایسا اہم اور پیچیدہ ہے کہ مجھے امید نہیں پڑتی کہ آپ کے سوا کوئی فقیہ اسے طے کر سکے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اس وقت کل سولہ سال کی عمر رکھتے تھے اور ابھی علوم و فنون کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ جس وقت اس طالب علم نے فتوٰی واپس دیا تو جناب شیخ عبدالرحیم صاحب نے اپنے فرزند رشید جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ کر کے فرمایا مجھے امید ہے کہ اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ سے ہو جائے گا جہاں تک عقل و دانش سے مدد لے جا سکتی ہے تمہیں اس مقدمہ میں لینا چاہیئے شاہ صاحب نے فوراً اس فتوے کو اٹھا لیا اور گھر جا کر اس کا جواب لکھا اور ایسا جواب شافی لکھا جسے سن کر شیخ عبدالرحیم صاحب اور تمام طلبہ نہایت خوش ہوئے اور جسے تمام علماء نے تسلیم کیا اور کہا انصاف یہ ہے کہ اگر شاہ ولی اللہ چند روز اور علمی مشق میں صرف کریں گے تو تمام ائمہ وقت اور فقہائے زمانہ میں مجتہدانہ کمال حاصل کر لیں گے۔

شیخ عبدالرحیم صاحب آپ کے والد بزرگوار جیسے علوم ظاہری سے باخبر

تھے ویسے ہی علوم باطنی کا شرف بھی خدا تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا جب جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر مبارک چودہ برس کی تھی تو آپ علوم دینیہ سے بخوبی واقف ہو گئے تھے اور ہر علم میں کمال حاصل ہو گیا تھا۔ جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ پندرھویں سال میں آپ نے قدم رکھا تھا کہ والد بزرگوار نے آپ کو علم باطن کے شرف سے معزز و ممتاز کرنا چاہا چنانچہ اسی سن میں آپ نے ان سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً طریقہ نقشبندیہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کرنا شروع کیا والد کے مقدس و متبرک انفاس اور اپنے تقوے و طہارت سے اس کمال میں اس قدر جلد ترقی کی کہ شیخ عبدالرحیم صاحب کی زندگی ہی میں عرفان کے اعلےٰ مدارج طے کر لیے اور اس علم کو عروج کمال پر پہنچا دیا اور جب شیخ صاحب نے آپ کی اس ترقی و استعداد کو ملاحظہ فرمایا تو سترہویں سال بیعت و ارشاد کی اجازت دی اور باطنی علوم میں سے جو کچھ تلقین کرنا تھا اس وقت کر دیا۔

الغرض جناب شاہ ولی اللہ صاحب میں تمام لیاقتیں جمع تھیں اور آپ جامع جمیع صفات تھے جیسا دینی علوم اور رسمی فنون میں کمال رکھتے تھے ویسے ہی عزم و ثبات میں مضبوط اور استقلال میں راسخ قدم تھے۔ مزاج میں بے حد خلق اور محبت و تواضع تھی اگرچہ آپ عالمانہ تزک و احتشام کے ساتھ ایک قسم کی حاکمانہ شوکت اور تحکم بھی رکھتے تھے۔ لیکن آپ کی متواضعانہ اخلاق اور فطری عجز و انکسار اس پر غالب تھا۔ ہمیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس وقت کے تمام مہذب دنیا کی گردنیں آپ کے آگے جھکی ہوئی تھیں۔ اور آپ اس عہد میں ایک مذہبی پیشوا اور مقتدائے عالم تسلیم کئے گئے تھے۔

جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی لائف میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ آپ اکثر امور میں تو حنفی ہی مذہب کے مطابق عمل درآمد کیا کرتے تھے لیکن بعض وہ مسئلے جنہیں حدیث یا وجدان کی رو سے مذاہب دیگر یعنی شافعی و مالکی و حنبلی مذہب میں ترجیح حاصل ہے بغیر کھٹکے عمل میں لاتے تھے۔

شاہ صاحب کی مذہبی تاریخ

تفریق مذہب میں یہی حال بجنسہٖ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا تھا آپ کو مذہبی تفریق کے خانہ برانداز جھگڑوں سے چنداں بحث نہ تھی نہ ان مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص مذہب

کے پابند تھے کہ خواہ اسی کے مطابق عمل در آمد کریں تا بہ امکان مذاہب مشہورہ میں جمع کرتے اور اس مسئلہ پر عمل کرتے جسے تمام اہل مذاہب نے صحت کا تمغہ عنایت کیا ہے لیکن جب مذاہب مشہورہ مختلف ہیں جمع کرنا متعذر اور ناممکن ہوتا تو آپ اس مذہب پر عمل کرتے جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور صریح حدیث کے موافق ہوتا۔ چنانچہ جب خواجہ محمد امین نے سوال کیا کہ آپ مسائل فقہیہ میں کون سے مذہب پر عمل کرتے ہیں تو آپ نے یہی جواب دیا چنانچہ میں اس مقام پر آپ کا وہ جواب بجنسہ نقل کرتا ہوں جو خواجہ محمد امین کے سوال میں آپ نے اپنے قلم مبارک سے تحریر کیا۔

شاہ صاحب کا تعامل

سوال سوم آنکہ عمل تو در مسائل فقہیہ بر کدام مذہب است گفتم بقدر امکان جمع میکنم در مذہب مشہورہ مثلاً صوم و صلوٰۃ و وضو و غسل و حج بوضعے واقع میشود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر را جمع باقوی مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل مے نمائم و خدائے تعالےٰ اینقدر علم دادہ است کہ فرق درمیان ضعیف و قوی کردہ شود و در فتوے بحال مستفتی نگاہ میکنم مقلد ہر مذہبی کہ باشد اورا از ہمان مذہب جواب میگویم خدائے تعالےٰ مرا ہر مذہبے از مذاہب مشہورہ معرفتے دادہ است الحمد للہ تعالےٰ۔

تمہارا تیسرا سوال کہ فقہیہ مسائل میں کون سے مذہب پر عمل کرتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ میں مذاہب مشہورہ میں تا بہ امکان جمع کرتا ہوں اور صوم و صلاۃ اور وضو و غسل اور حج کے مسائل اس وضع پر واقع ہوتے ہیں جنہیں تمام اہل مذہب صحیح جانتے ہیں لیکن جب یہ جمع و تطبیق ناممکن ہوتی ہے تو میں اس مذہب پر عمل کیا کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث صریح کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس قدر علم عطا کیا ہے کہ ضعیف و قوی میں اچھی طرح فرق کر سکتا اور فتوے کے بارہ میں مستفتی کے حال کی بخوبی رعایت کر سکتا ہوں اور ہر مقلد مذہب کو اسی کے مذہب سے جواب دیتا ہوں مجھے خدا تعالےٰ نے مذاہب مشہورہ میں سے ہر مذہب کی معرفت عنایت کی ہے۔

شاہ صاحب کا تصوفی طریقہ

قریب قریب یہی حال آپ کا اُن طریق کی نسبت تھا جو حضرات صوفیہ میں دائر و سائر ہیں۔ تصوفی تحقیقات کا ذوق و شوق خدا نے بچپن سے دیا تھا اور ہر طریقے کے مجتہدوں سے آپ نے جدا جدا اس کمال کی تحصیل کی تھی صوفیائے کرام کے خاص خاص کاملین کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ اور عرفان کے اعلےٰ مدارج طے کر لیے تھے اور انجام کار جب ۱۱۴۳ھ ہجری میں حجاز تشریف لے گئے اور ایک سال سے زیادہ تک مجاورت حرمین شریفین اور شیخ ابوطاہر مدنی کی روایت حدیث سے مشرف ہوئے تو ان کے خرقے سے آرائش حاصل کی جو تمام صوفیوں کے خرقوں کو حاوی و جامع تھا آپ طریق اربعہ یعنی طریقہ نقشبندیہ جیلانیہ (قادریہ) چشتیہ سہروردیہ کے ساتھ نسبت تساوی رکھتے تھے اور کسی ایک طریقہ کے پیرو اور مقلد نہ تھے جیسا کہ آپ اپنی بعض تالیفات میں بالتصریح فرماتے ہیں۔

ماسوال آنکہ نسبت تو با نسبت کدام طریقہ از طرق مشہورہ مشابہ تر است گفتم در اخذ اشتقاق طریقت و صحبت متصل تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اقوی در اتصال من طریقہ نقشبندیہ است و در نسبت باطن اقتدائے من بطریقہ جیلانیہ است زیرا کہ اصل در طریقہ نقشبندیہ حفظ صورت ذہنیہ حضرت حق است و در مدرکہ ہر آدمی اشارتے بآنجناب واقع است۔

و آں صورت اجمالیہ ذہنیہ حضرت

رہا یہ سوال کہ تمہاری نسبت مشہورہ طریق میں سے کون سے طریقہ کی نسبت کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اشتقاق طریقت اور اس صحبت کے حاصل کرنے میں جو جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک متصل ہے میری اتصال کا قوی ذریعہ طریقہ نقشبندیہ ہے اور باطنی نسبت میں میں طریقہ جیلانیہ کا پیرو و مقتدی ہوں کیونکہ خدا تعالےٰ کی صورت ذہنیہ کا تحفظ طریقہ نقشبندیہ کا اصل الاصول اور جڑ ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہر انسان کے مدرکہ میں حضرت حق کی طرف ایک اشارہ واقع ہے۔

جو خدا تعالےٰ کی صورت اجمالیہ ذہنیہ کے

حق است و این طائفہ آنرا واسطہ گویند
تا بران مواظبت کنند و ہر وقت کہ خواہند
ازاں انتقال کنند بحقیقۃ الحقائق و اصل
در طریقہ جیلانیہ تہذیب روح و سر است
تا چون مہذب شوند ہر وقت کہ آنرا اعمال
کنند معرفت تجلی اعظم میسر شود و در سجادہ
و خلافت و بشارت سلف بحال خلف
اقوی نزدیک من طریقہ چشتیہ است و اقوی
نزدیک من باعتبار دلیل کتاب و سنت
و اشبہ اصول طریقہ سہروردیہ است اگرچہ فقیر
را مناسبت با طرق بسیار ست اما این
چہار چیز ازین چہار طریقہ استفادہ کردہ ام
جزی اللہ عنا اھلھا خیر الجزاء ! و
فائدہ دیگر زائد از جواب میگویم کہ در بعض اوقات
مراقبہ حاضر کردہ شد بر من اجداد مرا تا حضرت
عمر رضی اللہ عنہ در جبین ہر یکے نورے
یافتم کہ بآن نور غالب شدہ است دریاست
پیدا کردہ بروجہ کہ دو صد کس باشند یا زیادہ و
آنرا متوارث یافتم ابا عن جد و آن باصطلاح
ما نقطہ بحث است اگرچہ گاہے باعتبار
دنیا باشد و گاہے باعتبار دیانت و
علم و دیدم کہ آن نور بطریق وراثت نسبت
بمن انتقال کردہ است ۔

ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور جسے اس طریقہ
کے پیرو واسطہ کہتے ہیں تاکہ اس پر مواظبت
کریں اور جب چاہیں اس سے انتقال کر کے
حقیقۃ الحقائق پر پہنچیں اور طریقہ جیلانیہ
کی روح اور سر کی آراستگی پر مبنی ہے۔ تاکہ
لوگ مہذب ہو کر جس وقت اس پر حامل
ہوں انہیں تجلی اعظم کی معرفت نصیب ہو اور
سجادہ و خلافت نیز سلف کی اس بشارت
میں جو خلف کے حال سے وابستہ ہے۔
میرے نزدیک طریقہ چشتیہ سب سے
زیادہ قوی ہے اور کتاب و سنت کی دلیل
کے لحاظ سے میرے نزدیک قوی تر طریقہ
سہروردیہ ہے جو اصول سے زیادہ مشابہ و
مناسب ہے گو فقیر کو اور بھی بہت سے
طریقوں کے ساتھ مناسبت حاصل ہے
لیکن مذکورہ بالا چار چیزیں میں نے ان چار
طریقوں سے اخذ کئے ہیں خدا تعالے ان
اہل طرق کو ہماری طرف سے بہترین جزا
عنایت فرمائے یہاں تک تمہارے سوال
کا جواب ہو گیا اب میں جواب سے زائد
ایک مختصر فائدہ بیان کرتا ہوں اور وہ یہ
ہے کہ بعض اوقات مراقبہ میں میرے اجداد
عظام کا سلسلہ یہاں سے لے کر حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک مجھ پر حاضر کیا
گیا۔ جن میں سے ہر ایک کی پیشانی میں۔ میں

نے ایک ایسا درخشاں نور پایا جس کی وجہ
سے وہ دو سو آدمی یا اس سے کچھ زیادہ
جماعت کا رئیس و سردار مقرر کیا گیا ہے اور
میں نے اُسے اباً عن جدٍ متوارث پایا اور
یہ ہماری اصطلاح میں نقطہ بحث سے تعبیر
کیا جاتا ہے اگرچہ کبھی دنیا کے اعتبار سے
ہوتا ہے اور گاہے دیانت و علم کے لحاظ
سے اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ نور بطریق
وراثت مجھ تک انتقال کر آیا ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ مذاہب اربعہ مشہورہ میں سے کسی خاص مذہب کے مقلد و پیرو نہ تھے اسی طرح اہل سلوک کے طرق میں سے کسی ایک طریقہ کے پابند نہ تھے بلکہ جس مذہب و طریقہ میں جو بات کتاب و سنت کے زیادہ موافق اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ موافق اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ معتبر ہوتی وہی آپ کا دستور العمل قرار پاتا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی میں جو اقتدار جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو حاصل تھا وہ دوسرے کو کبھی میسر نہیں ہو سکتا یہی وہ کمالات تھے جن کے سبب سے آپ کے نام کا امتیازی پھریرا ہندوستان سے لے کر عرب و عجم تک برابر اُڑتا تھا اور انہیں کمالات کا یہ اثر تھا جن کی وجہ سے آپ تمام دنیا میں روشناس تھے۔ دینیات اور رسمی علوم و فنون کو چھوڑ کر اگر شاہ صاحب کے صرف تصوفی علوم ہی کو لیا جائے تو بھی کوئی شخص آپ کی برابری کا ہرگز دعوے دار نہیں کر سکتا اور اگر کرے بھی تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

انشاء پردازی

شاہ ولی اللہ صاحب انشاء پردازی کے فن میں بھی بے مثل اور یگانہ روزگار تسلیم کئے گئے ہیں اور آپ کی یہ صفت خاص تمام فاضلوں کو تسلیم ہے کہ بڑے بڑے مضمونوں کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس خوبصورتی سے ادا کرتے تھے کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تھا۔ آپ نے اس فن میں اس قدر کمال بہم پہنچایا تھا۔ کہ آپ کے عام مسودات بڑے بڑے فصیح و بلیغ اور انشاء پرداز نہایت

وقعت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے اور فن انشاء کے شائق جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے آپ کے مکاتیب و خطوط اور خاص خاص مناظروں اور علمی بحثوں میں جا بجا علم انشاء کے نمونے لکھے نظر آتے ہیں جن کے ہر ہر فقرے سے شستہ بیانی کی شہادت ملتی ہے اور لٹریچر کا کمال بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کی علمی سوسائٹی اور مناظرہ کے حالات جن سے آپ کی زور تحریر اور وسعت نظر کا حال معلوم ہو بہت ہی کمیاب ہیں۔ البتہ آپ کی انشاء پردازی اور تحریر کا زور کسی قدر ان مکاتیب و خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ جن کی معزز ناظرین آگے چل کر سیر کریں گے۔

زورِ تقریر

آپ کے والد بزرگوار جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی تقریر نہایت شستہ اور منجھی ہوئی تھی اور آپ ہر مضمون کو اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ سننے والے ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے۔ شیخ صاحب کی طرز تقریر اور انداز بیان عام و خاص لوگوں میں شہرت سے تجاوز کر کے ضرب المثل کی حد تک پہنچ گیا تھا اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شیخ صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے کہ آپ کے مجلس کے وعظ سے ہر ملت و مذہب کا شخص بشرطیکہ تعصب مذہبی سے خالی ہو بے حد خوش ہو کر اٹھتا ہے لیکن جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا۔ جس کا اثر موافق و مخالف دونوں پر یکساں پڑتا تھا۔ آپ کی زبان بڑے بڑے مناظروں اور علمی مجلسوں میں کبھی نہیں رکتی تھی۔ اور ہر موقعہ پر شستہ و برجستہ جواب دیتے تھے۔ جب آپ کسی مسئلہ پر بحث کرنے لگتے تھے تو کسی زبردست اور متبحر فاضل کو بھی آپ کے مقابلہ میں لِمَ اور لانسلّم کے کہنے کی جسارت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ایک محویت اور استغراق طاری ہو جاتا تھا اور نہایت خاموشی سے آپ کی تقریر سنا کرتے تھے۔

خوش تقریری

دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی فاضل اور اہل کمال کیوں نہ ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ تمام ملک و قوم کو راضی رکھ سکے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا جب ستارۂ کمال فلکِ اقبال پہ پہنچا تو آپ کے اوج و حشم کو دیکھ کر اکثر حاسد اور دشمن پیدا ہو گئے جس زمانہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو متعصب مولویوں کے حلقوں میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا وہ یہ سمجھ

گئے کہ ہماری روزی کی عمارت جڑ بنیاد سے ڈھادی گئی اب عوام لوگ کبھی قبضہ میں آئیں گے اور بات بات پر گفتگو کرنے کو تیار ہو جائیں گے اس خیال نے ان کے دلوں میں فتنہ و فساد کی ایک آگ بھڑکادی اور مخالف سے در گذر کر کے آپ کے جانی دشمن ہو گئے ہر جمعہ کے دن باہم مشورے کر کے اس ارادہ سے گھروں سے نکلتے تھے۔ کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی مخالفت عین وعظ میں کریں گے اور دس پانچ آدمی مل کر انہیں نرغہ میں کرلیں گے لیکن آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو ہوتا تھا کہ بجز سکوت و خاموشی کے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ سامعین کے تمام حلقوں پر سکوت حکومت کرتا تھا اور اثنائے وعظ میں کوئی کسی سے اشارہ تک نہیں کر سکتا تھا۔

فصاحت و بلاغت

یوں تو اس جلیل القدر اور محترم خاندان کے ہر ایک ممبر کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی عموماً تمام لوگوں کو تسلیم ہے لیکن جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی فصاحت و بلاغت کا ہر شخص کو خصوصیت کے ساتھ اعتراف ہے جب آپ کی علمی مجلس میں کوئی بحث چھیڑ دی جاتی تو ایک عجیب موثر طرز سے تقریر کرنی شروع کرتے اور اثنائے تقریر میں کسی موقع پر نہ رکتے تھے سلسلۂ کلام میں الفاظ کی تکرار ہوتی تھی۔ نہ معانی کو بار بار بیان کیا جاتا تھا جس فن پر گفتگو کرتے تھے تاوقتیکہ اس کا سلسلہ پورا اور ختم نہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے کو اختیار نہ کرتے تھے اور اثنائے تقریر میں ادب کا پہلو کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور جب ایک گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے دوسری گفتگو شروع کرتے تو پچھلی تقریر پہلی تقریر سے زیادہ مؤثر اور دلکش ہوتی تھی مخالفوں کے دلوں پر قبضہ کر لینا آپ کے آگے کوئی بات ہی نہ تھی اور سنگدلوں کو موم دل بنا لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا جناب شاہ عبدالعزیز صاحب آپ کے فرزند رشید کی جو برجستہ گوئی اور شیوا بیانی آج تک دنیا میں ضرب المثل ہے یہ آپ ہی کی فصاحت و بلاغت کا اثر ہے۔

الحاصل جناب عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم و فنون کے کارنامے اور علمی کمالات کے افسانے کتابوں میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن میں سے فیصدی پانچ کا بھی انتخاب ہم نہیں لکھ سکتے کیونکہ حیات ولی میں اب اس قدر گنجائش باقی نہیں رہی ہے تاہم مشتے نمونہ از خروارے آپ کے تمام حالات

کے انتخاب سے ہم اپنے تذکرہ کے کسی موقع کو خالی ہاتھ چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتے لہٰذا اب اس عنوان کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کا انتخاب

شاہ صاحب کی شاعری

یہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو فضلائے عہد اور علماء وقت نے تفسیر و حدیث اور فقہ کے لحاظ سے مجتہدین فن اور ائمہ مذاہب کے بعد علمی دربار میں دوسرے درجہ میں جگہ دی ہے ورنہ ایسا کون علم تھا جس میں آپ کو تبحر اور علو حاصل نہ تھا۔ شاعری جو علم ادب کے لیے ایک گراں مایہ جوہر ہے اور تمام ممالک اور قوموں میں جس کی عزت کی جاتی ہے اس میں اس درجہ کمال تھا کہ لوگوں نے گیارہویں صدی کے شعراء کے زمرہ میں آپ کو جداگانہ شمار کیا ہے اور شاعری کے علاوہ علم ادب میں تمام ماہرین فن کے طبقوں میں آپ مسلم ادیب گنے گئے ہیں جب ہم گیارہویں صدی کے شعراء کی فہرست میں آپ کو ڈھونڈھتے ہیں۔ تو نہایت روشن اور جلی حرفوں میں آپ کا نام نامی ثبت پاتے ہیں۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی ادب اور انشاء پردازی کی مثالیں آپ کے ان مکاتیب و خطوط سے ظاہر ہوں گی جنہیں ہم آگے چل کر لکھیں گے یہاں آپ کے کلام میں سے چند اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے ان اشعار کے نقل کرنے سے علاوہ برجستگی مضامین اور شستگی زبان کے یہ بھی دکھانا منظور ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو نظم پر کس درجہ قوت تھی اور آپ کس قدر و منزلت کے شاعر تھے۔

قصیدہ در بعض معارف غامضہ

الا طال شوق الابرار الی لقائی	وانی لاشد شوقا الیھم منھم
من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام	عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گویست با جان جان	اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
با جمالِ ذاتیش حسن دگر درکار شد	چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام
میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش	جذبۂ اصل است ہر ہر شورشِ مستانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینه
تا ترا بشناختم جانانه خود بیگانه ام

ای امین بر مستیم نام تجرد تهمت ست
در ازل پیش از زبان تعمیر شد میخانه ام

غزل

دوا مے درد من بر جمع امداد تو مینازم
نمک ریز دل مجروح من هستی و مرهم هم

جهان و جان فدائے و منع شوخ شهر آشوبت
قیامت می نمائی و دم عیسے و مرهم هم

توئی اول توئی آخر توئی ظاهر توئی باطن
توئی مقصود اهل دل توئی مشتاق و همدم هم

زیک منبع در ینجا مختلف فواره می جوشد
مزاج سوز قارون زهر ابراهیم ادهم هم

بخارے از زمین خیزد یا بود و آمیزد
گهے باران ریزان است او گاهے برف و شبنم هم

کدامی طرفه نیرنگئے کا شانه سردادی
که عالم پائے کوب از دست عشقت گشت و آدم هم

در شرح غزلیکه بر تضمین بیت اوّل غزالی علیه الرحمة انشا کردند

نخستین باده کاندر جام کردند
مزاجش عکس آن گلفام کردند

هویدا شد در امکان صورت حق
بآن صورت جهان را رام کردند

همیں بالیت تفصیلی ازان رو
مکارم را بما اتمام کردند

شراب وحدت از خمخانهٔ غیب
مرا صبح ازل در کام کردند

چو غلطیدم ز مستیها بهر سو
حریفان مستی ازمن وام کردند

حقیقت را که مستور از نظر بود
بما مشهود خاص و عام کردند

پس آنگه موج دریا بازگردید
با تمام فنا اکرام کردند

امین رمزے دقیقے باتو گویم
بخود آغاز و نیز انجام کردند

غزل دیگر

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کرده ام خود را
خروش درد دل شبهائی کردم چه می کردم

دلے پر درد و جان افگار یار تند خو دارم
جهان را پر ز یاربها نمیکردم چه میکردم

غم تحصیل و بار شغل و درد غزل می بینم
جنون ترک منصبها نمیکردم چه میکردم

کسے بائل ہمیسا نزد کسے بانگ ہیہے باز   اگر من یا د آن لبہا نمیکردم چہ میکردم
مئے تحقیق را از خم مشربہا برون دیدم   خروج از قید مشربہا نمیکردم چہ میکردم
حجاب وصل مطلوب است دل بستن بمطلبہا   اگر ترک مطلبہا نمیکردم چہ میکردم

اشعار

ہاگریز تو منم اے بے نظیر   رو بگرداں بعد ازین از ناگزیر
من ترا مشفق ترم از صد پدر   در من آویز د مرا محکم بگیر
غیر من گر با تو با بستہ بود   آن وبالست و عذابست و سعیر
جان من در ہجر یار خود بسوخت   من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر
بے قرارم روز و شب بے روئے یار   باز بنما روئے یارم یا قدیر
اندرونم بے حجابش تار شد   کے شود یارب بوصلش مستنیر
اے برادر بعد ازین ہشیار باش   فرق میکن درمیان شیر و شیر

غزل دیگر

ساقی کرمے کن کز ہوش خود افتم   من یار خودم خود از دوش خود افتم
مثل مے بجوشان کز خم بدر افتد   جوشے زدہ بر خود از جوش خود افتم
از ہر بن موئم جوشد مئے دیگر   از فرط تمائل ز آغوش خود افتم
زین تیر زبانے آزردہ دلم من   خوش آنکہ زمانے خاموش خود افتم

یہ غزل مزاحفات بحر بسیط سے ہے اس کے ارکان چار بار مستفعلن فعلن ہے جو فارسی میں نہایت کمیاب ہے اکثر شعراء متقدمین کے کلام اس بحر سے خالی ہیں۔

رباعیات در بیان بعض قواعد سلوک

علمے کہ نہ ماخوذ از مشکواۃ نبی است   واللہ کہ سیرابی ازان تشنہ لبی است
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت   تابع شدن حکم خود بولہبی است

دانی که چه بود نسخ قدیم اے دلدار
شغل دل تو ظاهر و باطن با یار
این را شنوی از درس عوارف عارف
وان فن دگر یاد بگیر از احرار

در مذهب ماهست ز اسباب غرور
ذکرے که بود عاطل از انوار حضور
در حاشیهٔ نفی شو از خلق نفور
در جانب اثبات برو سوئے غفور

مستی دو له شرط طریق افتادست
بے مست شدن کار کسی نگشادست
در ذکر خفی جهر تخیل کردن
شرط ست وز استاد طریقم یاد ست

خواهی که مئے صرف محبت نوشی
باید که بتعطیل علائق کوشی!
دل را نه خیالات جهان صرف کنی
چشم از صور جمله عالم پوشی

در عشق تو از جمله جهان بگذشتم
وز هر چه بجز یاد تو زان بگذشتم
مقصود من بنده بجز وصل تو نیست
اندر طلبت از دل و جان بگذشتم

دائم دل من پیش تو حاضر باشد
چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذهب ما شرک جلی ست و صریح
گر سوئے دگر خطرۂ خاطر باشد

دانی چه بود سهل کثیر البرکات
در مشرب اهل دل وجود و عدمات
تحصیل عدم بدان یعنے مانع
در نفی خواطر در ستر جهات

خوش آنکه با نوار وضو رنگین ست
زیرا که طهارت ز اصول دین ست
تنویر دل و نفی خواطر خواهی
قوی ذریعهٔ وصولش این ست

تحصیل عدم اگر ندانی کردن!
باید نظر اهل فنا را جستن
این دار عضال را دوائے به ازین
در حکمت اهل دل نخواهی دیدن

آنانکه ز ادناس بهیمی رستند
بالمعهٔ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از همت ایشان میجو
دروازهٔ فیض قدس ایشان هستند

آن ذات که از قید جهت بیرون است
از حیطهٔ اسماء صفت بیرون است!
هر مرتبه زان ذات نشانے دارد
هر چند ز تعیین سمت بیرون است

هر مدرکه شد مظهر آن یار عجیب
ظاهر شده از صورتش آثار عجیب
در لوح دل از ثبت کنی صورت او
پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب

قومے بکتابت احرف موصوف
جمعے تبلاوت اسماء معروف

شخصے کہ ازین قوم قدم پیش بنہاد　　　گشت است باین صورت ذہنی مشغوف

اشعار

تا بکے محنت مہجوری و دوری بکشم　　　تا زمین وطنم سوئے وطن باز روم
تا بکے ہمدمئے سنگ بود شیوۂ من　　　گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم
تا بکے بستۂ زنجیر تعلق باشم　　　آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
بجئے جان میر سد از باد یمن درد وجہان　　　شاہ ملک یمنم سوئے یمن باز روم

اشعار

دلے دارم ز خود خالی حبابش میتوان گفتن　　　درو کیفیت جوش شرابش میتوان گفتن
وجود دیلے نمود معنے نادیدنے وارد　　　درین نیز نگہا بوئے کبابش میتوان گفتن
فرد پاشیدہ از ہم کثرت موہوم چون شبنم　　　ز فیض معنی ما آفتابش میتوان گفتن

اشعار

فراغ یافتم از حج و عمرہ!　　　چو احرام سر کوئے تو بستم
چو دیدم روئے زیبائے تو جانا　　　ز تشویش وجود خویش رفتم
بیا ساقی بدہ جامے شرابے　　　کہ مخمور صبوحے والستم
محبت نام جوش طبع و میل نفسی اگر باشد　　　سر اہل محبت در دو عالم گاؤ باشد
زناز کی طبع غیر از خوشنمائیہا نمے آید　　　درخت بید را دیدیم دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشربان رنگ تعلق در نمیگیرد　　　اگر نقشے زنی بر روئے دریا بے اثر باشد
صفائی طبع میخواہی ز صحبت دلمن اندر کش　　　کہ آب دور از مردم ہمیشہ با صفا باشد

فرد

مزاج صاف طبعان را بجز غربت نمیسازد　　　مکدر گردد آب صاف چون یکجا وطن گیرد
صفا با خست باطن نیز گاہے جمع میگردد　　　بردہ بالو عہ را چون در و بنشیند تماشا کن

ہر زہ گردی مانع سوز دل است اے ہوشمند　　سیل تا بنشست یکجا باطنش صافی نہ شد

شاہ صاحب کے کلام میں سے جن رباعیات اور اشعار کا انتخاب مجھے معزز ناظرین کے سامنے پیش کرنا تھا نقل کر چکا۔ اگر آپ کے کلام کا تجسس نگاہوں سے تتبع کیا جائے تو ایک مختصر دیوان بن سکتا ہے۔ لیکن میں نے بنظر اختصار صرف ان ہی چند رباعیوں اور اشعار پر اکتفا کیا۔ ناظرین کو ان منتخب اشعار سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ محبت اور عشق الٰہی میں محترم شاہ صاحب کس درجہ محو تھے اور انہوں نے اپنا مبارک اور برتر خیال کن پُر اثر اور جوشیلے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ اشعار مذکورہ کے پڑھنے اور ہر ہر مصرعہ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قائل وہی شخص ہے جو عشق الٰہی اور محبت خداوندی میں پاؤں سے سر تک ڈوبا ہوا ہے اور بے خودانہ سرخوش حالت اور عالم وجد میں اس کی زبان مبارک سے یہ وجد میں لانے والے اشعار سرزد ہوئے ہیں۔

انسانی طبیعت اور اس کے سلسلۂ خیالات کا آئینہ ہمیشہ اس کی تحریر و تقریر ہوا کرتی ہے یعنی جو بات آدمی کے دل میں ہوتی ہے وہی اس کے زبان و قلم سے نکلتی ہے غور میں ڈوبی ہوئی نظریں اور بالغ نگاہیں فوراً ہر تحریر و تقریر سے قائل کے دلی خیالات کا کافی اندازہ کر لیتے ہیں اور جھٹ تاڑ جاتی ہیں کہ جو کچھ قائل کہہ رہا ہے آیا اس کی طبیعت کی بھی یہی کیفیت ہے یا اس میں کچھ تکلف و بناوٹ داخل ہے۔ بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں جن کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر فقرہ سے کھلم کھلا ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا قلم دل کے ساتھ موافق نہیں ہے دل کچھ کہتا ہے طبیعت کچھ شہادت دیتی ہے قلم کچھ اور کہہ رہا ہے زبان کچھ اور گواہی دیتی ہے لیکن جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان و قلم سے وہی نکلتا تھا جو آپ کے دل میں ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ جو اثر اس وقت آپ کی زبان میں تھا آج وہی اثر ہم آپ کی تحریر میں پاتے ہیں۔

ہماری اس رائے کی تائید جناب شاہ عبدالعزیز آپ کے فرزند رشید کے قول سے بہت کچھ ہوتی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

"میرے والد بزرگوار کے تقریروں میں ایک خاص صفت یہ ہے کہ اگر اب بھی کوئی شخص ان کی اصلی تقریریں ایک مرتبہ بھی پڑھ لیتا ہے

تو وہ اس کی یاد سے کبھی فراموش نہیں ہوتیں جس وقت وہ تقریریں آپ زبان سے فرمایا کرتے تھے تو اس کا اثر سننے والوں کے دلوں پر اس قدر پڑتا تھا کہ کبھی زائل نہیں ہوتا تھا اور لوگ آپ کی تقریر سنتے ہی خلوص دل سے اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے تھے۔

شاہ صاحب کے مکاتیب

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے خطوط کا گو میرے پاس ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا لیکن میں نے بنظر طوالت ان میں سے صرف ان ہی چند خطوط کا انتخاب کیا ہے جو ناظرین تذکرہ کی دلچسپی کے باعث ہیں اور چونکہ وہ علم ادب کی روح اور ادیبوں کی جان ہیں اس لیے بجنسہٖ درج کرتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا پہلا خط شیخ ابراہیم مدنی کے نام

من الشیخ ولی اللہ العمری الی الشیخ ابراهیم المدنی فی تعزیۃ والدہ الشیخ ابی طاهر المدنی قدس اللہ اسرارهم

اعلی اللہ معالم العلم وشید بنیانه ورفع اعلام الدین وسدد ارکانه وروضی ریاض الحدیث واعظم رواته و نضر اهله ونور حزبه واعلی سماکه بدروس الحبر الهمام قدوۃ الانام وارث المجد کابرا عن کابر مباشر میراث اسلافه الاکابر۔

الشیخ ابراهیم بن سیدی الشیخ ابی طاهر الکردی المدنی!

شیخ ولی اللہ العمری کا خط بنام شیخ ابراہیم مدنی ان کے والد شیخ ابوطاہر مدنی قدس اللہ اسرارہم کی تعزیت میں خدا تعالیٰ اعلم کے آثار اونچے اور اس کی بنیادیں مضبوط کرے۔ دین کے جھنڈے بلند اور اس کے ارکان مستحکم کرے۔ حدیث کے باغ کو سرسبز و شاداب اور اس کی رونق کرے!!! کرے اہل حدیث کو تازگی اور اس کے سرپرستوں کو نور بخشے اور دانشمند بزرگ میرے اُستاد شیخ ابوطاہر مدنی کردی کے فرزند رشید مولانا شیخ ابراہیم کے حدیث کی درس و اشاعت کی وجہ سے علم حدیث کو عروج کمال تک پہنچائے جو پیشوائے

أما بعد فأعظم الله تعالى أجركم
وألهمكم صبركم على شيخنا رضي
الله عنه وأرضاه عني أني حقيق أن
أعزى به ويلح بي بدعاء الصبر عليه فوالله
ما زلت منذ قرع سمعي حديث وفاته
وبلغني خبر انتقاله إلى رحمة ربه
وجناته في قلق قالق الكبد. وملل
ممل ذي الرمد وفوقي سحابٌ مطراً
لهم والأسى وتحت بحار باللظى تدفق
كيف لا وكان رضي الله عنه بركة أهل
الأرض ومجلى برهانها وكان حدبه على
ما قد ظهرت آياته ولاحت مخائله
وأماراته وصار شغفي به يضرب
به الأمثال ولا يعلم كنهه إلا الكبير
المتعال ولا أنسى منه أني لما جد بي الترحال
وفصلت العير وقاربت الانفصال
ذكرت له كيت كيت ثم تمثلت
له بهذا البيت ؎

نسيت كل طريق كنت
أعرفه إلا طريقاً يؤديني
لربعكم فاغرورقت
عيناه واحمرتا

مذہبی اور مقتدائے مخلوق ہیں اور اپنے
بزرگ اسلاف کے بزرگی و فضیلت کے
جائز وارث ہیں اس کے بعد واضح ہو
کہ خدا تعالے آپ کا اجر بڑھائے اور
ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ پر صبر کرنے کا
آپ کو الہام کرے مجھے سزاوار ہے کہ میں
اپنے شیخ کی تعریف کروں اور دعا صبر میں
کوشش کروں۔ خدا کی قسم جب سے شیخ
کے انتقال کی جانگزا خبر میرے کان میں
پہنچی ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ
دنیا سے منہ موڑ کر خداوندی رحمت اور
اس کی جنتوں میں انتقال کر گئے ہیں تو میں
ایک ایسے قلق اور اضطراب میں گرفتار ہوں
جو جگر کو پاش پاش کئے دیتا ہے۔ اور
اس اندوہ و رنج میں مبتلا ہوں جس میں
صاحب امر مبتلا ہوتا ہے میرے سر پر
ایک ایسا ابر چھایا ہوا ہے جو غم و اندوہ
کا مینہ برساتا ہے اور میرے نیچے مشتعل
آگ کا دریا لہریں لے رہا ہے اور کیوں نہ
لے میرے شیخ رضی اللہ عنہ حقیقت میں
زمین کے باشندوں کے لیے برکت اور
مدینہ طیبہ کے مقتدا و پیشوا اور اس کے عمدہ
ارکان تھے انہیں مجھ سے اس درجہ محبت
تھی جس کی نشانیاں ظاہر اور علامات واضح تھے
واضح تھے اور میری محبت ان کے ساتھ

وجدناه حتى خنقته عبرة البكاء ثم بعد ذالك ابتهل في الدعاء ولا انسى منه اني سألت عن كمية عمره من السنين فقال معترك المنايا ما بين ستين و سبعين فلو شئت ان ابكي دما لبكيته عليه ولكن ساحة الصبر اوسع وان سلو ان فؤادي وعصيته ، اعتمادي عند هجوم دواعي البكاء وضيق الارض على والسداد انه رضي الله عنه خلف عن مثل جنابكم دام المجد بقيا مكم و ان الشبل يشبه الاسد وانما يظهر سر الوالد من الولد ؎

بقيت بقاء الدهر يا كهف اهله
وهذا دعاء للبرية شامل

والسلام !

ضرب المثل تھی جس کی حقیقت خدا تعالےٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جان سکتا ہیں اس وقت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ کہ جب میرے کوچ کا زمانہ قریب ہوا اور جدائی کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی اور رخصتانہ ملاقات کے اثنا میں۔ میں نے ان کی مزاج پرسی کے بعد یہ بیت پڑھی ؎

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یؤدینی لربعکم

یعنی میں بجز اس ایک رستہ کے جو مجھے تمہاری زمین تک پہنچاوے ان تمام رستوں کو بھول گیا جن سے میں اس سے پیشتر واقف تھا تو آپ کی پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہنے لگیں اور دونوں رخسارے سُرخ ہو گئے یہاں تک کہ گریہ کی گرمی سے آپ کا گلا گھٹ گیا ناں بعد آپ نے نہایت خلوص کے ساتھ اس عاجز کے حق میں دعا کی۔ اور میں اس واقعہ کو بھی کبھی بھول نہیں سکتا کہ جب میں نے آپ کی مقدار عمر دریافت کی تو جواب میں فرمایا کہ ساٹھ و ستر کے مابین ہے تو اگر میں ان باتوں کو یاد کر کے خون کے آنسو رونا چاہوں تو رو سکتا ہوں لیکن صبر

کامیابی زیادہ وسیع ہے اور اسباب گریہ کے ہجوم اور آسمان وزمین کی تنگی کے وقت میرے دل کی تسلی اور میرے بھروسہ کی لاٹھی صرف یہ ہے کہ شیخ رضی اللہ عنہ نے آپ جیسا فرزند اپنی محسوس یادگار چھوڑی ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ شیر کا بچہ شیر کے مشابہ ہوتا اور فرزند سے باپ کی خصلت ظاہر ہوتی ہے۔ اسے زمانہ کے ماویٰ وملجا تیری بقا زمانہ کی بقائے دوام کے ساتھ رہے اور یہ دعا تمام مخلوق کو شامل ہے والسلام۔

المکتوب الثانی

من الشیخ الموصوف الی استاده قدوة المحدثین جمال الدین ابی طاهر الکردی المدنی قدس الله سرهما واعلی فی الملاء الاعلی ذکرهما:

لازالت شآبیب الرحمة والبرکات منهلة ومنسجمة وسحائب العنایة والکرامة ممطرة ... علی الصقع المحفوف بالبرکة الکرام الموصوف بالمجد فوق ما نذکر

دوسرا خط

شاہ ولی اللہ صاحب کا دوسرا خط۔ اپنے استاد شیخ المحدثین جمال الدین ابوطاہر کردی مدنی کے نام خدا تعالےٰ ان دونوں کو پاک کرے اور ملاء اعلےٰ میں ان کا ذکر بلند کرے۔

رحمت وبرکات کے مینہ اور عنایت و کرامات کے بادل اس گوشہ زمین پر ہمیشہ برستے رہیں جسے بزرگ نیکوکار فرشتہ گرد وپیش سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور جو فضیلت خاص سے موصوف ہے اس کا سلسلہ کلام میں ذکر کرنا فوق ادب ہے

بالكلام جناب من اجلة ان
اذكره بصريح اسمه واستغنى
من ذالك بتعيينه بعلامته و
وسمه ومن العجائب ان افوه بذكره
ولقد اغار بان يسر بخاطرى
ومن اجده فى خلدى حاضرا
فلا يغرب عنى بحياته و لا
يغيب والفيه فى بصرى
متمثلا فلا يصيبنى فقدانه
ولا يريب حضرة شيخنا و
قدوتنا و مخدومنا و مولانا
الاكرم الافخم الاجل ؎
بقيت بقاء الدهر يا كهف اهله
وهذا دعاء للبرية شامل
اما بعد فهذا المستمد بتوجهاتكم
المعتمد على دعواتكم يحمد الله
تعالى اليكم فى جميع الامور ظاهرها
وباطنها ويشكر لديكم نعمه التى لا
يحصى عددها ولا يحصر مددها من
جملتها صوم رمضان بمكة المباركة
واعتكاف العشرة الاخيرة فى
المسجد الحرام ولقد حدثنى الشيخ
عمر ميناه خادم
الله تعالى سره الله تعالى
كما سرنى انه هيأ دارا لنزولكم فى

اور اس کی جناب اس سے بہت دور ہے
کہ میں صراحتہً اس کا نام لوں یا علامت و نشان
کے ساتھ معین کروں ؎
ومن العجائب ان افوہ بذکرہ
ولقد اغار بان یسر بخاطری
جسے میں اپنے دل میں حاضر پاتا ہوں اور
وہ زندگی بھر کبھی مجھ سے غائب نہیں
ہوتا اور جس کی تصویر میری آنکھوں کے
سامنے آجاتی ہے اور پھر کبھی نظروں سے
ہٹتی نہیں وہ ہمارے شیخ ہمارے مقتدا
ہمارے مخدوم ہمارے بزرگ ہیں ؎
بقیت بقاء الدہر یا کہف اہلہ
وھذا دعاء للبریۃ شامل
اس کے بعد واضح ہو کہ آپ کی دلی توجہات
کا محتاج اور آپ کی دعاؤں پر بھروسہ
کرنے والا۔ تمام باطنی وظاہر امور میں خدا کی
تعریف اور اس کی ان نعمتوں کا شکریہ کرتا
ہے جو گنتی میں نہیں آسکتیں منجملہ ان کے
مکہ معظمہ میں رمضان کا روزہ اور مسجد حرام میں
عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہے۔ مجھے خانہ کعبہ
کے خادم شیخ عمر میناہ نے خبر دی خدا
تعالیٰ اسے خوش رکھے جیسا اس نے
مجھے خوش کیا، کہ آپ حج کے لیے تشریف
لاتے ہیں اور وہ آپ کے نزول کے
واسطے مکان تیار کر رہا ہے اور قربانی د

الحج ویسنظر قدومکم فی ایام الحج والشہم ؎

فساغ الی الشراب وکنت قبلا اکاد اغص بالماء الفرات

حقق اللہ تعالیٰ ھذہ الامنیۃ منا ومنہ انہ علی کل شئ قدیر وباجابۃ الداعین جدیر و نسئل منکم الدعاء بالسلامۃ فی السفر والاقامۃ وبعافیۃ ولا بلاء بعدھا وبرحمۃ لا سخط بعقبہا والسلام والاکرام ؕ

المکتوب الثالث

بعد نثر تحیات لا تزال منھا روائح الاخلاص ما بعۃ وفاتحۃ واھداء دعوات لا انتفاء عنھا نسائم قبول والقبول نادیۃ ومن الحقر من عبد ضعیف راقمہ جمیل اللطف وجزیل الامتنان وصب ولف شانہ عظیم الحسن وعمیم الاحسان ؎

؎

اخذ تمونی منی فی ملاطفۃ فلست اعرف غیرھا قد عرفتکم الی احضرت من تقاصرت الا

لبیک کہنے کے زمانہ میں آپ کی تشریف آوری کا انتظار ہے ؎

فساغ الی الشراب وکنت قبلا اکاد اغص بالماء الفرات

خدا تعالےٰ میری اور اس کی آرزو کو پورا کرے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعا قبول کرنے کے لائق اور سزاوار ہے میں آپ سے سفر و حضر کی حالت میں سلامت و خیریت کی دعا چاہتا اور اس عافیت و رحمت کی استدعا کرتا ہوں جس کے بعد کوئی بلا اور جس کے پیچھے کوئی عذاب نہ ہو والسلام والاکرام۔

تیسرا خط

(تیسرا خط شیخ ابوطاہر مدنی کے نام) ان تحفوں کے ارسال کرنے کے بعد جن سے ہمیشہ اخلاص کی عطر آمیز ہوائیں چل کر دل و دماغ کو معطر کرتی ہیں اور ان دعاؤں کے ہدیہ کرنے کے پیچھے جن سے قبول القبول کی ہوا کے خوش آیندہ جھونکے صبح و شام جدا نہیں ہوتے واضح ہو یہ عریضہ اس ضعیف و خاکسار بندہ کی طرف سے ہے جسے آپ کے لطیف و جمیل اور احسان عظیم نے غلام بنا لیا ہے اور عام احسان نے اس کی حالت کو مرہون منت کر دیا ہے؎

السنة والتعبيرات عن وصف كماله
و تضايقت الاساليب والتعبيرات
عن نعت جماله . فالمطرى فى
مدحته اعجم وقاصر والمفرط
فى تقريظه مفرط ناتر ه

وعلى تفنن واصفيه بوصفه يفنى
الزمان وفيه ما لم يوصف شيخنا
وقدوتنا ومخدومنا ومولانا
الاكرم الافخم الاجل الابجل
ادام الله تعالى بادامة ايامه حيات
علوم الدين وابقى بهجتها وخلد
بتخلية عهده رونق معارف الحق
وابقى بهجتها . فان هذا المستمد
بتوجهاتكم العلية والمعتمد على
دعواتكم المستجابة وصل
الى مكة زادها الله شرفا
وتعظيما ومامونا وعن جميع
المخلوقات سالما عن جميع
المكروهات اللهم الا الم
فراقكم الذى لا صبر على صبره
الا كصبر المصبور ولا مصانعة
معه الا كمصانعة المغلوب المقهور
ه

احسنتمونى منى فى ملاطفة
فلست اعرف غيرها قد عرفتكم

یعنی جب سے تم نے مجھے اپنے سایۂ لطفت میں لیا ہے اور میں نے تمہیں پہچانا ہے اس وقت سے میں نے بجز عنایت و مہربانی کے اور کچھ نہیں دیکھا اور یہ عریضہ اس شخص کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس کے وصف کمال سے زبانیں اور تعبیریں قاصر اور نعت و جمال سے اسلوب و تعبیرات کا دائرہ تنگ ہے اس کی مدح میں نہایت مبالغہ سے تعریف کرنے والا محض عاجز اور گونگا ہے ۔ اور افراط کے ساتھ مدح سرائی میں مشغول ہونے والا تھک جانے والا ہے ہ

وعلى تفنن واصفيه بوصفه
يفنى الزمان وفيه ما لم يوصف

وہ ہمارے شیخ ہمارے مقتدا ہمارے مخدوم ہمارے مکرم و محترم اور بزرگ مولانا ہیں خدا تعالے نے ان کے بقائے دوام کی وجہ سے دینی علوم کی زندگی میں مداومت کی روح ڈالے اور ان کی رونق ہمیشہ قائم رکھے اور ان کے زمانہ کی ہمیشگی کے سبب سے معارف حق کو سدا تر و تازہ رکھے اور اس کی تازگی کی رونق کو دوبالا کرے اس کے بعد گذارش ہے کہ آپ کی توجہات عالیہ

٥

واللہ لو حلف العشاق انہم
قتلی من الحب یوم البین ما حنثوا
والی اللہ المشتکی
وھو المستعان وھو العالم
بالاسرار والاعلان و
المسئول منکم الدعاء فی
الاوقات المرجوۃ و
طلب الخیر فی السواردات
المعبوۃ والحمد للہ
اولاً و آخراً

منکم الدعاء فی
الاوقات المرجوۃ و
طلب الخیر
فی السواردات
المعبوۃ و
الحمد
للہ
اولاً
و
آخراً

المکتوب الرابع

تحیات اصولہا ثابتۃ فی
ارض المحبۃ الخالصۃ و

کا محتاج اور آپ کی مقبول دعاؤں پر بھروسہ کرنے والا تمام خطرناک مواقع سے محفوظ اور ناگوار چیزوں سے صحیح سالم مکہ معظمہ میں پہنچا خدا اس کی شرف وعظمت کو بڑھائے خدا کا شکر ہے کہ اس وقت مجھے کسی طرح کا خوف واندیشہ اور رنج و اندوہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کی مفارقت کا رنج اس درجہ ہے جس پر مجھے کسی طرح صبر نہیں آتا اگر جیسے زنجیر میں بندھے ہوئے شخص یا قفس میں پڑے ہوئے جانور کو صبر ہوتا ہے یا مغلوب و مقہور آدمی اپنے دل کو تسلی دیتا ہے ؎

واللہ لو حلف العشاق انہم
قتلی من الحب یوم البین ما حنثوا

یعنی اگر عشاق اس بات پر قسم کھائیں کہ ہم محبت کی وجہ سے مفارقت کے دن قتل کئے گئے ہیں تو واللہ وہ حانث نہ ہوں گے میری شکایت کا علاج خدا کے پاس ہے اور اسی سے مدد چاہتا ہوں وہی باطن اور ظاہر کو جانتا ہے ہیں آپ مقبولہ اوقات میں دعا کا خواستگار اور طالب خیر ہوں۔

چوتھا خط

وہ تحفے جن کی جڑ محبت خالصہ کی زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہیں اور وہ

فوجها فی السماء و دعوات دعاتها
مستقرة فی ممتن رحمته الخالص و
سقوفها اعلی العلیا یرفعها احقر
الخلیقة ومن لیس بشیء فی الحقیقة
الی الصقع المحفوف بالملئکة ،
المتمسه التسبیح والتحمید و
الجناب الموصوف بلا یشقی اجلیسهم
وان کان اوجب الطرد والتبعید
دائرة مرکزها عروة الوثقی لا
انفصام لها من تمسک بها
هدی الی صراط مستقیم
ومحفلة شاهر مستحکم حبل
لا انقطاع لہ من اعتصم
بہ اداہ الی سنین السنن
والنہج القویم

ے

لا یدرک المواصف المطری خصائصہ
وان یکن سابقا فی کل ما وصفا
شیخنا وقدوتنا وممدوحنا
ومولانا الاکرم الافخم الاجل
الابجل ادام اللہ تعالی المجد بین
یدیہ وخلدہ کہفا لمن لاذ بہ و
اعتمد علیہ اما بعد فان المستمد
بتوجہاتکم المعتمد علی دعواتکم
یشکر الیکم اللہ تعالی علی نعم

دعائیں جن کے ستون رحمۃ خالصہ کے گڑے
ہیں گھرے ہوئے ہیں اور چھتیں غایت
رفعت میں ہیں احقر خلائق جو حقیقت میں
کوئی چیز نہیں ہے اس گوشہ میں پہنچاتا ہے
جسے فرشتے گھیرے ہوئے تسبیح وتحمید کا نعرہ
بلند کرتے ہیں اور اس بارگاہ عالی میں پیش کرتا
ہے جس کا جلیس وہم صحبت بد بخت نہیں
ہوتا اگرچہ وہ اس قابل ہے کہ خداوندی رحمت
سے دور کر دیا جائے اس کی جناب ایک
ایسا دائرہ ہے جس کا مرکز مضبوط کڑا ہے
جو کہیں ٹوٹ نہیں سکتا جس نے اُسے پکڑا
سیدھی راہ پر لگ گیا اور اس کی محفل ایک
ایسی مستحکم رسی ہے جو کبھی کٹ نہیں سکتی۔ جس نے
اُسے مضبوطی سے پکڑا اس کو اس نے
شارع عام اور سنت کے طریقہ پر پہنچا دیا ے

لا یدرک الواصف المطری خصائصہ
وان یکن سابقاً فی کلّ ما وصفا
یعنی مبالغہ کرنے والا مداح اس کی خصوصیتوں
کو پا نہیں سکتا۔ اگرچہ وہ مداح سرائی میں
سابق وممتاز ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہمارے شیخ
ہمارے پیشوا ہمارے ممدوح ہمارے
محترم ومکرم بزرگ وافضل مولانا ہیں خدا تعالیٰ
صبح وشام ان کی بزرگی میں ترقی دے اور
اُسے دائم وقائم رکھے اور ان کی حفاظت
اس شخص کے لیے ہمیشہ رکھے جو اُن کی

ظاهرة و باطنة لا يحصى و
يحمد اليكم الله على ذوارف
عوارف لا تعد ولا عدها يرجى
ويسئل منكم الدعاء لمزيدها
والاستدامة
قديمها و
جديدها
والسلام
والاكرام ۵

المكتوب الخامس

من الشيخ عارف بالله الى الشيخ
ابراهيم المدنى رحمهما الله
تعالى لازالت ذوارف العوارف
هامية على بركة الانام
خلف السادات الكرام
القائم المقام الائمة
الاعلام موليٰنا الشيخ ابراهيم
ايده الله تعالى ابن شيخنا
الاجل الامجد موليٰنا الشيخ
ابى طاهر بن العارف قدوة
الانام حجة الاسلام موليٰنا
الشيخ ابراهيم الكردى المدنى قدسنا
الله باسرارهما من الفقير
ولى الله بن عبد الرحيم العمرى

ملازم صحبت رہے اور بھروسہ رکھے اس
کے بعد آپ کی توجہات کا محتاج اور
آپ کی دعاؤں پر بھروسہ کرنے والا خدا کی
ان ظاہری و باطنی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے
جو شمار میں نہیں آسکتیں اور عوارف کے ان
بہتے چشموں پر خدا کی تعریف کرتا ہے جن کا
حصر نہیں ہو سکتا اب آپ سے مزید نعمت
اور قدیم و جدید منتوں کے ہمیشہ رہنے کی
دعا چاہتا ہے۔ والسلام والاکرام ۔

پانچواں خط

(شیخ عارف باللہ مولانا ولی اللہ کا خط
شیخ ابراہیم مدنی رحمہا اللہ کے نام) عوارف
کے صاف و ستھرے بہتے ہوئے چشمے خلائق
کے عوض یعنی سادات کرام کے فرزند رشید
مولانا شیخ ابراہیم پر ہمیشہ گرتے رہیں جو ائمہ
علام کے قائم مقام اور ہمارے مکرم و معزز
مولانا شیخ ابو طاہر کے فرزند عارف باللہ
حجۃ الاسلام قدوۃ الانام مولانا شیخ ابراہیم
کردی مدنی کے پوتے ہیں خدا تعالے ہمیں
ان کے اسرار کی بدولت پاک کرے فقیر
ولی اللہ بن عبد الرحیم العمری الدہلوی عفا اللہ عنہ
کی طرف سے آپ پر سلام اور خدا کی رحمت و
برکت ہو آپ نے جو اپنے محب کی خیریت
دریافت کی تھی سو خدا کا شکر ہے کہ وہ خود

الذي هو عفا الله عنه سلام عليكم
ورحمة الله وبركاته ان سألتم
عن محبكم فانه بعافية في نفسه
واهله وولده رطب اللسان
بذكر آبائكم الكرام ويشكر
نعمائهم ونشر علومهم وارجو
من الله تعالى ان يحفظني ببركاتهم
ويحيي ذكرهم في هذا البلاد
بعد العبد الضعيف واولاده
اصحابه انه قريب مجيب
واسأل منكم ان لا تنسوني
صالح دعواتكم بجاه النبي
صلى الله عليه وسلم وقد
كتبت اليكم قبل هذا
مكاتيب كثيرة فما شرفتمونا
بجواب ولا اكرمتمونا بسلام
ولا كتاب وما كان ذلك ظننا بكم
والمسئول الآن خلاف ما كان
ان تكتبوا الجواب مع حامل
رقيمتنا هذه ومع كل جاء
يجيئنا من تلك المواضع المشرفة وتخبرونا
عن سلامتكم وسلامة اولادكم واصحابكم والسلام

المكتوب السادس

من الشيخ العارف الى الشيخ
وفد الله المالكي المكي بسم الله الرحمن

اور اس کی اہل واولاد خیریت سے ہیں اور
آپ کے آباء کرام کے ذکر سے رطب
اللسان ہے ان کی نعمتوں اور علمی اشاعتوں
کا شکر ادا کرتا ہے۔ مجھے خدا سے امید
ہے کہ وہ ان کی برکات کی وجہ سے مجھے
ہمیشہ محفوظ رکھے اور ان بلاد میں اس ضعیف
اور اس کی اولاد واصحاب کے سبب سے
ان کا ذکر زندہ رکھے میں تم سے درخواست
کرتا ہوں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا واسطہ
دیتا ہوں کہ اپنی نیک دعاؤں میں فراموش
نہ کریں۔ اگرچہ میں نے اس سے پیشتر بہت
سے خطوط آپ کی خدمت میں روانہ کئے
لیکن نہ تو آپ نے جواب سے معزز فرمایا
نہ سلام کتاب سے ممتاز کیا۔ حالانکہ میرا
خیال آپ کی نسبت ایسا نہ تھا اب میں
بخلاف سابق کے التماس کرتا ہوں کہ
آپ اس رقیمہ کے حامل کی معرفت جواب
تحریر کرکے ارسال کریں اور ان محترم مواضع
سے ہر آنے والے کے ہاتھ سرفرازنامہ
بھیجیں اور اپنی اور اپنی اولاد واصحاب
کی سلامتی سے مطلع کریں والسلام۔

چھٹا خط

(شیخ عارف باللہ مولانا ولی اللہ کا خط
شیخ وفداللہ مالکی مکی کے نام)

الرحيم. الحمد لله وصلى الله على
سيدنا محمد وآله وسلم من الفقير
ولي الله بن عبد الرحيم العمري
الدهلوي عفي عنه سلام عليكم
ورحمة الله وبركاته أما بعد
فالمأمول من مكارم أخلاقكما
أن تدعولنا في مواضع
الاجابة وأوقاتها الدينا و
معيشتنا وأولادنا وأصحابنا
وقد أخبرني ولدكم الشيخ
حسين أنكم اجتمعتم في صغرتكم
بفريد عصره الشيخ محمد بن العلا
البابلي قدس الله سره فاجازكم
بما تصح له روايته فان كان
الأمر كذلك فهو اسناد عالي
جدا فالمرجوا من جنابكم أن
يشرحونا بالاجازة مجملة و
مفصلة ويخبرونا باسانيدكم
العالية وفوائدكم المنتخبة
ومسلسلاتكم المتصلة
لعل الله يجمعني وإياكم في
مقام صدق في زمرة
أوليائه وجمله سنة
رسوله صلى الله عليه وآله
والسلام !!

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ خدا کو سب تعریف ہے
اللہ تعالےٰ ہمارے سردار محمد اور ان کی آل
پاک پر رحمت وسلام نازل فرمائے ۔ فقیر
ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلوی کی طرف
سے تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکات
کے بعد واضح ہو کہ آپ کے عام اخلاق و
بزرگ عادات سے امید ہے کہ ہمارے
دین و معیشت اور اولاد و اصحاب کے لیے
اپنے اجابت کے اوقات و مواضع میں
دعا کریں مجھے آپ کے فرزند رشید شیخ
حسین سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے
کم سنی کے زمانہ میں فرید عصر شیخ محمد بن
العلا بابلی قدس اللہ سرہٗ سے ملاقات کی
ہے اور انہوں نے آپ کو اپنی تمام مرویات
صحیحہ کی اجازت عنایت کی ہے اگر حقیقت
میں ۔ واقعہ نفس الامری ہے تو وہ ایک نہایت
ہی اعلےٰ درجہ کی اسناد ہے مجھے آپ سے
امید ہے کہ مجمل و مفصل اجازت سے اس
فقیر کو معزز و ممتاز کریں گے اور اپنی اسناد
عالیہ اور فوائد منتخبہ اور مسلسلات متصلہ سے
اطلاع دیں گے شاید خدا تعالےٰ مجھے اور
آپ کو مقام صدق میں اپنے اولیاء کے
زمرہ اور اپنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کی سنت کے عاملین کے گروہ میں جمع
کرے والسلام ۔

المکتوبُ السّابع

من الشیخ عارف باللّٰہ الیٰ بعض اخوانہ اخی ملازمة العلماء غنم و مجالسة الوعاء عزم اللّٰہ فی مواظبة طاعاتہ والاھتمام بعباداتہ اعلم ان الملاعبة لا تورث الا حسرۃ وان المفکھة لا تخلف الا قسوۃ ایاک واضاعة اوقات فی الدعة والبطالة کان والالام تنکص علیٰ عقبیک ولا تھتم بما بین یدیک

احسن الناس

من اذا

سمع

دعیٰ

حقق ما

ادعی

والسّلام !!

المکتوبُ الثامن

من الشّیخ عارف باللّٰہ

الیٰ بعض خلافہ

انّ الزمان قد تغیّر

ساتواں خط

(شیخ عارف باللہ کا خط بنام بعض دوستوں کے۔)

برادر من! علماء کی ملازمت بہت غنیمت ہے اور عقلا کی ہم نشینی عزم و استقلال کی محرک ہے اللہ۔ خدا تعالےٰ کی طاعات پر ہمیشگی بہت کمیاب ہے اور اس کی عبادات کے اہتمام سے اکثر حلقے خالی ہیں۔ واضح کر کھیل کود میں مصروف رہنا بجز حسرت کے اور کچھ واجب نہیں کرتا اور زیادہ خوش کلامی سخت دلی پیدا کرتی ہے۔ تم راحت و آسانی اور باطل کاموں میں اپنے اوقات ضائع نہ کرو اپنے تئیں اُن مضرت اور ایذارساں باتوں سے بچاؤ جو انجام کار تمہاری طرف عود کرنے والی ہیں اور جو جو چیزیں فی الحال تمہاری پیش نظر ہیں ان میں زیادہ اہتمام نہ کرو تمام لوگوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سن کر یاد رکھے اور اپنے دعوے کو ثابت کرے والسلام۔

آٹھواں خط

(شیخ عارف باللہ کی طرف سے بعض دوستوں کو)

زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا ہے اور مذاہب

وان المشرب قد تكدر وليس كل
تزيا تزين المسلمين مسلما
وليس كل ما يدعيه الانسان
لنفسه مسلما فاياك وخمسة من
الناس فانهم في الحقيقة بمنزلة
النسناس صوفي شاطح يحتال لرفع
التكليف ولا يقف في مجاري امره
عند التوقيف وثانيها معقولي مجادل
ينشر فتنة الشكوك والاوهام
ولا ينقاد بقياد العزيز العلام و
ثالثها فقيه متخرج يستطيب على
اقوال الميتة ولا يتبع ما اوضحه
النبي صلى الله عليه وسلم
لامته ورابعها متقشف يتشدد في
دينه كان الترخص ليس في
خزينه وخامسها غني طاغ يتكلف زي
الاعاجم و
يتداخل في
مضماربه
الحاجم!

والسلام

المكتوب التاسع

من الشيخ العارف شيخ
ولي الله قدس سره الى الشيخ

کا چشمہ نہایت مکدر ہو گیا ہے اور ہر
پوشش جو مسلمانوں کو زینت و رونق دیتی
ہے حقیقت میں اسلامی نہیں ہے اور ہر
وہ چیز جس کی انسان اپنے لیے خواہش کرتا
ہے کبھی اس پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم
پانچ طرح کے لوگوں سے اپنے تئیں بچاؤ
جو حقیقت میں اخناس کے منزلہ میں ہیں۔
ایک بے حیا صوفی سے جو رفع تکلیف کے
لیے حیلہ کرتا اور اپنے مجازی امور میں توقف
نہیں کرتا دوسرا جھگڑالو معقولی جو شکوک و
اوہام کے فتنے پھیلاتا اور خدا کا منقاد و
مطیع نہیں ہوتا ہے۔ تیسرا شیخی خورا فقیہ جو
مردہ اقوال پر خوش ہوتا اور جس کی نبی صلعم نے
اپنی امت کے لیے توضیح کی ہے اس کی
پیروی نہیں کرتا چوتھا خشک زاہد جو دین میں
اس درجہ سختی اور تشدد کرتا ہے کہ گویا
اُسے کسی بارہ میں اجازت ہی حاصل نہیں
پانچواں سرکش مالدار جو تکلف و بناوٹ کے
ساتھ عجمیوں کی ہیئت اختیار کرتا اور ان
کے ہم نوالہ ہم پیالہ ہونے کو دوست رکھتا
ہے۔ والسلام۔

نواں خط

شیخ عارف جناب شیخ ولی اللہ کی طرف
سے شیخ محمد عاشق رحمۃ اللہ کو۔

محمد عاشق رحمتہ اللہ علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ المنعم المفضل الکریم المتعال علی جمیع نعمہ و من جملتھا سلامتکما دام اللہ تعالیٰ عافیتکم و رزقکم ما تمنیتم من فضلہ بل ما لم یخطر علیٰ قلب بشر و ما ذالک علی اللہ بعزیز وصل المکتوب بعد مدۃ مدیدۃ و نحن معکم انشاء اللہ حیث کنتم وقد قدر اللہ تعالیٰ فی ھذہ الایام ان تحرر قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین یبسط لائق بالمقام وقد تمت منہ خمسۃ کراریش و التقدیر ان یکون قریباً من عشرۃ کراریش و لقد من اللہ تعالیٰ بجمع الھمۃ علیٰ تحریرہ و الھم علوماً مناسبۃ نسئل من اللہ تعالیٰ الاتمام علیٰ ھذا النھج و لاحول ولاقوۃ الا باللہ و قد وصل الولد العزیز عبدالرحمٰن مع اولادہ بالخیر والعافیۃ وقد تلقینا ھم تلقیاً حسناً و قرء علینا من کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس منعم خدا کو تعریف ہے جو فضل و کرامت کا مالک اور اپنی تمام نعمتوں پر بزرگ ہے۔ منجملہ ان نعمتوں کے ایک آپ کی سلامتی ہے خدا تعالے آپ کو ہمیشہ عافیت سے رکھے اور تمہاری آرزوئیں اپنے فضل سے برلاوے بلکہ ان چیزوں پر کامیاب کرے جن کا خطرہ بھی کسی آدمی کے دل پر نہ ہوتا اور یہ خدا کے نزدیک کچھ مشکل نہیں ہے ایک زمانہ دراز کے بعد آپ کا خط آیا اور اگرچہ بظاہر ہم تم سے دور ہیں لیکن حقیقت میں ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم ان دنوں میں خدا کی تقدیر سے رسالہ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ایک ایسے بسط کے ساتھ لکھ رہے ہیں جو اس کے مناسب ہے گو اس کا اندازہ دس جزو کے قریب کیا گیا ہے لیکن اب تک پانچ جزو کی تکمیل ہوئی ہے خدا کا احسان ہے کہ اس نے اس رسالہ کی تحریر پر ہماری ہمت جمع کر دی اور اس کے مناسب علوم الہام کئے ہم خدا تعالے سے التماس کرتے ہیں کہ جس طرز و روش سے یہ شروع ہوا ہے اسی پر اس کا خاتمہ ہو اور ہمیں بجز خدا کی مدد کے گناہ و لغزش سے بچنے

فوز الكبير شيئا
وعسى ان يقرء
على هذا النمط
حتى يختم
انشاء الله
تعالى

والسلام

المكتوب العاشر

من الشيخ الاستاذ العارف
بالله الشيخ ولى الله الى الفاضل
العلامة المخدوم معين الملة
والدين السندى طاب ثراه
احسن الله الى اخينا
المكرم المعظم ومخدومنا المبجل
جامع الكمالات سباق الغايات
وجعله كاسمه معينا للسنة والدين
امينا على خزائن علم اليقين
وعين اليقين اما بعد فالفقير
ولى الله عفى عنه يسلم عليكم
ويدعوا الله لكم فى الاوقات
المرجوة وقد استفسرتمونى فى

اور نیک کام کرنے کی قوت نہیں ہے
مکرر آنکہ فرزند رشید عبدالرحمٰن مع اولاد کے
بخیر و عافیت پہنچے اور ہم نے ان سے
بہت اچھی طرح ملاقات کی وہ آج کل ہم
سے فی الفوز الکبیر پڑھ رہے ہیں۔ کچھ
حصہ تو پڑھ چکے ہیں اور باقی کی نسبت
امید ہے کہ اسی طرز کے ساتھ پڑھ کر
ختم کریں انشاء اللہ تعالےٰ والسلام۔

دسواں خط

(شیخ اُستاد عارف باللہ شیخ ولی اللہ کا خط
فاضل علامہ مخدوم معین الدین سندی
کے نام)
خدا تعالے ہمارے مکرم و معظم اور ہمارے
محترم و بزرگ مخدوم برادر پر نگاہ کرم رکھے
جو تمام کمالات کو جامع اور غایات میں سب
سے آگے نکل جانے والا ہے اور جیسا
کہ اس کا نام ہے سنت و دین کا معین و
مددگار اور علم الیقین کے خزانوں پر امین مقرر
کرے اس کے بعد فقیر ولی اللہ عفا اللہ عنہ
تمہیں سلام پہنچاتا اور اوقات مقبولہ میں تمہارے
لیے دعا کرتا ہے۔ تم نے جو مجھ سے
سورت کے بندر اور پھر وہاں سے

الاشتغال الی بند ما سومت ثم
الانتقال منه الی موضع آخر
وانا لا اعدل بحج بیت الله
العظیم وزیارة نبیه الکریم
علیه الصلوٰة والتسلیم شیئًا
فان اتفق الخروج من الوطن بسبب
من الاسباب فلا ینبغی ان یقصد
الا هذان وقد اخبرتمونی علیٰ
قلة الزاد فعلی الله توکلوا
وبه ثقوا والیه فوضوا انفق
ولاتخش من ذی العرش اقلالا
واما عزم ترک الرجوع
الی الوطن فلا
تستبدوا به حتی
یشرح الله صدرکم
او صدر رجل
لاجلکم والحمد لله
اولاً وآخرًا ہ

کسی اور مقام پر سفر کر جانے کی بابت مشورہ لیا ہے تو گزارش یہ ہے کہ میں حج بیت اللہ اور جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کے قصد سے کبھی باز نہیں رکھ سکتا کیونکہ اگر کسی وجہ سے وطن سے نکلنے کا اتفاق ہو جائے تو پھر ان دونوں متبرک مقامات کے علاوہ اور کہیں کا قصد کرنا لائق نہیں ہے اور تم نے جو قلت خرچ اور کمی زاد کی نسبت لکھا ہے تو خدا پر بھروسہ کرو اور اپنی تمام مہمات کی باگ اس کے یدِ قدرت میں دے دو۔ اور جملہ کام اُسے سونپ دو۔ جو کچھ پاس رکھتے ہو خرچ کر ڈالو۔ اور مال کے نمٹ جانے کا اندیشہ نہ کرو۔ وطن کی طرف مراجعت نہ کرنے پر جو تم نے عزم بالجزم کر لیا اس پر اصرار و ہٹ نہ کرو جب تک کہ خدا تعالےٰ تمہارا یا تمہارے لیے کسی اور شخص کا سینہ کھول دے۔ اول و آخر خدا کا شکر ہے۔

معزز ناظرین! شاہ صاحب کے مکاتیب و خطوط کا جس قدر مجھے انتخاب کرنا تھا کر چکا اب میں صرف آپ کا ایک وہ خط اور نقل کرتا ہوں جو آپ نے فاضل اجل مولانا عبد القادر جونپوری کے جواب میں وحدت وجود کی بحث میں لکھا تھا۔ اس خط کے نقل کرنے سے علاوہ ادب و انشا اور زور تقریر اور شیوا بیانی کے ناظرین کو یہ بھی دکھانا منظور ہے کہ آپ کو تصوفی تحقیقات میں کس درجہ کا اقتدار تھا اور اس خاص

علم کو آپ نے کس عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اور چونکہ شاہ صاحب کے اس علمی تبحر اور پُرزور تحریر کا اندازہ کرنا بغیر اس کے کہ مولٰنا عبدالقادر کا خط بجنسہٖ نقل کیا جائے بہت مشکل ہے لہٰذا میں اول مولٰنا موصوف کا خط نقل کرتا ہوں اور اس کے بعد شاہ صاحب کا جواب درج کروں گا۔ یہ دونوں خطوط ادبی ہونے کے علاوہ ایک ایسے خاص مسئلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے مذاق سے بہت کم لوگ واقف ہیں اس لیے ان کا اردو ترجمہ کرنا اول تو تکلف سے خالی نہیں اور اگر ترجمہ کیا بھی جائے تو افسوس ہے کہ پڑھنے والے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ چنانچہ میں دونوں خطوط بجنسہٖ نقل کر کے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

جامع الفضائل کریم الشمائل مولٰنا عبدالقادر جونپوری کا خط بنام عارف باللہ

جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب

من الفقير الفاتر محمد عبد القادر الى النقي اللقي ولي الله العلي

يا من تعلل به يسرا يبخله ❊ دار الخلافة بلخ حين تاتيها ❊ مني السلام ما زال مبتغيا ❊ من المشوق الى نفس يواليها ❊ الى مقيم بها قد زادها شرفا ❊ در نعت حين يدعى من اهاليها ❊ ذالك الولي الرضي العالم العلم ❊ المحي المكارم باديها وخافيها ❊ اشد قد اذني والعين فاقدة ❊ لطول اثاره او كتب داعيها ❊ على يبلغنك الشوق مفترنا ❊ همة منك تاتيني دواعيها ❊

من العبد الداثر الحقير المعلوم والمذكور الفقير الفاتر محمد عبد القادر يعصق من خمر من تربته جونفور ماءها وعمر سبعا و عشرين حجة بساها وهوائها الى ذالك الامام الهمام الحبر العلام النقي اللقي ولي الله العلي طول الله سبحانه تعالى بقاءه وعجل لي لقاءه اما بعد الهدية الزكية السلام والتحية والآداب المرضية

فان التواد بين الاحاد والتعارف بين الافراد لاينبغى ان يحصر فى المشاهدة بالاعين او ان تقتصر على المكالمة بالالسن كيف وقد حشاء الاحشاى فى ما بين الاعضا ما قد قرع الاسماع منكم من المكارم والمحاسن وبلغ الاذان من محامل الظاهر والباطن حتى احب ان يكون منى قبل ان انال بركة الملاقات وافوز بسعادة المرافات شىء من المكاتبة والمرسلة التى قد تعد نوعا من المواصلة ولعل ذالك قد يكون سببا للانجذاب والله سبحانه مسبب الاسباب ثم انه مع كثرة ما يشرقنى والى من احاجاليكم يسرقنى انما يعوق عن ذالك ما يذوق المرء من تطاول المنازل وتباعد المراحل ولعلى اذا شاء الله سبحانه وهيأ الاسباب اركب غارب مطية الاعراب د اطلب بركة الوصال والصحاب ولا تقتصر الان على هذا القدر واتبعه بسؤال ما لازال يخالج الصدر فاقول اما التوحيد المتعلق بوجود الوجوب بمعنى ان الوجوب بالذات مختص بذات واحد لايمكن ان يكون محمولا على اثنين وان يكون الحقيقة والواجبية مشتركة بين فردين والمتعلق بالفعل والتاثير بمعنى انه الموثر فى الوجود الاعم من ان يكون من ان يكون بغير واسطة او بها فان ذالك ليس من توحيد المؤثر فى شئ بل بمعنى انه لامؤثر فى الوجود الا هو فيتعلق بكل ارادته وقدرته على موجب علمه وحكمته بيده ازمة الاشياء ولا يجرى فى ملكه الا ما يشاء وانما غيره مما له مدخل فى وجود الشئ مما ينتظم فى سلك القوابل والشرائط من غير ان يفيض منه وجود ويصدر منه فعل وكذا المتعلق بالذات بمعنى ان ذوات الممكنات بحذافيرها وذوات المجعولات بنقيرها وقطميرها هالكة فى شيخ جوهرها باطلة فى حد نفسها فلولا فيض الواجب سبحانه لم يكن هناك ذات ولم يعقل ماهية وانما تقررها وتصددها وصلوحها للحكم عليها وبها بالنظر الى تلك الذات الواجبة المنبث فيضها الممتد ظلها المترائى

ربك كيف مد الظل ولو شاء لجعله ساكنا كل ذلك امر معقول مصدقا به مقبول واما ما يرمز به
العارفون كل ذلك امر معقول ويترنم به المكاشفون فهل للعقل اليه سبيل او يمكن ان يدل عليه
دليل وهل يعقول من قال ان الله تعالى هو الوجود المطلق وانه اظهر الاشياء وهو عليها مفهوم معقول
او انه طور وراء طور العقل ثم ما ذا بمعنى قول من يزعم انه طور وراء طور العقل او ليس للعقل
احكام صادقة وقضايا حقة لا يمكن ان يتبدل ولا يتصور ولا ان يتزلزل ام للعقل واحكامه
حد معين اذا جاوزناه فليس له هناك حكم سبحان الله كيف يصدق لمثله هذا اذ لو لا للعقل احكام
مضبوطة غير ممكنة التبدل ولا جائزة التزلزل لما قامت السموات والارضون وقد يجر هذا
القول الى مثل ما يقول العمى العمه من السوفسطائية اللادون فالمطلوب منك ايها الباقى من
اثار السلف والمرجو من لديك ايها الحاذق كل شرف ان توطن نفسى وتسكن قلبى عما فيه من
هذه المسئلة من القلق البالغ والخفق السائغ بالخبر المنقح ذلك المحقق لدى بالك فلعلى
انتفع وقلبى ينتفع ويجتمع ولعلك توجر وتجزى عند الله الآخرة والاولى ثم انه ان لا

امام ہمام حبر علامہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا خط مولانا محمد عبد القادر جونپوری
کے جواب میں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا جواب

اهلا للمعرفة اضحت معالمها ؛ تهدى الى شئ من نور تابيها ؛ حبر له همة علوية تفتت ؛
كل المقاصد اينعا وقاصيها ؛ فلا يغادر علما غير مكتسب ؛ ولا فضائل الا وهو حاويها ؛
من حر نفوس اذ هبت رياح رضى ؛ منها تعطرت الدنيا وما فيها ؛ من الفقير الى رحمة الله
الكريم احمد المدعو بولى الله بن عبد الرحيم الى جامع الفضائل كريم الشمائل
مولانا عبد القادر لا زال ملحوظا به فى الباطن والظاهر اما بعد فقد وصل الى مكتوبكم
الشريف الدال على مخبركم المنيف يعرض على مسئلة حارت فى بواديها الافكار وتقاعست
دونها الانظار وكيف لى بجوابها فى ورقة او حلها فى كلمة لكنى اذكر نكتة قولكم
فى تقرير المعنى الثالث للتوحيد ان ذوات الممكنات بحذافيرها وذرات

الجعولات بنفي وتطهيرها هالكة في شيخ جوهرها باطلة في حد انفسها فلولا
فيض الواجب لم يكن هناك ذات ولم يعقل ماهية وانما نفرها وتعددها
وصلوحها للحكم عليها وبها بالنظر الى تلك الذات المنيث فيضا الممتد ظلها
انها نعو بعينه معنى وحدة الوجود عند المحققين من اهل المعرفة والشهود غير ان
الناس لهم السنة شتى بعضها من قبيل التجوز والمسامحة وبعضها من قبيل التحقيق
والمعافحة عباراتنا شتى وحسنك واحد وكل الى ذالك الجمال يشير فهذا الفيض
الواحداني بالذات المتكثر باعتبار القوابل يسمى بالفيض الاقدس من جهة صدور
الماهيات وبالفيض المقدس من جهة صدور العقليات ولوازم الوجود الخارجي۔ اما
قولهم هو الوجود المطلق فلا يعنون بالمطلق الامر المنتزع عن الافراد كما يقرره
المتكلم في الكليات ولا الموجود في ضمن الافراد باستقلال كما زعمه الحكيم ولكن
امر اصر محقق في نفسه متعين بذاته استوت نسبته الى الممكنات باثرها والعقل
مقول على متعين احدهما النفس الناطقة وكل معرفة فانما هي قائمة بالنفس
حاصلة لها وثانيهما قواعد اسسها قوم اشتغلوا بالعلوم العقلية ورب دقيقة
فاقت تلك القواعد وبعد فان الحالة الراسية لا اكثر من هذا وعسى ان
يكون بعد ذالك عود والمرجو من مكارم اخلاقكم ان لا تنسونا من صالح دعواتكم
ولا من لطيف مكاتبتكم - فالمكاتبة نوع من الاستصحاب والعبرة للمناسبة الارواح
لا بمقارنة التراب احسن الله تعالى اليكم وافاض نعمته عليكم۔

والسلام ۔

بالغ اور غائر نظریں ان دونوں خطوں کو موازنہ کر کے بخوبی اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہمارے مولانا ممدوح کا خط کس درجہ فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اور فصاحت و بلاغت سے قطع نظر کر کے کتنا مطلب خیز ہے باوجود اس اختصار کے ایک ایسا اہم اور پیچیدہ مسئلہ جس کے حل کرنے کے لیے چند اجزا بھی کافی نہیں ہو سکتے تھے آپ نے کس

سہولت اور آسانی کے ساتھ پار کر دیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس درجہ کا تبحر اور کسالی اس فن خاص میں آپ کو حاصل تھا اس کی نظیر کہیں مل نہیں سکتی۔

وحدۃ الوجود کا مسئلہ ایک ایسا دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے کہ اگر اس پر کوئی اور شخص بحث کرتا تو اُسے چند اجزا سیاہ کرنے پڑتے اور پھر بھی شاید صاف طور پر مطلب واضح نہ ہوتا یہ حقیقت میں شاہ صاحب کا اعجاز ہے کہ آپ نے اس طولانی اور غیر محدود مبحث کو چند چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح ادا کر دیا کہ گویا کوئی بڑا کام ہی نہ تھا پھر طرفہ یہ کہ جو جملہ آپ کی قلم سے نکل رہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سانچے میں ڈھل کر نکل رہا ہے ہر ہر فقرہ تصوفی تحقیقات سے بھرا ہوا الفاظ کی بندش اور عبارت کی چستی سے جس قدر عالمانہ پن برستا ہے اسی قدر مطالب کی خوبی سے آپ کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض تصنیفات

جناب عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات جو زمانہ کی ضرورتیں رفع کرنے کے لیے نہایت ہی دلچسپ اور عمدہ پیرایہ میں خاص خاص موقعوں پر لکھی گئی ہیں وہ آپ کی بے نظیر اور مخصوص یادگاریں ہیں۔ کسی کا یہ قول بہت درست ہے۔

"ہر کسے را بہر کارے ساختند"

فطرۃ نے جناب شاہ صاحب کو اسی لیے پیدا کیا تھا کہ آپ زبان و قلم دونوں سے دینی علوم کی اشاعت کریں اور ابنی نوع کی اصلاح میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کریں جو ایک زمانہ دراز سے شرک و بدعت اور پیر پرستی اور بادہ تقلید کے تیرہ و تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ کی تالیف بغور دیکھنے والا خوب سمجھ سکتا ہے کہ بچپن سے وقت وفات تک دینی علوم کے رواج دینے اور قرآن و حدیث کے پھیلانے میں جس شخص کی زندگی صرف ہوئی اور جس کی قسمت میں روز ازل سے یہ شرف مقدر ہو چکا تھا وہ شاہ ولی اللہ صاحب جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کے فرزند رشید اور

مشہور شہید شیخ وجیہ الدین صاحب کے پوتے تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی جس خیال نے آپ کو چاروں طرف سے آگھیرا تھا اور جس کی دھن میں آپ نے اپنی تمام عمر گذار دی تھی وہ یہ ہی دینی علوم کی اشاعت کا خیال تھا قدرت نے پہلے ہی روز سے ترویج علوم اور تالیف و تصنیف کا مقتدر و معزز منصب آپ کے نامزد کر دیا تھا جسے آپ نے نہایت قابلیت سے نبھایا اور بڑی دلسوزی کے ساتھ اس کا انجام دیا۔

شاہ صاحب کی تصنیفات کثرت سے ہیں اور ان کے مطالب و مقاصد نہایت مفید و دلچسپ ہیں لیکن افسوس اور سخت یہ ہے کہ با وجود تحقیقات کے چند مشہور کتابوں کے علاوہ اور کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ تاہم جو کتابیں اس وقت ہمیں دستیاب[1] ہوئیں اور جنہوں نے ہندوستان اور عرب دونوں میں ایک عجیب مذاق علمی پھیلا رکھا ہے ذیل کے نقشہ میں ہیں جن سے ان کے مقاصد و مطالب کی مختصر کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے میں ایک فاضل مورخ کا وہ مختصر ریمارک جو اس نے شاہ صاحب کی تصانیف پر کیا ہے نقل کر کے ان مشہور کتابوں کا نقشہ[2] دیتا ہوں جو اس وقت میری پیش نظر ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

---

[1] عجیب بات ہے کہ مصنف مرحوم نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک رسالہ تحفۃ الموحدین کا خود ترجمہ کر کے مطبع افضل المطابع میں اس کو طبع کرایا لیکن یہاں ان کی فہرست تالیفات میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت ان کو رسالہ تحفۃ الموحدین دستیاب نہیں ہو سکا۔ یہ رسالہ بڑا جامع اور پر مغز ہے حال ہی میں ادارہ اشاعۃ السنۃ لاہور نے اسے طبع کیا۔ شاہ صاحب کی ایک اور تصنیف توحید کے مسئلہ میں البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین عرصہ ہوا مطبع محمدی نے طبع کی تھی واللہ اعلم۔ ناشر

[2] مصنف مرحوم کے مرتبہ نقشے کو ہم نے بدل کر موجودہ ذوق کے مطابق کر دیا ہے صرف ترتیب بدلی ہے مضمون مصنف ہی کا ہے امید ہے قارئین مفید پائیں گے۔ ناشر

"جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اکثر فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے سب کی سب مفید اور منفعت بخش ہیں اور بعض ان میں سے ایسی بے نظیر اور عدیم المثال کتابیں ہیں جن کے وجود سے زمانۂ سابق بالکل خالی ہے۔ اور جن کے موجودہ زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔"

تفسیر

(۱) فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (فارسی)

یہ قرآن مجید کا ایک نہایت مختصر ترجمہ ہے جو ایک عجیب دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے۔ اب تک قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا صرف عربی تفاسیر پر منحصر تھا۔ جسے علماء اپنا ہی حصہ سمجھے بیٹھے تھے اور عوام لوگ کلام الٰہی کا منشاء اور فطرۃ اللہ کا مفہوم سمجھنے سے محض محروم و بے نصیب تھے۔ عموماً مسلمان رمضان میں تلاوتوں میں بالکل طوطے کی طرح سے قرآن پڑھتے تھے اور معنی نہ جاننے کی وجہ سے خداوندی احکام اور آسمانی قوانین سے محض نابلد تھے ایسے وقت میں جناب شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کی سخت ضرورت سمجھی اور اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کو کلام الٰہی سمجھنا بہت آسان ہو! قطع نظر اس کے مطالب کی توضیح کے لیے جا بجا نہایت مختصر فوائد چڑھائے۔

بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین اور نہایت اہم اور دقیق مطالب چند مختصر اور گنتی کے الفاظ میں اس خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ ادا کئے ہیں۔ انہیں ایسا صاف اور پانی کر دیا ہے جس سے نہ صرف تعجب بلکہ سخت حیرت ہوتی ہے۔ اور زیادہ

حیرت یوں ہوتی ہے کہ جب کسی آیت کی تفسیر عربی تفاسیر میں دیکھی جاتی ہے تو باوجودیکہ وہ اس کے متعلق ایک نہایت طولانی بحث کرتے اور صفحات کے صفحات سیاہ کر جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی ویسا صاف مطلب نہیں کھلتا جیسا کہ شاہ صاحب کے محدود لفظوں سے کھلتا ہے۔

باوجودیکہ اس ترجمہ کی عمر ڈیڑھ سو برس سے زیادہ ہوگئی ہے اور زمانہ میں علوم و فنون بالخصوص ترجمے کی اشاعت کا دریا بڑے زور شور سے لہریں مار رہا ہے۔ لیکن اس ترجمہ پر آج تک کبھی کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی اور جس طرح خود قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اسی طرح یہ ترجمہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک بہت بڑی معجز نما کرامت ہے اور جس طرح قرآن مجید جیسی ایک آیت بنا لانے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا اسی طرح اس ترجمہ کی برابری کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکتا اور اگر بفرض محال دعوے کرے بھی تو اس کا یہ دعوےٰ چل نہیں سکتا۔

ہندوستان میں اس وقت فلسفہ اور معقول کی بڑی گرم بازاری تھی اور قرآن و حدیث کا چرچا نہایت دھیما تھا عام و خاص پیر پرستی کی پیچ در پیچ بھول بھلیوں میں حیران و سرگردان تھے۔ اسلام شرک میں گھی کھچڑی ہو رہا تھا اور مسلمان صدہا قسم کے توہمات میں گرفتار تھے شرک و بدعت کا ایک عظیم الشان اور طوفان خیز سمندر چاروں طرف بہ رہا تھا جس کی خوفناک موجیں اور دہشت انگیز لہریں اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی تھیں اس وقت اس خدا کے برگزیدہ اور اسلام کے سرپرست یعنی جناب مولٰنا ولی اللہ صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ کر کے شرک و بدعت کی عمارت کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ پھینکا اور قرآن و حدیث کی اشاعت میں اس درجہ کوشش کی کہ ہوا کا رخ ادھر سے ادھر پلٹ رہا تھا۔

حقیقت میں اگر قرآن مجید کا ترجمہ اس حادثہ زا زمانہ میں نہ ہوتا۔ تو مسلمانوں کی معاشرانہ زندگی میں جو اصلاح ہوئی ہے۔ کبھی نہ ہوتی اور معلوم نہیں کہ مسلمانوں کو کن کن سختیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ان پر مصائب و آفات کے کس قدر لشکر ٹوٹتے اور کیا کیا

غضب الٰہی نازل ہوتے۔ اس وقت ہندوستان میں جہاں سے جہاں تک سچے اسلام کی روشنی نظر آتی ہے اور شرک و بدعت سے صاف اور نکھرا ہوا مذہب دکھائی دیتا ہے سب اسی ترجمہ کا صدقہ ہے ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہندوستانی مسلمانوں پر شاہ صاحب کا یہ احسان اس قدر گراں بار ہے جس سے وہ گردن اُٹھا نہیں سکتے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانانِ ہند نے اس احسان کا آج تک کوئی مناسب شکریہ ادا نہیں کیا یہ ترجمہ قرآن مجید کے بین السطور میں تحریر ہو کر ہزاروں دفعہ ہندوستان کے مختلف مطابع اور متعدد پریسوں میں چھپ چکا ہے اور اس کی شہرت دریائے جمنا سے فرات تک اور ہندوستان سے لے کر کوہ ہمالیہ اور ہندوکش کے دروں تک برابر پھیلی ہوئی ہے اس وقت تک اس کی اشاعت اسّی نوّے لاکھ کے قریب ہو چکی ہے اور روز بروز ہوتی جاتی ہے۔ اشاعت کی موجودہ تعداد سے اس کی مقبولیت عام کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا اور صاف واضح ہوتا ہے کہ تمام اسلامی دنیا اسے نگاہ قبول سے دیکھ چکی ہے اور موجودہ علماء و فضلاء کی قبولیت کی نظریں برابر پڑ رہی ہیں[1]۔

(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی)

یہ ایک بہت ہی چھوٹا سا رسالہ ہے جو اصول تفسیر میں لکھا گیا ہے لیکن باوجود اس قلیل الحجم ہونے کے اس درجہ مطالب خیز ہے جس کے دیکھنے سے تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت ہوتی ہے کہ اصول تفسیر کے عمیق اور گہرے دریا کو اس مختصر کوزے میں

---

[1] حضرت شاہ صاحب نے فتح الرحمان کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں ترجمہ کے اصول اور ترجمہ قرآن کی ضرورت واہمیت اور چند دیگر فوائد ذکر فرمائے ہیں۔ بعض ناشرین نے اس کو فتح الرحمٰن کے ساتھ ہی طبع کر دیا ہے۔ ناشر

کس طرح بند کیا گیا ہے اصول تفسیر کے وہ اہم اور پیچیدہ مباحث جو بڑی بڑی کتابوں سے بمشکل حل ہو سکتے تھے شاہ صاحب نے ایسی مختصر اور سہل عبارت میں طے کر دیئے ہیں جس سے کم استعداد طلبہ بھی خاطر خواہ متمتع ہو سکتے اور معتد بہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ عبارت کی عمدگی اور مطالب کی دلچسپی پر مؤلف کو جتنا بھی ناز ہو کسی طرح نازیبا نہیں ہے جس مقام سے کتاب کو اٹھا کر دیکھا جاتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کا ایک دریا امڈا چلا آتا ہے۔ ہر ہر فقرے سے جس قدر عالمانہ پن برستا ہے اسی قدر مطالب سے مؤلف کی شان ٹپکتی ہے۔ سچ پوچھئے تو اس مختصر رسالے نے بڑے بڑے تفاسیر کے دیکھنے اور برسوں کے مطالعہ کرنے سے شائقین کو مستغنی کر دیا ہے[1]۔

(۳) فتح الخبیر (عربی)

یہ رسالہ عربی زبان میں نہایت لاجواب اور اعلےٰ درجہ کا لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید کے مشکل و غریب لغات سہل اور متعارف الفاظ میں حامل کئے گئے ہیں اور جا بجا قرآنی آیات کی تفسیر جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح و مشہور احادیث اور صحابہ کرام کے مستند اقوال سے کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی ضروری کتاب ہے جس سے قرآن مجید کے معانی پڑھنے والے کو انتہا سے زیادہ مدد ملتی ہے اور وہ باسانی قرآن مجید کے مطالب سمجھنے پر حاوی ہو جاتا ہے۔

---

[1] اس کتاب کا عربی میں بھی ترجمہ ہو کر متعدد دفعہ طبع ہو چکا ہے اور حال ہی میں اس کا تازہ ایڈیشن "مکتبہ قیومیہ" لاہور نے شائع کیا ہے (ناشر)

حدیث[1] وفقہ الحدیث

(۴) مصفّٰی شرح مؤطا (فارسی)

مؤطا حدیث کی ایک مختصر مگر نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے۔ جسے

---

[1] علم الحدیث کو علم الروایت والاخبار بھی کہتے ہیں اور علم الآثار بھی بولتے ہیں لیکن خبر و اثر میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ خبر کا اطلاق جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول پر ہوتا ہے اور اثر کا اطلاق صحابہ اور سلف کے قول پر۔ خبر حجت ہوتی ہے نہ اثر اس علم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس علم کا موضوع ظاہر ہے۔ رہی غایت تو وہ سعادت دارین پر کامیاب ہوتا ہے پھر یہ علم دو قسم پر منقسم ہے ایک علم بروایت حدیث اس میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ بلحاظ احوال رواۃ ضبطاً و عدالۃً آنحضرت کے ساتھ اتصال وانقطاع کے اعتبار سے سند کی کیفیت کیا ہے اسی علم کا نام اصول حدیث ہے اس فن میں رسالہ منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول نہایت جامع رسالہ ہے دوسری علم بدرایۃ الحدیث ہے اس علم میں الفاظ حدیث کے مفہوم و معنی سے۔ بحث ہوتی ہے کہ قواعد عربیت اور ضوابط شریعت کے لحاظ سے ان الفاظ سے کیا چیز مراد ہے اور کیا وہ مراد جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال کے مطابق ہے یا نہیں اس علم کا موضوع احادیث رسول ہیں بحیثیت دلالت علے المعنی خواہ وہ معنی مفہوم ہوں یا مراد۔ اور اس علم کی غایت آداب نبویہ سے آراستہ ہونا اور شرعی مکروہات و منہیات سے خالی ہونا ہے یہ علم بھی علم تفسیر کی طرح دراز دامن رکھتا ہے اور فضل و شرف میں علم کتاب اللہ کا ہم پہلو ہے قرآن اور حدیث میں غور کرنے سے صرف اسی قدر فرق نکلتا ہے کہ قرآن مجید فرشتہ کے ذریعہ سے آنحضرت پر نازل ہوا ہے اور حدیث بواسطہ قلب کی آئی ہے لیکن وحی ہونے میں

دونوں برابر ہیں جیسا کہ قرآنی نص سے ثابت ہوتا ہے کہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (دین اسلام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۸)

کے اصول صرف یہی دو علوم ہیں اور اجماع اس کی فرع اور فقہ اس کا نتیجہ ہے جس عالم کو کتاب و سنت کا علم بخوبی نہیں ہے اس کا علم و فتوے دین میں لائق اعتماد اور قابل بھروسہ نہیں ہے فقہ عرفی کا جو حکم کتاب و سنت کے دلائل کے خلاف ہوتا ہے یا بلا دلیل قرآن و حدیث کے ہوتا ہے وہ رائے مجردہ ہے اور تدوین کے لائق ہوتی ہے وہ قابل اخذ و تمکین۔ علم حدیث کی کتابیں بے شمار اور ان گنت ہیں جن میں طب، دیا بس سب کچھ ہے لیکن اس فن کی عمدہ کتابیں جو مشہور و مقبول اور متداول ہیں کل چھ کتابیں ہیں جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور ان کے فرزند رشید جناب شاہ عبد العزیز صاحب نے عجالہ نافعہ میں کتب حدیث کے طبقات اور ان طبقات کا احوال نہایت اتقان کے ساتھ لکھا ہے جن سے کتب حدیث کے اقسام اور کتب مذکورہ کا قوت و ضعف بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے اور یہ بات بخوبی دریافت ہو سکتی ہے کہ کون کتاب اور حدیث لائق قبول اور قابل احتجاج ہے اور کون نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف صحاح ستہ ہی علم حدیث میں اعلےٰ درجہ کی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ کتابیں متداول اور متلقی بالقبول ٹھہری ہیں اس وقت سے دیگر حدیث کی کتابوں کا رواج کم بلکہ گم ہو گیا ہے اور بہت سی کتابیں دائرہ گمنامی سے اب تک نہیں نکلی ہیں ان کو انصاف و دیانت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو حق بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حدیث کی چھ کتابیں علم و عمل کے لیے کافی و وافی ہیں بشرطیکہ کمال اتقان اور تمام اذعان سے دیکھی جائیں اور شروح و غریب اللغات پر عبور ہو پھر اکثر اہل علم نے امہات ستہ کے مراتب بھی لکھے ہیں۔ باستثناء قرآن مجید کے صحیحین کو کرۂ زمین کی تمام کتابوں پر ترجیح و فوقیت دی ہے خصوصاً صحیح بخاری کو یہ کتاب قرآن کریم کے بعد دنیا میں خدا تعالےٰ کی ایک حجت بالغہ ہے اور قبول و شہرت میں بہ نسبت اور کتابوں کے نہایت اعلےٰ درجہ رکھتی ہے اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے جو تہذیب و ترتیب اور جمع طرق و سیاق متون میں کسی قدر اس سے بہتر ہے بخاری و مسلم کے بعد سنن اربعہ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ ابو داؤد کا مرتبہ ہے جن میں سے ہر ایک کتاب اپنے فن اور نفع خاص میں دوسرے سے ممتاز ہے رسالہ حطہ میں صحاح ستہ کی کیفیت نہایت بسط کے ساتھ شرح لکھی ہے

امام مالک رحمہ اللہ نے ہجرت کی دوسری صدی میں تصنیف کیا ہے جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی ایسی عمدہ شرح لکھی ہے جس سے اصل کتاب کی رونق دوبالا ہو

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۹) جس سے امہات ستہ کے حالات کے حقائق مع تراجم مؤلفین بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں مذاہب اربعہ اہل سنت کا ماخذ یہی کتابیں ہیں گو دوسری معاجم و مسانید و سنن بھی ان میں داخل ہیں لیکن جس قدر جزئیات فقہ ان کتابوں سے مستنبط کی گئی ہیں اس قدر دوسری کتابوں سے مستنبط نہیں ہوئی ہیں اس لیے محدثین میں یہ قاعدہ ٹھہر گیا ہے کہ فقہاء اربعہ میں سے جس کسی کا قول یا فتوے یا اجتہاد ایسا ہے جس کی سند کسی صحیح یا حسن حدیث سے نہیں ہے وہ محض ضعیف ہوتا ہے اور چونکہ مقلدین مذاہب اعتقاداً و عملاً اس کے خلاف نہیں کرتے لہذا فقہاء و محدثین کے مابین اختلاف واقع ہوا اور یہی وجہ باہمی اختلاف کی قائم ہوئی ائمہ اربعہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا مراتب علم حدیث میں تفاوت بھی یہیں سے ظاہر ہوتا ہے۔ امام مالک صاحب مؤطا قدیم زمانہ کے محدث ہیں۔ ان کی ساری کتاب بخاری میں داخل ہے۔ موطا میں تین سو حدیثیں علاوہ بلاغیات کے ہیں۔ امام احمد صاحب مسند ہیں ان کا مسند جملہ کتب حدیث کا اصل مسند ہے اصحاب سنن وغیرہم کا سلسلہ تلمذ ان ہی تک پہنچتا ہے امام احمد کا مسند مع زوائدات کے پچاس ہزار حدیثوں کو شامل ہے۔ امام شافعی بھی عالم بالحدیث تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت بحسب تصریح ابن خلدون سترہ اٹھارہ حدیثیں ہیں۔ اہل حجاز روایت حدیث میں ہمیشہ بہ نسبت اہل عراق کے زیادہ تھے بہر حال سنت کے چاروں امام اور حدیث کے چھکوں امام منجملہ ان لوگوں کے ہیں جو مشہود ابالخیر کے قرنوں میں ہیں ائمہ فقہ اور محدثین میں باہمی اختلاف کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ ان کے وقت میں علم حدیث کی تدوین جیسی چاہیئے ویسی نہیں ہوئی تھی اس لیے اگر بعض حدیث پر ان سے عمل نہیں ہوا تو وہ اس میں معذور تھے لیکن جب علم حدیث مدون ہو گیا تو اب متاخرین کے لیے کوئی محل عذر باقی نہیں رہا۔ اس وقت اگر کوئی شخص حدیث صحیح مرفوع غیر منسوخ کے خلاف پر کسی کے قول و فعل پر عمل کرے تو موجب شقاق اور مخالفت رسول ہے خصوصاً اس وقت میں جب کہ فقہ سنت بھی مدون ہو چکی ہو اور قوی مسائل ضعیف فروع سے علیحدہ اور جدا کر دیئے گئے ہوں۔ ۱۲۰ھ امام مالک انس کے صاحبزادے اور مالک بن ابی عامر اصبحی کے

گئی ہے۔ حدیث کی تحقیقات اس تبحر ولیاقت سے کی ہے جس سے آپ کا مجتہدانہ کمال صاف نمایاں ہوتا ہے۔ جو لوگ اس شرح کو ایک دفعہ بنظر غور

(بقیہ حاشیہ ص۴۰۰) پڑ تے ہیں ابو عامر اصبحی ان کے جد امجد ایک بڑے مشہور و جلیل القدر صحابی ہیں جو جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہتے امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور نو سو شیوخ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ ذہن و حافظہ اور علمی ملاز خدا نے پہلے ہی سے عطا کیا تھا جسے ان کثیر التعداد شیوخ کی صحبت نے اور بھی چمکا دیا تھا باوجود اس فضل و کمال اور قابل تعریف لیاقت کے آپ نے اس وقت تک فتوے لکھنے کے لیے قلم نہیں اٹھایا جب تک ستر ائمہ وقت اور مجتہدین عصر نے اس امر کی شہادت نہیں دی کہ وہ افتا کے لائق ہیں۔

آپ نے اپنے ہاتھ سے پوری ایک لاکھ حدیثیں نقل کیں اور سترہ سال کی عمر میں درس حدیث شروع کیا جب آپ حدیث پڑھانے بیٹھتے تو غسل کر کے کپڑوں میں خوشبو ملتے اور نئی پوشاک پہن کر نہایت خشوع وخضوع اور وقار و عظمت سے بیٹھتے۔ سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ خدا تعالےٰ مالک پر رحم کرے جو حدیث کے راویوں کی انتہا سے زیادہ جانچ پڑتال کیا کرتے اور بجز ثقہ اور محتاط لوگوں کے اور کسی سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں صحت حدیث میں امام مالک پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ حدیث وسنت کے امام اور علم الرجال کے موجد ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ کے اگر اور فضائل اور خصوصیتوں سے قطع نظر کی جائے تو آپ کی فضیلت کے لیے صرف ایک یہ ہی بات کافی ووافی ہے کہ امام شافعی جیسے جلیل القدر مجتہد آپ کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ امام مالک عالموں کی فہرست میں ایسے ہیں جیسے جھلملاتے ہوئے ستاروں میں چودھویں رات کا چاند ٹمٹماتے ہوئے چراغوں میں برقی قوت کی مشعل مجھ پر علم کے بارہ میں امام مالک سے بڑھ کر اور کسی کا احسان نہیں ہے۔ امام احمد جو امام شافعی کے شاگرد تھے اسی طرح امام اعظم کے شاگرد رشید جن کا نام احمد تھا یہ بھی امام مالک ہی کے شاگرد تھے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ عنقریب لوگ علم کی تلاش و جستجو میں سفر کریں گے اور مدینہ کے ایک عالم سے کسی کو زیادہ جاننے والا نہ پائیں گے اس سے امام مالک ہی مراد ہیں۔ امام اوزاعی جب امام مالک کا ذکر کرتے تو فرمایا کرتے کہ وہ علماء اور اہل مدینہ کے فاضل اور حرمین شریفین کے مفتی ہیں۔

اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں پھر انہیں احادیث کی تحقیقات میں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو حدیث و فقہ پر کس درجہ عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔

(۵) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)

یہ بھی ایک چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ جس کا نام خود بتا رہا ہے کہ اس میں بھی انصاف کی طرح اجتہاد و تقلید کے احکام نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۵) ابن عیینہ کو جب امام مالک کے انتقال کی خبر پہنچی تو رو کر فرمایا افسوس انہوں نے اپنی مثل زمین پر نہیں چھوڑا اور یہ بھی فرمایا کہ امام مالک اپنے زمانہ کی حجت اور امت کے چراغ تھے جس وقت امام مالک نے موطا کو مرتب کیا تو اس وقت لوگوں کے پاس بجز قرآن مجید کے اور کوئی کتاب نہ تھی گویا احادیث کی جمع و تالیف کے سلسلہ میں موطا کا سب سے پہلا نمبر ہے۔ موطا کا یہ نام اس لیے مقرر ہوا کہ امام مالک نے جب اسے مرتب کر کے بڑے بڑے مشہور ستر فقیہوں پر پیش کیا تو سب نے اس کے ساتھ موافقت کی اور کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔

موطا کی نسبت علماء متقدمین نے جو متفقہ الفاظ میں ریمارک کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں آسمان کے نیچے باستثناء کتاب اللہ کے کوئی امام مالک کے موطا سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ موطا اصل اول ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی۔ الغرض اس کتاب کو ہزارہا آدمیوں نے امام مالک سے روایت کیا جو نسخہ کہ اس وقت ہندوستان میں رائج ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت سے ہے جس سال امام مالک کی وفات ہونے والی تھی۔ یحییٰ بن یحییٰ نے اس سال امام مالک سے موطا حاصل کی۔ موطا کے تمام آثار و احادیث ایک[۱۰۲۷] ہزار ستائیس ہیں جس میں سے چھ سو حدیثیں مسند اور دو سو بائیس مرسل اور چھ سو تیرہ موقوف ہیں جن کے علاوہ دو سو پچاسی صحابہ کے اقوال ہیں۔ امام مالک نے زندگی کے ستاسی مرحلے طے کر کے اتوار کے دن ربیع الاول ۱۷۹ھ کو انتقال کیا رضی اللہ عنہ وعن اتباعہ وغفرلنا ولہ بفضلہ وکرمہ آمین ۱۲ منہ

لگے گئے ہیں۔ آخر میں اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے جس کی وجہ سے تھوڑی سی استعداد کا آدمی بھی اس سے ویسا ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جیسا کہ ایک مستعد عربی خوان۔

(۶) تاویل الاحادیث (عربی)

اس کتاب میں جناب شاہ صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک کے اُن تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان حوادثات کے وجوہ بطرزِ نو رموز بیان کیے ہیں جو انہیں پیش آئے بالغ نظریں اس کتاب کو دیکھ کر شاہ صاحب کے تبحر کا پورا پورا اندازہ کر سکتی ہیں۔

(۷) چہل حدیث (عربی)

اس چھوٹی سی کتاب میں شاہ صاحب نے دو حدیثیں جمع کی ہیں جو اسلام کی مدار علیہ اگرچہ اس نام کی اور نہ صرف نام بلکہ اس مضمون کی چند کتابیں اور علماء نے بھی لکھی ہیں جو آج ہمارے پیش نظر ہیں لیکن جب ان میں اور اس میں صحیح اندازہ اور پورا موازنہ کیا جاتا ہے تو آسمان و زمین کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے نہایت مختصر مختصر حدیثیں جو ہر شخص کے لحاظ سے مفید اور سود مند ہیں درج کی ہیں اور تمام مضامین کا احاطہ کر لیا ہے۔ سچ پوچھیے تو آپ نے اہل اسلام کی سچی ہمدردی و خیراندیشی مدنظر رکھ کر وہ کام کیا جو ایک اعلے درجہ کا مقتدائے قوم اپنی عزیز قوم کے لیے نہایت دلسوزی کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مضامین سے قطع نظر کر کے اس کی حسن نظمی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۸) مسوّی شرح مؤطا (عربی)

یہ بھی مؤطا کی شرح عربی میں ہے اس میں مؤلف نے اپنی خداداد قابلیت کا جو کمال دکھایا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور ہر ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی اور سہولت

سے توضیح کی ہے جس سے شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے اصل میں مسوی کو بجائے خود ایک مستقل کتاب کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں علاوہ مؤطا کی حدیثوں کی تفصیل و توضیح کے بہت سے مسائل فقیہہ کی تشریح کی گئی ہے۔ الغرض مسوی ایک ایسی بے نظیر اور قابل قدر شرح ہے جو طالب علم کو اس مرتبہ کا بنا دیتی ہے کہ وہ حدیث کے مطالب پر پورا عبور حاصل کر لے[1]

(۹) حجۃ اللہ البالغہ (عربی)[2]

یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں تمام عبادات و معاملات نہایت بسط و شرح کے ساتھ محققانہ طرز میں بیان کئے گئے ہیں اور فقہاء و محدثین کے اختلاف مذاہب کو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مسائل فقہ۔ مذاہب اربعہ، یعنی حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی کی تحقیقات مذاہب صحابہ و تابعین اور اقوال جماعۃ فقہاء و محدثین سے کر کے فقہ حدیث کی بنیاد از سر نو قائم کی ہے اور اسرار حدیث اور مصالح احکام ایسی عمدگی اور سلیقہ شعاری سے بیان کئے ہیں جس کی نظیر سے متقدمین مصنفین کے حلقے خالی ہیں۔

یہ کتاب یوں تو فقہ و حدیث کے متعلق لکھی گئی ہے لیکن حقیقت میں فقہ، حدیث، اخلاق، تصوف، فلسفہ پانچوں مضامین کا مذاق پایا جاتا ہے گویا ان پانچوں علوم کا عطر و مغز اس کتاب میں بھر دیا گیا ہے بعلاوہ کمال اور مجتہد وقت جس نے علوم دین کے اسرار بیان کرنے میں اپنی خداداد قابلیت اور پولٹیکل لیاقت کے چمکدار جوہر ظاہر کئے اور مضامین خمسہ کی عمارت کی بنیاد ڈالی وہ امام غزالی ہیں احیاء العلوم جو ایک نہایت جامع اور بسیط کتاب ہے اور جو سات سو سال سے لوگوں کے افتخار کا باعث ہو رہی ہے آپ ہی کی ایک عظیم الشان محسوس یادگار ہے اور دوسرا بزرگوار جس نے ایک زمانہ دراز کے بعد اپنے زمانہ کے حال کے مناسب اور اہل زمانہ

---

[1] یہ کتاب مکہ شریف میں بھی طبع ہو چکی ہے۔ (ناشر)

[2] اس کا اردو ترجمہ قومی کتب خانہ لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔

کے مذاق کے مطابق اس فن کی تہذیب وآراستگی کی۔ لہذا امام غزالی کی ڈالی ہوئی بنیادوں کو اپنے علمی تبحر سے بلند کیا۔ اور پھر اس عمارت کو تہذیب وشائستگی کے مرقعوں سے سجادیا۔ وہ جناب عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ آپ کی بے نظیر و عدیم المثال کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جس سے ایک فقیہ مسائل فقیہہ کو، اور محدث مطابقت حدیث کو، اور فلسفی دلائل فلسفہ اور براہین عقل کو نکال سکتا ہے۔ اور اسی خوض وخور میں ساتھ کے ساتھ اسے اخلاق وتصوف کا ذائقہ بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ بمقابلہ احیاء العلوم مختصر ہے، لیکن تنقید احادیث میں اس سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ علامہ ابو الطیب نے اس کی نسبت اپنی وزنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

"ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار دراں کردہ وحکم واسرار آں بیان نمودہ تا آں کہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ ومثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجرت ہیچ یکی از علمائے عرب وعجم تصنیفے موجود ننمادہ ومنجملہ تصانیف مولفش مرضی بودہ است وفی الواقع بیش ازاں ست۔"

یعنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اگرچہ علم حدیث میں نہیں ہے۔ لیکن اس میں بہت سی حدیثوں کی شرح اور ان کے اسرار واحکام بیان کئے گئے ہیں، حتیٰ کہ اپنے فن میں بے نظیر ثابت ہوئی ہے اور کسی اور کتاب کو کسی طرح اس پر سبقت نہیں ہوئی۔ زمانہ ہجرت سے لے کر اس وقت تک بارہ سو سال ہو چکے ہیں، علمائے عرب وعجم میں کسی کی ایسی لاثانی تصنیف موجود نہیں ہے۔ غرض کہ یہ کتاب مؤلف کی تمام تصانیف میں عمدہ اور بہتر تصنیف ہے اور حقیقت میں اس سے بہت کچھ زیادہ ہے۔

(۱۰) انصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)

یہ ایک مختصر سا رسالہ در حقیقت اس بیہودہ شور وشر کو مٹانے کے لیے لکھا گیا ہے، جو مدتوں سے علماء میں تقلید وغیر تقلید کی بابت پڑا ہوا تھا اور اس اختلاف کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی، کہ ایک گروہ صرف اس فروعی اختلافی مسئلہ کی وجہ سے دوسرے

فریق کو کافر کہتا، اور اسلام کے دائرہ سے خارج بتاتا تھا جو شخص کسی امام خاص کا مقلد تھا وہ اس شخص کو جو کسی کی تقلید نہ کرتا تھا کھلم کھلا کافر کہتا اور اسلام سے خارج شمار کرتا تھا۔ اسی طرح غیر مقلد، مقلد کو کافر سمجھتا تھا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس طوفان بے تمیزی اور ہولناک غلط فہمی کو چند فقروں میں اڑا دیا اور تقلید و مجتہد کے اقسام بیان کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ جو شخص محض امی اور ان پڑھ ہے اس کے لیے تقلید جائز ہے اور جو شخص پڑھا لکھا ہے وہ اگر کسی خاص شخص کی تقلید نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کسی امام کے اجتہادی خطا میں تقلید کرے، تو یہ تقلید محض حرام ہے حقیقت میں تقلید و غیر تقلید کا مسئلہ ایک ایسا فضول اور بے نتیجہ مسئلہ ہے جس میں بجز تضیع اوقات کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کا خاتمہ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل پر ہو گیا ہے اور ان میں سے ہر مجتہد بجائے خود وحی کا بازگشت بنا ہوا ہے اور اسے خطا سے بالکل پاک ہے ان کا یہ خیال ایک مجنونانہ بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بھلا وہ کونسا امام اور مجتہد ہے جس کی رائے میں خطا و صواب دونوں کا احتمال نہ ہو، یہ خیال کرنا محض لغو و فضول ہے کہ فلاں مجتہد نے استنباطی مسائل میں کبھی غلطی ہی نہیں کی بلکہ یہ ایک ایسا بدیہی جھوٹ ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

جب ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رائے میں خطا اور صواب کا احتمال باقی ہو، اور آپ صاف لفظوں میں یوں فرماتے ہوں کہ انتم اعلم بامور دنیاکم یعنی کہ دنیاوی معاملات میں تم لوگ میری رائے پر مطمئن نہ رہنا بلکہ خود بھی اچھی طرح سمجھ لینا کیونکہ ممکن ہے میری رائے خطا پر ہو اور اس کی وجہ سے تمہیں کچھ نقصان پہنچے البتہ دینی معاملات میں تمہاری رائے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس بارہ میں سوائے وحی کے کوئی ناطق حکم نہیں دے سکتا۔ پس جب پیغمبر صاحب کی یہ کیفیت تھی، تو امام اور مجتہد کس شمار میں ہیں۔

الغرض انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں جناب شاہ صاحب نے اس امر کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ تامہ کی موجودگی میں اقوال فقہاء کچھ بھی وقعت و قدر نہیں رکھتے جب کسی کے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ موجود ہو تو ان کے مقابلہ میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید کرنا محض حرام ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے جو کشاف کے نام سے شہرت رکھتا ہے امید ہے کہ اُردو خوان بھی اس کتاب کے فوائد سے محروم نہیں رہیں گے۔

۱۱۔ الارشاد الی مہمات علم الاسناد (عربی) ۱۲۔ تراجم بخاری[1] (عربی)

۱۳۔ فیما یجب حفظ الناظر (عربی) ۱۴۔ مسلسلات (عربی)

۱۵۔ انتباہ[2] فی اسناد حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (عربی)

متعلق خلافت صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱۶) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی)

یہ ایک مبسوط کتاب ہے جس میں خلفاء اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث کی گئی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اجل مصنف کو حدیث وتفسیر اور فوائد پر کس قدر عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا یہ کتاب جامعیت روایات کے لحاظ سے ایک عجیب وغریب اور نہایت ہی بے مثل کتاب ہے۔

---

[1] تراجم امام بخاری کی شرح میں شاہ صاحب نے دو رسالے لکھے ہیں ایک مختصر جس میں اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد مل سکے۔ دوسرا رسالہ مفصل ہے جس میں صحیح بخاری کے اہم تراجم ابواب پر زور سے تفصیلی گفتگو فرمائی ہے رسالے دونوں مطبوعہ ہیں۔ ناشر

[2] اس موضوع پر مجھے ایک شاہ صاحب کا مخطوطہ ملا ہے جس کا نام ہے اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ جس میں شاہ صاحب نے اصحاب صحاح ستہ تک اپنی سندیں ذکر کی ہیں شروع میں طبقات کتب حدیث پر ایک مقدمہ ہے نیز اس میں اپنی وہ سند حدیث ذکر فرمائی ہے جو شیخ ابو طاہر نے آپ کو دی تھی اس میں اور بھی بڑے نوادر و فوائد حدیث ہیں اس کتاب کو المکتبۃ السلفیہ مرتب کر رہا ہے۔ واللہ الموافق للاشاعۃ۔ ناشر

(۱۷) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی)

یہ دس گیارہ جزو کا رسالہ ہے۔ جسے جناب قدوہ اہل اللہ شیخ الشیوخ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے عین اس وقت تصنیف کے قالب میں ڈھالا جب کہ مذاہب اہل بدعت کی کثرت ہو گئی تھی اور عقائد باطلہ کی طوفان بے تمیزی کا اندھا دھند جھکڑ چاروں طرف بڑے زور شور سے چل رہا تھا حقیقت میں اس وبائی امراض کے زمانہ میں حکیم امت محمدیہ کا یہ لکھنا اور موجودہ لوگوں کے روحانی بیماریوں کے مناسب علاج کی مکمل تشریحات کا تیار کرنا سخت ضرور تھا۔

اس کتاب کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب شاہ صاحب نے اول ایک ایسی کلی صفت بیان کی ہے۔ جو افضلیت کی مدار علیہ ہے از اں بعد یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مخصوص صفت جس پر افضلیت کا دارو مدار ہے۔ بوجہ کمال صرف حضرات شیخین یعنی جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہی تھے۔ ان کے سوا دوسرے صحابہ کرام میں نہیں پائی جاتی تھی۔ پھر اس بحث کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ نقلی اور عقلی دلائل سے مدلل کیا ہے۔ اس کے بعد حضرات شیخین کے مآثر بیان کئے گئے ہیں اور جو مطاعن کہ مخالف فرقہ کے لوگ ان حضرات پر کرتے ہیں ان کے الزامی و تحقیقی جوابات بڑی دھوم دھام سے دیئے گئے ہیں پھر جس طرح شیخین کے مآثر و مطاعن بیان کئے ہیں ویسے ہی حضرات ختنین یعنی جناب عثمان بن عفان اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے بھی فضائل و خصائل کا ذکر کیا ہے جو حضرات شیخین کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے اور ان مقامات کو ارباب کشف و کرامات کے اقوال سے مثالیں دے کر اس طور پر بیان کیا ہے جسے تھوڑی استعداد والے بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ کتاب کے خاتمے میں شاہ صاحب نے اپنا مکاشفہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے شیخین کی ارواح مبارک کو ایسی حالت میں پایا اور دوسرے صحابہ کرام کی ارواح کو اس کیفیت میں اور جب ہم نے اس کا روحانی سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے کیا۔ تو

ہمارے دل پر القاء ہوا کہ یہی بات حق اور درست ہے۔ غرض کہ یہ ایک ایسی لاجواب اور بے مثل کتاب ہے جس کی مثال کتب متقدمین میں کہیں نہیں ملتی۔

تصوف[1] اور اس کے متعلقات

(۱۸) فیوض الحرمین (عربی)

اس کتاب میں شاہ صاحب نے وہ مسائل درج کئے ہیں جو آپ نے قیام حرمین کے

---

[1] علم التصوف اس علم کو کہتے ہیں جس سے ان اہل کمال کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو نوع انسان میں سے مدارج سعادت میں ترقی حاصل کرتے ہیں اور اس سے ان امور کا حال معلوم ہوتا ہے جو ان کے درجات میں بقدر طاقت بشریہ پیش آتے ہیں۔ لیکن ان مقامات و درجات کا کما حقہٗ بیان کرنا محال نہیں تو دشوار قریب قریب ضرور ہے کیونکہ عبارات و معانی کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ پس جو شخص صرف الفاظ تک پہنچا ہے وہ اہل لغت کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے معانی تو ان تک وہی نہیں پہنچ سکتا ہے جو اپنی ذات سے غائب ہو جاتا ہے ؎

آنکہ خبر ے زآں یافت　　　من بعد خبر نماند مارا

اور جب معانی کی یہ کیفیت ہے تو قوائے بدن کا کیا ذکر رہا ؎

ذرہ از جلوۂ خورشید چہ اظہار کند　　　رفتم از خویش و ندانم بچہ آئین آمد

اور جب ان معانی کے لیے الفاظ کا وضع کرنا ناممکن ہے تو الفاظ کا انہیں اپنی عبارت کا ادا کرنا سخت دشوار و محال ہے ؎

جس طرح معقولات کا ادراک اوہام سے اور موہومات کا خیالات سے اور متخیلات کا حواس سے نہیں ہوتا اسی طرح وہ چیز جو عین الیقین سے معائنہ کی جاتی ہے علم الیقین سے دریافت نہیں ہو سکتی اسی لیے جو شخص اس علم کی تحصیل کا عازم ہو اس پر واجب ہے کہ وہ وصول بالبیان میں نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کرے اور طالب بالبیان نہ ہو کیونکہ یہ ایک ایسا طور ہے جو طرز عقل کے

زمانے میں جناب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حل کئے ہیں۔ یہ کتاب بھی باوجود قلیل الحجم ہونے کے ان گنت مسائل سے لبریز اور مطالب سے پُر ہے اور اس میں علم تصوف کی تحقیقات بہت کچھ کی گئی ہے حال میں اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ جسے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۹) علاوہ ہے اس علم کی چار شاخیں ہیں۔ عبادات[۱]۔ عادات[۲]۔ مہلکات[۳]۔ منجیات[۴] امام غزالی کی احیاء العلوم ان تمام انواع و اقسام کو حاوی ہے جس کا خلاصہ کتاب کیمیائے سعادت ہے اور جسے خود امام غزالی نے تالیف کیا ہے اسلاف امت یعنی صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سب کے سب ہدایت و حق کے طریقہ پر تھے۔ ان کا اصلی کام خداوندی عبادت اور انقطاع عن الدنیا تھا۔ ان کی طبیعت کا میلان صرف خدا کی طرف تھا اور اس فانی دنیا کے بہت جلد مٹ جانے والے جاہ و جلال اور زخارف و زینت سے متنفر تھے مال و جاہ کی پرواہ تھی نہ اعزاز و اقتدار کی محبت بلکہ تمام دنیاوی تعلقات سے علیحدہ ہو کر خلوت میں عبادت الٰہی میں ایک خاص استغراق و محویت کے ساتھ مصروف رہتے تھے۔ دوسرے قرآن میں جب لوگ خلق کی مخالطت کی طرف مائل ہوئے تو اس وقت جو لوگ عبادت الٰہی میں مشغول رہے ان کا نام صوفیہ مقرر ہوا۔ طریقہ تصوف علم شریعت میں حادث ہوا اور اس کے ضوابط و آداب نے تدوین پائی اور ایک بڑا طول و عرض بہم پہنچایا۔ ابتداء میں یہ لوگ در حقیقت خلاصہ ملت اور صفوۂ امت تھے لیکن پھر بھی جس طرح علم ظاہر کا بدعت کی آمیزش سے رنگ بدل گیا اور علم کلام و قیاس نے خرابی ڈال کر اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا اسی طرح اس باطنی علم میں بھی اہل باطل گھس پڑے اور ایسے عقائد و رسوم ایجاد کئے جو بالکل دین و ایمان کے مخرب تھے اس کے ساتھ ہی خدا تعالے نے ایک ایسی جماعت کو اٹھا کھڑا کیا جو علم و ولایت کو جامع تھی اور جس نے حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے بالکل علیحدہ اور جدا کر دیا تھا۔ جس سے تصوف سنی تصوف بدعی سے ممتاز و جدا ہو گیا۔ مثلاً شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اس پچھلے زمانے میں ایک ایسے باوقار صوفی ہوئے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ ان سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم ایسے خداشناس اور بے لوث شخص گذرے ہیں جنہوں نے اس علم کے چشمہ کو جو بدعت کی خس و خاشاک سے پٹ گیا تھا بالکل پاک صاف کر دیا۔ کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان باوجود قلیل الحجم ہونے کے اس بات میں بے مثل اور عدیم النظیر کتاب ہے لیکن تصوف کی مفصل و مطول کتابوں میں احیاء العلوم اور

ہر اُردو خوان دیکھ سکتا اور خاطر خواہ متمتع ہو سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۴۱۲)

عوارف المعارف سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے اگر چہ اس فن کی ہزار ہا مصنفات موجود ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کی بعض حدیثیں اور کچھ تقریریں پایۂ صحت و قوت سے ساقط ہیں اس فن میں سب سے پہلے رسالہ قیشریہ تالیف ہوا جو تمام تالیفات فن میں اقدم وافضل ہے۔ متاخرین کی مؤلفات میں جو اعزازی رتبہ کتاب منازل السائرین اور اس کی شرح مدارج السالکین کو ہے وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہاں متاخرین کے مختصر رسالوں میں قاضی محمد بن شوکانی نقشبندی کا قطر لولی فی شرح حدیث الولی نامی رسالہ تمام رسالوں سے افضل و بہتر رسالہ ہے اسی فن میں ایک کتاب فتوحات مکیہ بھی لکھی گئی ہے جس پر فقہاء نے بہت کچھ اعتراض کئے ہیں۔ اور شعرانی رہ نے یواقیت والجواہر میں بڑی شد و مد کے ساتھ فقہاء کے تمام اعتراضوں کے جواب دیئے ہیں اور جواب شافی دیئے ہیں۔ الغرض کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ اصل علم تصوف سے انکار کرے کیونکہ یہی ایک ایسا علم ہے۔ جسے نتیجہ اسلام اور ثمرہ ایمان کہہ سکتے ہیں۔ احسان کی روح قرار دے سکتے ہیں۔ سنت محمدیہ میں یہی علم احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو اصطلاح متاخرین میں تصوّف، سلوک، باطن، مکاشفہ کے نام سے پکارا جاتا ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ۵

ان تمام مذکورہ بالا الفاظ سے مرتبہ احسان کی تحصیل مراد ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں واللہ یحب المحسنین وارد ہوا ہے خلاصہ یہ کہ انسان کو کثرت جسمانی پر نظر ڈالنا نہ چاہیئے بلکہ ہمیشہ وحدت معانی کی پیش نظر رکھنا مناسب ہے وللہ در ما قال ۵

اینجا فیض پیر مغاں بزم وحدت است ۔۔۔۔ در پردہ دار دیدہ کثرت نمائی را

علم تصوف پر یہ ایک نہایت مختصر ریمارک ہے جسے صاحب نسب الذریعہ نے نقل کیا ہے لیکن میں اس مقام کو ذرا اور واضح کرنا چاہتا ہوں جس سے ناظرین کو علم تصوف کی حقیقت عمدہ طور پر معلوم ہو جائے۔

ایک فاضل ہمعصر اپنے ایک تالیف کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بزرگ تر صوفیوں کے روشن اصول اور مذہبی ضوابط کی بنیاد جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم زمانہ زندگی ہی میں پڑ چکی تھی

(۱۹) الطاف القدس (فارسی)

اس رسالہ میں جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ان تمام الہامات کو ضبط کیا ہے جو اس زمانہ میں آپ کو وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہیں دیکھنے میں گو

(بقیہ حاشیہ ص۴۱۱)

اور اس مذہب کے بانی جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوئے ہیں لیکن اسلامی تاریخیں اس امر کی شہادت نہیں دیتیں اور ہمیں ابتدائے زمانہ کی تاریخوں سے کوئی ایسی کافی وجہ ثابت نہیں ہوتی جس سے ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بانی تصوف قرار دیں۔ محققوں کی تحقیقات سے جہاں تک پتہ چلتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف ایک قدیمی علم ہے جو ہندوؤں کے ویدوں اور کسی قدر مسیحی اصول سے لیا گیا ہے۔ بہر صورت کچھ بھی ہو یہ ظاہر بات ہے کہ اس طریقہ و مذہب میں مقدس اسلام کی ایک نہایت زبردست شان معلوم ہوتی ہے۔

جو لوگ فن تصوف کے بانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیتے ہیں ان کا بیان ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ زندگی میں ذکر کے طرق علیحدہ علیحدہ مذہبی عبادت میں ادا کرنے کے سبب بتلائے تھے۔ یہیں سے صوفیوں کے دو گروہ قائم ہو گئے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت ہوا تو آپ نے بستر مرگ پر حضرت سلمان فارسی کو طرق ذکر میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسن بصری کو اپنا نائب ٹھہرایا ان دونوں معزز جانشینوں نے اپنے خلفاء کے ذکر کے طرق کی پورے طور سے تقلید کی اور اپنے تئیں اسلامی گروہ میں واجب الاحترام اور اعلٰے درجہ کا زاہد و متقی ثابت کیا۔ ان کے بہت لوگ معتقد ہو گئے اور اس جماعت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی ان میں سے بعض لوگ خداوندی عبادت کی سرخوشانہ حالت میں ملک بملک گشت لگانے نکلے اور ہزاروں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔

شدہ شدہ ان کا لاثانی جوش یہاں تک دل میں ابلا کہ ۳۷ھ ہجری میں اویس القرنی نے ایک دن علے رؤس الاشہاد یہ بیان کیا کہ میں نے جبرئیل کو خواب میں دیکھا اور اس نے مجھے خدا کا یہ حکم سنایا کہ تو دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور سر تا پا یاد خداوندی میں غرق ہو جا۔

ایک نہایت مختصر رسالہ ہے لیکن مطالب سے اس درجہ لبریز ہے کہ جس مقام کو دیکھا جاتا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۲)

اس ربانی قاصد نے ذکر کے قواعد بھی تمام و کمال تلقین کئے اور جو کچھ اس پاک باز صوفی کے طرق ذکر آئندہ قرار پائے ان سب کی ہدایت اسی نے کی چنانچہ اس کے دوسرے دن اویس قرنی نے دنیا کو ترک کر دیا اور اس کے سحر آمیز سامانوں پر لات ماری دنیاوی تمام راحتیں اپنے اوپر حرام ٹھہرالیں اور شب و روز یاد الٰہی میں زندگی بسر کرنے لگے آخر کار ترک دنیا اور خداوندی عبادت اور بانیٔ اسلام محبت نے یہاں تک طول کھینچا اور نبی کریم کی محبت کا جوش اس قدر ابلا کہ حضرت اویس نے اپنے سامنے کے دو دانت اس لحاظ سے توڑ ڈالے کہ رسول خدا کے بھی یہی دو دانت احد کی مشہور جنگ میں شہید ہو گئے تھے واجب الاحترام اور بزرگ اویس نے اگرچہ اپنے مریدوں کی تعداد بڑھانے میں بہت کچھ کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے زمانہ زندگی میں زیادہ مرید بہم نہ پہنچا سکے۔ اور انجام کار یمن ہی میں انتقال کر گئے۔

۱۲۱ھ ہجری میں شیخ علوان نے اول ہی اول فقیری کے مستقل ضوابط کی بنیاد ڈالی اور قواعد کی تدوین کی چنانچہ اس وقت تک آپ کے پیرو بکثرت موجود ہیں۔ جو علوانیہ کہلاتے ہیں گو اسلام نے نفس پر زیادہ تشدد کرنے اور صومعہ نشینی سے منع فرمایا ہے پھر بھی فقراء نے وہ وہ قواعد تشدد نفس اور خوفناک ریاضتوں کے ضوابط ایجاد کئے جن پر آج بڑے بڑے عالم اور مولوی چلتے ہیں ہر صدی میں فقراء کے نئے نئے پیشوا ہوئے اور پھر سب کے گروہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے جو آج تک موجود ہیں۔ ان میں سے تین گروہ۔ بسطامیہ۔ نقشبندیہ اور بختشیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں اپنے تئیں مشہور کرتے ہیں اور باقی جس قدر فرقے ہیں سب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکلے ہیں۔ ہر گروہ ان دو عظیم الشان بانیوں تک اپنا سلسلہ پہنچاتا ہے یہ جو خواجہ پیر محمد نقشبند کے معتقد و پیرو ہیں اور جس نے ۷۱۹ھ ہجری میں نشوونما پایا مختلف طرق رکھتے ہیں یہ لوگ اکثر ذکر خفی کرتے ہیں۔ اور بالکل یہی طریقہ ان کے ہاں رائج ہے ان کی خاص عبادت کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔

ایک بار استغفار کہتے ہیں سات دفعہ صلوات سات دفعہ فاتحہ نو دفعہ سورہ الم نشرح پڑھتے ہیں اور اس کے بعد سورہ اخلاص۔ ان عبادتی تقریبات کا نام ذکر ہے اس خاص ذکر کرنے کے لیے وہ ہفتہ میں ایک بار باہم ملتے ہیں معمولی طور پر یہ جمعرات کا دن ہوتا ہے عشاء کی نماز کے بعد

جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کا دریا لہریں لے رہا ہے یہ حضرت مصنف ہی کا کام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۳)

سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے اور تمام شب رہتا ہے ہر شہر اور شہر کے ہر ضلع میں اس کے ممبر مختلف سوسائٹیوں میں منقسم ہیں جہاں وہ سب کے اپنے مرشد کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اور نہایت توجہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں بعض شہروں میں نقشبندیہ کے خاص خاص وسیع مکان مقرر ہیں۔ جو صرف ذکر ہی کے لیے مخصوص کئے گئے ہیں شیخ اپنے ممتاز رتبہ سے اپنے مریدوں میں پہچانا جاتا ہے فرقہ بختشیہ کا بانی بخارا کا رہنے والا تھا جس نے جان نثاریوں میں جوش روح پھونک کے بہت بڑی ناموری حاصل کی تھی اس گروہ کے فقیر کی نشانی ایک ٹپکا ہے جسے چند فقرے کہہ کر جوان کے ہاں رائج ہیں اپنی کمر سے باندھ لیتے ہیں۔

مولویہ فرقہ سلطنت ٹرکی میں بکثرت موجود ہیں اس گروہ کے بانی مولوی جلال الدین رومی ساکن کنواح تھے جو مشہور مثنوی کے مصنف ہیں اور جنہوں نے سنہ ۶۶۲ھ ہجری میں اس طریقہ میں روح پھونکی یہ فقیر لمبی لمبی گول ٹوپیاں پہنتے ہیں اور ان کا لباس جامہ کے طور پر ہوتا ہے جامہ کی صورت بالکل راجپوتوں کے مشابہ ہوتی ہے جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں یہ لوگ ذکر کرتے کرتے اپنے جامے اُتار ڈالتے ہیں اور صرف جاکٹ اور نیچے کوٹ پہنے رہتے ہیں کبھی اچھلتے اور کبھی سر کو گردش دیتے ہیں اور گاہے غیر معمولی جوش میں چکر کھانے لگتے ہیں فرقہ قادریہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی باشندہ بغداد ہیں یہ لوگ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کرتے ہیں چشتیہ۔ خواجہ معین الدین ہندوستان کے پیرو ہیں جن کا لقب گیسو دراز ہے آپ کا مزار گلبرگ میں ہے۔ یہ لوگ ذکر جلی کرتے ہیں اور ساتھ ہی راگ راگنی سے شوق رکھتے ہیں کیونکہ اس گروہ کے بانی کا مقولہ ہے کہ گانا روح کی خوراک ہے گروہ جلالیہ اس کے بانی سید جلال الدین بخاری ہیں یہ فقراء وسط ایشیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سہروردیہ یہ لوگ شیخ شہاب الدین باشندہ سہرورد کے پیرو ہیں قرداریہ بنقشی ان فقراء کا بانی زندہ شاہ مردار شامی ہوا ہے جس کا مزار مکنپور میں ہے ملنگ فقیر اسی گروہ سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے بازاروں میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں رفعیہ گروہ کے فقراء بھی ہندوستان میں بے شمار ہیں یہ لوگ اپنے نفس پر بہت سختیاں توڑتے اور تکالیف شاقہ جھیلتے ہیں قلندریہ یہ بھی فقراء کا ایک گروہ ہے جس کا بانی قلندر یوسف اندلسی تھا

تھا کہ ایک ایسے طول طویل بیان کو چند اوراق میں محفوظ کر دیا۔

(۲۰) الدر الثمین فی المبشرات النبی الکریم (عربی)

اس کتاب میں جناب عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے خود اپنے عجیب و

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۴)

جو اسپین کا باشندہ تھا کچھ زمانہ تک تو یہ نقشبندیہ رہا لیکن جب اس گروہ سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے بطور خود ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔ ان کے علاوہ صوفیوں کے اور بھی بہت سے فرقے ہیں جن کے ذکر میں بجز تطویل کے اور کوئی فائدہ نہیں البتہ صوفیوں کے مجمل اصول اس مقام پر قابل ذکر ہیں فاضل مذکور اپنی بیش بہا تالیف میں صوفیوں کے اصول یوں بیان کرتا ہے۔

۱- خداوند توانا ہے وہ ہر چیز میں ہے اور اس میں سب چیزیں موجود ہیں۔

۲- تمام ظاہرہ اور چھپی ہوئی مخلوق اسی سے نکلی ہے۔ اور ان میں اپنے خالق سے کوئی اصلی فرق نہیں ہے۔

۳- مذاہب اختلافات کے اسباب ہیں مگر وہ نفس الامر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ بعض اس مطلب کے لیے بہت ہی زیادہ مفید ہیں مثلاً اسلام جس کا سچا فلسفہ تصوف ہے۔

۴- نیک و بد میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں خدا ہی کی ذات سے نکلی ہیں اور خدا انسانی افعال کا سچا خالق ہے۔

۵- یہ خدا ہے جو انسان کی مرضی قائم اور مستحکم کرتا ہے اس لیے انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ہے۔

۶- روح جسم سے پہلے بھی زندہ تھی اور آخر الذکر کے پنجرہ میں بعد افاں بند کر دی جاتی ہے اس لیے موت صوفی کی خواہشات کا خاص و عا ہوتی ہے یہ اس لیے ہے کہ وہ الوہیت کے سینہ میں چلا جاتا ہے۔

۷- اگر کوئی روح ایک جسم میں اپنی پاکی اور تقدس کے مدارج اعلیٰ طے نہیں کر لیتی تو اسے پھر تناسخ کی رو سے دنیا میں آنا پڑتا ہے اور پھر اپنی حالت درست کر کے وہ خدا کی ذات کے ساتھ مل جاتی ہے۔

غریب حالات اور نہایت دلچسپ واقعات ایک عمدہ اور نئی طرز کے ساتھ لکھے ہیں اور ساتھ ہی اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب اور واجب الاحترام بزرگوار جناب شیخ ابوالرضا محمد کے وہ واقعات قلمبند کئے ہیں جو انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حاصل کئے ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ اپنے فن میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

(۲۱) شرح رباعیتین (فارسی)

یہ ایک نہایت مختصر سا رسالہ ہے جس میں جناب شاہ صاحب نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی دو رباعیوں کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ کی ہے اور اس طرز روش کے ساتھ کی ہے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اثناء شرح میں ان مصطلح رموز و نکات کو بھی بیان کیا ہے کہ جن پر تصوف کے سمجھنے کا دارومدار ہے اور جن سے مطالعہ کرنے والوں کو اس فن کی تحصیل پر ایک گونہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔

(۲۳) سطعات (فارسی)

اس رسالہ میں طلسم الٰہی اور اصطلاحات صوفیہ کا ذکر ہے اور تصوف کے ان رموز و اشارات کی توضیح ہے جنہیں دیکھ کر مبتدی اور فن تصوف سے ناواقف لوگ بہت جلد اس پر عبور کر جاتے اور معلومات کو وسیع کر سکتے ہیں حقیقت میں یہ ایک نہایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۵)

۸ - خدا کی بغیر توفیق کے جسے صوفی فضل اللہ کہتے ہیں کوئی روح اس کی ذات میں نہیں مل سکتی لیکن پھر بھی روح خدا کی ذات میں سرگرمانہ طور پر اس سے اجازت لے کے مل سکتی ہے۔

۹ - صوفی کا اپنی دنیاوی زندگی میں وحدانیت میں استغراق رکھنا فرض ہے خدا کا ذکر کرتا رہے اور طریقت میں برابر ترقی کرتا رہے یہاں تک کہ اسے سب سے برتر ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔

ہی مفید اور منفعت بخش کتاب ہے سلوک و تصوف کے جلیل القدر علوم کے اُن عریض و طویل مباحث اور مصطلحات کو اس اختصار سے بیان کرنا آپ ہی کا کام تھا۔

(۲۳) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (عربی)

اس کتاب کے نام سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کے حالات و واقعات مذکور ہیں اگرچہ اس مضمون کی اور بھی چند کتابیں دیکھنے میں آئی ہیں اور مختلف لوگوں نے متعدد زبانوں میں لکھی ہیں۔ لیکن اس کتاب کا ڈھنگ سب سے نرالا اور رنگ سب سے انوکھا ہے۔ اس سے بہتر اس فن میں دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور جو مضامین اس کتاب میں ملتے ہیں، اور دوسری میں نہیں ملتے۔

(۲۴) ہوامع شرح حزب البحر (فارسی)

یہ شرح بھی عجیب و غریب پیرایہ میں لکھی گئی ہے دعا حزب البحر کی ایسے بسط و شرح کی ہے کہ آج تک دیکھنے میں تو کیا سننے میں بھی نہیں آتی۔ زکوٰۃ کا طریقہ اور ہر فقرے فقرے کے مطلب کے لیے جدا جدا پڑھنے کا قاعدہ اور انضمام و اختتام پڑھنے کی ممانعت اور ان کی وجہ بیان کی ہے غرض کہ یہ کتاب عاملوں کی روح اور حاجت مندوں کی جان ہے۔

(۲۵) لمعات (فارسی) (۲۶) قسطاس القلوب (فارسی)

(۲۷) زہراوین (فارسی) (۲۸) رسائل تفہیمات (فارسی)

(۲۹) عوارف (عربی) (۳۰) القول الجمیل (عربی)

(۳۱) مکتوبات المعارف (فارسی) (۳۲) رسالہ مکتوب مدنی (عربی)

(۳۳) ہمعات (فارسی) (۳۴) فتح الودود لمعرفۃ الجنود (عربی)

تاریخ وسیرت

(۳۵) انفاس العارفین[1] (عربی)

اس کتاب کے چند حصے ہیں۔ پہلے حصے میں جناب شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب کے علمی حالات، باطنی تصرفات وکرامات، ملفوظات ومکتوبات غرضکہ ابتدائے زمانہ سے تاریخ وفات تک کے تمام واقعات بطریق اجمالی سرسری ذکر کئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں اپنے عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد کے ابتدائی حالات اور ان کے عام اخلاق وعادات اور تصرفات واشراقات اور ملفوظات معرفت سمات مکتوبات ومسودات اور انتقال وغیرہ کے حالات کسی قدر بسط وشرح کے ساتھ تحریر کئے ہیں تیسرے حصہ میں اپنے اجداد عظام کا ذکر کیا ہے اور پھر ان علماء حرمین محترمین کا بیان کیا ہے جن سے آپ کو سند سلوک حاصل ہوئی تھی خاتمہ کتاب میں خود اپنے حالات نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کئے ہیں حقیقت میں یہ ایک نہایت ہی عجیب وغریب کتاب ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کا ہر ایک ممبر

---

[1] انفاس العارفین چند کتابوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ مصنف مرحوم نے اس کی کچھ تفصیل فرمائی ہے۔ علی الترتیب ہر حصہ کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) بوارق الولایۃ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) امداد فی مآثر الاجداد

(۴) النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (شیخ عبدالعزیز کے حالات)

(۵) العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (حالات جد امام شاہ ولی اللہ)

(۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف۔

اگر ان کتابوں کو الگ شمار کر لیا جائے تو تعداد ۵۲ تک پہنچ جائے گی۔ ناشر

ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں لاثانی اور بے نظیر تھا اور آسمان علم کا ایک نہایت درخشاں و تاباں آفتاب تھا۔ حیات ولی کی دوران تالیف میں یہ بیش بہا کتاب میری پیش نظر تھی۔ میں نے اکثر واقعات و روایات اسی کتاب سے ماخوذ کر کے حیات ولی میں درج کئے ہیں اس بنا پر نہایت بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر حالات و واقعات میں نے اس کتاب میں قلمبند کئے ہیں میری رائے میں غالباً نہایت درست اور نفس الامری ہیں۔ اور میں معزز ناظرین کو پورا پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ حیات ولی میں کوئی روایت و واقعہ ایسا نہیں ہے جس کی مستند شہادت میرے پاس موجود نہ ہو۔

(۳۶) قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (نظم عربی)

یہ ایک بڑا قصیدہ ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب شاہ صاحب کو علم ادب اور شاعری میں جو علوم عربیہ کے عنصر ہیں۔ کس درجہ لیاقت تھی اور آپ نے ان علوم کو کس عروج پر پہنچایا تھا قطع نظر ادب اور شاعری کے یہ بھی بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو جناب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور اسی سرخوشانہ حالت میں آپ کے قلم و زبان سے وہی الفاظ نکل رہے ہیں۔ جو آپ کے دل میں تھے۔

(۳۷) سرور المحزون فی سیر الامین المامون (فارسی)

عقائد

(۳۸) حسن العقیدہ (عربی)　　(۳۹) خیر کثیر (عربی)

(۴۰) بدور البازغہ (عربی)　　(۴۱) المقدمۃ السنیہ (عربی)

متفرقات

(۴۲) مکتوباتؒ مع فضائل ابو عبداللہ اسمٰعیل البخاری (فارسی)

(۴۳) المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ (وصیت نامہ) (فارسی)

(۴۴) فیض عام (فارسی) (۴۵) مکاتیب عربی (عربی)

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے مصنفات کی بابت جو کچھ ہمیں لکھنا تھا لکھ چکے اگرچہ آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں، جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں مگر ہم نے صرف انہیں کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہو کر شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور ہو چکی ہیں اور جو اس وقت ہماری پیش نظر ہیں، ان میں سے بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو بلحاظ جامعیت روایات دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں اور جو شاہ صاحب کی خداداد قابلیت اور پولٹیکل لیاقت کا نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان ہی بے نظیر تصنیفات کے باعث پچھلی تاریخ نویسوں نے آپ کو ائمہ متقدمین پر ترجیح دی ہے چنانچہ میں اس مقام پر علامہ ابوالطیب کا وہ مختصر ریمارک جو انہوں نے شاہ صاحب کے حالات پر کیا ہے درج کرتا ہوں جس سے آپ کے علمی تبحر کا ثبوت بہت کچھ ہوتا ہے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ

"اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود، امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ میشد"

لہ شاہ صاحب کے مکاتیب کا ایک حصہ، عرصہ ہوا دہلی میں طبع ہوا تھا، اس میں ایک مکتوب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فضائل میں ہے چند مکاتیب (فارسی) آپ کے "کلمات طیبات" کے مجموعے میں بھی ہیں۔ اور حال ہی میں مولنا خلیق احمد نظامی نے آپ کے "سیاسی مکتوبات" طبع کر کے شائع کئے ہیں۔ (ناشر)

یعنی اگر اس فرید عصر اور یگانہ روزگار کا وجود باوجود گذشتہ زمانہ کے صدر اول میں ہوتا تو اپنی ان بیش بہا اور عدیم النظیر تصانیف کی وجہ سے اماموں کا سرتاج اور مجتہدوں کا مقتدا تسلیم کیا جاتا۔

چونکہ جناب عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ کی تاریخی زندگی میں اب کوئی اور ایسا واقعہ نہیں رہا جو خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہو لہٰذا میں آپ کے حالات وفات اور وہ بھی نہایت اختصار کے ساتھ لکھ کر اس قصہ کو ختم کرتا اور نہایت افسوس کے ساتھ شاہ صاحب سے رخصت ہوتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ کی وفات

معزز ناظرین! یہ امر بالکل مسلم ہے کہ جس نے دنیا میں قدم رکھا ہے، اسے ایک ایسا دن ضرور پیش آنے والا ہے جس میں موت کا تلخ اور زہر آلود ساغر منہ سے لگائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں ایک دن صفحہ ہستی سے مٹ جانے والی ہیں۔ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ خود میں اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یا آئندہ کروں گا چند ہی روز میں اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اور پھر صفحہ ہستی پر شمہ برابر بھی نہیں رہنے کا۔ کیونکہ دنیا کے عظیم الشان انقلابات اور حیرت ناک تغیر و تبدل جو ہر وقت اس کے پیش نظر رہتے ہیں وہ ان سے دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا استنباط کرتا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا خیال کرتا ہے کہ بڑے بڑے خدا کے پیارے اور برگزیدہ بندے دنیا میں آئے جنہیں صرف چند روزہ مسافرانہ زندگی بسر کر کے اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑا ہزاروں عظیم الشان سلاطین اور دنیا کے مشہور نامور تاجدار جن کی سطوت و جبروت کے پر شوکت درخشاں جھنڈے دنیا کے چاروں کونوں میں گڑے نظر آتے تھے دیکھتے دیکھتے اس طرح غائب ہو گئے کہ کوئی بھی نہیں جانتا، کہ کہاں تھے اور کہاں چلے گئے۔

اگرچہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا المناک اور دل بٹھا دینے والا خیال برقی قوت بن کر تمام جہان میں دوڑ رہا ہے اور جہاندیدہ و مسن زمانہ اپنے انقلاب کے حیرت ناک

نمو نے اَتّنا فی نا مشاہدہ کرا کے آئے دن یہ سبق پڑھاتا ہے کہ دنیا حقیقت میں دو دروازوں کا ایک مکان ہے۔ جس میں ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا پڑتا ہے اور جب یہ ہے تو جینا مرنا ایک معمولی بات ہے۔ اس پر خوش ہونے اور اس پر رنج کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر صاحبو! جب کوئی فخر خاندان و قوم اور ہر دلعزیز شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ تو پتھر کا دل بھی بے ساختہ دو آنسو ڈال ہی دیتا ہے۔ قلم کا مسافر باوجودیکہ پتھر کا جگر اور لوہے کا سینہ رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس المناک اور جانگداز سین پر قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا اور ہر ہر گردش میں خونی آنسو بہاتا ہے۔ حقیقت میں شاہ صاحب کا انتقال کوئی معمولی انتقال نہیں جو لکھنے والے اور سننے والوں کے دلوں پر اپنا ماتمی اثر نہ ڈالے لیکن ہمیں یہ خیال کر کے اپنے دلوں کو تسلی دینا چاہیئے کہ گو شاہ صاحب اس وقت ہماری نظروں سے غائب ہیں لیکن حقیقت میں ہمارے دلوں میں موجود ہیں۔ اور ہر دم ان کی محسوس یادگاریں ہمارے پیش نظر رہتی ہیں۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے ان کی سچی زندگی میں جان پڑتی جاتی ہے ہمیں افسوس تو صرف اس بات کا ہے کہ آج اپنے قلم سے ایک ایسے قابل و لائق اور فخر روزگار کے دنیا سے غائب ہو جانے کا واقعہ قلمبند کر رہے ہیں۔ جن کی شریف و مقدس ذات سے تمام ہندوستان کو عموماً اور دلی کے باشندوں کو خصوصاً فخر و ناز حاصل تھا۔ یہی ایک فرید عصر اور یگانہ روزگار تھا جس کی بدولت دلی کی چوکھٹ کو بوسہ دیا جاتا اور یہاں کے باشندوں کے نام نہایت قدر و منزلت کے ساتھ لیے جاتے تھے۔ یہی اس گلستان علوم کا ایک ثمردار درخت تھا۔ جس کے پھل پھول سے دور دراز کے لوگ جھولیاں لبریز کر کے جاتے تھے یہی ان بہار فیوض کا ایک نہایت صاف اور نتھرا ہوا چشمہ تھا۔ جو دنیا کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک پھوٹتی ہوئی کونپلوں کو برابر سیراب کرتا ہوا چلا گیا حیف صد حیف اسے دنیائے دوں۔

(انا للہ و انا الیہ راجعون)

الغرض جب جناب شاہ ولی اللہ صاحب عمر کے ترسیٹھ مرحلے طے کر چکے۔ تو

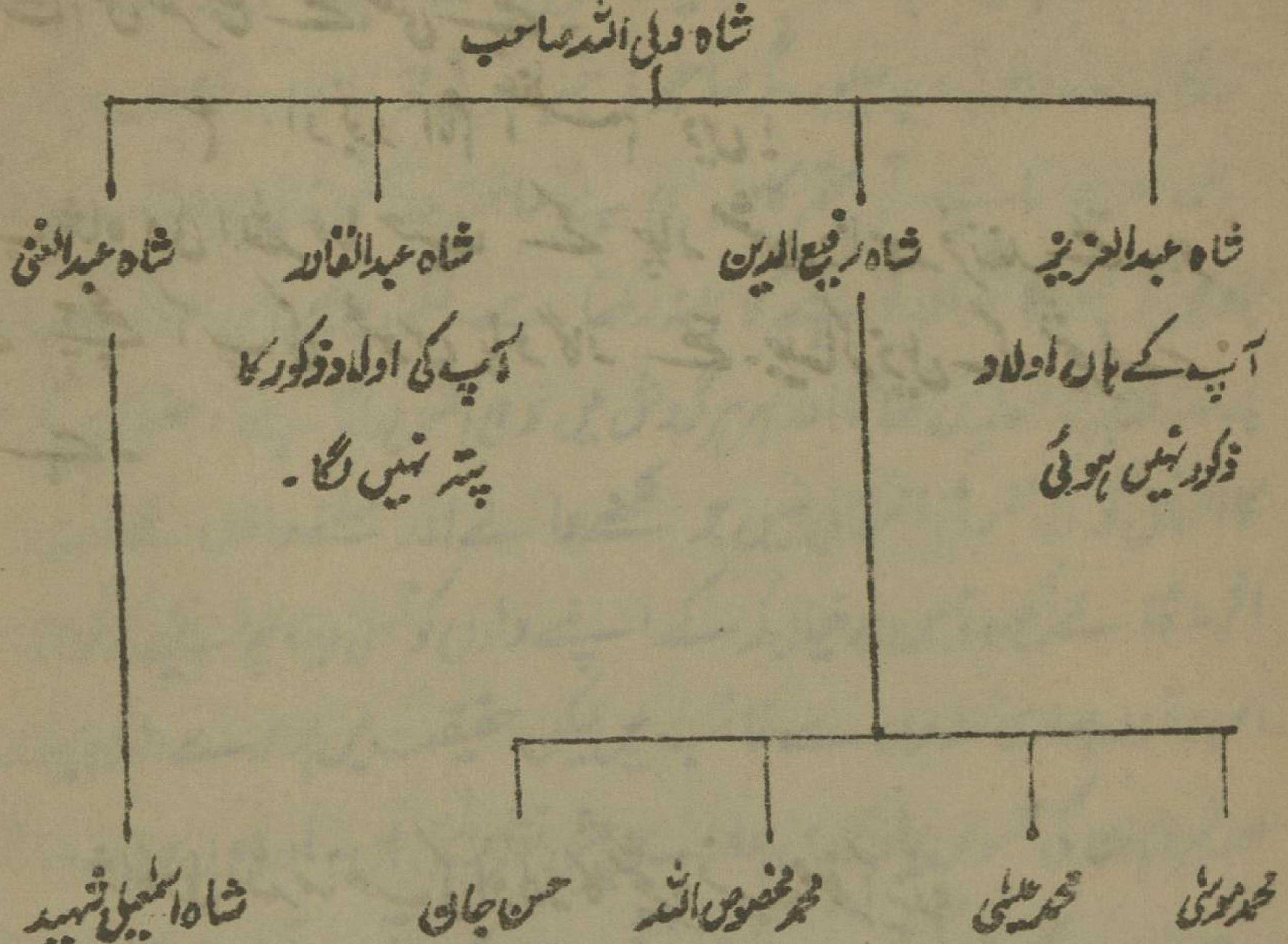
چند روز کی خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶ھ ہجری میں عازم سفر آخرت ہوئے۔ اور شاہجہان آباد کی جنوبی جانب پرانی دلی میں دفن کئے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے۔

ع او بود امام اعظم دیں!

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے چار مشہور نامور فرزند تھے۔ جو آپ کے پیچھے آپ کی محسوس یادگار تھے۔ جیسا کہ ذیل کے شجرہ سے واضح ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی اولاد کا شجرہ نسب صفحہ آئندہ
پر ملاحظہ ہو

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور اولاد کا شجرہ نسب!



باب دوسرا

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب

عارف باللہ جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے چار مشہور و نامور فرزند تھے۔ جیسا کہ آپ کو شجرۂ نسب سے معلوم ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ چاروں بزرگوار اپنے زمانے میں علم و عمل فہم و فراست قوت تقریر فصاحت تحریر تقوے و طہارت امانت و دیانت اور مراتب ولایت میں فرید دہر اور وحید عصر شمار کئے جاتے تھے اور ہر ایک بزرگ آسمان علم کا جہانتاب آفتاب تھا۔ لیکن ان سب میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب بالخصوص زیادہ نامور اور مجتہدین وقت کے زمرہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر محدث ہیں۔ سب کا سلسلہ شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے واسطے سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب پر منتہی ہوتا ہے۔

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے تمام بھائیوں میں سب سے افضل اور عمر میں سب سے بڑے ہیں۔ اور اگرچہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب اور جناب شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالغنی صاحب آپ کے تینوں بھائیوں نے بھی گمنامی کے دائرے سے نکل کر عمدہ طور پر تاریخی شہرت پیدا کر لی ہے اور علمی شہرت میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ان سب میں بلحاظ شہرت عام اور باعتبار لیاقت علمی قابل انتخاب شاہ عبدالعزیز صاحب ہی ہیں۔ یہی وہ معزز اور دنیا کے نامور و مشہور شخص ہیں جنہوں نے اپنے خاندان کو تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے۔ حقیقت میں اگر اس جلیل القدر اور محترم خاندان اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا وجود باوجود نہ ہوتا تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے کبھی نہیں نکلتا اور وہ تاریخی شہرت جو اسے آج حاصل ہے۔ کبھی حاصل نہیں ہوتی۔

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب ۱۱۵۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے جیسا کہ آپ کے تاریخی نام سے واضح ہوتا ہے ایک فاضل مؤرخ کا بیان ہے کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب پیدا ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے عبدالعزیز نام رکھا۔ لیکن آپ کے بعض احباب اور رفقاء نے غلام حلیم تاریخی نام نکالا۔

شاہ صاحب ہنوز شیر خوار بچے ہی تھے کہ آپ کی فراخ اور نصیبہ ور پیشانی عالمانہ تزک و احتشام کے ساتھ روشن و منور تھی، اور اس میں ایک خاص قسم کی بزرگانہ متانت کا چمکارا اپنی پوری تابانی رکھتا تھا۔ آپ کی پیشانی کسی قدر چوڑی اور ابھری ہوئی تھی، جسے دیکھ کر مبصرین خوب سمجھتے تھے کہ کسی زمانہ میں یہی ہلال بدر کامل بن کر ملک میں چمکے گا۔ اور اس ہونہار اور بلند اقبال بچے کو وہ پائیدار عزت اور دوامی آبرو نصیب ہو گی، جو زمانہ میں پورے طور پر اپنا سکہ بٹھا دے گی۔

شاہ صاحب کا بچپن

شاہ صاحب کے بچپن کا زمانہ ایسا حیرت ناک اور تعجب خیز زمانہ تھا۔ جس کا فوٹو کاغذی پیکر پر کھینچنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ آپ کی بھولی بھولی صورت کا جلال خیز نظارہ پھر اس پر جبروت انگیز سادگی لاکھ لاکھ بناؤ دیتی تھی۔ آپ کی وہ پیاری اور محبوبانہ حرکتیں جو اڑھائی تین برس کے بچے سے ظہور پذیر ہوئی ہیں قابل دید تھیں اور آپ کی طفلانہ اداؤں میں اس غضب کی مقناطیسی کشش اور اس بلا کا جذب تھا جو سارے خاندان کے بڑے چھوٹوں کو بے خودانہ اپنی طرف کھینچے لیتا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب جیسے متین اور سنجیدہ شخص ان ہی پیاری اداؤں کی وجہ سے آپ پر فریفتہ تھے اور غایت درجہ کی محبت و الفت رکھتے تھے اس شریف و نجیب نے اپنے والد ماجد کی آغوش محبت میں بڑی خوش اسلوبی سے پرورش پائی اور بچپن کا زمانہ شاہ ولی اللہ صاحب کے سایہ عاطفت میں بسر ہوا اس وقت تک علم کے خوش آیندہ جھونکوں نے آپ کے دماغ کو معطر نہ کیا تھا لیکن آپ کی طبیعت میں چونکہ فطری طور پر

علمی مذاق کا خمیر کر دیا گیا تھا لہٰذا جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے علمی دنیا کی طرف بے روک قدم بڑھتے گئے۔

تعلیم جب آپ پانچ سال کے تھے تو قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور چونکہ آپ کو قدرتی طور پر علم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اور آپ فطرتاً ایک نہایت ہی تیز ذہن۔ سلیم الطبع خوش فہم۔ طبّاع تھے۔ اس لیے بہت ہی نوعمری کے زمانہ میں قرآن شریف پڑھ کر فارغ ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی اسی کم سنی کے زمانہ میں مقدس اسلام کے تمام اصول اور اکثر فروع کو تدریجاً حاصل کر لیا تھا۔ اور ساتھ ساتھ نشست و برخاست کے طریقے اور گفتگو کرنے کے آداب بھی حاصل ہو گئے تھے۔

جب شاہ صاحب قرآن پڑھ کر فارغ ہو گئے تو فارسی کے مختصر رسالوں کی تعلیم آپ کو دی جانے لگی۔ جنہیں آپ نے بہت تھوڑے عرصہ میں پڑھ لیا۔ اور اس کے بعد دو تین ہی سال میں معمولی صرف و نحو کی کتابیں نکال لیں شاید گیارہ بارہ سال کی عمر ہو گی کہ آپ کو باقاعدہ تعلیم ملنے لگی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے خلفاء میں سے ایک نہایت متین اور قابل شخص کے ہاتھ میں آپ کی خدمتِ تعلیم سپرد کی۔ جس نے نہایت قابلیت اور دلسوزی سے اس خدمت کو ادا کیا اور بڑی جانکاہی اور محنت سے تعلیم دی تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنوں میں وہ بلا کی حیرت انگیز ترقی حاصل کی۔ جو قابل اظہار نہیں اور اس وقت طبیعت میں ایک ایسی جولانی اور تیزی پیدا ہوئی جس کی نظیر سے بڑے بڑے غواص بحر معانی کے حلقے خالی تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب جب تیرہ برس کے تھے تو آپ کی تمام معمولی درسی کتابیں نکل چکی تھیں۔ صرف۔ نحو۔ فقہ۔ اصول۔ منطق۔ کلام۔ عقائد۔ ہندسہ۔ ہیئت۔ ریاضی وغیرہ وغیرہ میں کامل مہارت اور عمدہ لیاقت حاصل ہو گئی تھی۔ ان علوم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی درسگاہ میں جانے اور دیگر طلبہ کے زمرہ میں شریک ہو کر سماعت حدیث کرنے

لگے ۔ جب آپ کو متواتر چند روز مدرسگاہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنے طباع ۔ ذہین ۔ قابل فرزند کے مخفی جوہروں کی جانچ ہوگئی تو آپ نے ان پر امتیازیہ نظریں ڈالنا شروع کیں ۔ اور بڑی خوشی و مہربانی سے علوم حدیث کا درس دینے لگے ۔

شاہ صاحب کی ذہانت وطباعی

شاہ ولی اللہ صاحب کے حلقہ درس میں اس وقت وہ جفاکش اور محنتی طلبہ داخل تھے جن کی ذہانت و حافظہ کی دھوم تمام علماء میں پھیلی ہوئی تھی، اور جو معرکۃ الآرا مسائل کے حل کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی ان ہی طلبہ کے زمرہ میں شریک ہوکر تعلیم پاتے تھے ۔ لیکن ذہانت اور حافظہ کسی شخص کے اختیاری وصف نہیں ہیں نہ کسی طبع کے ساتھ مخصوص و محدود ہیں بلکہ فطرت کی خاص بخششیں ہیں جو بعض بعض نفوس کو عطا ہوتی ہیں ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا دل و دماغ پہلے ہی سے ان جوہروں سے آراستہ تھا ۔ جنہیں فطرت کی خاص بخششیں کہنا چاہیئے ۔ جب آپ علم حدیث کی دشوار گذار گھاٹیاں جلد جلد طے کرنے لگے تو تمام طلبہ آپ کی فطری لیاقت اور خداداد قابلیت پر عش عش کرنے لگے ۔ اور آپ کی حذاقت و طباعی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ کوئی ایسا دقیق اور اہم مسئلہ درس کے وقت پیش نہ کیا جاتا تھا ۔ جسے آپ پانی نہ کر دیتے ہوں ۔

زورِ تقریر

ابتداء ہی سے آپ کی تقریر ایسی شستہ اور منجی ہوئی تھی کہ جب آپ کسی اہم اور مشکل بحث کی تقریر کرتے تو ایک ایسے رنگ میں ڈوب کر بیان کرتے جسے سن کر بڑے بڑے فضلاء محو حیرت ہوجاتے، اور جناب شاہ ولی اللہ سمیت تمام حاضرین درس کی متعجبانہ نظریں آپ کی پر مغز اور قیمتی تقریر پر پڑتیں ۔

شاہ صاحب کی ہمہ دانی

الغرض دو سال کے عرصہ میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے تمام حدیث کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے نکال لیں ۔ اور اب آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہوگی کہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی ۔ اور

ہر فن کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ شاہ صاحب کے سوانحعمری پڑھنے والوں کو نہ صرف تعجب بلکہ سخت حیرت ہوگی کہ اتنی سی عمر میں شاہ صاحب جملہ علوم کے بحار زخار پر کیونکر عبور کر گئے اور ان سنگلاخ اور دشوار گھاٹیوں کو اس قدر جلد کس طرح طے کر گئے۔ لیکن صاحبو! یہ ذرا سی مقام تعجب اور جائے حیرت نہیں ہے کیونکہ فطرت جس شخص کو اپنی یاگانگی اور رہبر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کے ضمیر کو اول ہی روز سے ربانی قابلیتوں اور روحانی جوہروں سے آراستہ کر دیتی ہے اور ہمیشہ وہ قوت جو الہامی نکات کے دریافت کرنے میں ید طولےٰ رکھتی ہے۔ اس روشن ضمیر میں ادنےٰ تحریک سے جوش زن ہو جاتی ہے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جس نونہال پودے کی آبیاری خود قدرت اپنے نازک اور دلفریب ہاتھوں سے کیا کرتی ہے اس کا اٹھان وابھار نہایت ہی حیرت خیز ہوا کرتا ہے خورد سبزہ قدرتی پانی سے جس قدر جلد اگ کر سرسبز ہوتا اور لہلہانے لگتا ہے۔ اور اپنے اُٹھتے ہوئے جوبن پر ناظرین کے دلوں کو مائل کر لیتا ہے اظہر من الشمس ہے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا ضمیر ہی کچھ ایسا قابل بنا تھا۔ جس پر ربانی تجلیات کا پرتو بہت کچھ پڑ سکتا تھا۔ اور جب آپ کی طبیعت میں قدرتی طور پر علمی مناسبت موجود تھی، اور فطرت کے فیاضانہ ہاتھوں سے آپ میں علمی جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے تو حقیقت میں آپ کے لیے ہر فن میں ایک اشارہ کافی و وافی تھا، اور اتنی سی عمر میں علوم کی اس قدر کڑی اور سخت منزلیں طے کر لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

شاہ صاحب کی علوم سے فراغت

خلاصہ یہ کہ جو کچھ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے حاصل کیا وہ چودہ یا پندرہ برس کی عمر تک حاصل کیا اور اس کے بعد آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔ اور اسی چھوٹی سی عمر میں پیشوائے مذہبی اور مقتدائے علماء تسلیم کئے گئے۔ کچھ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب ہی پر چودہ پندرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونا منحصر نہ تھا۔ بلکہ یہ خصوصیت اس جلیل القدر خاندان کے ہر معزز و محترم ممبر کے ساتھ مخصوص تھی۔ آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور جد امجد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب بھی اسی عمر میں علوم

نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے۔ جناب شیخ ابوالرضا محمد صاحب آپ کے جد بزرگوار اور شاہ اہل اللہ صاحب عم محترم۔ غرضیکہ اس واجب التعظیم خاندان کے کل حضرات چودہ پندرہ ہی سال کی عمر میں پڑھا پڑھا کر فارغ ہو گئے تھے۔

شاہ صاحب کی تواریخ وجغرافیہ دانی

شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی درگاہ میں جہاں حدیث وتفسیر کو بڑے زور شور سے پڑھایا جاتا تھا۔ وہاں منطق وریاضی کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب چھوٹی سی عمر میں ایک لائق ریاضی دان اور قابل قدر تصانیف سے اس بات کا بہت کچھ ثبوت مل سکتا ہے اور یہ بخوبی تحقیق ہو گیا ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو ان علوم سے خاص دلچسپی تھی اور تواریخ وجغرافیہ کے جوہروں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں تھیں۔ جیسا کہ آپ کے اس قصیدہ سے ثابت ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے سوڈان کے حالات وواقعات کا پورا فوٹو کھینچا ہے اور اس ملک کی مفصل کیفیت درج کی ہے۔

شاہ صاحب کا تبحرا

قطع نظر فنون الکتابی اور علوم ظاہری کے آپ وہبی فیوض اور باطنی علوم سے بھی معزز وممتاز تھے۔ اگرچہ تمام علوم عقلیہ مثل حکمت منطق۔ ہندسہ۔ ہیئت وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لیکن اپنی تمام ہمت واوقات حدیث نبوی کے غوامض کی تحقیق اور کلام الٰہی کی تفسیر اور حضرت رسالت پناہی کی مقدس وبزرگ شریعت کی اشاعت وتوسیع میں صرف فرماتے تھے اور طالبانِ صافی نہاد کے ارشاد تلقین کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتے تھے۔ ورنہ علوم عقلیہ میں ایسا کون سا علم تھا جس میں آپ کو دعوائے یکتائی اور یک فنی حاصل نہ تھا اور وہ کون فن تھا جس میں آپ کو تبحر وعبور نہ تھا۔

جس طرح سلاطین تیموریہ کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ سلطنت وحکمرانی چلی آتی ہے اسی طرح آپ کے عظیم الشان اور واجب التعظیم خاندان میں علوم وفنون بطناً بعد بطنٍ

اور صلباً بعد صلب چلا آتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب جب عقلی ونقلی علوم کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے چند روز بعد سفر آخرت قبول کیا اور آپ کی فائض البرکات ذات سے مسند خلافت نے زینت و سادۂ ارشاد و ہدایت نے بے انتہا رونق حاصل کی۔ کیونکہ مولنٰا رفیع الدین صاحب اور مولنٰا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہما آپ کے چھوٹے بھائی والد ماجد کے سامنے نہایت کمسن اور نوعمر تھے۔ اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے علوم وفیوض حاصل کرتے تھے۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے وقت آپ کی سترہ برس کی عمر تھی اس چھوٹی سی عمر میں لوگ آپ کے پاس تعلیم پانے کے لیے آنے لگے، اور سب نے آپ کو مقتدا تسلیم کر لیا آپ نے والد کی جگہ بیٹھ کر نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ طلبہ کو پڑھانا شروع کیا اور حدیث وتفسیر کے علاوہ دیگر مروجہ علوم کا درس دینے لگے شوقین طلبہ دور دور سے آتے اور آپ کے درسگاہ میں داخل ہونے کو ذریعۂ فخر سمجھتے چونکہ آپ طلبہ کے ساتھ نہایت مہربانی اور کریمانہ اخلاق سے پیش آنے کے علاوہ بڑی محنت وجانکاہی سے پڑھاتے تھے اس لیے اب یہ مدرسہ انتہا درجہ کی شہرت پکڑ گیا تھا ہر وقت آپ کے درسگاہ اور مکان کے دروازے پر طلبہ کا ہجوم لگا رہتا اور لوگ جوق در جوق حاضر ہوتے۔

ہمیں اس فقرے کے لکھنے میں کبھی تردد نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں علم وعمل کی ریاست کا اول آپ پر بعدہٗ آپ کے لائق بھائیوں پر خاتمہ ہو گیا۔ افسوس اس شریف نجیب خاندان کے معزز ممبر دنیا سے کیا اُٹھے کہ دینی علوم یک لخت معدوم ہو گئے اور علوم وفنون کا صاف اور چمکدار چشمہ علماء کی بے توجہی سے جہل کی خس وخاشاک سے بالکل پٹ گیا،

تشنگیٔ تقریر صاحب اتحاف کا بیان ہے کہ

"جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے وقت کے نہایت زبردست عالم تھے اس زمانہ کے تمام علماء و مشائخ آپ کی طرف رجوع تھے اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت تلمذ پر بے حد فخر کیا کرتے تھے، آپ کا علوم متداولہ وغیرہ میں وہ پایہ تھا۔ جو بیان میں نہیں آسکتا۔ کثرتِ حفظ علم تعبیر رؤیا۔ سلیقہ وعظ۔ انشاء پردازی۔ تحقیق نفائس علوم میں تمام ہمعصروں میں امتیازیہ نگاہوں سے دیکھے جاتے اور مخالفین اسلام کو ایسی سنجیدگی و متانت سے دندان شکن جواب دیتے تھے کہ وہ ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے۔ آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا۔ جس کا مخالف و موافق پر برابر اور یکساں اثر پڑتا تھا آپ کی شیوا بیانی اور سلجھی ہوئی تقریر کی تمام ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی، کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے کہ ان کی مجلس وعظ سے ہر مذہب وملت کا شخص ہو کر اُٹھتا ہے متعصب اور ہٹ دھرم لوگ بھی آپ کی بات بلا تردد تسلیم کرتے اور حسنِ تقریر کے آگے فوراً اطاعت کی گردنیں جھکا دیتے ہیں۔

شاہ صاحب کی وقعت لوگوں کے دلوں میں کہاں تک تھی

موافق تو موافق مخالف کے دل میں بھی

آپ کا بے انتہا وقر واحترام تھا آپ نے اپنی عمر کا سارا حصہ طلبہ کی تدریس مُریدوں کی ارشاد و تلقین۔ طالب العلموں کی تکمیل وعظ و نصیحت فصل خصومات میں صرف کیا آپ ظاہری جاہ و عزت۔ صوری احترام و تمکنت باطنی کمالات کے ساتھ فراہم رکھتے تھے غرضیکہ تقدس مذہبی کے علاوہ دنیاوی اعزاز میں کوئی مرتبہ ایسا نہ تھا جو فیاضِ ازل نے آپ سے دریغ رکھا ہو۔ آپ کی شاگردی پر بڑے بڑے فضلاء کو فخر ہے اور آپ کی ترتیب دی ہوئی کتابوں پر علمائے فحول کو بہت کچھ اعتماد و بھروسہ ہے۔ الحاصل جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا واجب الاحترام خاندان علوم حدیث اور حنفی فقہ کا مخزن، اور رسمی فنون کا سرچشمہ ہے اس مقدس و شریف علم کی خدمت جس قدر اس اہلبیت سے

وجود پذیر ہوئی ہے ہندوستان میں کیا دوسری ولایتوں میں بھی کسی خاندان کی نسبت نہیں سنی گئی۔

درحقیقت عمل بالحدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر اور ناقابل زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بویا اور آپ نے اسے پانی دیتے دیتے یہاں تک نوبت پہنچائی۔ کہ اس سے ایک نہایت خوشنما اور نونہال پودا پھوٹا۔ جو چند روز میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھل و پھول سے گودیاں لبریز کر کے جانے لگے۔

ایک اور فاضل مؤرخ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات لکھتے ہوئے یہ مختصر ریمارک کرتا ہے کہ

"ہندوستان میں حدیث و تفسیر اور دیگر دینی علوم کا چراغ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد صرف آپ کے فرزند رشید جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے روشن تھا۔ لیکن نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد حدیث و تفسیر کے علوم کا چراغ گل ہو گیا اور یہ علوم ہندوستان سے بالکل مفقود ہو گئے، ہندوستان میں اس وقت جس قدر علماء دیکھے جاتے ہیں سب اسی سرگروہ علماء کے خرمن کمال کے خوشہ چین ہیں۔ اور اس دیار کے تمام کملاء اسی زبدۂ ارباب حقیقت کے چاشنی گرفتہ ہیں"

منصب وعظ گوئی

اس زمانے میں تمام ہندوستان میں عموماً اور دہلی میں خصوصاً جو یہ آفت وبائی ہوا کی طرح عام ہو گئی ہے کہ ہر عامی اپنے تئیں عالم و فاضل سمجھتا ہے اور صرف اس بنا پر کہ چند دینی مسائل کے اردو رسالے اور قرآن مجید کا ترجمہ کسی نے استاد سے اور کسی نے زور طبیعت سے پڑھ لیا ہے۔ اپنے کو فقیہ و مفسر سمجھ کر وعظ گوئی میں جرأت کر بیٹھتا ہے۔ شاہ صاحب کے زمانہ زندگی تک اس کا مطلق اثر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے متبحر علماء اور نہایت مستعد فضلاء باوجودیکہ تمام علوم میں غائر نظر رکھتے ہیں اور جزئیات مسائل کے احاطہ پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ لیکن تاوقتیکہ اپنا سیکھا ہوا شاہ صاحب کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے اس کے اظہار کی کبھی جسارت نہ کرتے اور بیان میں زبان کو جنبش تک نہیں دیتے تھے۔

شاہ صاحب کا حافظہ

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا حافظہ لوحِ تقدیر کا ان مٹ نسخہ تھا اکثر ایسا ہوا ہے کہ آپ نے غیر مشہور کتابوں کی طویل طویل عبارتیں صرف اپنی یاد کے بھروسہ پر طلبہ کو لکھوادیں ہیں۔ لیکن جب کبھی اتفاق سے کتابیں دستیاب ہوئیں اور ان کی لکھوائی ہوئی عبارتیں اصل کتابوں سے مطابق کی گئیں تو سرِ مو فرق نہ تھا باوجودیکہ آپ کی عمر شریف اسی سال کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اور جسمانی امراض کی کثرت خصوصاً قلت غذا کی وجہ سے بدن مبارک میں کچھ بھی طاقت باقی نہیں رہی تھی، لیکن پھر بھی باطنی فیوض کی برکات اور قوائے روحانی کی حدت سے علمی وقائق و نکات اس سرگرمی اور مستعدی سے بیان فرماتے کہ سننے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ ایک بحر زخار بڑے زور شور سے موجزن ہے اور سمندر میں تلاطم خیز موجیں اٹھ رہی ہیں جب آپ گفتگو کرنا شروع کرتے تو تمام حاضرین مجلس پر حالت استغراق و محویت طاری ہو جاتی اور ان کے دل ربانی انوار سے منور ہو جاتے۔

ابتدائی زمانے میں فرقِ اثنا عشریہ نے تمام ہندوستان میں ایک خوفناک دند مچا رکھی تھی جس سے اہل تسنن کے عوام و جہال کے دلوں میں ایک طرح کا تردد و تذبذب پیدا ہو گیا تھا۔ قریب تھا کہ ان کے عقیدے بگڑ جائیں کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے اکثر ممتاز و مفخر علماء کی التماس سے کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھی جو اپنی انتہا درجہ کی شہرت کی وجہ سے محتاج بیان نہیں پھر یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ باوجود اس کثرت ضخامت کے آپ نے چند روز میں اس کتاب کو مرتب کر دیا۔ کتاب کی پوری خوبی تو اس کے مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ ایک ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی جو کچھ بھی علمی سرمایہ نہ رکھتا ہو اسے دیکھ کر علمائے شیعہ سے نہایت دلیری اور بیباکی سے مباحثہ اور مناظرہ کر سکتا ہے۔

متانت و ظرافت

چند معتبر اور ثقہ لوگوں سے سنا گیا ہے کہ جب آپ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف و تالیف میں مصروف تھے، تو کتابوں کی عبارتیں اور روائتیں اس طرح زبانی ارشاد فرماتے تھے کہ گویا اس فن کے متعلق تمام کتابیں اور کتابوں کی عبارتیں آپ کو ازبر ہیں اور ساتھ ہی مخالفوں کو ملزم کرنے کے لیے کتب شیعہ کے حوالے جنہیں شاید شیعی علماء نے بجز نام کے سنا تک نہ ہو گا۔ اپنے حافظہ کے اعتماد پر بیان فرماتے

تھے، باوجود ان تمام باتوں کے عبارت کی متانت اور لطائف و ظرائف جیسے کچھ ہیں ناظرین پر واضح و ہویدا ہیں۔

شاہ صاحب کا وعظ اور طرزِ بیان ہفتہ میں دو مرتبہ منگل و جمعہ کو دہلی کوچہ چیلان پرانے مدرسہ میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی اور خواص و عوام میں سے صادق العقیدت شائقین اور صافی نہاد معتقدین مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے اور رشد و ہدایت کا طریقہ استفاضہ کرتے آپ کی جادو بھری اور سحر آمیز تقریر میں وہ اثر ہوتا کہ مخالفین گھروں سے ارادہ کر کے جاتے تھے کہ عین وعظ میں مولانا کی مخالفت کریں گے۔ لیکن وہاں بجز سکوت و خاموشی کے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی، وعظ کے ختم ہونے تک تمام مجلس پر سکوت حکومت کرتا اور خاموشی کی چادر سب طرف پھیل جاتی آپ کا طرز بیان ایسا اچھا تھا کہ ہر مذہب و ملت کا آدمی مجلس وعظ سے خوش ہو کر اٹھتا تھا اور آپ کی کوئی بات کسی پر گراں نہیں گذرتی تھی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ان مختصر حالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ کی عمر شریف کا تمام حصہ درس تدریس ہی میں صرف ہوا اور یہیں سے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کے بے شمار شاگرد اور ان گنت تلامذہ ہوں گے، جن کی تعداد کی کوئی مفصل اور بسیط فہرست افسوس اس وقت تک باوجود تحقیقات کے ہمیں دستیاب نہیں ہوئی، لیکن پھر بھی جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے آپ کے ان مشہور و نامور شاگردوں کی مجمل فہرست قلمبند کرتے ہیں۔ جنہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم کے بیش قیمت جوہروں سے گودیاں لبریز کیں۔

شاہ صاحب کے تلامذہ کی مختصر فہرست حضرتؒ مولنا شاہ رفیع الدین صاحب۔ جناب عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور و بلند اقبال فرزند اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے چھوٹے حقیقی بھائی جنہوں نے حنفی فقہ اور علم حدیث کی تحصیل آپ سے کی، اور کلام و عقائد کی تکمیل بھی آپ ہی کی خدمت میں ہوئی۔ حضرتؒ شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر۔ جو شیخ محمد افضل کے فرزند رشید اور آپ کے حقیقی نواسے ہیں۔ انہوں نے حدیث و فقہ کے علاوہ اور علوم بھی آپ سے سبقاً سبقاً حاصل کئے، جناب مفتی صدر الدین خاں صاحب دہلوی حضرتؒ شاہ غلام علی صاحب۔ جنابؒ

مولوی مخصوص اللہ صاحب۔ جو حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند ارجمند اور آپ کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب آپ کے داماد۔ مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلوی۔ مولوی کریم اللہ صاحب دہلوی۔ مولوی شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید رح۔ جناب شاہ عبدالغنی صاحب کے فرزند رشید اور آپ کے بھتیجے۔ مولانا ٹیر محبوب علی صاحب۔ مولوی محمد یعقوب صاحب۔ شیخ محمد افضل صاحب کے چھوٹے صاحبزادے اور آپ کے دوسرے نواسے مولوی عبدالخالق صاحب۔ حضرات مذکورین اسی دہلی کی چار دیواری کے اندر کے باشندے تھے۔ جن میں سے اکثر صاحب اسی زمین میں پاؤں پھیلائے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بیرون جات کے طلبہ بھی آپ کی درسگاہ میں رہا کرتے تھے۔ مثلاً مفتی الٰہی بخش صاحب کاندہلوی۔ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی۔ مولانا حسن علی صاحب لکھنوی مولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات میں ایک ایک شخص آسمان علم کا ایک ایسا جہان تاب آفتاب تھا۔ جس کی علمی چمکاروں سے دنیا جگمگا اٹھی تھی۔ اور علوم کے انوار و برکات سے تمام اہل دنیا منور و مستفیض تھے۔ آج جہاں سے جہان تک علماء فضلاء محدث فقیہ دیکھے جاتے ہیں۔ سب انہیں حضرات کے مائدہ افضال کے زلہ ربا اور خوشہ چین ہیں۔ جن کا سلسلہ استاد جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے واسطہ سے حضرت عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تک منتہی ہوتا ہے۔

الحاصل جناب شاہ عبدالعزیز صاحب جامع علوم و فنون تھے۔ علمی تبحر سے قطع نظر کر کے آپ کی قادر الکلامی اور انشاء عربی بڑے پایہ کی تھی۔ آپ کی عربی نظم و نثر علم ادب کی جان اور ادیبوں کی روح ہے، لہذا اس مقام پر چند مسودے نقل کئے جاتے ہیں جن سے آپ کا زور قلم جولانی طبع تیزی ذہن بہت کچھ ثابت ہوتا ہے آپ اپنے عم بزرگوار جناب شاہ اہل اللہ صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

نظم

سلام علی مولی جسیم الفضائل ... کریم الوریٰ حاوی فنون الفواضل

حماہ الٰہ العالمین عن الاذی ... وعن کل شر فی الخلیقة نازل

وبعد فان العبد یحمد ربہ ... علی ما حباہ عن صنوف النوائل

لا عذّ من ثواب النعیم ملابسی … وامسی وایدی الطیبات حمائلی
ولکن اری الکفار اسباب ثروۃ … لقد فسدوا مابین دہلی و کابل
ولقد رفع الاشرار فوق خیارنا … وکل امرء شر یلج بالتناظل
وکل بخیل لا یرام فنائہ لا … وکل حسود مبغض ذی وغائل
اری الخلق طرا مشتکین معاشہم … وامرہم ما بین فقر وعائل
لکل زمان من تقاسم رحمۃ … الا لہ نصیب لا یرد بحائل
وان زمانا ظلت فیہ مسودا … خلی من الخیرات ملاء الی لازل
فما الشغل فیہ غیر فسق و بدعۃ … وما الناس الا کالجمال العواہل
جزی اللہ عنا قوم سکھ و مرہٹے … عقوبۃ شر عاجلا غیر آجل
لقد قتلوا جمعا کثیرا من الوریٰ … وقد اوجعوا فی اہل شاء و جاہل
ولم یدعوا قوما مصونین عنہم … وان دافعوہم بالذری والکلاکل
لہم کل عام نہضۃ فی بلادنا … یخوضون فیہا بالضحی والاصائل
لقد شذت ہذہ البلاد وقد خلت … عن العدل حتی قلت یل کل قائل
فہل بعد ہذا من معاذ لعائذ … وہل من مغیث یتقی اللہ عادل
ایا قلبکم تشکو الزمان وانت … عن مکارم لطف اللہ لاہ وغافل
کفی اللہ سلوانا لوجع مفاصلی … الیس بکاف عروۃ للاوائل
وکیف بہم الہم نحو قلوبنا … ولذنا الی من لیس عنا بغافل
وان کانت الاقوام لا خیر فیہم … فنحن تمسکنا بخیر الوسائل
رسول اللہ العالمین فانہ … ثمال الیتامی عصمۃ للارامل
یلوذ بہ الاف من اہل حاجۃ … فہم عندہ فی نعمۃ وفواضل
یضم عفاۃ الطارقین جنابہ … تماضم اما لراس شعث القبائل
ویستہزم الجیش العرموم باسمہ … وان کان جرار کثیر الصواہل

شاہ صاحب نے اس خط میں سکھ اور مرہٹوں کی غارت گری اور اس ظالم و ستمگار اقوام کی چیرہ دستی کا سچا فوٹو کھینچا ہے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس مضمون کو نظم کے پیرایہ میں ادا کیا ہے،

شاہ صاحب موصوف کا ایک اور خط مولوی محمد عثمان کشمیری کی طرف۔

تألق برق موهنا من هما هند ۔۔۔ وهب نسيم سحرة من الى نجد
فمن شيمه ذاك البرق أمسيت فى جوى ۔۔۔ ومن شيم هذه الريح اصبحت لى وجد
كنيت لهذا عن نزول صحيفة ۔۔۔ مكرمة عن قدرة العز والمجد
كتاب كعقد الدر جودة نظمة ۔۔۔ يكون لسلك النطق واسطة العقد
فلما نككت الختم عنه وجدته ۔۔۔ خطوط رياحين على صفحة الورد

سلام قولا من رب رحيم وتحية فضلا من بر كريم على من حاز الفضائل طوادنيها وقاصيها وحوى المجالس اسرابا دها وخافيها سلالة الاكابر وخلاصة ارباب المفاخر مولوی محمد عثمان بن فاروق الكشميرى لا زال قدره بين الاكارم عليا وبدره على سماء المكارم جليا۔ وما برح مجلسه روضة من رياض الصالحين ومنهجة منهاج العابدين وادام الله مهجته رونقا للعلوم والفضائل وزينة الفنون ومحاسن الشمائل وبعد فنحن بحمد الله تعالى على ما اولانا من عافية غير عافية وناهية غير واهية وعلى ما تواتر الينا من الاحاديث الصحيحة المسندة الى مجلسكم العالى المرسلة بايدى الثقات والتوالى بعد ما كادت سلسلة الوداد ينقطع وآثارها ارشكت شنشنة الاتحاد تنقلع وبعد ذالك كله قد وصل الينا فى نفحات ايامنا فتوحات شهورنا واعوامنا منكم كتاب عن تفسير آيات الاشواق كشاف رائق والبيان معانى بديع الاشتياق مفتاح فائق فيه تلخيص لاصول الاخبار الساده وتقريب المنجاة عن الهواجس المولمة الغدارة مطالعة كافية فى تنوير القلوب نحو ضوء المصباح فى ايضاح المسطور مقاطعة شافية عن المهتاب القلوب الى فتوح الغيوب ولعمري انه سرور المحزون ولور العيون كنز من فصوص الود ادمعدن لنصوص الاتحاد مقاصده فى ازالة الخفا حجة بالغة تترشح منها هوامع وهمعات ربانية موافقة فى كشف الغين وقرة العينين كانها شمس بازغة تنشعب منها لوامع ولمعات نورانية موافقة كمواقع النجوم من اهله الغموم مراصده كالصحائف الالهية فى تجويف الصدر عن وساوس الشياطين فيها خير كثير ولطائف قدسية تسلية، لنفوس المحبين فعند ذالك انصرف ضميرى لا يوازنها ما سترفيه حيث لا يحسن

اسناد الستور الا بالاضافة الى ذويه ولا تجب معرفة جميع الاسماء وتركيب الحروف الالمن هو من طروق الاسرار ومن له تمييز بين الاحوال المترادفة المتداخلة عند انقلاب الادوار فقلت له اهلاً وسهلاً ومرحباً بخير كتاب جاء من خير اوحدي

ليهنك يا عثمان شامخ سؤدد اتى بعد فاروق وبعد محمد

اذا كان طبع المرء في الاصل صالحاً تداعت له الاوصاف من كل مقصد

هذا ولما فككنا عنه الختام المسكي واستنشقنا منه العرف الذكي وطوحنا النظر من اوله الى آخره وقفنا منه على امور لطيفة كما يقع المتوحش في الليلة الظلماء على سامرة ووجدنا من اداء تحاياه الغرائب وقرطاسه كفراق الاسراب وخطه مثل موشي الثياب والفاظه كايام الشباب ومما ابانا ايدوم على مطالب من اصول الالباب منها التحسر على فوات ما كان لكم من جانب شيخنا قدس سره مشافهة ومكاتبة فاعلموا انه عم عنه ببعض الاعضاء وانما لم تبقى تفاصيل الاجزاء وقد قلت في التاشة مثنا كر البعض بعوضه ومجالسه ذكر البعض مرابعه وانشد نعم ماهوى الى اخر الابيات. ومنها فرط الملال وضيق البال من نقد الجاه والمال فلا يخفى عليكم ان اقبال الدنيا كالمام ضيف او سحابة صيف او زيادة طيف فالاجانب منها اعذوذب واحلا ومنها جانب فاق وما ترى الانسان فيها مبتهجة لكثرة الدراهم والدنانير فلا يمضي عليه زمان اقصر من ظماء الحمار الا ونرا قد انقلبت به الاطوار وهتكت عليه الاستار ولنعم ما قيل ع

منافسة الفتى فيما يزول — على نقصان همته دليل
ومختار القليل اقل منه — وكل فوائد الدنيا قليل

وكان علي رضي الله عنه يتمثل ع

ومن يصحب الدنيا يكن مثل قابض — على الماء خانته فروج الاصابع

على ان المرجو من عميم لطفه وجسيم فضله ان يفتح الله عليكم ما يسد به خلتكم ويقضي به حوائجكم فعليكم بالصبر فانه مفتاح الفرج وان من تاني ادرك ما يتمنى واما ابياتكم اللامية فاثرت فينا تاثير النغمات في الاسماع والحقت منها اشد ابتهاج بالتصنيف والتاليف فهنا لكم هذه

النعمة العظمى والمنحة الكبرى فانها الغاية القصوى من العلم وفي ذلك فليتنافس المتنافسون ولذلك قيل ما خلت العلوم الالياذهم من تدريبها والتصنيف في افانينها وانه لكانت انفاسها تمضي وريا حا تجري واصواتا تقفني واجزا سالا تبعي ولولا باغني به ذلك لماتت رسومها وطمست نجومها ولعفيت ، عفد ترها وذيات انفها ولقل العابر منها في ايدي الناس والثابت على مر الاحراس ولشط على طالبه المرتاد وكبت على مقتبسه الزناد ولا نرى للعالم علما اذل منه على كنه فضله والوه بما اولى من فاتر بيك حيانا طفا وهو رميم وما تلك بين يديك وهو عديم والسلام والاكرام؛

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خط مولوی محمد عاشق کے نام

ایک اور خط جو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے شیخ عارف مولوی محمد عاشق صاحب کو فرزند کی تہنیت ومبارکبادی میں لکھا تھا اور جو حروف معجمہ سے خالی ہے۔

شاہ صاحب کا غیر منقوطہ خط

مصدر المحامد والمكارم مورد الاعالم والاكارم سالك مسالك الكرم صاعد مصاعد الهمم ما او ر دهم معمرها السموه كسماه ادام الله عمره واصلح امره المحرر حصل الله ماله واصلح اعماله حامد لله اله لا الا هو الا هو لا ولد ولا والد له لا اسلك السماء ولا عمد له وامد العطاء ولا امد له ومصل لرسوله محمد صلى الله عليه وسلم وآله وأصحابه وموصل لكم السلام والاكرام والطمع الوصال لما هو اهم الآمال ومعلوم لما مد لولد وصل موسوم المكرم ولما لاح محصوله هو ولد مولود سر كوال المحرر سماعه وادام الله مسرته الاحد له ومرحا الاعداد له عمره واصلحها لكم مهلها والسلام والاكرام!

شاہ عبدالعزیز کا خط شاہ اہل اللہ کے نام

جناب شاہ عبدالعزیز کا ایک خط جو آپ نے نظم ونثر سے آراستہ کر کے اپنے عم بزرگوار جناب شیخ اہل اللہ صاحب کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

سلام على من فاق بالمجد والكرم ... واحرز اصناف البدائع والحكم
وشاق قلوب المخلصين بلطفه ... وعز فلم يترك نقيرا من العظم
وبعد فان العبد ما زال يحمد ... الاله على ما فاض بالفضل والنعم
وعافاه عما يوجب الجهد والعنا ... وعن كل اطوار الشدائد والسقم
فاسئل رب الناس ان يخذل العدى ... ويحفظ احبابى من الشر والنقم
ولا سيما ذاك الجناب فانه ... نهاية امالى وغاية مغتنم
وبعد فلما فزت منكم بروضة ... حوت كل ما اشتمل من الورد والنسم
اريد بها خطا كريما منورا ... قاطع الدجى عنى وقد كشف الظلم
تيقنت ان المجد والعز اقبلا ... الى وان الغم والهم يصطلم
ملتفت وراش المسك فيه مكانة ... لمداره وان الله فيه لمنتظم
والهما مما يذيب عن فتى ... عليل غليل القلب غائلة السدم
لعمرك ان الشوق نحو جنابكم ... ليعجز عن تبيانه اللوح والقلم
لاخلاص هذا العبد فيكم شواهد ... والايات ايضاح كناي على علم
جزى الله اياكم عن العبد خيرا ... والهمى عليكم عارض الجود والكرم
وصان جناب العز عن سائر البلا ... وعن كل ما يخشى وما يوجب لصنم

وبعد فقد جاءت علينا بعايل الرضا وامطرت سحائب العز والعلى فاطفئت لهيب قلوبنا وازالت عنا بيلا لرها جفان كروبنا وتلحت برودها صدورنا وزادت برودها سرورنا اكتنى بذلك كله عن صحيفة شريفة نزلت علينا من ذالك الجناب الذى هو شلتم شفاء الاحباب ومعتصم ايدى الاصحاب وما تضمنت من بشارة التوجه التام الى دعاء الشفاء الاحباب و واستدعاء زوال الذى اعترض لقرة العين فلانة صانها الله عن موبقات الزمان فقد وقع بمكان واخذ منا جنان وكيف لا وبمثل هذا يرتجى نجاح المطالب واسعاف المآرب واما الامر بالتمشية والمعاداة فقد سبقنا الى الامتثال به صدور الامر المطاع دور والحكم اللائق بالاتباع هذا وقد اجزت الشيخ محمد اميربيا دق عوض لو الدة الكبير من نشوب

الشوکة ودوام القدم وشفقها ذکرتها لما ورد فی الکتاب والسنة من مراعاة القرابة وحقوقها فاستعدّ بالرحلة وتأهب للسفرة ثم ان قرة العین فلانة حفظها الله بحمد الله خف مرضها وزال عرضها ووفقنا الله فی اثناء المعالجة لاستعمال الادویة المفیدة ففارقتها الحمی بحمد الله مفارقة سعیدة وذلک بعد حمیة شدیدة وملازمة لعرق عنب الثعلب واعوان السمن فی الطعام وتقلیله وملازمة اکیدة فسوء القنیة ایضاً لیس لها بحمد الله تعالی علی کبدها ولا علی المعالیق اثر محسوس یعتد به وانما تعرضها عند رطوبة الهواء تهیج خفیف وعسی ان یرفع الله ذلک ایضاً بمنه وکرمه ولطفه آمین ۵

شاہ صاحب کا دوسرا خط شاہ اہل اللہ کی طرف

شاہ صاحب کا ایک خط اپنے عم بزرگوار کی جانب۔

لاحت بروق الحمی والقلب مبتول !	والروح منفصل والدمع مهمول
نشمتُ منه سروراً لم یکن فرح	اعنی عندی منه فهو موصول
وطبت من بین اصحابی وما علموا	بفرصتی ونسیم الروح معلول
وصرت ارفل فی اثواب عافیتی	والهم منهزم والغم مخذول
جزاک ربک فی الدارین خیرهما	وطول عمرک فی الدنیا فمسئول
وصاننا ولکم عن کلّ جائحة	یفضی الینا اذاها وهو مشمول
ایام بردانت فالقلب منجزع	من قوم سکره وان الخوف معقول
افناهم الله عن هذه الدیار فهم	شر الاعادی وهم من جنة غول

فوضت امری وامر الناس اجمعهم

الی الاله وان الحفظ مأمول

الی الفقیر الحقیر عبد العزیز یرفع السلام والاکرام الی من فاق الکرام ویحمد الله علی العافیة والرفاهیة ویشکره علی ما وصل الیه من الصحائف اللطائف تتری و حصل الیه من مطالعة الاخبار السارة مرة بعد اُخری هذا وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین ثم طلب العافیة والمعافاة فی هٰذه الایام التی هی ایام الفتن و مواسم المحن عافانا الله تعالی وایاکم من سائر البلاد ورزقنا الله وایاکم ما یتمنی من الخصب والرخاء آمین ۔ والسلام !

شیخ شاہ عبدالعزیز کا خط شیخ اہل اللہ کی طرف

آپ کا ایک اور خط عم محترم شیخ اہل اللہ کی طرف۔

یا من الی وجهه تصبو صبابا تی ‏ ‏ ومن ذری عزه تقضی لبانا تی

لاخیل عندی اهدیها ولا خول ‏ ‏ لذا صعدت شناعیف التحیات

حیاك ربك فی عیش ورغد ‏ ‏ ولا یکدره شوب البلیات

وانی البشیرکم اعطی السمع منهجة ‏ ‏ قوض الهم من اتیان والاتی

بشری فقد طلعت شمس العلی وهدی ‏ ‏ بدار الشرافة فی افق الکرامات

ابقاه رب الوری بالصالحات معه ‏ ‏ وانبت الله سعد احسن انبات

بعد عرض السلام ورفع الشوق والغرام فالداعی عبد العزیز الراجی الی رحمة رب المجیز یحییکم بتحیات اصولها ثابت فی ارض المحبة الخالصة وفروعها فی السماء ویرفع الیکم دعوات لایزال تزداد ابدا الاباد فی القبول والنماء وبعد فانی احمد الله علی ما کسانی من سرابیل الصحة وقمص العافیة واطعمنی اقوات الامن والرزق الرفاهیة وانها نعمة عظیمة ومنحة جسیمة کما قیل ؎

وما العیش الا فی الخمول مع الغنی ‏ ‏ وعافیة تغدو بها وتروح

بید ان قرة العین عائشة سلمها الله تعالی کانت ذات علة۔ فتفضل الله تعالی بازالة اکثرها وهو المرجو لازالة غیرها دائما فان الله تعالی هول المطلع وصرف عنا وعنکم سوء المضطجع واحسن الینا والیکم فی المرتجع اللهم انا نبات نعمك فلا تجعلنا حصائد نقمك امین امین امین وان من نفحات رحمة الله فی هذه الایام ما تباشرنا به بشرا اهل الحرمین بلین الاسعار وتحاوشنا به تجار الهند ثبت ارتفع الامطار وهو الخبر السار الذی کتب فی الالواح وامتزج بالارواح وعد فی جملة انتشل العظام وجری فی العروق وسری فی العظام تغلغل حیث لم تبلغ شراب لاحزن ولم تبلغ شراب ولا حزن ولم یبلغ سرور فقد لنا متوجهین الی ورودها ما کانت تقوله اوائل العرب عند لقائها فی مولودها بذلك الله فی الحیات بدا حتی نری بحلك هذا اجدا مو راحده سودی تقتدی مثل ما تقتدی کانه انت اذا تشتت شمائلا محمودة وبدا هنا کم الله تعالی مولده وقرن بالخیر مورده واطال عمره واسعده وجعله مقرب

جناب الٰہ ربّانا فی ظلال اہل اللہ آمین الزیادۃ توجب السآمۃ والسلام والاکرام ۵

....

شاہ صاحب کا ایک اور خط شیخ اہل اللہ کی طرف

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک اور خط اپنے عم بزرگوار کی جانب۔

الی المجلس المحفوف بالمکارم والمعالی اعنی به سیدنا وسندنا ومعتمدنا ومکان الروح فی جسدنا وذخیرنا وعذنا سیدنا العم سلمه الله تعالیٰ ظلاله عن الاقول واصله محل القبول آمین ۵

بعد رفع السلام والاکرام — فیقول الفقیر ذو الآثام
ان هذا الفقیر محفوظ — من شرور الزمان والاسقام
یسئل الله بعد کل صلاۃ — ان یعافیه فائض الانعام
ویعافی جمیع رفقة الارحام — من ذکور ونسوۃ وغلام
ثم ان البلاد فاسدۃ — من ایادی الغشوم والظلام
غیر خاف علیک ما صنعتْ — قوم سکھ کانت التوشام
خفضوا کل قریۃٍ ومعنوا — یفتحون الحصون والآطام
فیتحوا امۃً من الارواح — قتلوا امۃً من الاجسام
نهبوا أعدۃً من الاموال — اوثقوا عدۃ من الایتام
وسقوا کل من تعرضهم — من فئام الانام کاس الحمام
ذهلت کل مرضع عما — ارضعته وکل ذات فطام
ان هذی الامور مزجورۃ — فیه فلتعتبر اولی الاحلام
کیف ما سلط الشرار علی الابرار — حق من خائن ومن خصام
والی الله نشتکی منهم !! — انه ذو الجلال والاکرام
هذه حالهم مع الرعیة — کل یوم تزید فی الاقدام
وحتی المسلمین غیر خفی — قد سری فیهم محول عظام

معهذا فليس عندهم همة يرتقي ذری الاعزام
فاذا جاء عندهم نزع امر ولان تجهزوا بخيام
ثم لما تمالئوا جمعا يستشيرون رای کل حرام
لم يقيموا علی مقررة ثم يستقسمون بالازلام
لم يريدوا اقدارا کالعدو بل يريدون سد باب ملام
منهم ذاك لم يروا عرفا قط فی دهرهم بطيب منام
ان شكاهم اليهم احد دفعوا لومة بزور كلام
والنصاری من الفرنج اتوا عرفوا بالوفاء ورعی ذمام
ياخذون الخراج منتصفا باسم من وسموا باسم امام
ويرون اقتطاع الملك من ذوی الارض صاحبی الاقوام
ويريدون اقتلاد المال من ذوی المال اولی الانعام
خرجت حزبهم من الافكار خفيت صنعهم عن الاوهام
قد عدی الامر عن حدود ادب وتعدی عن المقام كلام
ليس عند الاديب معتبرا من سهی عن محافظات مقام
لم يصل من جنابكم خط ومضت مدة من الايام
ساعة الهجر عند ذی الاشواق قد تفوق السنين والاعوام
لكن المسئول من جنابكم ان تواسوا بمن اليكم هام
وصلوا رابعة الوداد بما فيه طيب وفيه برد اوام
سلم الله ذاتكم ابدا ما افاد الضياء بدر تمام

لقد اوجزت خيفة الابرام
وختمت السلام بالاكرام

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا ریویو کتاب مناقب حیدریہ مصنفہ شیخ احمد[1] بن محمد انصاری الیمنی الشروانی پر۔

---

[1] شیخ احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم انصاری یمنی شروانی بہت بڑا عالم وسیاح تھا اکثر عمر سفر میں بسر کی اور حجاز و

رأيت وريقات تدل سطورها ! ‏ على فضل تحرير إليه يسند

وممدوحه في ذالك الطراس حيدر ‏ سمي أمير المؤمنين المؤيد

ولا غرو إن فاق الكرام بمدحه ‏ أذا الفضل محمود ومنشيه أحمد

له قدم في الشعر عالي وإن أبوا ‏ عليه براهين البراعة تشهد

وفي نظمه لطف وحسن سلامة ‏ يذل لديه كل نظم ويسجد

قدام على مر الدهور علاؤه ‏ يزيد على الأكياس طرا ويزيد

دہلی کے وصف میں آپ کے چند ابیات

يا من يسائل عن دهلي ورفعتها ! ‏ على البلاد وما حازته من شرف

إن البلاد إمام وهي سيدة ‏ وإنها درة وشكل كالصدف

فاقت بلاد الورى عزا ومنقبة ‏ غير الحجاز وغير القدس والنجف

سكانها جيل الأرض قاطبة ‏ خلقا وخُلقا بلا عجب ولا صلف

بها مدارس لو طاف البصير بها ! ‏ لم تنفتح عينه إلا على المصحف

كم مسجد زخرف فيها منارته ‏ لو قابلته شموس الضحى تنكسف

ولا غرو إن زينت الدنيا بزينتها ! ‏ كم من أب قد علا بابن ذوي شرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۵) یمن کا دورہ کرتا ہوا ہندوستان میں آیا اور اس ملک کے بہت سے شہروں میں پھرا چند تالیفات ورسائل چھپ کر شائع ومشہور ہوئے جو ہندوستان کے مدارس میں داخل ہیں ازاں جملہ ایک کتاب نفحۃ الیمن ہے اور ایک حدیقۃ الافراح اور ایک عجب العجائب اور ایک مناقب حیدریہ جو سلطان حیدر بادشاہ لکھنؤ کی مدح میں لکھی ہے علاوہ ازیں بہت سے قصائد وخطوط مشہور ومعروف ہیں منجملہ ان کے چند شعر یہ ہیں جو انشاء اللہ خاں کو لکھے تھے۔

هيج الأشواق للصب اللبيب ! ‏ ذكر هندية الحسن الغريب

هن توارت في حجاب البعد عن ‏ مستهام شفه الوجد المذيب

فاذكري يا هند صبا دمعه ‏ مذ خفرت العهد يا عيني صبيب

نحوك السفاك أبكى مقلتي ‏ وأجحف أضحى من يلجو بحبيب

كيف أرضاك الذي أرضني لعدى ‏ إن هذا بغمك يا روحي عجيب

وما ماجون جری من تحتها فحکی!
انما ما خذ جوت فی اسفل العرف

معزز ناظرین! جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے خطوط ورقعات میں سے جس قدر رقعات مجھے نقل کرنے تھے۔ لکھ چکا۔ اگرچہ اس وقت آپ کے خطوط کے بہت سے مسودات میرے زیر نظر ہیں۔ لیکن میں نے حیات ولی کے طول پکڑ جانے کے خوف سے چند رقعات کا انتخاب کر کے آپ کے سامنے پیش کیا ہے جن سے شاہ صاحب کی جودت طبع اور علمی تبحر اور استعداد کا حال آپ پر بہت کچھ واضح ہو سکتا ہے اور صرف اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ جناب شاہ صاحب کا تبحر اور ادب اور فضل و کمال کس پایہ کا تھا اور آپ کی علمی استعداد کس عروج پر پہنچ گئی تھی۔

شاہ صاحب کی اولاد جناب شاہ صاحب کے ہاں بجز تین عصمت مآب اور باعفت صاحبزادیوں کے اولاد ذکور نہیں ہوئی، اور وہ بھی بڑی اور صاحب اولاد ہو کر آپ کی حیات ہی میں رحلت کر گئیں سب سے بڑی صاحبزادی۔ جناب مولنٰا شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے فرزند مولوی عیسےٰ صاحب کے عقد نکاح میں تھیں۔ جو ایک فاضل اور نہایت بالیاقت آدمی تھے دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔ جن سے جناب مولنٰا اسحاق[1] صاحب مہاجر اور جناب مولوی

---

[1] مولنٰا محمد اسحٰق صاحب مہاجر شیخ محمد افضل کے فرزند اور جناب مولنٰا شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسہ ہیں آپ نے علم حدیث شاہ صاحب سے حاصل کیا اور کامل بیس برس تک یہ شریف سنن آپ کے حضور میں بیٹھ کر جدید الفکر کو پڑھایا۔ آپ سنت نبوی کے پورے فوٹو تھے اور کوئی کلام خلاف سنت ظہور میں نہ آتا تھا۔ چونکہ خدا تعالےٰ نے صورت و سیرت دونوں عطا کی تھیں لہذا آپ کی صورت سے آثار نجابت عیاں ہوتے تھے اور دیکھنے والوں کو یقین ہوتا تھا کہ جناب نبی عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا فیض جنھوں نے پایا ہوگا ان کی یہی صورت و سیرت ہوگی جب جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے سفر آخرت قبول کیا تو لوگوں نے آپ کا فرق مبارک دستار خلافت سے مزین کیا اور تمام معتقدین کی رجوع آپ کی طرف ہوئی وہ خدا جوئی نہایت فخر و ناز کے قابل ہے جو شاہ صاحب میں موجود تھی آپ نے باوجود اس شوکت و حشمت اور جاہ و جلال کے سب کچھ

محمد یعقوب[1] صاحب پیدا ہوئے۔ مولانا اسحاق صاحب کی تاریخ ولادت ۶ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ ہجری اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ ہجری ثابت ہوئی ہے۔ شاہ صاحب کی تیسری صاحبزادی مولوی عبدالحی صاحب کے عقد نکاح میں تھیں جو ایک فاضل اجل اور نہایت شریف و خلیق شخص تھے اور جو جناب سید احمد صاحب کی معیت میں چند سال تک کوہستان اور اس کے اطراف میں رہے اور پھر مرض بواسیر کی شدت سے سفر ناگزیر اختیار کیا۔

تصانیف

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصنیفات جو خاص خاص موقعوں پر نہایت ضرورت کے وقت لکھی گئی ہیں آپ کی بے نظیر یادگاریں ہیں۔ آج جن کتابوں کی عام شہرت دریائے جمنا سے فرات تک اور ہندوستان سے کوہ ہمالیہ تک نہایت مقبولیت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے اور جو بے انتہا توقیر و عظمت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں وہ آپ ہی کی مصنفات ہیں شاہ صاحب کی تصانیف کا مفصل ذکر مشرح طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۷) چھوڑ کر صرف خدا جوئی میں حجاز کا مبارک سفر کیا اور مع قبائل و عشائر وہاں پہنچ کر فرض منصبی ادا کیا۔ حج سے فارغ ہو کر ہندوستان کی طرف مراجعت کی اور ایک عرصہ تک مواعظ و نصائح سے خلق کو راہ ہدایت دکھاتے رہے اس کے بعد چونکہ شعائر اسلام میں دن بدن ضعف اور کفر و بدعات کی رسوم میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ اس لیے آپ نے ہجرت کی نیت مصمم کر کے اور اور تمام قبائل کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے اگرچہ تمام شہر کے باشندے اور نیز سلطان وقت بسماجت تمام مانع آئے مگر چونکہ آپ پر شوق حرم محترم غالب تھا، لہذا آپ ممتنع ہوئے اور مکہ معظمہ میں جا کر توطن اختیار کیا اور چھ سال کے بعد ۱۲۶۲ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔

[1] مولوی محمد یعقوب صاحب شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر کے چھوٹے بھائی ہیں علم و فضل میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اور خلق جمیل صفات جزیل قناعت و استغنا میں آپ کی مثال ہزار تلاش کے بعد بھی نہیں ملتی تھی۔ اکثر لوگ آپ کے پاس ہدایا اور تحفے لے کر حاضر ہوتے تھے لیکن آپ کسی چیز کو نگاہ قبول سے نہ دیکھتے تھے بلکہ جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے تھے اسی میں قوت بسری کرتے تھے۔ آپ نے بھی اپنے برادر عزیز کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں وطن اختیار کیا اور انجام کار وہیں رحلت فرمائی ۱۲ منہ

میں نے حیات عزیزی میں کیا ہے - جو میری پہلی تصنیف ہے اور جس کی قدر پبلک نے میری امید سے بہت زیادہ کی ہے میں اس تمام بیان کو یہاں ذکر کر کے حیات ولی کو طول دینا نہیں چاہتا - ناظرین وہاں اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں لیکن چونکہ میں اس تذکرہ کو شاہ صاحب کی تصنیفات سے خالی چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتا - اس لیے آپ کی تمام مصنفات کا ایک اجمالی نقشہ پیش کرتا ہوں - جس سے ناظرین کو آپ کی تصانیف کا سرسری فوٹو معلوم ہو سکتا ہے -

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
۱	تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی	فارسی میں	متعلق قرآن مجید	**شاہ صاحب کی تصانیف کا نقشہ** اس قابل قدر اور بے مثال تفسیر کی دو جلدیں ہیں - پہلی جلد میں سورہ فاتحہ سے لے کر پارہ سیقول کے ربع تک سوا پارے کی تفسیر ہے اور دوسری میں اخیر کے دو پاروں کی یہ تفسیر ایک ایسے نرالے ڈھنگ میں لکھی گئی ہے جس کی نظیر سے تمام متقدمین و متاخرین کے حلقے خالی ہیں - اس میں تمام علوم و فنون کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں اور ہر علم کا کافی نمونہ دکھایا گیا ہے جس سے مؤلف کی شان علم اور علمی تبحر بہت کچھ ثابت ہوتا ہے -
۲	تحفہ اثنا عشریہ	فارسی میں	متعلق مناظرہ	یہ کتاب اہل تشیع کے بطلان عقائد میں ایسی متانت و تہذیب اور شائستگی کے ساتھ مدلل لکھی گئی ہے جس کا

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
				جواب آج تک علمائے شیعہ سے بن نہیں پڑا۔ انصاف پسند طبیعتیں خوب جانتی ہیں کہ یہ لاجواب کتاب کس پایہ کی ہے اور مصنف نے کن کن آبدار جواہر سے اسے آراستہ کیا ہے یہ کتاب شاہ صاحب نے اس وقت تصنیف کی جب کہ دہلی میں شیعوں نے ایک بہت بڑا دند مچا رکھا تھا اور یہ طبقہ مختلف خیالات وعقائد کا بازیگاہ بنا ہوا تھا متعصب شیعہ حشرات الارض کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور ہر طرف طوفان بے تمیزی کا اندھا دھند جھکڑ چل رہا تھا ایسے فتنہ زا اور پرآشوب زمانے میں جناب شاہ صاحب نے ایک ایسی پرمعنی کتاب کا تصنیف کرنا ضروری سمجھا۔ جس سے ہزارہا بندگان خدا کے شکوک مٹ گئے اور وہ پکے مسلمان بن گئے۔
۲	بستان المحدثین	فارسی میں	فن تاریخ میں	یہ لاجواب کتاب بھی اپنے فن میں بے نظیر ہے جس میں تمام کتب حدیث اور ان کے مصنفین ومؤلفین

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
				کے تاریخی حالات نہائیت بسط و شرح کے ساتھ لکھے ہیں اس کتاب کا طرز بیان قابل دید اور مصنف کی علمی تحقیقات اور تاریخ دانی لائق تعریف ہے بارہویں صدی کے بعد جو کتابیں سلف کی یادگاریں لکھی گئی ہیں وہ سب اسی سے اخذ کی گئی ہیں ۔
۴	شرح میزان المنطق	عربی میں	منطق میں	یہ ایک نہایت مختصر رسالہ میزان المنطق کی شرح ہے جو ہنوز قالب طبع میں ڈھالا نہیں گیا۔ عاجز مؤلف نے ایک قومی کتب خانہ میں اس کی زیارت کی ہے۔ حقیقت میں نہایت ہی عجیب و غریب کتاب ہے منطق کے ابتدائی مسائل اور اصطلاحات کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ قابل اظہار نہیں رسالہ مذکورہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو علم منطق میں بہت ہی کمال حاصل تھا اور اس نے اس فن کو عروج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
۵	چند حواشی بر بدیع المیزان	عربی میں	منطق میں	یہ حواشی ابھی تک چھپے نہیں۔ بلکہ ایک قلمی نسخے پر لکھے ہوئے ہیں ان حواشی میں شاہ صاحب نے بدیع المیزان کے مطالب کو اس درجہ حل کیا ہے کہ ادنے درجے کا طالبعلم بغیر استاد کی مدد کے مسائل منطقیہ سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے اور جو اشکال اس راہ میں پیش آتے ہیں سب اس کے آگے پانی ہو جاتے ہیں میں نے بدیع المیزان کی اور بھی چند شروح کا مطالعہ کیا ہے لیکن جو خوبی اس میں پاتا ہوں کسی دوسری شرح میں نہیں پاتا۔
۶	چند حواشی بر شرح عقائد	عربی میں	منطق میں	شرح عقائد کے اگرچہ بہت سے حواشی اور تراجم میری نظر سے گزرے ہیں لیکن یہ حواشی اپنی طرز میں بالکل نرالے اور انوکھے ہیں شاہ صاحب نے ان میں وہ طرز بیان اختیار کیا ہے جس سے شرح عقائد کے مشکل اور مغلق مسائل بالکل پانی ہو گئے ہیں یہ حواشی میں نے اپنے ایک دوست کے پاس کہنہ مسودات میں دیکھے ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
۷	عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس	عربی میں	متعلق تاریخ	یہ ایک نہایت ہی لاجواب کتاب جو خلفائے اربعہ کے فضائل میں بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ خلفائے اربعہ کی سوانحعمریاں اور ان کے تاریخی حالات ہیں جس قدر اب تک لکھے گئے ہیں غالباً اسی کتاب اقتباس کئے گئے ہیں افسوس کہ میں نے اول سے آخر تک اس کتاب کا بنظر غور مطالعہ نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس کی پوری کیفیت بیان نہیں کر سکتا البتہ سرسری اور اجمالی نظر ڈالنے سے اس قدر ضرور ثابت ہوا ہے اس کتاب میں کتب احادیث کا بہت کچھ تتبع کیا گیا ہے اور خلفائے اربعہ کے تاریخی واقعات حتی الامکان احادیث مشہورہ اور متواترہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔
۸	عجالہ نافعہ	فارسی میں	متعلق اصول	یہ بھی ایک نہایت مختصر رسالہ ہے جو اصول حدیث کے متعلق لکھا گیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے مصطلحات حدیث اور اس کے اقسام و مراتب نہایت اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	کس زبان میں	کس فن کے متعلق	مختصر کیفیت
۹	سر الشہادتین	عربی میں	متعلق تاریخ	شاہ صاحب نے اس رسالہ میں امامین ہمامین حضرات حسنین کی شہادت کے دردانگیز اور پرملال واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچی ہے۔ اگرچہ کربلا کے پر درد حالات اور لوگوں نے بھی جمع کئے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر پر تو اس قدر رنگ آمیزی اور مبالغہ کا پوڈر پھیرا گیا ہے جس نے اصلی واقعات کی چمک کو بھی مٹادیا اور بعض پر ان مصنوعی روایات کا روغن چڑھایا گیا ہے جو بصیرین کے نزدیک فضول قصوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں وہ صحیح اور معتبر واقعات لکھ کر جو بالکل مسلم الثبوت اور مستند حدیثوں سے ثابت ہوئے ہیں دونوں فریقوں کے دھوکے کو کھول دیا اور صاف طور پر بتادیا کہ امامین ہمامین کے اصلی واقعات یہ ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بہت سے رسالے شاہ صاحب کی تصنیف سے ہیں جو مختلف فنون میں زمانہ کی ضرورتیں رفع کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور جو ہنوز چھپ کر شائع نہیں ہوئے بلکہ آپ کے قلمی مسودات میں موجود ہیں۔ چونکہ کتابوں کے عنوان سے ان

کے ناموں کا سراغ نہیں چلا - اس لیے ہیں انہیں داخل نقشہ نہیں کر سکا۔ نظم میں ایک عربی دیوان بھی آپ کی تالیف سے ہے جو دہلی میں بعض لوگوں کے پاس موجود ہے اور جس سے شاہ صاحب کی جودت طبع اور تیزی ذہن اور فصاحت و بلاغت بہت کچھ ثابت ہوتی ہے اس میں آپ نے وہ وہ معرکہ کے مضامین نہایت مختصر اور سادے لفظوں میں ادا کئے جن کے دیکھنے سے سخت تعجب آتا ہے الغرض جو کتابیں مولانا موصوف نے حسب ضرورت لکھی ہیں وہ آپ کی زمین میں محسوس یادگاریں ہیں - جن کی چمک اس وقت شرق سے غرب تک بڑی تابانی کے ساتھ پڑ رہی ہے اور انشاء قیامت تک پڑے گی ۔

چونکہ شاہ صاحب کے تمام واقعات نہایت بسط و شرح کے ساتھ حیات عزیزی میں لکھ چکا ہوں اس لیے صرف آپ کے انتقال کا حال لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں ۔ ناظرین سوانح آپ کے باقی حالات حیات عزیزی میں پڑھ سکتے ہیں ۔

شاہ صاحب نے ۷، شوال روز یکشنبہ بوقت صبح ۱۲۴۸ھ ہجری میں سفر آخرت قبول کیا بعض موزوں طبیعتوں نے چند قطعہ آپ کی تاریخ وفات میں موزوں کئے ہیں ۔ جن میں سے تین قطعہ انتخاب کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔

قطعہ اوّل

قطعہ تاریخ از جناب مولانا شاہ رؤف احمد صاحب نقشبندی

شاہ عبدالعزیز فخر جہان	عالم علم آیت قرآن
صبح یکشنبہ ہفتمین شوال	از بدن گشتہ روح او پران
سن ہجری چو جستم از ہاتف	گفت اے نکتہ سنج قاعدہ دان
سال فوتش زہر عدد پیداست	از احد تا الوف زین عنوان
خواہی از ہر عدد کہ تاریخش	اولاً چار چند کن پس ازاں
یک بیفزا و ضرب کن دردہ	پس بکن طرح بست بست ایجان
در صد و بست چار باقے را	ضرب فرما تو اے فہیم زمان
پس بنقصاں در عدد دریاب	فوت آن مفخر زمین و زمان

قطعہ تاریخ از جناب حکیم مومن خان صاحب دہلوی

انتخاب نسخۂ دین مولوی عبد العزیز — بیعدیل و بینظیر و بے مثال و بے مثل
جانب ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوئے — آگیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایماں میں خلل
ہے ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا — کیا کیا یہ ظلم تو نے بے کسوں پر اے اجل
جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا — لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسیئے گردوں محل
کیا کس و نا کس پہ تھا رونا کیا جس وقت دفن — ڈالتا تھا خاک سر پہ ہر عزیز و مبتذل
مجلس درد آفرین تعزیت میں میں بھی تھا — جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ اک بے بدل
دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے — فقر و دین، فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

قطعۂ سوم

حجت اللہ ناطق و گویا — شاہ عبد العزیز فخر زمن
روز شنبہ و ہفتم شوال — در میان بہشت ساخت وطن
مہر نصف النہار در عرفان — مثل بدر منیر در ہمہ فن
از سر لطف و حلم تاریخش — رضی اللہ عنہ گفت حسن

شاہ صاحب کا مرض وفات

شاہ صاحب کے مرض موت کی کیفیت مختصراً یہ ہے کہ ابتداءً آپ کو خفیف سی تبخیر ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ اچھی تپ ہو گئی اور وقتاً فوقتاً اس میں اشتداد بڑھتا گیا۔ اگرچہ مرض میں آناً فاناً زیادتی ہوتی جاتی اور کرب و بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کے ہوش و حواس میں کسی طرح کا فرق نہ آیا تھا۔ کرب و بے چینی کے زمانہ میں معمولی اوظاف و اوراد میں قدرے فرق ضرور آگیا تھا۔ مگر فرائض و سنن اسی اہتمام و سرگرمی سے ادا کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ صحت کے وقت آپ کو خلق اللہ کی ہدایت و رہنمائی کا خیال ہر وقت پیش نظر تھا۔ چنانچہ اشتداد مرض کے زمانہ میں جب آپ کے وعظ کا دن آیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو اور دو آدمی میرے مونڈھے پکڑے رہو۔ لیکن جب بیان کرنا شروع کروں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور آپ

نہایت اطمینان سے وعظ فرماتے رہے گو لب و لہجہ سے ناتوانی اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے لیکن استقلال ویسا ہی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا وعظ ختم کرنے کے بعد آپ نے خدائے ذوالجلال کے دربار میں ہاتھ اٹھائے اور اپنے اور نیز تمام مسلمانوں کے لیے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی ازاں بعد آیۃ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل زبان فیض ترجمان پر جاری ہوئی اور اپنے عزیز و اقارب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میری ملکیت میں جس قدر نقد و اسباب ہے سب ایک جگہ جمع کر دو۔ اس ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور گھر والوں نے آپ کا سارا اسباب اور نقد و جنس جس قدر تھا ایک جگہ جمع کر دیا۔ آپ نے فوراً آیۂ مذکورہ کی منشاء کے مطابق تمام جائز وارثوں کے حصے علیحدہ کر دیئے اور جو شخص جس قدر شرعی استحقاق رکھتا تھا آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے تقسیم کر دیا اس کے بعد آپ نے عربی فارسی کے چند اشعار جو معرفتِ الٰہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایک ایسے دردناک لہجہ میں ادا کئے جس سے سننے والوں کے جسم میں سنسنی سی پیدا ہو گئی اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد آپ نے حاضرین کو وصیت کی کہ میری تجہیز و تکفین میں زیادہ اہتمام نہ کیا جائے۔ بلکہ جس قسم کے کپڑے حالت زندگی میں میری تن پوشی کیا کرتے تھے ان ہی سے مجھے کفنایا جائے البتہ غسل کے وقت اس بات کی مزید احتیاط کرنا چاہیئے کہ ارکان غسل میں سے کوئی رکن ترک نہ ہو۔ تجہیز و تکفین کے بعد جب جنازہ تیار ہو تو نہایت آہستگی اور وقار کے ساتھ لے چلیں۔ اور شہر کے باہر صحرا میں نماز جنازہ ادا کریں۔ سلطان وقت کو میرے جنازے کی شمولیت اور شرکت نماز میں مدعو نہ کیا جائے۔ ازاں بعد آپ ذکر و اذکار میں مشغول ہوئے اور اسی حالت میں آپ کی روح جسم عنصر سے پرواز کر گئی، جس وقت روح نے جسم سے مفارقت کی ہے یہ الفاظ زبان مبارک پر جاری تھے۔ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین ؎ روح کے بدن سے مفارقت کرتے ہی گھر والوں سے کلمۂ انا للہ وانا الیہ راجعون کا نعرہ بلند ہوا۔ صد آفرین آپ کے متعلقین پر جنہوں نے ایسے نازک، اور مصیبت کے وقت میں انتہا درجہ کے ضبط و استقلال سے کام لیا۔ اور ثابت قدمی کے عمدہ نمونے دکھائے اگرچہ پرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ سینے اندوہ و رنج سے لبریز تھے۔ بدن تھر تھر کانپ رہے تھے، لیکن زبانیں شکر الٰہی کے ساتھ رطب اللسان تھیں۔

شاہ صاحب کے انتقال کے بعد گھر والوں نے آپ کی وصیت کے مطابق تجہیز و

تکفین کی۔ چونکہ آپ حالت زندگی میں ہمیشہ موٹی دھوتر کا کُرتہ گاڑھے کا پاجامہ یا تہ بند زیب بدن فرمایا کرتے تھے لہٰذا آپ کی تکفین اسی قسم کے کپڑوں سے کی گئی۔ جب کفنا کر فارغ ہوئے تو شہر سے باہر نکل کر نماز جنازہ ادا کی۔ لوگ جوق جوق آتے اور نماز جنازہ پڑھتے کہتے ہیں کہ پچپن مرتبہ آپ کے جنازے کی نماز پڑھی گئی۔

مولانا شاہ رفیع الدین صاحب

یہ بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے سعادت مند فرزند ہیں عمر میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے چھوٹے اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے بڑے ہیں۔ آپ نے تمام علوم بالخصوص علم حدیث و تفسیر کی سند اپنے والد بزرگوار حضرت عارف باللہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب سے حاصل کی۔ علوم دینیہ اور فنونِ عقلیہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے اور ادب و شاعری میں مرجع ارباب استعداد تھے۔ چونکہ آخری عمر میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو کبرسنی اور ضعف مزاجی نے نہایت کمزور کر دیا تھا اور کثرت امراض کی وجہ سے آپ تعلیم و تدریس طلبہ کا دماغ نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا اس وقت تدریس کا سلسلہ آپ ہی کی مقدس ذات کے ساتھ وابستہ تھا۔ نامی گرامی اور مشہور شہروں سے جو نامور فضلاء اور زبردست علماء یہاں آکر آپ کی قدمبوسی حاصل کرتے باوجودیکہ وہ دنیا کے نامور و مشہور اہل کمال سے منشور یکتائی اور فضل و کمال کی سند حاصل کر چکے تھے۔ لیکن پھر بھی آپ کے فضل و کمال کی شان اور علمی تبحر دیکھ کر سب رہ جاتے اور آپ کی خدمت میں اپنے تئیں طفل ابجد خوان اور مبتدی محض سمجھ کر ابتداء سے انتہا تک سبقاً سبقاً تمام علوم کی تحصیل پر از سرِ نو کمر بستہ ہوتے اور سرگرم طبیعتوں میں آپ سے تحصیل علوم کا جوش پیدا ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ دیار ہندوستان کے تمام نامی اور مشہور فضلاء آپ ہی کے مستفیضوں اور خوشہ چینیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کی سلامت روی

آپ کو ہر فن کے ساتھ ایک خاص قسم کی مناسبت تھی اور خدا نے وہ حافظہ و ذہن عطا کیا تھا کہ وقت واحد میں متعدد علوم اور مختلف فنون کا درس فرمایا کرتے تھے جب ایک فن کی درس سے دوسرے فن کی طرف متوجہ ہوتے تو حضار مجلس کو معلوم ہوتا کہ اسی فن میں جامہ یکتائی آپ کے قامت

استعداد پر قطع ہوا ہے غرضکہ آپ کا علم و فضل اور تبحر ہر طرح قابل تعریف ہے اور متانت و سنجیدگی۔ راستبازی۔ انصاف۔ شعاری۔ بے طمعی۔ عاجزی و انکساری، حلم و بردباری اور بھی زیادہ لائق توصیف ہے۔

شاہ صاحب کا باطنی فیض

باوجود ان کمالات ظاہرہ کے آپ کے فیض باطن کے افاضہ کا یہ حال تھا کہ اگر جنید بغدادی اور حسن بصری بھی آپ کے مبارک زمانہ میں ہوتے تو آپ کے پاک اور پر جوش ولولے دیکھ کر عش عش کر جاتے پھر ان تمام باتوں کے علاوہ سخاوکرم آپ کی ذات اقدس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ رحم بھی حد سے زیادہ تھا۔ تواضع پرلے درجہ کی تھی، غرضیکہ جو باتیں ایک معزز و باکرامت ولی میں ہونی چاہئیں وہ سب آپ میں جمع تھیں۔ جب ہم آپ کے تفصیلی واقعات پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں تو آپ کے اوصاف لکھنے سے زبان وقلم دونوں کو عاجز پاتے ہیں آپ کے زمانہ طالب العلمی کے وہ واقعات ہماری پیش نظر ہیں جن سے آپ کی بے لوث توکل اور پاک استقلال پر ایک بہت بڑی نظیر قائم ہو سکتی ہے اگر اختصار ہمیں قدم بقدم مانع نہ ہوتا تو ہم مولٰنا موصوف کی پوری لائف لکھ بتا دیتے کہ آپ کس پایہ اور مرتبہ کے آدمی تھے گو آپ بظاہر بشریت کے جامہ سے آراستہ تھے، لیکن حقیقت میں فرشتہ خصلت تھے۔

شاہ صاحب کے ضبط اوصاف

اس مشہور فاضل نے اپنے تمام اوقاتِ دنیاوی کاروبار اور عبادات اور طلبہ کی درس و تدریس میں تقسیم کر رکھے تھے۔ طلبہ کی تدریس نے اگرچہ آپ کی تصنیف و تالیف کے لیے بہت ہی کم وقت باقی چھوڑا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے اکثر مفید کتابیں تصنیف کیں جو اس وقت تک مولٰنا کی بے نظیر یادگار ہیں۔ قرآن مجید کا لفظی ترجمہ آپ ہی نے کیا ہے۔ جو دریائے جمنا سے لے کر فرات تک نہایت مقبولیت کے ساتھ پھیلا ہوا ہے اور جس سے عامہ خلائق مستفیض ہو رہی ہے آپ نے عربی زبان میں بہت سے پر معنی اور دلچسپ مضامین نظم و نثر کے پیرائے میں عجیب شان وشوکت کے ساتھ لکھے ہیں۔ میں ان میں سے یہاں صرف ایک قصیدہ اور ایک خمسہ منتخب کر کے نمونۃً ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جن سے آپ کی عربیت اور ادب کی شان اور علم وفضل کا پایہ بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔

شیخ بو علی سینا جو چوتھی صدی میں ایک مشہور فاضل اور فن طبابت کا موجد گزرا ہے

اس نے ایک نہایت پرزور قصیدہ اس بارے میں لکھا تھا۔ کہ نفس کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ فاضل اجل جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا ایک متین اور سنجیدہ جواب نظم کے پیرائے میں دیا تھا جسے مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے مخمس کیا۔ چنانچہ میں اس مخمسہ کو بعینہٖ درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

نفس کی حقیقت میں شاہ ولی اللہ صاحب کا قصیدہ اور اس پر شاہ رفیع الدین صاحب کی تخمیس

سال الحکیم عن النفوس لسر ضیع　　دقت فطانات لم تقترب المطمع
فاجبت اکشف سرها عن منبع　　هبط الوجود من المحل الارفع
مستدرجا یتجنس ویتنوع

قد جل فی اطلاق غیب هویته　　عن وصمة التقیید فی انیته
حتی اکتسی من نسبة علمیته　　لزمت حقائق اولا لحقیقة
فتصور لکمال الزوج عند الاربع

فهناک کل کان اسما سامیا　　عن کسوة التخلیط خلوا عاریا
نصبوت اثار المتمثل عادیا　　ثم اکتست تلک الحقائق ثانیا
بحقائق الاعراض کالمتقنع

فی اللوح قد ظلت تظل بجملة　　مما استکن بروزها فی وحدة
من کل معنی تقتضیه وصورة　　ثم استقرت کلها بهویة
فیها تشخصت الشیون بمجموع

اونت بها الناسوت حدا حاصرا　　وتجمع الاثار فعلا حاضرا
ما قد حوته وافرا او قاصرا　　متکثرا تلک الحقائق ظاهرا
متوحدا عند اللبیب الاورع

فیدار امرو احد فی دورة　　بشهادة او برزخ او غیبة
وقیام عین او تلاحق هیئة　　والنفس عقد جامع لمشتة

والنفس باطن جثة المتجسع

وكمالها التشخص يوفى بتة	دينًا وقبرًا محشرًا أو جنة
وترى له نوعًا وصنفًا وسعة	انظمها رايت الاقامة برهة

ثم استقرت بالديار البلقع

اوقاتها امر ترصص اسه	اترى الحكيم اليوم يرع بوسه
كلا فان الوهم نكس راسه	الظن ان الشئ يكره نفسيه

هيهات ذلك من المحال الآه شنيع

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے بیان میں

شاہ صاحب کا قصیدہ معراج کے بیان میں

يا احمد المختار يا زين الورى	يا خاتم الرسل ما اعلاكا
يا كاشف الدهاء من مستنجد	يا منجى فى الحشر ما اولاكا
هل كان غيرك فى الانام من استوى	فوق البراق وجاوز الافلاكا
واستمسك الروح الامين ركابه	فى سيره واستخدم الاملاكا
عرضت لك الدنيا وداعى ملته	نسجت بنعتك طاعنين رداكا
فردوتهم فى خيبة عن قصدهم	الله صانك عنهم ووقاكا
واخترت من لبن وخمر فطرة	الاسلام بالهدى اليه هداكا
تعدت لك الرسل العظام ترتبا	فعلوت مغبوط الهم مسراكا
وامهتم فى القدس بعد تجاوز	منهم بامر الله اذ ولاكا
وبكى الكليم لما رأك علوية	وتنا فسوق بحق فيهم ذاكا
اذ ماك ربك فى منازل قربة	جلى لك الاكوان ثم حياكا
وتزينت حور الجنان بشاشة	يلك سيدى شوقا الى لقياكا
خلفت روح القدس عند السدرة	القصوى يخاف من الجلال هلاكا
واتم نعمته عليك فلم تسل	ان توثر الاتقاق والاماكا

القی الیک کنوز اسرار سمت ! — عن حیطة الافہام اذ ناجاکا
وسالت نبینا العفو منہ شفاعة — فاجاب ربک قد وھبت مناکا
حتی اذا اتم الدنو فسترت — منک الھویة فی سنا مولاکا
فرأیتہ جہرًا بعینی نورہ — ما کان الا اللہ فی مجلاکا
فکساک نورا من اشعة ذاتہ — انساک عنک اذابہ ابقاکا
فلک المناصب والسیادة السوی — وخلافة الرحمن یا بشراکا
جعلت لک الاقداح والانوار — الجنات والنیران فی مراکا
اعطاک تخفیفا وتیسیر الی — دین قویم محکم لقواکا
وسواہ من نعم جام مالہا — عد وحد نیتہی اولاکا
فرجعت مسرورا بھا فی المحبة — وجمیع خلق اللہ قد ھناکا
احییت دین اللہ بعد الغنوبة — ومحوت راس الجہل والاشراکا
فلقد اتیتک سیدی مستجدیا — من سیبک المدرار حسن ولاکا
یالیتنی قد فزت منک بنظرة — فی بدر وجہ نورہ الاملاکا

شاہ رفیع الدین صاحب کی اولاد

جناب مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں چار ہونہار اور بلند اقبال فرزند پیدا ہوئے۔ مولوی موسیٰ صاحب۔ مولوی مخصوص اللہ صاحب۔ مولوی عیسےٰ صاحب۔ مولوی حسن جان صاحب۔ اگرچہ یہ حضرات علم وفضل میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور ہر ایک آسمان علم کا نہایت تابان آفتاب تھا۔ لیکن مولوی مخصوص اللہ صاحب ان سب میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مولوی مخصوص اللہ صاحب

مولوی مخصوص اللہ صاحب نے تمام علوم کی تحصیل اپنے عم بزرگوار جناب مولانا شاہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں کی اور چند روز میں اپنے ہمعصروں سے گوئے سبقت لے گئے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک زمانہ دراز تک تدریس طلبہ میں مصروف رہے اور علوم دینی فنون یقینی کے مشاغل میں اوقات گرامی شب روز خرچ کرتے رہے چونکہ بیس پچیس سال تک برابر مولانا صاحب کی خدمت میں قرأت کلام الٰہی اور حدیث رسالت پناہی کرتے رہے اور آپ کی تقاریر گوش ہوش کا ذخیرہ فرماتے رہے اس سبب سے آپ نے حدیث وتفسیر میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان دونوں فنون کے جو بیش قیمت

اور انمول جواہر آپ کے خزانہ سینے میں تھے، وہ اور کہیں نہ پاوے جاتے تھے۔

علاوہ حدیث و تفسیر کے فقہ عقائد کلام اصول وغیرہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ اور ان علوم کو عروج کمال پر پہنچا دیا تھا۔ اور چونکہ آپ کی طبیعت زیادہ تر عبادت دوست اور مزاج زہادت پرست واقعہ ہوا تھا۔ اس لیے آخر عمر میں سررشتۂ تدریس ہاتھ سے دے کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، آپ کے اوقات اس درجہ مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیائے کرام کے اوقات ایسے ہوں گے اور چونکہ آپ کی ساری ہمت عبادت الٰہی اور تقوی شعاری میں مصروف تھی۔ لہذا نظم عربی اور انشاء پردازی کی طرف آپ کا میلان طبع نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا کوئی کلام باوجود تحقیقات کے مجھے دستیاب نہیں ہوا۔

جناب مولنا شاہ عبدالقادر صاحب

آپ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند رشید اور مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اس وحید العصر فرید الدہر کے علمی تبحر اور فطری جوہر کی خوبی کا اظہار کرنا بلا مبالغہ ایسا ہے جیسا آفتاب کی تابانی و درخشانی کی تعریف اس کی چمکیلی شعاعوں اور تیز کرنوں کے ساتھ کرنا اور آپ کے فضل و کمال کی توصیف کا ذکر کرنا بالکل ایسا ہے جیسے آسمان کی مدح سرائی اس کی رفعت و بلندی کے ساتھ۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے بچپن کا مسرت اندوز زمانہ اپنے نامدار اور مہربان والد کے سایۂ عاطفت میں بسر کیا اور تمام دینیات کی آپ ہی سے تحصیل کی لیکن باطنی فیض کے حاصل کرنے کے لیے والد بزرگوار کے علاوہ دیگر اکابر دین و اہل کمال کی خدمت میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔ آپ اپنے زمانہ کے اہل کمال کے زمرہ میں نہایت وقعت و عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور فضلاء کے حلقے میں ایسے ممتاز تھے جیسے جھلملاتے تاروں کی صف میں بدر کامل یا صبح کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں میں برقی قوت کا لیمپ آپ کی پولٹیکل قابلیت اور خداداد لیاقت کے آگے علمائے وقت کے علوم بالکل بے رونق اور کم رواج تھے، اور یہی وجہ تھی کہ علمائے زمانہ اور سلاطین وقت کی گردنیں ہمیشہ آپ کے سامنے جھکی

رہتی تھیں۔ مذہبی تقدس کے علاوہ دنیاوی اعزاز بھی آپ کو بہت کچھ حاصل تھا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد جس قدر گورنمنٹ قلعہ نے آپ کی عزت افزائی کی بیان سے باہر ہے۔ قلعہ کے تمام شہزادے اور امراء ہمیشہ آپ کے سامنے گردنیں جھکائے کھڑے رہتے تھے، اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کو بہت بڑا ذریعہ فخر سمجھتے تھے، غرضکہ مذہبی تقدس اور دنیاوی اعزاز میں کوئی مرتبہ ایسا نہ تھا جو فیاض ازل نے آپ سے دریغ رکھا ہو۔

شاہ صاحب کا مکاشفہ اور تفرس ایسا صحیح اور درست تھا۔ کہ اس زمانہ میں کسی اہل کمال کو میسر نہیں ہوا۔ اکثر معتبر اور ثقات اشخاص سے سنا گیا ہے کہ آپ نے جس امر کی بابت ذہن دوڑایا اس کے بارہ میں ارشاد فرمایا۔ خدا کی شان کہ بے کم و کاست ویسا ہی ظہور میں آیا۔ آپ کے زہد و اتقا اور متواضعانہ اخلاق اور فیاضانہ ہمت کی بے نظیر شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر نجد و یمن تک پھیل گئی تھی، اور کرامات و روحانی جذبات کا چرچا ہر ادنےٰ و اعلےٰ کی زبان پر نہایت وقعت کے ساتھ جاری تھا۔ اگرچہ آپ عام اخلاق اور فطری عجز و انکساری کی وجہ سے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کسی مرتبے کا آدمی ہوتا۔ نہایت خندہ پیشانی اور خوش آیندہ مسکراہٹ کے ساتھ گفتگو کرتے اور ہر شخص سے بقدر مراتب دلدہی اور تسلی آمیز لہجہ میں منکسرانہ تبسّم کی باتیں کرتے۔

شاہ صاحب کا رعب وہیبت

قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں پر آپ کا وہ رعب چھایا ہوا تھا۔ جو کسی بڑے مقتدر و قہار بادشاہ کا اس کی رعیت پر چھا جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ جب شہر کے معزز و اولوالعزم رؤسا، کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق پڑتا۔ تو مجلس مبارک میں نہایت سکوت و خاموشی کے ساتھ گردنیں جھکائے بیٹھے رہتے ہر چند کہ ان کی ذاتی اغراض و مقاصد دلوں میں ایک نئی طرح کی گدگدی اٹھا کر آپ سے ہمکلام ہونے اور اظہار مطلب کرنے کی جسارت و جرأت دلاتے۔ مگر آپ کا زبردست اور پر سطوت رعب ان کے مونہوں پر خاموشی کی مہر لگا دیتا۔ جس سے وہ لوگ بغیر آپ کی تحریک و اجازت کے دم مارنے کی قدرت نہ پاتے اور اجازت دینے کے بعد بھی بجز ایک دو باتیں عرض کرنے کے زیادہ گفتگو کی مجال نہ ہوتی۔

مولانا موصوف کی حیرت انگیز اور عجیب و غریب کرامات کی روایات اس کثرت سے ہیں کہ اگر فی صدی پانچ کا بھی انتخاب کیا جائے۔ تو حیات ولی اس کی گنجائش نہیں رکھتی، لہذا

تطویل کے خوف سے انہیں نظر انداز کیا جاتا۔ اور صرف اس ایک شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔ بیت

مردانِ خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

استغناء مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدرتی طور پر مستغنی المزاج تھے اور آپ کی طبیعت میں استغناء کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا، جس کا بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ آپ ابتداء سے دم وفات تک دنیا کے فانی اور جلد مٹ جانے والے ساز و سامان سے متنفر رہے اور دنیاوی تجملات آپ کے آگے سراب سے زیادہ وقعت و قدر نہیں رکھتے تھے۔ آپ اہل دنیا اور ان کے تمام جھگڑوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے اپنی عمر کا پورا حصہ اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دیا۔ دنیا کی طمع کار زینت اور اس کے بے ہودہ ساز و سامانوں کو کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور شب و روز خداوندی اطاعت میں مصروف رہے غالباً ایک یہی وجہ ایسی تھی جس سے آپ کو تصنیفات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بہت کم ملی۔ قرآن مجید کے اردو ترجمے اور تفسیر موضح القرآن کے علاوہ آپ کی کوئی اور تصنیف مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ لیکن بڑی خوشی سے لکھا جاتا ہے کہ آپ کی یہی دونوں قابل قدر دینی خدمتیں ایسی مبارک اور نیک نتیجہ ہیں۔ جن پر سے ہزارہا تصنیفات قربان کی جاسکتی ہیں۔

قرآن مجید کا اردو ترجمہ قرآن مجید کا سلیس اور میٹھا اردو ترجمہ جس خوش اسلوبی اور انوکھے پیرائے میں آپ نے کیا ہے، اظہر من الشمس ہے، دیکھنے میں نہایت سہل و مختصر۔ لیکن حقیقت میں دقیق و باریک مطالب سے لبریز۔ تلفظ میں نہایت آسان مگر عمیق مضامین سے پُر۔ چھوٹے چھوٹے مگر فصاحت و بلاغت میں ڈوبے ہوئے جملوں سے وہ حیرت انگیز مضامین کا سمندر ابل رہا ہے۔ جو انسانی طاقت سے بالکل باہر نظر آتا ہے۔ قرآن مجید کے ادق اور غامض مسئلوں کو ایسے سہل اور آسان طریقے سے بیان کرنا جس سے عالم و جاہل دونوں یکساں متمتع ہو سکیں غیبی تائید نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم اس موقع پر اس قدر کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتے کہ روز ازل سے جس شخص کی قسمت میں کلام الٰہی کے مترجم ہونے کا معزز لقب لکھا تھا۔ وہ جناب شیخ عبدالرحیم کے پوتے اور مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور و بلند اقبال صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب ہیں

اس میں ذرا شک نہیں کہ خیاط ازل نے اس موزونیت طبع اور ذہانت و فراست کا جامہ اپنے نازک ہاتھوں سے قطع کر کے جناب مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب ہی کے جسم مبارک پر آراستہ کیا تھا جو اس وقت آپ کے قد و قامت پر نہایت موزونیت کے ساتھ سج گیا۔

اس وقت اردو کے بہت سے مختلف اور متعدد ترجمے ہمارے پیش نظر ہیں۔ جو خاص خاص مصلحتوں کی وجہ سے وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اب بھی لکھے جا رہے ہیں اور جن کی نسبت بظاہر کوئی نہ کوئی خاص بات ایسی ضرور بیان کی جاتی ہے جو دیکھنے والوں کے رجھانے اور ان کی طبیعتیں اپنی طرف مائل کرنے کا کافی سامان رکھتی ہے۔ لیکن جب عمیق و بالغ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو جو دلفریب خوبیاں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں موجود ہیں اور ہرگز کسی کو اب تک نصیب ہوئیں نہ آئندہ ہو سکتی ہیں آپ کے ترجمے میں ایک ایسا مقناطیسی جذب ہے۔ جس کی طرف خود بخود دل کھنچا جاتا ہے اور ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ دوڑا جاتا ہے۔ بعض ترجمے تفہیم عوام کے لیے بسط و شرح کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اور جس اردو نے اس زمانہ میں نیا جنم لیا ہے ہر ہر فقرہ اس پیرایہ کے قالب میں ڈھالا گیا ہے اور اس میں ذرا شک نہیں ایک مختصر بات کو صاف اور سلجھے ہوئے لفظوں کی مدد سے توضیح و تفصیل کے رنگ میں ڈبو کر بیان کرنا تفہیم عوام کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن مبصرین خوب جانتے ہیں کہ حقیقت میں قابل قدر وہی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ جس کے واقعی مطالب نہایت مختصر اور عام فہم لفظوں میں ادا کیے جائیں کیونکہ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ تطویل اخلال مطالب کا باعث ہوا کرتی ہے۔

میں ڈنکے کی چوٹ کہوں گا اور ضرور کہوں گا کہ ٹھیٹھ اردو اور عام محاورات میں اس حسن و خوبی کے ساتھ قرآن مقدس کا اردو ترجمہ کرنا صرف مولٰنا موصوف ہی کا حصہ تھا۔ جس طرح خدا کا مقدس و پاک کلام جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک بڑا زبردست اور بھاری معجزہ ہے۔ جس نے نہ صرف عرب کے فصحاء بلغاء کو بلکہ تمام جن و انس کے بڑے بڑے گروہوں کو اپنی مثل ایک آیت بنا لانے سے تھکا کر بٹھا دیا۔ اسی طرح یہ نتیجہ خیز اور پر مغز ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب کی ایک حیرت انگیز کرامت ہے جس کے سامنے تمام ہندوستانی علماء نے سر تسلیم خم کر دیئے ہیں اور اس جیسا ترجمہ لکھنے سے عاجز و قاصر

ہیں ایک فاضل کا یہ قابل قدر قول بے شک آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ اگر اردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا۔ تو ان ہی محاورات کے لباس سے آراستہ ہوتا۔ جن کی رعایت جناب مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب نے اس ترجمے میں پیش نظر رکھی ہے۔

جناب مولٰنا شاہ عبدالغنی صاحب

یہ بزرگوار جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب کے چوتھے فرزند ہیں۔ جو علم و فضل اور باطنی فیض میں شہرت عام رکھتے تھے، آپ نے تمام علوم خاص کر فقہ و حدیث کی تحصیل اپنے والد بزرگوار اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کی۔ اتباع شریعت میں آپ کا قدم پیشروان مسلک دین سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ وضع و لباس میں اپنے والد بزرگوار کے اس درجہ مشابہ تھے، کہ جس نے انہیں نہ دیکھا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر شاہ صاحب مرحوم کو یاد کرتا۔ علمی کمال کے علاوہ اخلاق عامہ آپ میں ایسے تھے۔ جو دوسروں میں بہت کم پائے جاتے تھے۔ توکل و قناعت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور باوجود عیال داری اور تاہل کے دنیا اور اہل دنیا کی طرف بہت کم رجوع کرتے تھے۔ آپ کے اکثر اوقات تدریس طلبہ میں مصروف اور عنان ہمت افادۂ طالبین کی طرف معطوف تھی۔

مجھے افسوس ہے کہ جناب شاہ عبدالغنی صاحب کے حالات زندگی کسی ایسے وسیلے سے دستیاب نہیں ہوئے جنہیں میں بے کم و کاست یقین کر سکتا اور یہی وجہ ہے کہ میں ان واقعات کو بالکل قلم انداز کرتا ہوں۔ جو لوگوں کی زبانی سنے گئے ہیں اور کسی تذکرہ یا تاریخ میں نہیں دیکھے گئے۔

جناب مولٰنا محمد اسمٰعیل رح صاحب شہید رح

روز ازل میں جس شخص کی قسمت میں قاطع بدعت ہونا لکھا تھا وہ شاہ عبدالغنی صاحب کے فرزند رشید اور جناب مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید ہیں۔ جو بیڑہ خدائے ذوالجلال کی توحید پھیلانے اور شرک و بدعت کو ہندوستان سے مٹانے کا جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اٹھایا تھا۔ خدا تعالٰے نے آپ کے بزرگ ہاتھوں سے اسے اس درجہ تقویت عطا کی کہ علمٔ توحید کا عظیم الشان پھریرا دہلی کی سرزمین سے بلند ہو کر دور دور

کی سرسبز سلطنتوں تک بڑے زور شور سے لہرانے لگا۔

مولینا شہید کی تاریخ ولادت، تربیت، تعلیم

مولانا شہید کی تاریخ ولادت میں علماء کا باہم اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے پیدا ہونے کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے جن کا نام بی بی فاطمہ تھا باوجودیکہ نہایت ضعیف و کمزور تھیں۔ خود حد شرع تک دودھ پلایا اور نہایت عمدہ طور پر پرورش کی۔ جب آپ نے چھٹے سال میں قدم رکھا تو آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ عبدالغنی صاحب نے آپ کو قرآن مجید پڑھنے کے لیے بٹھایا اور بہ خدمت ایک بزرگ معلم کے سپرد کی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور اس کے بعد صرف نحو کے مختصر رسالے پڑھنے شروع کئے۔ دو تین برس کے عرصہ میں صرف نحو کی معمولی درسی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے نکال لیں۔ اور اب آپ باقاعدہ تعلیم پانے لگے۔

صرف و نحو اور معقول کی تمام کتابیں اور فقہ آپ نے اپنے والد بزرگوار ہی سے پڑھیں اور جب آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ تو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ہونہار اور بلند اقبال بھتیجے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور بجائے فرزندوں کے پرورش کی روز و شب آپ کی تکمیل میں ساعی رہے اور تسلی و دلدہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جوہر قابل محتاج تربیت اور بیاز مند تعلیم نہیں ہوتا۔ اور جسے فطرت ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کے دل کو پہلے ہی ربانی قابلیتوں سے آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے یہی حال بعینہٖ مولانا شہید کا تھا کہ آپ کے ضمیری جوہروں نے تائید الٰہی سے ایسی صفا اور جلا حاصل کی تھی۔ جس کی وجہ سے ازلی اسرار بے حجاب آپ پر منکشف ہو گئے تھے اور فطری ضمیری جوہر خود بخود اپنی اصلی تابانی اور درخشانی دکھا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ابتدائی زمانے میں کتابوں کے مطالعہ کی طرف چنداں ملتفت نہ تھے اور جب آپ حضرت مبرور کی خدمت میں کتاب کھول کر بیٹھے تو استغناء کی وجہ سے آپ کو یہ محفوظ نہ رہتا تھا کہ سبق کہاں سے شروع ہو گا اور جب آپ کو سبق کا پتہ نہ لگتا تھا تو کبھی اس کے بعد کی عبارت سے شروع کر دیتے۔ جب شاہ صاحب وہاں سے امتناع فرماتے تو آپ کہتے میں نے

اس مطلب کو آسان سمجھ کر نہیں پڑھا۔ اگر چہ وہ مقام نہایت مشکل اور مالا ینحل ہوتا۔ لیکن جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کی تنبیہہ پر آپ اس مقام کو اس عمدگی اور صفائی سے چٹکیوں میں سلجھا دیتے اور اس بلا کی سحر آمیز تقریر کرتے کہ حاضرین جلسہ حیرت کا پتلہ بن جاتے اور بڑے بڑے ذہین وطباع طلبہ عش عش کرنے لگتے۔ علیٰ ہذا القیاس کبھی ایسا ہوتا کہ کل کے پڑھے ہوئے مقام سے آغاز کرتے اور جب حضرت مغفور اس پر متنبہ فرماتے تو آپ اس میں فوراً کوئی شبہ پیدا کر دیتے اور حقیقت میں وہ شبہ ایسا قوی ہوتا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب جیسے علامہ دہر کو اس کے دفعیہ میں توجہ کی بہت کچھ حاجت پڑتی۔

مولٰنا شہید کا علم حدیث میں کمال

مولٰنا شہید جب تمام علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ سے فارغ ہو گئے تو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھنا شروع کی۔ علم حدیث ایک نہایت ہی اہم اور دشوار گذار علم ہے اس کی اہمیت کو وہی شخص خوب جانتا ہے جو اس کی سنگلاخ گھاٹیوں کو طے کرتا ہے۔ لیکن ہمارے مولٰنا شہید کے زور طبیعت کے آگے یہ علم بھی نہایت آسان تھا۔ آپ نے چند روز کی ادنےٰ توجہ سے یہ علم بھی حاصل کر لیا اور دوسرے علوم کی طرح اس میں بھی آپ نے وہ کمال پیدا کر بڑے بڑے مشاق اور تجربہ کار آپ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

مولٰنا شہید کی ذہانت وطباعی

الغرض اس خداداد استعداد اور پولٹیکل قابلیت کی رعایت سے پندرہ سولہ برس کی عمر میں جناب مولٰنا شہید کو کتب معقول و منقول سے فراغت حاصل ہو گئی اور اسی نوعمری کے زمانہ میں آپ پیشوائے مذہبی اور مقتدائے عالم تسلیم کئے گئے، چونکہ آپ کی ذہانت وطباعی کی دھوم تمام شہر میں مچی ہوئی تھی اور علمی تبحر کا چرچا زبان زد خاص وعام ہو رہا تھا۔ اکثر شہر کے فضلاء اور اہل کتاب جو کتاب دانی اور دقیقہ شناسی کے دعویدار تھے اور علوم کے نکات و دقائق کے سمجھنے میں اپنی نظیر سے تمام علماء کے حلقے خالی خیال کرتے تھے وہ چند اس قسم کے باریک و نازک مقامات جن کے حل کرنے میں زمانہ دراز تک فکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے آپ سے سرراہ ملاقی ہو کر بطریق مناظرہ دریافت کرتے اس لحاظ سے کہ اگر آپ کے درس گاہ میں جا کر دریافت کریں گے تو ممکن ہے کہ آپ مطالعہ کتب یا شروح وحواشی کی اعانت کی وجہ سے اسے بیان

کردیں۔ لیکن بڑی خوشی سے لکھا جاتا ہے کہ مولینا شہید ان غامض اور دقیق مسائل کو اس طرح چٹکیوں میں سلجھا دیتے تھے اور ایسی شستہ اور منجھی ہوئی تقریر کرتے کہ سائلین کو اس جرأت و دلیری سے کمال ندامت و پشیمانی حاصل ہوتی اور وہ آپ کی شیوا بیانی اور تبحر علمی پر عش عش کرنے لگے۔

مولٰنا شہید کی فقہ دانی

مولٰنا شہید کی فقہ کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلہ کو آیات و حدیث کے ساتھ مستند فرماتے تھے، اور وہ جزئیات فقیہ بیان کرتے تھے کہ بڑے بڑے نامور اور مشہور فقیہ سن کر دنگ ہو جاتے تھے۔ آپ نے معقول کی اکثر کتابوں پر نہایت وزنی حواشی چڑھائے ہیں جنہیں دیکھ کر آپ کی علمیت و قابلیت کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے ازبس کہ آپ کی طبیعت اس علم کی طرف زیادہ مائل تھی لہذا آپ نے ایک پرزور رسالہ منطق میں لکھا اور اس میں شکل اول کے بعید الطبائع اور شکل رابعہ کے بدیہی الانتاج ہونے کا دعوےٰ کیا اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ بیان فرمائے کہ بلا مبالغہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو اپنے دلائل و براہین تار عنکبوت سے زیادہ سست و کمزور سمجھتا اور میر باقر داماد زانوے شاگردی طے کرتا۔

مولانا شہید کی بعض تصنیفات

آپ نے اثبات رفع یدین میں بھی ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین ہے اور جس کی شہرت دریائے جمنا سے فرات تک نہایت مقبولیت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے یہ رسالہ عجیب دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے اور حقیقت میں اس بیہودہ شور و شر کے مٹانے کی غرض سے تالیف کیا گیا ہے جو دہلی کے مولویوں میں رفع یدین کی بابت مدت سے پڑا ہوا تھا۔ متعصب اور ہٹ دھرم مولویوں کے ایک بڑے گروہ نے صرف اس فروعی اختلافی مسئلہ میں یہاں تک تشدد کیا کہ ایک دوسرے کو بلا دریغ کافر کہنے لگے جو شخص رفع یدین کرتا تھا علےٰ ہذا القیاس رفع یدین نہ کرنے والے کو کافر بناتا تھا۔ مولٰنا شہید نے اس فضول شور و شر اور بیہودہ دہولناک غلط فہمی کو اڑا دیا اور اثبات رفع یدین میں نہایت قوی اور مشہور حدیثوں سے استدلال کیا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فقہاء کے دلائل جو اس کے مقابل تھے اپنے سوالات سے اس طرح اٹھایا کہ غیر متعصب متعصب کو بجز تسلیم کے اور کچھ بن ہی نہیں آتا۔ اس کے علاوہ اور چند رسائل مختلف فنون میں آپ کی تالیف سے ہیں جو مولٰنا شہید کی محسوس

یادگاریں ہیں۔

چونکہ مولٰنا شہید کو ابتدائی زمانہ سے کسب فیض باطن کا بہت خیال تھا لہذا جناب غفران مآب زبدۂ اولاد حضرت خیر الانام جناب سید احمد قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں اعتقاد بہم پہنچایا اور ان سے فیض باطن کسب کیا۔ ازاں بعد پیر کی رفاقت میں سفر حجاز اختیار کیا اور مناسک حج ادا کر کے ہندوستان کی طرف مراجعت کی اور حضرت پیر مرشد کی خدمت میں اطراف و جوانب میں زندگی بسر کی اور مخلوق خدا کی گودیاں ارشاد و ہدایت سے لبریز کر دیں، مولٰنا شہید کے اس زمانہ کے واقعات اس کثرت سے میری پیش نظر ہیں جن سے میں فی صدی پانچ کے انتخاب میں بھی گنجائش نہیں دیکھتا اور جن کے تصور سے قلم کی زبان شق ہوئی جاتی ہے لہذا میں انہیں یہیں چھوڑ کر آپ آپ کے آخری حالات نہایت اختصار کے ساتھ قلمبند کرتا ہوں،

مولٰنا شہید حجاز کے متبرک سفر اور ہندوستان کے اطراف و جوانب کے باشندوں کو اپنے رشد و ہدایت سے فیض یاب کر کے اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق دہلی شاہجہان آباد کی طرف متوجہ ہوئے اور ملکی ہمدردی کے اصول پیش نظر کر کے یہاں کے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا دروازہ کھولا۔ اور وعظ و نصائح سے اہل غفلت کے کان کھول دیئے جو مسائل کہ ضروریات دین میں شمار کئے جاتے تھے، اور جن پر مداومت و مواظبت کرنا اہل اسلام پر فرض تھا۔ اور علماء وقت کی سستی و کاہلی کی وجہ سے عوام تو الگ رہے خواص کے بھی گوش وہم تک نہ پہنچے تھے۔ مولٰنا کی انتہا درجہ کی کوششوں سے سب پر کھل گئے اور اب شرک و بدعت کی بنیادیں متزلزل ہو کر ڈھے پڑیں اور اعلام سنت کا آوازہ ہر وضیع و شریف کے کان تک پہنچ گیا۔ جن ارباب مشیخت اور صاحبان تشخیص کے ساتھ خاص و عام کی ارادت کا سررشتہ اور سلسلۂ اعتقاد مضبوط و مستحکم تھا اور کسی ان کی مداہنت کا گمان نہ ہوتا تھا انہیں سخت خلجان پیدا ہوا اور دنیا طلب مولویوں کے گروہ میں ایک بہت بڑا تہلکہ پڑ گیا۔ انہیں خیال ہوا کہ اگر مسائل حقہ عوام کے کان تک پہنچ گئے تو ہمارے حق میں ضعف اعتقاد کا موجب ہوگا اور رفتہ رفتہ ہماری روزی کی عمارتیں ڈھادی جائیں گی جہلاء قبضہ میں نہ آئیں گے اور وہ بات بات میں بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے اس بیہودہ خیال نے ان کے دلوں میں ایک آگ مشتعل کر دی اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے مولٰنا موصوف کے جانی دشمن ہو گئے اور منازعت و مخالفت کے جھنڈے اونچے کر کے درپے اذیت ہو

اہانت ہوئے۔

لیکن چونکہ تائید ایزدی مولانا کے شامل حال تھی اور روز ازل سے قاطع بدعت ہونا آپ کی قسمت میں لکھا گیا تھا۔ آپ اس ہدایت وارشاد سے باز نہ آئے اور کٹ ملانوں کا کسی قسم کا فریب نہیں چل سکا آپ کے وعظ و نصائح میں اس درجہ اثر تھا کہ خلق کو یہاں تک اختیار سنت نبوی کی توفیق اور ترک بدعات کا ولولہ پیدا ہوا۔ کہ چند روز میں ایک اور ہی طرح کا نور ہر شخص کی پیشانی احوال سے چمکنے لگا۔ اور مفسدوں کا بازار بالکل کاسد و بے رونق ہو گیا۔ تمام لوگوں پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ جنہیں ہم آج تک مذہبی پیشوا سمجھتے تھے، اور جن کے آگے ہر وقت گردنیں جھکائے کھڑے رہتے تھے وہ حقیقت میں دین کے راہزن تھے۔ جو مال و دولت کے طمع میں امور حق کو چھپائے اور ہمیشہ سبز باغ دکھاتے رہے۔

مولانا شہید کا جہاد

حقیقت میں جو باتیں اس وقت مسلمانوں میں رائج تھیں اور جن سے اسلام شرک و بدعت میں گھی کھچڑی ہو رہا تھا۔ مولانا شہید نے انہیں اس طرح علیحدہ کر کے دکھا دیا۔ اور قرآن و حدیث سے ان کی ایسی تردید کی کہ ہوا کا رُخ ادھر ہو گیا اور بجائے شرک و بدعت کے ہر شخص کے دل میں سچے اسلام کی روشنی چمکنے لگی۔ دہلی کے تمام بے نمازی لوگ پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھنے لگے، اور ہر ادنٰے و اعلٰے کو ایسی نماز کی توفیق ہوئی کہ جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لیے وہ کثرت ہونے لگی جو عید گاہ میں نماز عیدین کے لیے ہوا کرتی ہے، اور جس کی مثال آج تک قائم ہے۔ یہ تائید الٰہی اور مولانا کی صدق نیت و خلوص کا بدیہی اثر ہے جو اس وقت تک ایک حال پر دیکھا جاتا ہے، بے شک اس احیاء سنت کا ثواب آپ کے اعمال کے رجسٹر میں آج تک لکھا گیا۔ اور انشاء اللہ آئندہ قیامت تک لکھا جائے گا۔

الحمد للہ علٰے ذٰلک

مولانا شہید کی عادت تھی کہ جمعہ اور سہ شنبہ کو جامع مسجد میں مجلس وعظ مرتب کرتے اور ہزار ہا لوگ غول کے غول آ کے جمع ہوتے تھے اس چار روز کے عرصہ میں عوام الناس کو تو چنداں خیال نہ ہوتا۔ لیکن لکھے پڑھوں کے گروہ میں ایک

عام تحریک پھیل جاتی اور ہر شخص کہتا کہ دیکھئے مولانا آیندہ وعظ میں کیا فرمائیں گے عام طلبہ ضلالت نہاد کو مغویوں کے اغوا سے طرح طرح کے شبہے پیدا ہوتے اور ہر طالب علم اپنے خیال میں فلاطون اور ارسطو بنا رہتا اور یہ سمجھتا کہ اب کے وعظ میں مولوی اسمٰعیل کو ایک بات میں بند کر دوں گا۔ لیکن تعجب اور نہ صرف تعجب بلکہ حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ مولانا کی سموئی ہوئی مذہبی پولیسی دہلی کے تمام علماء پر عجیب وغریب اثر ڈال رہی تھی۔ اور آپ کی تقریر میں وہ جادو بھرا ہوا تھا۔ کہ لوگ گھروں سے ارادہ کر کے جاتے تھے، کہ عین وعظ میں مولانا شہید کی مخالفت کریں گے، لیکن وہاں بجز خاموشی کے اور کچھ بن نہ آتا تھا۔ آپ ابتدائے وعظ میں چند جملہ تمہید کے طور پر فرماتے اور ان کی جامعیت سے وہ چیزیں مذکور ہوتیں کہ ہر شخص اپنے شبہ کا جواب پا لیتا اور کسی طرح کا خدشہ باقی نہ رہتا۔ حتےٰ کہ اختتام وعظ کے بعد کسی کو یہ خلجان نہ رہتا کہ ان کے شبہات کو پھر اپنی زبان سے بیان کر کے طالب دلیل ہو۔ ہر وعظ میں عمدہ مقاصد اور اعلےٰ دلیلیں شرک وبدعت کی تردید اور احیائے سنت کی نسبت ہوتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت صاف اور منجھی ہوئی تھی، اور اس میں وہ کمال حاصل تھا۔ کہ جو دقیق وغامض مسائل رد وقدح کے بعد طالب علموں کے ذہن نشین ہوتے۔ عالی جہلاء کے دلوں میں سنتے ہی بیٹھ جاتے اور اس طرح منقوش خاطر ہوتے کہ مخالفین میں سے بعض علماء ہر چند چاہتے کہ علمی دلائل سے انہیں رد کر کے ذہن سے نکال ڈالیں۔ ممکن نہ تھا۔ جب یہ مطالب اچھی طرح چھن گئے اور شرک وبدعت کی گھٹا جو دہلی اور اس کی اطراف میں چھائی ہوئی تھی، مولانا شہید کے انفاس متبرکہ کی وجہ سے کائی کی طرح پھٹ گئی تو اب آپ نے سید اصفیا یعنے پیر طریقت کے ارشاد کے مطابق تقریر وعظ کی اس طرح بنیاد ڈالی کہ اثنائے وعظ میں بیشتر مسائل جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق بیان ہوتے یہاں تک کہ بہت تھوڑے عرصہ میں آپ

کے صیقل تقریر سے مسلمانوں کا باطنی آئینہ نہایت مصفا و مجلا ہو گیا اور سرگرم طبیعتوں میں جہاد کا وہ ولولہ و شوق پیدا ہوا کہ ہر شخص بے اختیار چاہتا تھا کہ میرا سر راہِ خدا میں قربان ہو اور لوائے دین محمدی کے نیچے میری جان صرف کی جائے۔

جب یہ شوق دہلی کے باشندوں میں اچھی طرح پک گیا تو جناب سید احمد صاحب نے مولانا شہید کو طلب کیا۔ اور آپ معتقدین کو تشنہ چھوڑ کر ان کی خدمت میں روانہ ہوئے اور بالاتفاق حضرت ممدوح نے نہایت مستعدی کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ پر کمر باندھی۔ کوہستان میں تشریف لے جا کر اطراف ہندوستان میں خطوط طلب روانہ کئے۔ اور شائقین جہاد جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کوہستانیوں کے علاوہ ہندوستان کے باشندوں کی ایک بہت بڑی جمعیت آپ کے پاس جمع ہو گئی اور ایک لاکھ سے زیادہ ہندوستانی اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے مستعد ہو گئے اور نہایت باننیجہ اور نمایاں کام راہِ خدا میں ظہور پذیر ہوئے۔

تائید الٰہی سے مولانا شہید کا رعب کفار کے دلوں میں اس درجہ بیٹھ گیا کہ جس جگہ غزاۃ مسلمین کا قلیل گروہ اور مٹھی بھر آدمی بھی متوجہ ہوتے اور ان کے جنرل مولانا شہید مقرر کئے جاتے تو کافروں کا لشکر اگرچہ مور و ملخ سے زیادہ ہوتا بے سر و پا فراری ہوتا اور یہ سن کر کہ مولانا اسمٰعیل آتے ہیں بڑے بڑے تجربہ کار اور خونخوار لشکروں کے دل کانپ اُٹھتے تھے، قوم افاغنہ باوجودیکہ وحشی جانوروں سے کسی طرح کم نہ تھے، مولانا شہید کے اس درجہ معتقد ہوئے کہ آپ کے پیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور مستحکم عہد کیا کہ آپ جہاد کریں گے تو ہم لوگ سرفروشی کو حاضر ہیں۔

مولانا سید احمد صاحب نے سکھوں کی اقوام پر جہاد قائم کیا۔ اور قوم افاغنہ کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ ہندوستانی جمع ہو گئے آپ کے نام کا خطبہ پڑھا

گیا اور سب نے اپنا امام اور مقتدا تسلیم کیا اب آپ نے فوج کی آراستگی کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی اور مولانا شہید لشکر اسلام کے جنرل مقرر ہوئے اس لشکر نے اپنے بہادر جنرل کے حکم کی حرکت کی اور پنجتار سے نکل کر آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھایا۔ چند روز تک عشر جو طریقہ اسلام میں خراج کی ایک قسم ہے آپ کے پاس آنے لگا اور پشاور بعض مقام دیگر سکھوں کی عملداری سے نکل کر غازیانِ اسلام کے تصرف میں آگئے۔

مولانا شہید کا رعب سکھوں پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ وہ کچھ ملک دینے پر بخوشی راضی ہو گئے، لیکن چونکہ آپ کو ترویج اسلام پیش نظر تھی، اس لیے آپ نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ اور کئی سال تک جنگ کا سلسلہ یوں ہی چلا گیا۔ قوم افاغنہ چونکہ نہایت لالچی اور بندۂ زر تھے۔ سکھوں کے اغواء سے منحرف ہو گئے اور عین معرکہ جنگ میں آپ سے دغا کی۔ روز ازل سے آپ کی قسمت میں دولتِ شہادت لکھی تھی، اور یہ عظیم الشان درجہ آپ کو ملنا تھا اس لیے آپ بالکل مطمئن اور بے خوف تھے، افاغنہ کے یوں منحرف ہو جانے اور ایک ایسے نازک موقع پر ساتھ چھوڑ دینے سے کچھ تشویش دل مبارک میں نہیں ہوئی اور جس طرح جان توڑ توڑ کر آپ سکھوں سے لڑے ہیں۔ حد سے زیادہ داد دینے کے قابل ہے۔

الغرض بعد سخت خونریزی کے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا سید احمد صاحب مع اکثر صاف اعتقاد مسلمانوں کے بالاکوٹ کے قریب شہید ہوئے۔ اور یہ جانکاہ واقعہ بقول ایک مؤرخ کے ماہ مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

تمام شد

خاتمہ کتاب

آن چشم دارم از نظر بندہ پرورت
کز عین التفات برین عرض بنگری

معزز ناظرین! تاریخانہ واقعات لکھنے اور گذشتہ حالات کی ہو بہو اور دلچسپ تصویر کھینچنی کوئی مشکل امر نہیں۔ لیکن ان واقعات کی تلاش وجستجو کرنا جنھیں مورخوں نے عام جزئیات اور معمولی حالات سمجھ کر نظر انداز کر دیئے ہوں اور پھر ہر واقعہ کی نسبت غیر معمولی چھان بین کر کے انہیں زمانہ کی طرز رفتار کے مطابق تاریخی جامہ پہنانا نہایت اہم اور مشکل بات ہے اس اہمیت اور اشکال کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جس نے کبھی یہ کام کیا ہو ایک ایسے صاف باطن تذکرہ نویس سے جس نے مذکورہ امور کا التزام اپنا منصبی فرض قرار دیا۔ پوچھنا چاہیئے کہ اس قسم کے واقعات قلمبند کرتے وقت اسے کن کن مشکلات اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

در حقیقت یہ ایسا پیچ در پیچ اور خطرناک میدان ہے جس میں قلم کا مسافر باوجودیکہ لوہے کا سینہ اور پتھر کا جگر رکھتا ہے۔ ان سنگلاخ اور دشوار گذار گھاٹیوں کے طے کرنے کا تصور کر کے جو اس کے بیچ میں پڑتی ہیں۔ قدم رکھتے ہوئے تھراتا ہے۔

حیات ولی کے لکھنے کا خیال ایک مدت سے میرے دماغ میں گوند

رہا تھا۔ لیکن میں اپنی بے سروسامانی اور بے سروسامانی سے قطع نظر کرکے ناقابلیت اور ہیچمدانی کی وجہ سے اس پُرخار وادی میں قدم ڈالتے ہچکچاتا تھا۔ اور طبیعت خود بخود رک جاتی تھی۔ ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ جس طرح بن پڑے اس خیال کی تکمیل کرنی چاہیئے ادھر اپنی بے بضاعتی کا خیال پیش نظر تھا۔ غرض اسی کشمکش میں ایک عرصہ گذر گیا اور مجھے کوئی شق اختیار کرتے بن نہ آئے۔ انجام کار خدا پر بھروسہ کرکے میں نے اس میدان میں قدم رکھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ میں خدا کے شکر سے کسی طرح عہدہ برآ ہو نہیں سکتا کہ اس نے میرے قدیم ارادہ میں جو اس وقت ایک ضعیف سا خیال رہ گیا تھا۔ عام تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل کی روح پھونک دی اور یہ اہم اور عظیم الشان مجھ ناچیز کے ہاتھ سے انجام کو پہنچا دیا اور نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کا انجام ہوا۔

حیاتِ ولی کے دوران تالیف میں علاوہ تاریخی سرمایہ کے خود جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے محترم خاندان کے تمام تراجم و تصانیف کا سلسلہ میری پیش نظر تھا۔ چونکہ تواریخ سے مجھے بہت کم مدد ملی۔ اس لیے میں نے اکثر واقعات و روایات اسی سلسلہ سے منتخب کرکے حیات ولی میں درج کیے، اس بنا پر میں نہایت بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر حالات و واقعات آپ اس میں پائیں گے۔ غالباً نہایت درست اور نفس الامری ہوں گے۔ اور میں آپ کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ اس میں آپ کو ایک واقعہ بھی ایسا دستیاب نہ ہوگا۔ جس کی مستند شہادت اور تاریخی ثبوت میرے پاس موجود نہ ہو۔

یہ سب کچھ ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی اپنی ناقابلیت اور بے بضاعتی کا بدل اعتراف ہے۔ اس لیے میں آخر میں اپنے معزز ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ اگر آپ میری غلطی پر متنبہ ہوں تو از راہِ کرم خطا پوشی کو عمل میں

لائیں، کمترین کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں ؎
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

آپ کا خادم قدیم

محمد رحیم بخش دہلوی

مکتبۂ طیبہ
بلال گنج - لاہور